THE BIOGRAPHY

In The Light Of

MAQALAT-i-SHAMS-i-TABRAZI

دولت عشق آمد و من دولت پاینده شدم

سوانح حیات، تعلیمات و ارشادات

مرشدِ رومی

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

مع

دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

اقتباس ترجمہ و تشریح

تحقیق و تالیف

معاذ ہاشمی

Marfat.com

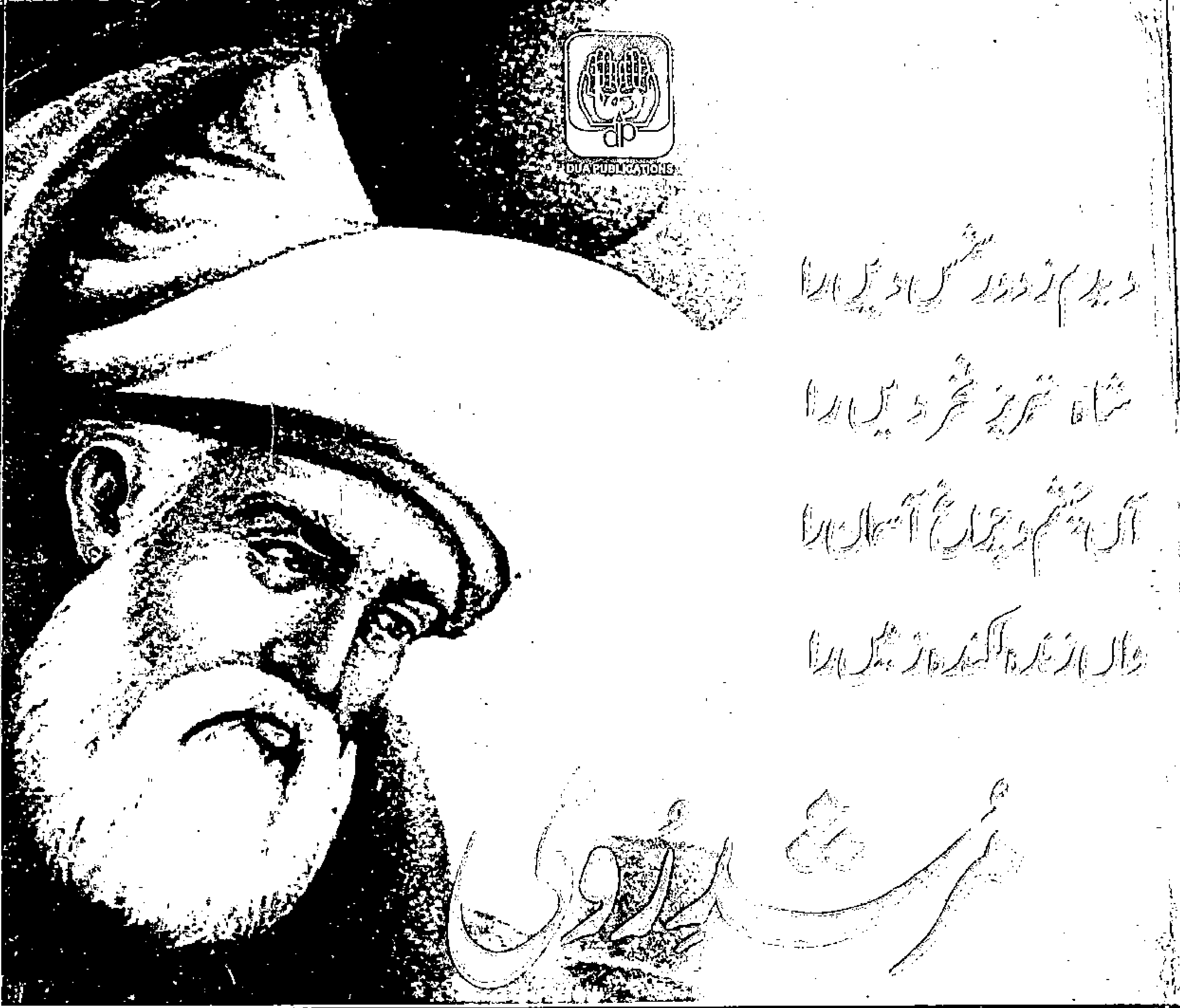

DUA PUBLICATIONS

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

دیوان شمس تبریز

اقتباس ترجمہ و تشریح

BIOGRAPHY Of SHAMS-i-TABRAZ

In The Light Of

MAQALAT-i-SHAMS-i-TABRZI

With A Selection of

DEIVAN-E-SHAMS-i- Tabrzi

تحقیق و تالیف معاذ ہاشمی

Marfat.com

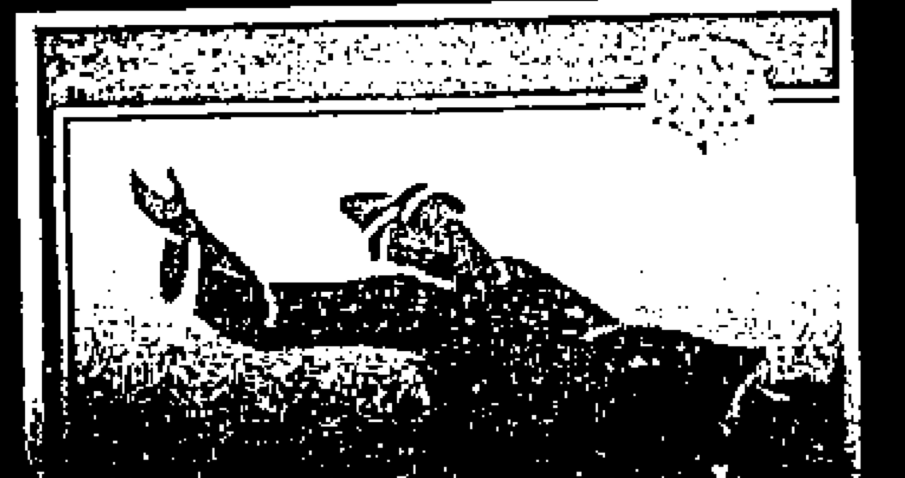

اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں، پیاری کتابیں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

زاہد شیخ

نام کتاب	حضرت شمس تبریز
مصنف	معاذ ہاشمی
نظر ثانی	مفتی عاصم زبیر ہاشمی
تزئین واہتمام	معاذ ہاشمی
پکچرز ایڈیٹنگ	حسن حماد
سرورق	نیکس ایج گرافکس
مطبع	مجاہد پرنٹنگ پریس
سن اشاعت	2015ء
ٹائٹل خطاطی	محمد عارف نوشاہی

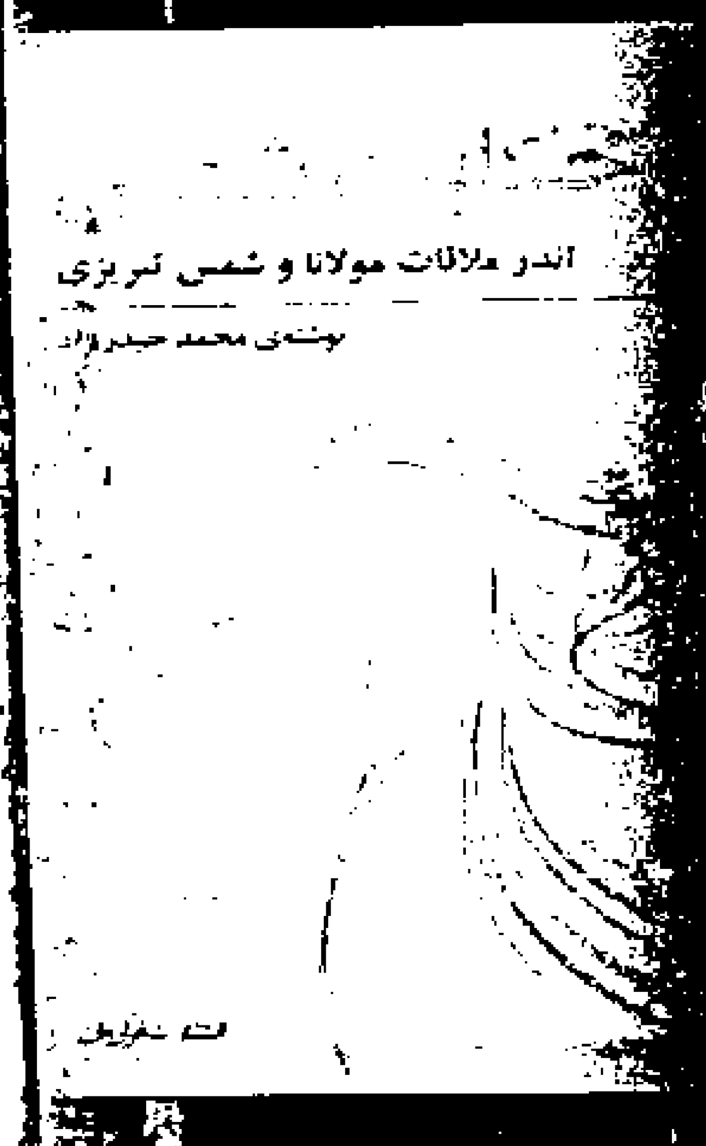

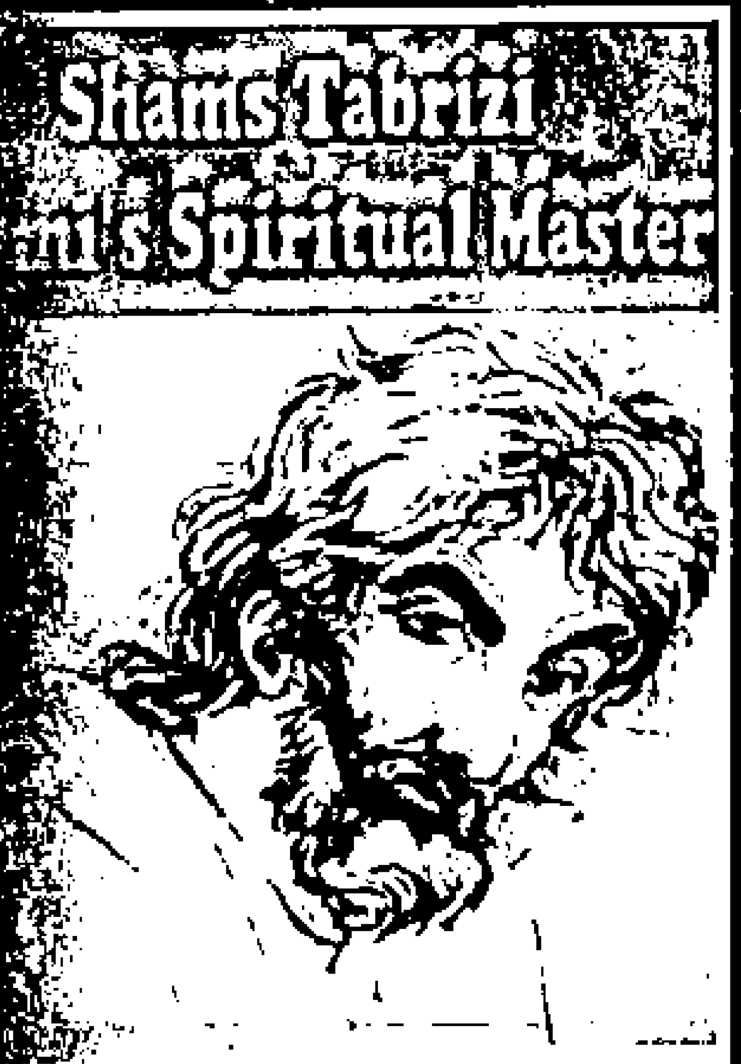

ضروری گزارش

ایک مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں، ان کی تصحیح و اصلاح کا انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔ تاہم انسان، انسان ہی ہے اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو ادنیٰ گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں فوری مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے اور آپ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى کے مصداق بن جائیں۔

جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً جمیلاً جزیلاً

والسلام

مفتی عاصم زبیر ہاشمی

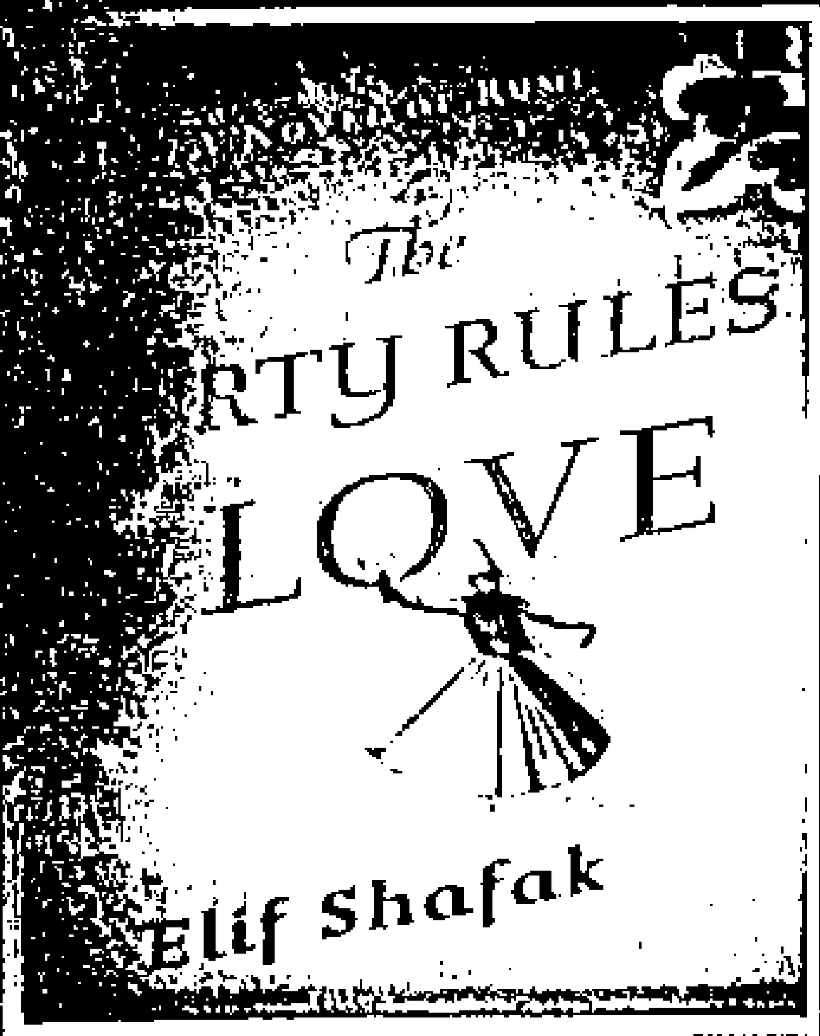

دعا پبلی کیشنز

DUA PUBLICATIONS

الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور فون: 042-37233585

E-mail: duapublications@yahoo.com

خوبصورت اور معیاری کتاب چھپوانے کے لئے رابطہ کریں۔ زاہد شیخ 0300-9476417

Marfat.com

حضرت شمس تبریزیؒ مختلف مصوروں کی نظر میں

Marfat.com

Marfat.com

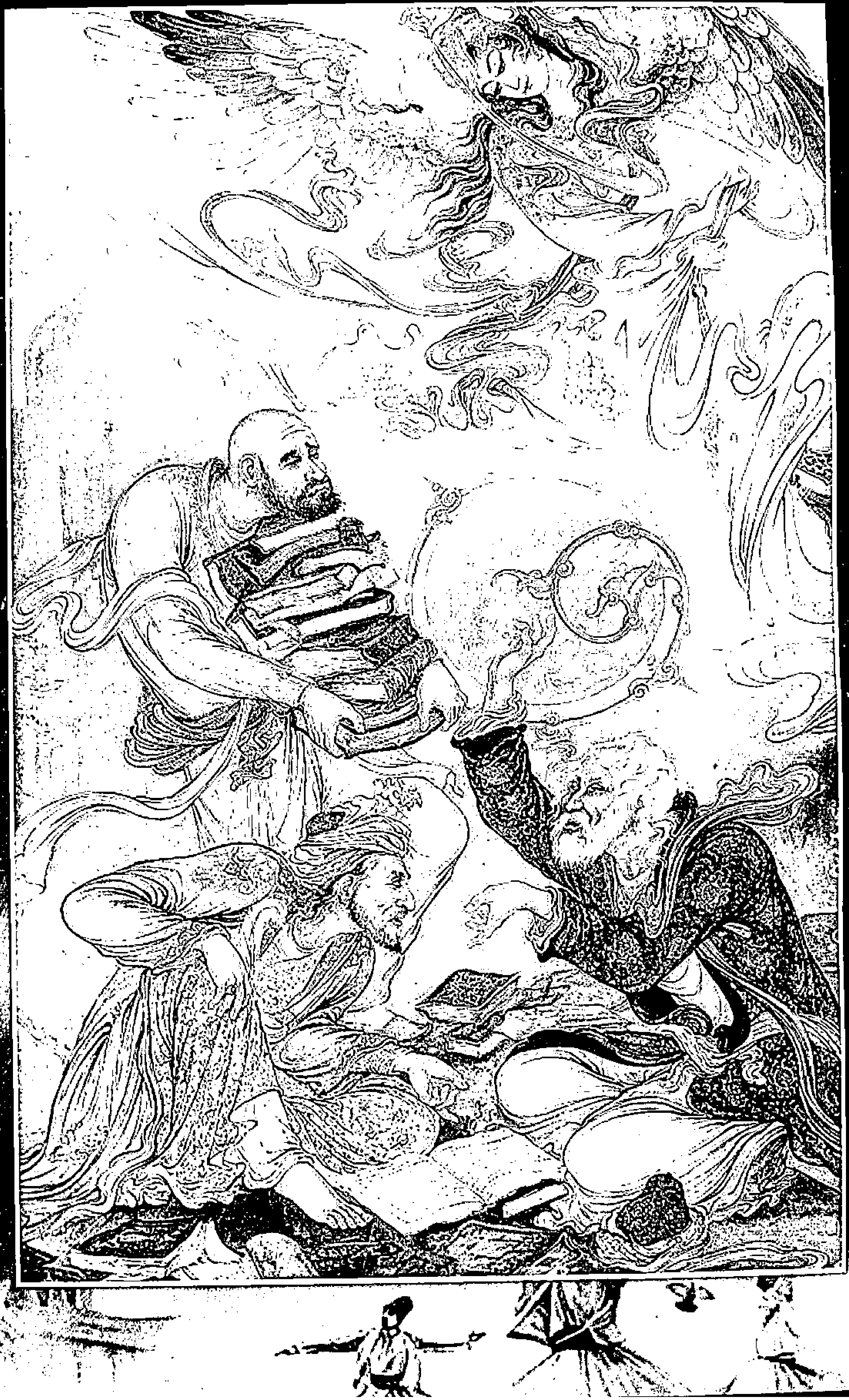

Marfat.com

حضرت شمس تبریزی مختلف مصوروں کی نظر میں

Marfat.com

حضرت شمس تبریزیؒ کے مقبرے پر آویزاں بورڈ

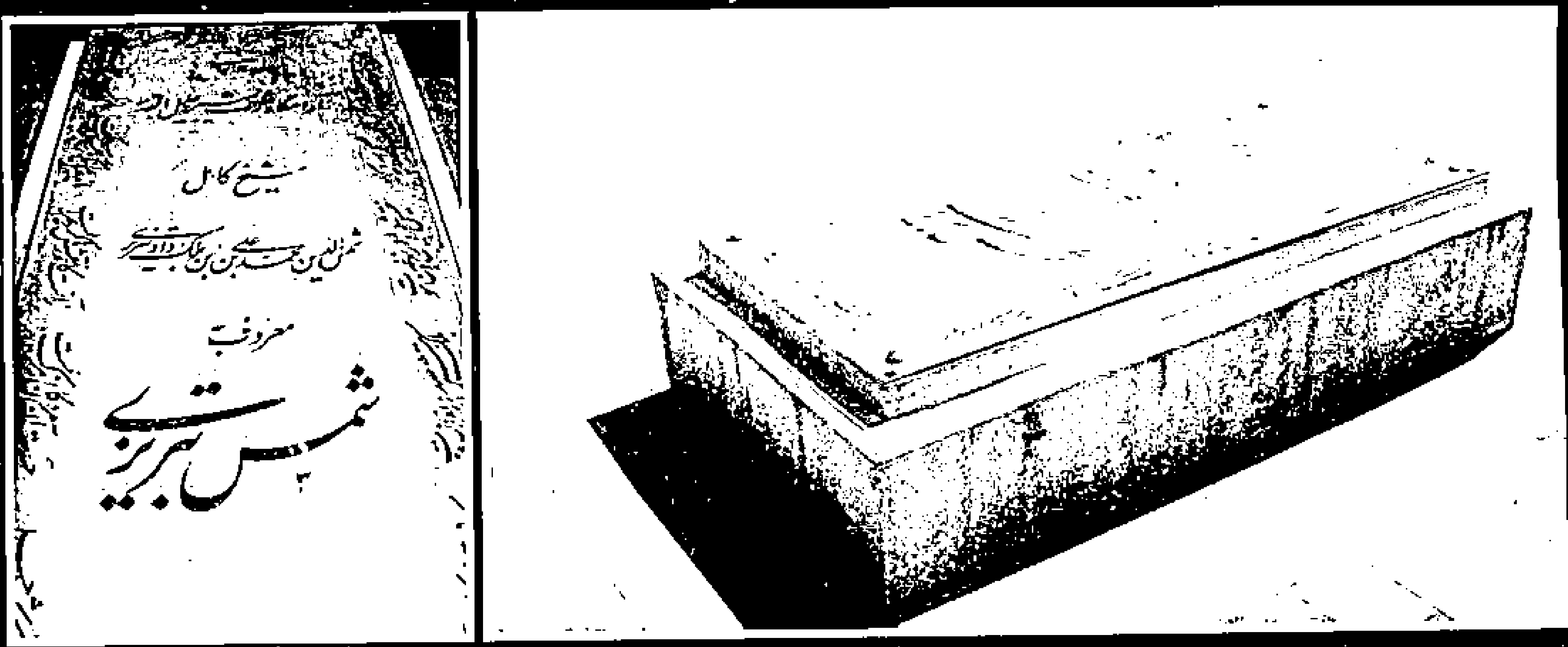

حضرت شمس تبریزیؒ کی لحد کا عکس

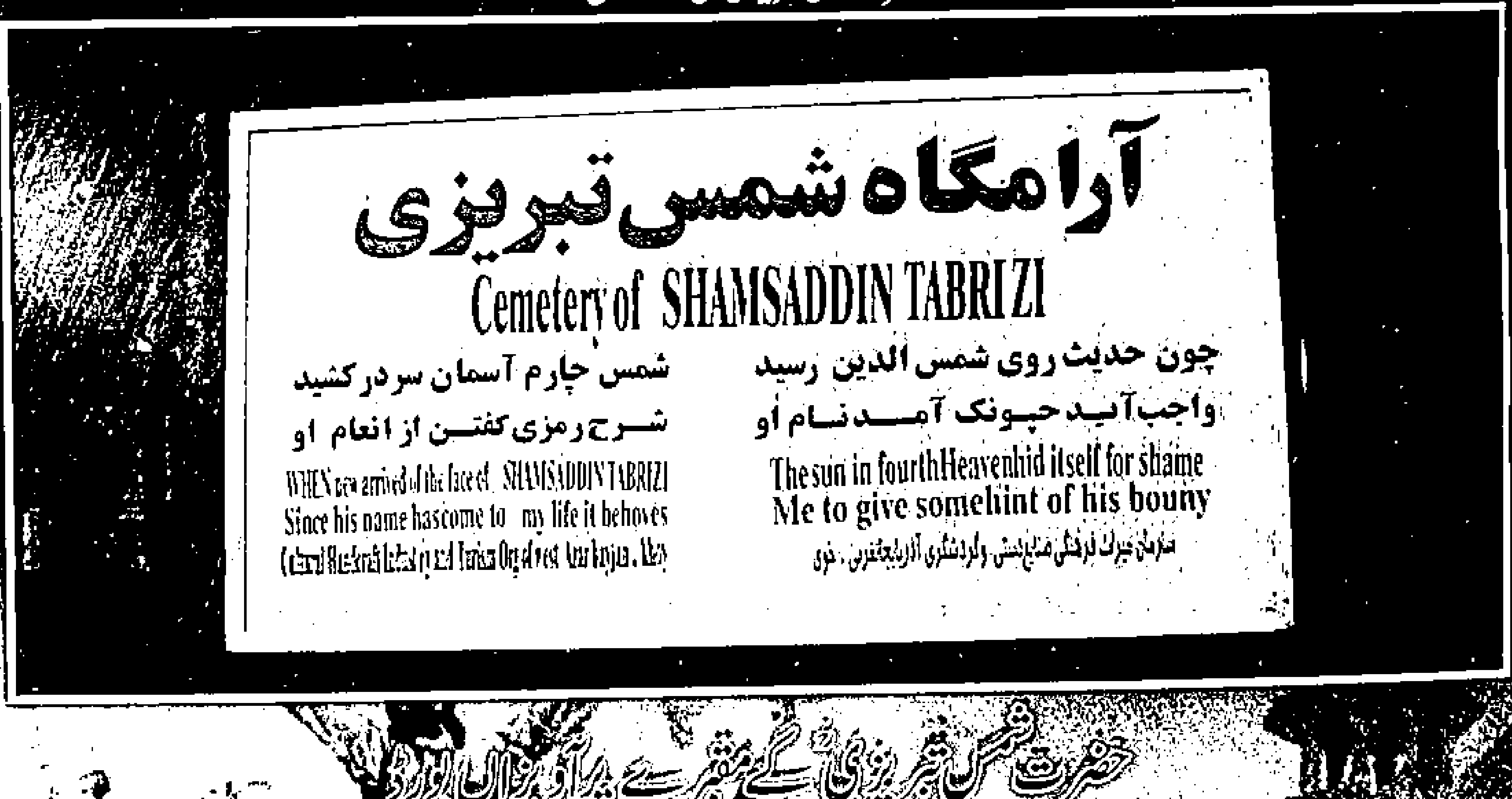

حضرت شمس تبریزیؒ کے مقبرے پر آویزاں بورڈ

Marfat.com

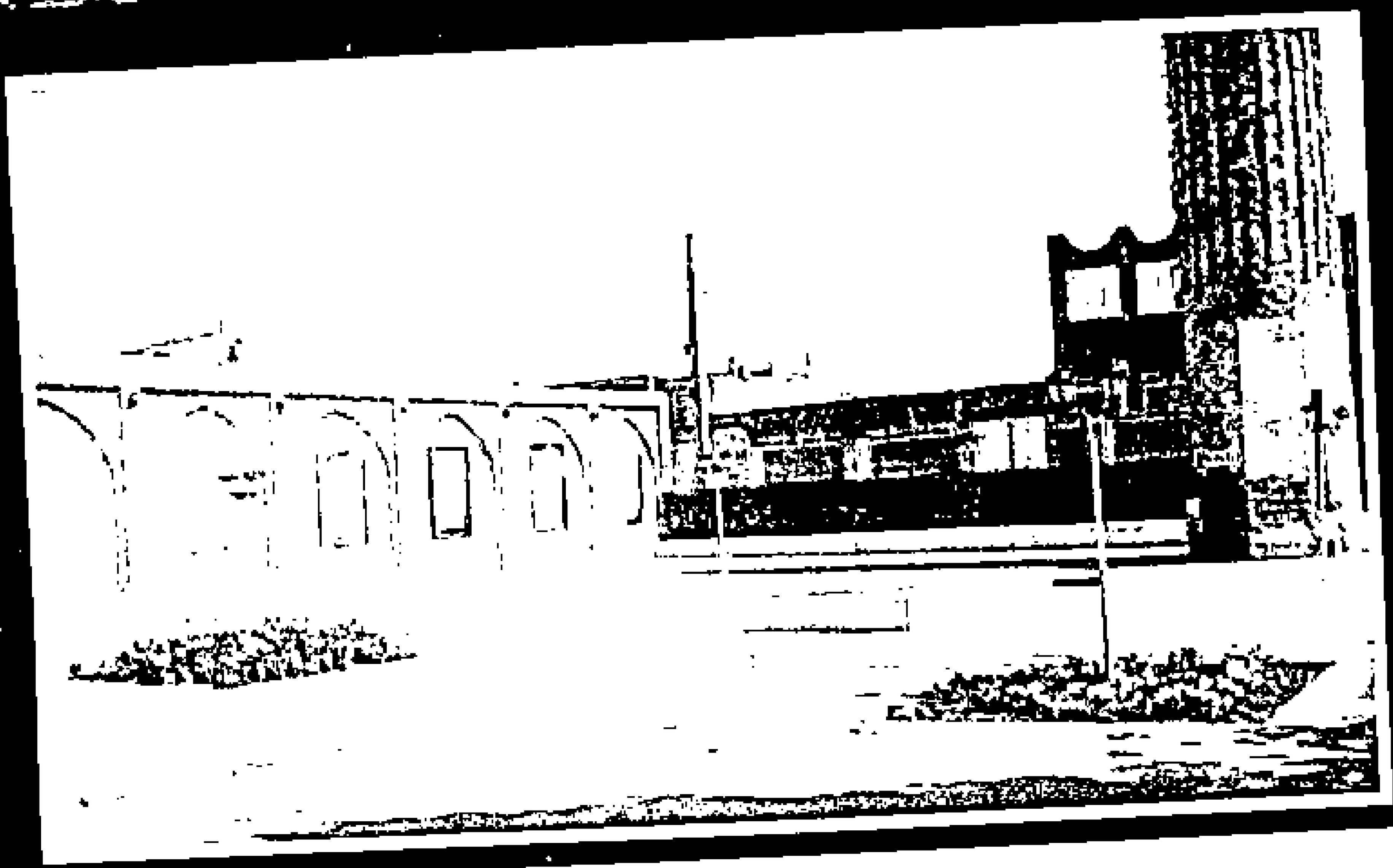

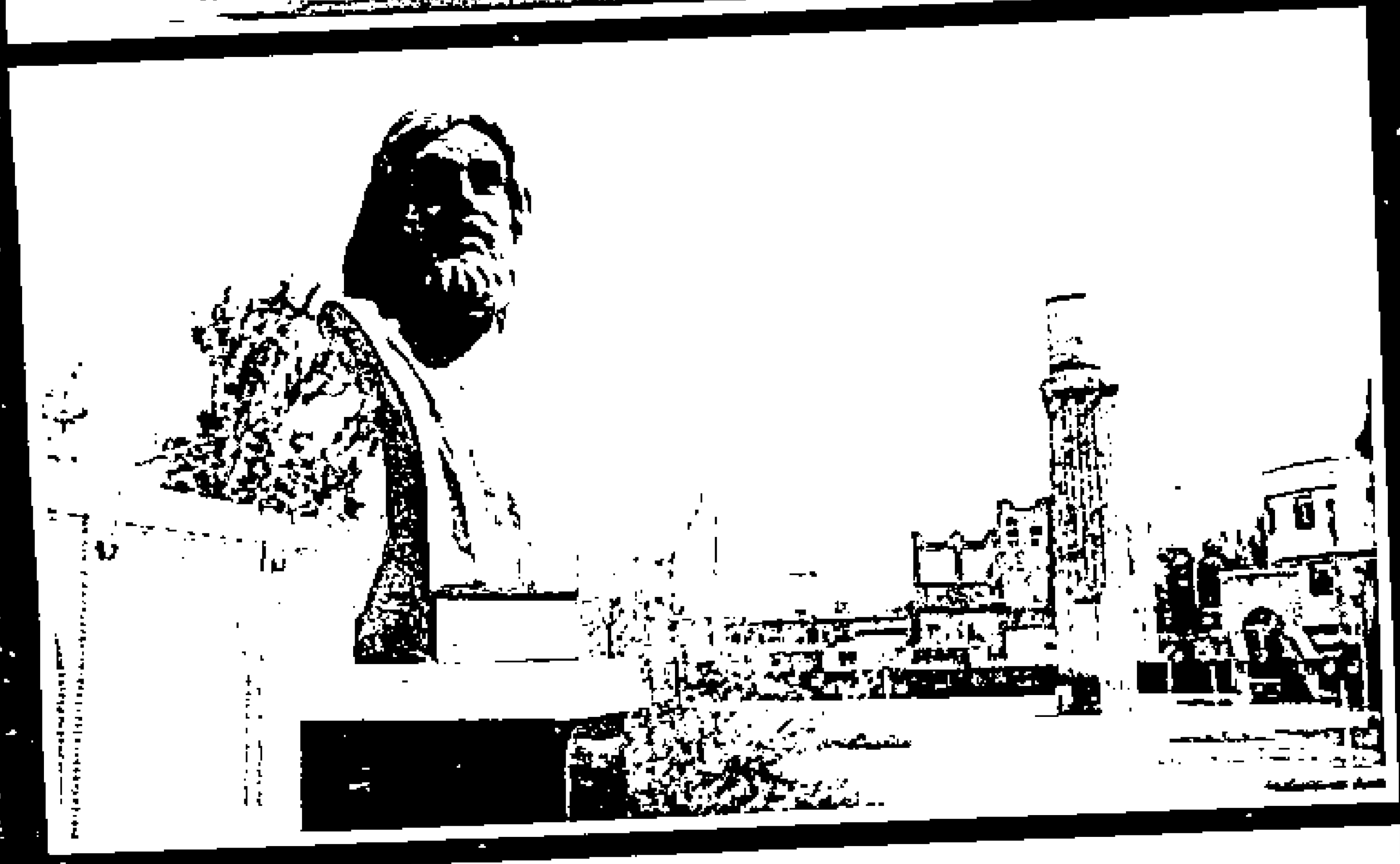

حضرت شمس تبریزیؒ کے مقبرے کے مناظر

Marfat.com

حضرت شمس تبریزیؒ مختلف مصوروں کی نظر میں

Marfat.com

مرگ اگر مرداست، آید پیش من
تا کشم من دکنارش تنگ تنگ
من از جانے برم بے رنگ و بصر
او زمن دلقے ستاند زنگ زنگ

موت اگر طاقت ور ہے تو میرے سامنے آئے میرا مقابلہ کرے
وہ مجھے اپنے پاس کھینچ لے لیکن خوف اور ڈر کے ساتھ

Marfat.com

ز عشق شمس تبریزی ز بیداری و شبخیزی
مثال ذره گردان ز رشک شمع رخسار تو

Marfat.com

حضرت شمس تبریزیؒ کی حیات کے چند پہلو مغلیہ مصوری میں

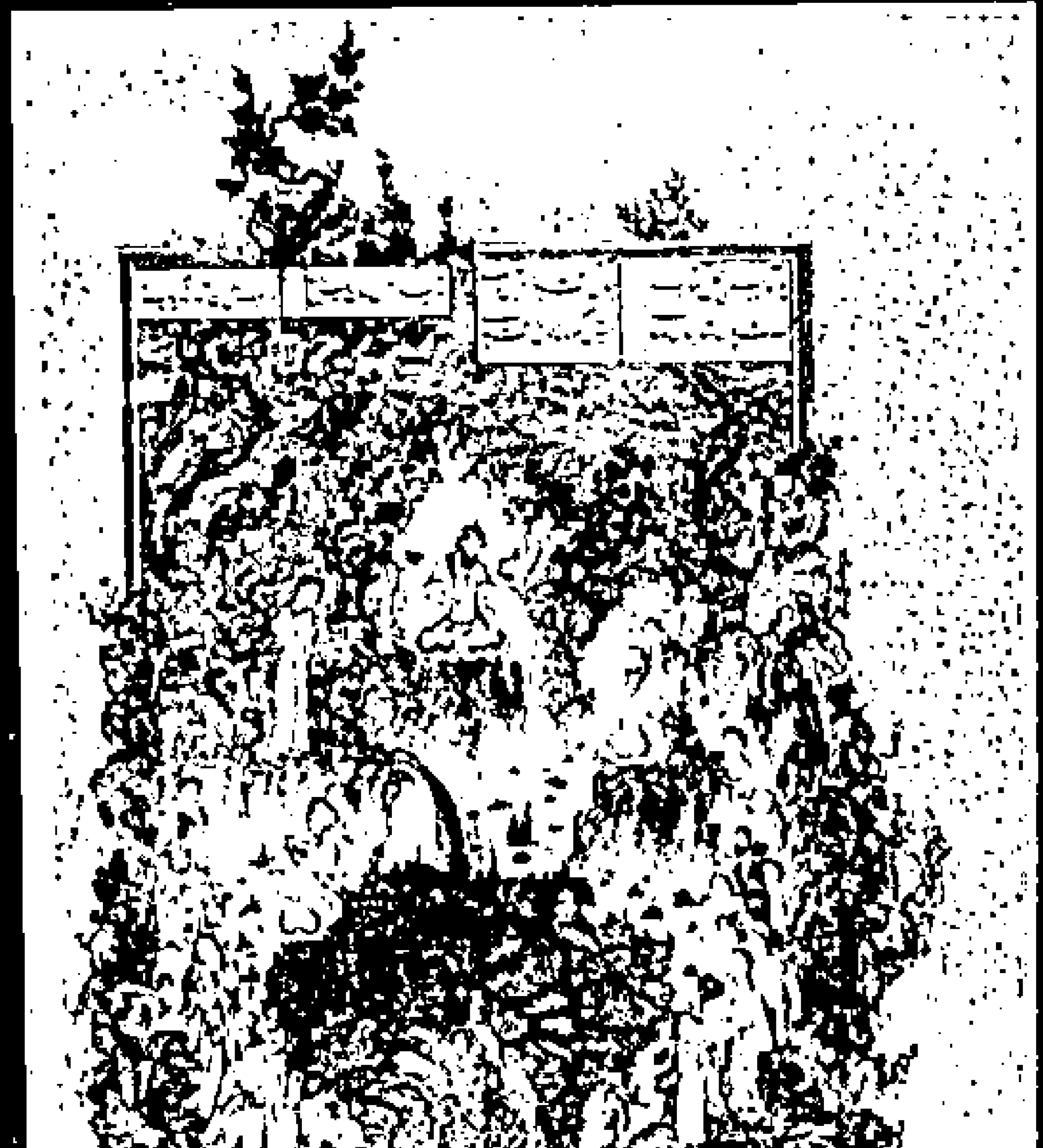

Marfat.com

حضرت شمس تبریزیؒ مختلف مصوروں کی نظر میں

Marfat.com

حضرت شمس تبریزیؒ مختلف مصوروں کی نظر میں

Marfat.com

دیوانِ شمس تبریزیؒ کے اشعار کے چند خطاطی نمونے

Marfat.com

نیست‌وش باشد خیال اندر روان
تو جهانی بر خیالی بین روان
جناب عشق حضرت مولانا
مثنوی معنوی
چشم جان می دید نقشی بوالعجب
هر طرف زیبا نگاری ساده ای
از چشم پرخمارت دل را قرار ماند
وز روی همچو ماهت در مه شمار ماند
چون مطرب هوایت چنگ طرب نوازد
مر زهره فلک را کی کسب و کار ماند
دیوان شمس تبریزی
یا مقلب القلوب والابصار
دیوان شمس تبریزی کے اشعار کی عکاسی فن مصوری میں

Marfat.com

حُسن ترتیب

- پیش لفظ
- میں خام تھا

مُرشد رومی حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

29-154

- مجھے پختہ کیا گیا

○ ساتویں صدی ہجری کا سیاسی، علمی و ثقافتی منظر نامہ ○ رومی رحمۃ اللہ علیہ اور شمس رحمۃ اللہ علیہ کا عہد

○ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ○ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ○ میری روحانی کاملیت

155-284

- مجھے خاکستر کر دیا گیا

○ میں خاکستر ہو گیا

285-296

- دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

اقتباس ترجمہ و تشریح

297-475

Marfat.com

انتساب

مُرشد معاذ

شعیب بن عزیز

کے نام

عِشق لا حاصلی کا کھیل نہیں

دیکھ ہم اُس گلی کی خاک ہوئے

Marfat.com

پیش لفظ

ہزار سال ہونے کو آئے کہ رومی ظاہری طور پر اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی جلائی ہوئی شمع آج تک روشن ہے اور ان کے دکھائے ہوئے خوابوں کی تابندگی و درخشندگی میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ان کی ''مثنوی مولوی معنوی، ہست قرآں درزبانِ پہلوی'' کی زمانے بھر میں دھوم ہے اور ان کے افکار ونظریات کا ڈنکا چہار دانگِ عالم میں بج رہا ہے۔ رومی کی اس عالمی شہرت کو دیکھتے ہوئے یہ بات کوئی تعجب خیز معلوم نہیں ہوتی کہ ان کی زندگی اور دور میں لوگ غیر معمولی حد تک دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں اکثر یہ حقیقت فراموش کر دی جاتی ہے کہ رومی کو اس مقام تک پہنچانے میں ان کے مرشد و معلم شمس تبریزؒ کا کتنا اہم کردار تھا۔

یہ زمانے کا دستور ہے کہ کامیاب اور اہم لوگوں کو تو سر پر اٹھا کر رکھا جاتا ہے لیکن ان کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کرنے والے ان کے ماں باپ، بھائی بہنوں، اساتذہ اور دوستوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ شمس تبریزؒ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عملی طور پر رومی کی تمام شاعری تصویری خودنوشت کا استعارہ ہے جس میں ان کی نگر نگر گھومنے والے صوفی شمس تبریزی سے ملاقات کا ذکر ہے۔ مولانا رومی ایک مؤقر و مؤثر عالم دین تھے جو طلبہ کے ایک بہت بڑے حلقے کو قانون اور فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کی علمی حیثیت شک وشبہ سے بالاتر تھی لیکن شمس تبریزؒ کی آمد کے بعد ان کے روحانی مقام میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ شمس تبریزؒ کسی نامعلوم جگہ سے رومی کی زندگی میں تشریف لائے اور تین سال بعد، جیسے اچانک آئے تھے، ویسے ہی اچانک غائب ہو گئے اور دوبارہ کبھی دکھائی نہ دیئے۔ شمس تبریزؒ کے ہجر نے ہی رومی کو دنیا کے عظیم ترین شعرا کی فہرست میں شامل کرا دیا۔ رومی نے اپنی شاعری میں ان کا والہانہ ذکر کر کے انہیں لافانی کر دیا اور انہیں عشقِ الٰہی کی علامت کے طور پر پیش کیا۔

حضرت شمس تبریزؒ کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں، اور جو کچھ نظر آتا ہے، اس میں بھی افسانہ، روایت اور حقیقت اس طرح آپس میں گھلے ملے نظر آتے ہیں کہ کبھی کبھی تو شک گزرتا ہے کہ حقیقت میں ان کا وجود تھا بھی یا نہیں۔ رومی کی شاعری کے مداحوں کو ہمیشہ حضرت شمس تبریزؒ کے بارے میں جاننے کا اشتیاق رہا۔ رومی کے اپنے فرزند، حضرت سلطان ولد، اور اولیاء کے دیگر تذکرہ نگاروں سے آغاز کریں تو ایک اساطیری شخصیت کے خدوخال واضح ہوتے ہیں۔ جدید تحقیقی کاموں میں اس طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے کہ پتہ چلایا جائے کہ شمس تبریزؒ حقیقت میں کون تھے اور رومی کی زندگی میں انہوں نے اتنا غیر معمولی کردار کیسے ادا کیا؟

اس کتاب میں شمس تبریزیؒ کی اسرار میں لپٹی شخصیت کو واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہ بیانات کچھ حضرت شمس تبریزؒ کی زبانی ہیں، کچھ مولانا رومی کی، اور کچھ میں مصنف احقر معاذ ہاشمی نے اپنے نکتہ نظر سے بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب رومی اور شمس تبریزؒ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے تو حلقے کے ایک یا زائد ارکان انہیں لکھ لیتے۔ ان تحریروں کو منظم شکل کبھی نہیں دی گئی لیکن بہرحال یہ محفوظ رہیں اور ایک نسل سے اگلی کو منتقل ہوتی گئیں۔ ترکی کی مختلف لائبریریوں میں

Marfat.com

جابجا ان کے نسخہ جات محفوظ رہے۔ چند دہائیوں پہلے ایک ایرانی عالم نے ان مخطوطہ جات کو جمع کر کے مدون کر دیا۔ اس کتاب کا نام ''مقالاتِ شمس تبریزی'' رکھا گیا۔ ان مقالات سے اس متاثر کن شخصیت کی غیر معمولی تصویر سامنے آتی ہے۔ ولیم سی چٹک (William C. Chittick) نے مقالات کے دو تہائی حصے کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور اس بات کا اہتمام کیا کہ مفاہیم اور تناظر واضح ہو جائیں۔ انہوں نے کتاب میں نوٹس اور حوالہ جات کی تفصیل دی ہے جس سے قارئین کو زیادہ بہتر انداز میں آگاہی حاصل کرنے میں مدد ملی۔ یہ کتاب میری اس کتاب کا بنیادی ماخذ ہے جس کا لب لباب شمسؒ کی زندگی کے بارے میں دلچسپ اور قابل مطالعہ کتاب کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے پہلی بار ہمیں رومی اور دیو مالائی داستانیں تراشنے والے افسانہ نگاروں کے وسیلے کے بغیر شمس تبریز تک رسائی فراہم کی گئی ہے۔ شمس تبریزؒ بیک وقت ترش رو اور شائستہ، بے لاگ اور مبہم، سخت اور نرم، عالم اور جاہل کے روپ میں نظر آتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر خدا کے وجود کی موجودگی کا استعارہ دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا روم سے نہ صرف اہل مشرق، بلکہ اہل مغرب بھی اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ ان کا مزید تعارف کرانے کی شاید ہی کوئی ضرورت ہو، اور جو کوئی مولانا روم کو جانتا ہے، وہ ان کے مرشد شمس تبریزؒ سے بھی واقف ہے۔ ان دونوں کے درمیان تعلق کا تذکرہ اس قدر عام ہے کہ مذہبی تواریخ پر اتھارٹی سمجھے جانے والے مستشرق ہوسٹن سمتھ نے اپنی حالیہ تصنیف Whh Religion Matters میں رومی کے شمسؒ کے لئے عشق کو دانتے (Dante) کے بیٹرس (Beatrice) کے لئے عشق کے مماثل قرار دیا ہے۔ مغرب کے معیارات کو مدنظر رکھئے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں، کیونکہ ہم خواہ دانتے اور بیٹرس سے کتنے ہی ناواقف ہوں، اہل مغرب کے لئے وہ عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے سفر کا استعارہ ہیں۔

رومی کی شاعری میں شمسؒ کا نام بار بار آتا ہے اور بعد میں آنے والے ادب میں بھی ان کے دلچسپ تذکرے دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیانی تعلق کی اصل نوعیت نے ہر کسی کو الجھن میں مبتلا کیا۔ ہم اس بات کی وضاحت کیسے کریں کہ ایک عظیم اور کامیاب عالم جو ہر لحاظ سے روایت پسند تھا، اچانک اپنی اس کمیونٹی سے وہ تعلق ختم کر لیتا ہے جو ان دنوں ایک گراں قدر چیز سمجھی جاتی تھی، اور خود کو ایک ایسے شخص سے منسلک کر لیتا ہے جو بظاہر بے کار نظر آتا تھا۔ شمسؒ میں ایسی کیا بات تھی کہ انہوں نے ایک عظیم المرتبت عالم، شاعر اور استاد کی کایا ہی پلٹ دی۔ عملی طور پر جن لوگوں نے رومی کے بارے میں لکھا ہے اور آغاز رومی کے فرزند اور مریدوں سے کیا ہے، انہوں نے یہ وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیا ہوا تھا۔ خود ہمیں شمسؒ کی اپنی کہانی کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ میری اس کتاب نے یہ خلا پُر کر دیا ہے۔

یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ شمس تبریزؒ کی شخصیت کا دیو مالائی رنگ مولانا روم کا ہی پیدا کیا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ رومی کا سب سے بڑا مجموعہ کلام ان کی مشہور زمانہ مثنوی نہیں جو 6 کتابوں اور 25 ہزار مصرعوں پر مشتمل ہے بلکہ دیوانِ شمس تبریز ہے جو 50 ہزار چھوٹی چھوٹی رومانوی نظموں پر مشتمل ہے۔ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی کہ یہ توصیفی شاعری شمسؒ کے نام کا حصہ ہے، یہ کسی نے نہیں سوچا کہ وہ خود اس کلام کے مصنف تھے۔ اس کلام کو شمسؒ سے منسوب کیا گیا اور رومی نے انہیں اپنے عقیدے کا ظاہر و باطن عنصر بنا لیا تھا۔ یقیناً دیوانِ شمس مکمل طور پر عشقِ الٰہی سے متعلق لیکن رومی کی عشق کے متعلق داستانوں میں شمسؒ کو محض انسان کے روپ میں پیش کیا گیا نہ کہ پیغمبرانہ روپ دیا گیا۔ اس کے بجائے اصل میں وہ عشقِ

Marfat.com

الٰہی کا حقیقی استعارہ نظر آتے ہیں۔ یہ دیوان اس لئے شمسؒ سے موسوم ہیں کیونکہ رومی نے 3200 غزلوں میں سے ایک تہائی پر ان کے دستخط کیے ہیں اور باقی پر دستخط ہی نہیں کیے۔ چند غزلوں پر بعض دیگر ناموں کے دستخط ہیں مثلاً ان کے مرید صلاح الدین اور حسام الدین۔ اردو کی طرح فارسی غزل میں روایت کے مطابق آخری شعر یعنی مقطع میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ بیشتر شعرا کو ان کے اصل نام کے بجائے ان کے تخلص سے ہی پہچانا جاتا ہے جیسے مرزا اسد اللہ غالب کو ان کے تخلص غالب سے پہچانا جاتا ہے۔

دیوانِ شمس کا طائرانہ جائزہ لینے پر محسوس ہوتا ہے کہ شمسؒ نے یہ کلام خود لکھا ہے کیونکہ ہر مقطع میں ان کا اپنا نام ہے۔ اس دیوان کا کچھ حصہ بمعہ اردو ترجمہ ہم نے اس کتاب میں شامل کیا ہے۔

انگریزی زبان میں اب تک شمس کے رومی کی زندگی اور شاعری پر اثرات کا سب سے بہترین تجزیہ فرینکلن لیوس نے اپنی کتاب "Romi: Past and Present, East and West" کے ایک طویل باب میں کیا ہے۔ یہاں لیوس کے تاثرات دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کی تحقیق کو تاریخی، ادبی اور مذہبی پس منظر اور رومی اور شمس کی زندگی پر معلومات کے بنیادی اور ثانوی ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کا مقصد وہ کچھ دہرانا نہیں جو دیگر ذرائع میں بہ آسانی دستیاب ہے بلکہ شمس، کے اپنے تاثرات پیش کرنا ہے۔ اب کچھ بات شمسؒ کی نابغۂ روزگار شخصیت اور پھر ان کے مقالات، جنہیں میں ان کی سوانح عمری قرار دیتا ہوں، کی ہو جائے۔

جلال الدین رومی موجودہ دور کے افغانستان کے شہر بلخ میں 1207ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہاء الدین ولد ایک ممتاز مبلغ اور شیخ تھے۔ عربی میں لفظ شیخ کا مطلب بڑا یعنی بزرگ ہے۔ (فارسی اور اردو میں اس کا مترادف پیر ہے)، اور یہ اصطلاح علم و تالیف کے شعبے میں استاد کی تکریم کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ روحانی اصطلاح میں "شیخ" کو تصوف کا رہنما یا مرشد کہا جاتا ہے۔ شیخ بہاء علمی شعبے میں قرآن و حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم اور روحانی شعبے جیسا کہ تصوف سے متعلق روحانی نفسیات کی تعلیم میں بھی شیخ تھے، یعنی آپ طریقت اور شریعت دونوں پر چلنے والے صوفی اور عالم تھے۔

جب افغانستان کے مشرق سے منگولوں کی تاخت و تاراج کا خطرہ بتدریج بڑھنے لگا تو شیخ ولد اپنے کنبے کو لے کر مغرب کی طرف منتقل ہو گئے اور پھر انا طولیہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ یہاں آپ نے معلم کے طور پر کام شروع کر دیا۔ آپ کی رہنمائی میں آپ کے صاحبزادے جلال الدین نے دینی اور روحانی دونوں طرح کی تعلیم حاصل کی۔ بہاء ولد کی 1231ء میں رحلت کے وقت رومی قونیہ کے علاقے میں تعلیم دینے اور تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔ ان کے پُر اثر اندازِ بیان اور طرزِ کلام نے کئی افراد کو ان کے حلقے کی طرف متوجہ کیا اور عمر کی دوسری دہائی میں ہی انہیں شہر کے مقتدر شیوخ میں شمار کیا جانے لگا۔ مذہبی علوم میں دست گاہ رکھنے کی بدولت انہیں مولانا (یعنی ہمارے آقا یا استاد) کہا جانے لگا۔ اس کے بعد مولانا کا لقب کسی نام کے بغیر رومی کے لئے ہی استعمال ہونے لگا اور ان کے مریدوں کو مولویہ یعنی مولانا کے پیروکار کہا جانے لگا۔

11 اکتوبر 1244ء کو شمسؒ الدین تبریزی قونیہ میں تشریف لائے۔ ان کی شہر میں آمد کی درست تاریخ محفوظ ہونے کا مطلب ہے کہ اس دن کوئی اہم واقعہ بھی رونما ہوا ہوگا۔ تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ تبریزی اس وقت 60 سال کے تھے اور رومی کی عمر 37 سال ہونی چاہئے۔ شہر کے بازار میں سرِ راہ ملاقات پر شمسؒ نے ان سے بایزید بسطامیؒ کے تکئے کے بارے میں پوچھا جن کا مشہور مقولہ تھا: "میں ہی سب سے برتر ہوں۔ میری چادر کے اندر کوئی اور نہیں خدا ہے۔" اس

Marfat.com

موقع پر شمسؒ نے کہا کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ "حضرت محمد ﷺ نے خود کو اللہ کا بندہ قرار دیا تھا۔" یہ سوال سن کر مولانا روم پر "حال"، یعنی جذب و مستی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دوسرے الفاظ میں، ان پر روحانی دنیا سے آگاہی کے جذبات غالب آ گئے۔

مولانا کے لئے یہ پہلی نظر کا عشق تھا۔ انہوں نے خود کو مکمل طور پر شمسؒ کے لئے وقف کر دیا، تعلیم و تالیف کو خیر باد کہا اور سماع کی محفلوں میں ڈوب گئے۔ ان کے رویئے کی اس تبدیلی پر ان کے شاگرد ششدر رہ گئے کیونکہ ایک قابلِ احترام عالم سے انہیں اس کی امید نہیں تھی۔ انہوں نے مولانا سے اس کا شکوہ بھی کیا لیکن رومی نے کسی کی بات پر کان نہ دھرا۔ دو سال بعد، بادی النظر میں، شاگردوں کے حسد اور جارحانہ رویئے سے تنگ آ کر شمسؒ نے قونیہ کو الوداع کہہ دیا۔ اس پر مولانا نہایت کبیدہ خاطر ہوئے۔ انہوں نے اپنے صاحب زادے سلطان ولد کو ان کے پیچھے دمشق بھیجا اور آخر کار حلب میں انہیں پا لیا۔ سلطان ولد نے شمسؒ سے واپس چلنے کی استدعا کی۔ اس طرح وہ اور رومی چند ماہ کے لئے پھر اکٹھے ہو گئے۔ پھر 1247ء میں شمسؒ غائب ہو گئے۔ رومی کی ذات اس سانحے پر مٹ کر رہ گئی اور آنے والے کئی برسوں تک وہ مرشد کے دیدار کی امید لگائے بیٹھے رہے۔ انہوں نے سماع کی محافل میں پناہ ڈھونڈی اور انہی ایام کی تپش اور تڑپ نے انہیں فارسی زبان کے عظیم ترین شعراء کی فہرست میں شامل کرا دیا۔

یہ مختصر سا واقعہ کئی سوال اٹھاتا ہے۔ اس بارے میں کئی دلچسپ روایات بھی پڑھنے کو ملتی ہیں لیکن ان سے مزید سوال جنم لیتے ہیں۔ اولیاء کے تذکرہ نگاروں اور علماء نے ان سوال کے جوابات دینے کی قابلِ تحسین کوششیں کی ہیں۔ مثال کے طور پر، شمسؒ کے ساتھ کیا ہوا، کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ بعد میں آنے والی ایک اطلاع میں بتایا گیا کہ شمسؒ کو رومی کے حاسد شاگردوں نے مولانا کے بیٹے علاؤ الدین، جن سے رومی نالاں تھے، کی مدد سے قتل کر دیا۔ اس نظریئے کے حامی قونیہ میں مولانا روم کے مزار کے قریب شمسؒ کے مزار کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ دیگر مؤرخین کا کہنا ہے کہ شمسؒ کا انتقال 1273ء میں ہوا اور وہ ایران کے شہر کھوئے یا خوئے میں آسودۂ خاک ہیں۔ اسلامی دنیا کے بعض دیگر مقامات پر بھی شمسؒ کے مزارات کا دعویٰ کیا جاتا ہے جس سے ان کی پُراسرار روحانی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ولیم لیوس کا مؤقف ہے کہ دستیاب شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمس کو دراصل قتل کیا گیا۔

اگر ان کو قتل نہیں کیا گیا تو وہ اچانک کیوں وہاں سے گئے اور کبھی واپس نہ آئے۔ یہاں ان کا اپنا ایک بیان اس سوچ کے محرک کا اندازہ لگانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے عشق کی وجود سے علیحدگی کو روحانی بلوغت کے طور پر اپنایا۔ انہوں نے ایک سے زائد مواقع پر اظہار کیا کہ رومی روحانی اعتبار سے اس مرتبے پر نہیں پہنچے جہاں وہ میری (یعنی شمسؒ کی) ذات سے مکمل طور پر مستفید ہو سکیں۔ مثال کے طور پر، انہوں نے کہا کہ وہ حلب اس لئے چلے گئے کیونکہ رومی کو ہجر کی آگ میں خود پکنے کی ضرورت ہے۔

جب وہ واپس آئے تو ہجر کے ثمرات بالکل واضح ہو گئے کیونکہ اس بار رومی نے اپنے مرشد سے بہت زیادہ فیض پایا۔ "اس سال کا ایک روز سابق قربت کے ایک سال کے برابر تھا۔"

مولانا روم نے شاہ شمس کے اپنے زندگی میں کردار کا اظہار اپنے مشہور اشعار میں کیا ہے جو فارسی کے اکثر علما ان سے منسوب کرتے ہیں:

۱۲۲۷۵۶

Marfat.com

میری زندگی کا ثمر ان تین الفاظ سے زیادہ نہیں

میں خام تھا

مجھے پختہ کیا گیا

مجھے خاکستر کر دیا گیا

شاید شاہ شمس" اس لئے وہاں سے رخصت ہوئے کیونکہ رومی کی شخصیت پختہ ہو چکی تھی اور خاکستر ہوا چاہتی تھی۔ یقیناً یہ محض اتفاق نہیں کہ رومی اب چالیس سال کی عمر میں تھے جو روحانی بلوغت کی روایتی عمر ہے۔ شمس" نے کئی مقامات پر فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس سال کی عمر میں کلام شروع کیا، برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جنہوں نے پالنے میں ہی بولنا شروع کر دیا۔ شمس" اسے پیغمبری کے کامل ہونے کی نشانی سمجھتے تھے۔ اور جب وہ قونیہ میں اپنے آنے کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ مولانا رومی کی روحانی تکمیل کر سکیں تو ہمیں یہ اخذ کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی کہ وہ اس لئے قونیہ کو خیر باد کہہ گئے کیونکہ ان کا کام مکمل ہو چکا تھا۔

اس کے علاوہ شمس" ہمیں بار بار بتاتے ہیں کہ اللہ کے عظیم ترین اولیا آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں اور ایسی مثالیں بھی بتاتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے روحانی درجے کو عوام الناس کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی۔ قونیہ سے دوباری رخصتی پر، بادی النظر میں، شاہ شمس نے خود کو انتہائی کم معاشرتی درجے پر رکھ لیا ہوگا۔ خود انہوں نے اپنے اور مولانا رومی کے اس طرح ظاہر ہونے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے: ''ہم دونوں روز روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں۔ ایسا ہوئے مدتیں بیت گئیں کہ ہم جیسے دو لوگ اکٹھے ہوئے ہوں۔ ہم انتہائی عیاں اور ظاہر ہیں حالانکہ اولیاء کو ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔''

شمس" کو آخر مولانا روم کے حلقے سے اتنے جارحانہ سلوک کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟ عام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کے مرید یا شاگرد شمس" سے حسد محسوس کرتے تھے۔ شمس کے آنے سے پہلے رومی تمام وقت اپنے شاگردوں کے ساتھ گزارتے تھے لیکن اب وہ ہر وقت شمس کا سایہ بن کر رہنے لگے۔ بلاشبہ شمس" اور رومی یک جان دو قالب ہو کر بیشتر وقت گزارتے تھے لیکن کم از کم ایک حوالے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی صحبت میں ایک تیسرا شخص بھی اکثر و بیشتر موجود ہوتا تھا۔ ایسے شواہد بھی دستیاب ہیں کہ شمس" نہ نہ صرف اپنا بیشتر وقت اپنے حلقے میں گزارا بلکہ وہ دیگر صوفیوں اور علماء سے بھی میل جول رکھتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ رومی کے حلقۂ ارادت میں رہنے والوں کی جارحیت کی وجہ حسد ہو لیکن کتابوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کی ایک بڑی وجہ شمس" کا ان لوگوں کو تعلیم پانے کے عمل سے دور رکھنا بھی تھی۔ وہ عمومی طور پر حلقے کے افراد کے ساتھ اس روایتی شائستگی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے جس سے ان میں کشیدگی کے جذبات پیدا ہونے سے روکے جا سکتے۔ وہ لوگوں سے وہ کچھ برملا کہہ دیتے جو ان کے بارے میں سوچتے تھے۔ اس ضمن میں وہ کوئی لگی لپٹی رکھنے کے روادار نہ تھے۔ کوئی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اسے اس کے منہ پر احمق کہا جائے، بالخصوص شمس" کے تیز اور کاٹ دار لہجے میں۔

اس کے علاوہ وہ حلقۂ ارادت کے ارکان سے یہ بھی کہتے تھے کہ اگر میں تمہارے بارے میں وہ سب کہہ دوں جو میں سوچتا ہوں تو تم مجھے قونیہ سے نکال دو۔ ایک تحریر میں وہ کہتے ہیں کہ اگر میں سچ کہہ دوں تو اس مدرسے میں موجود تم سب لوگ میری جان کے درپے ہو جاؤ گے لیکن تم ایسا کرنے کے قابل نہیں ہو گے۔ اگر تم نے ایسی کوشش کی تو الٹا اپنا نقصان کراؤ

Marfat.com

گے۔

بعد کی تحاریر میں اکثر مقامات پر شمسؒ کو ذہین و فطین، کتابی علم کا باغی اور اسلامی علوم سے بیزار ظاہر کیا گیا ہے تاہم مؤقر حوالہ جات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ شمسؒ قرآن کا گہرا علم اور فہم رکھتے تھے، فقہ سے بھی خوب واقف تھے اور مذہبی تعلیم کی مختلف شاخوں میں بھی دست گاہ رکھتے تھے۔ انہیں فلسفے میں بھی دلچسپی تھی۔ ہاں وہ یقیناً ظاہری تعلیمات اور علماء کی تشریحات کے مخالف تھے یعنی مدارس اور مساجد میں تعلیم دینے والے علماء کے مخالف۔ ان کے نزدیک یہ علماء اپنی مذہبی تعلیم کو خدا کو پانے کے بجائے ذریعۂ معاش کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ شمسؒ اور رومی کے مطابق علم کا واحد مقصد راہِ حق کی تلاش ہے۔ شمسؒ نے ایسے لوگوں کو کئی مواقع پر تنقید کا ہدف بنایا جنھوں نے تحقیق کے بغیر دوسروں کے الفاظ کو حرزِ جاں بنا رکھا تھا۔ اگرچہ تقلید راہِ حق کا پہلا ضروری قدم ہے لیکن اسے اس پر عبور حاصل کرنا ہوگا۔ جب تک لوگ اپنی ذات کو نہیں پہچانتے، تب تک تعلیم محض ایک بیساکھی ہے۔ انہیں اس مقام تک پہنچنا ہوگا جہاں وہ بیساکھی پھینک کر اپنے دو پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ لیکن یہ علم کی سچائی کی نفی کے ذریعے نہیں بلکہ اپنی ذات کی شناخت کے ذریعے ہونا چاہئے۔ جب تک بیساکھی ہاتھ میں ہے کوئی بھی اس حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ انہیں اس پیغمبرانہ التجا کا جواب نہیں مل سکتا کہ ''اے اللہ مجھے چیزیں اس طرح سے دکھا دے جس طرح وہ حقیقت میں ہیں۔''

رومی نے شمسؒ کو عملی طور پر الوہی درجے پر کیوں پہنچایا؟ انہیں آخر شمسؒ میں کیا نظر آیا؟ اس کی ایک عام وضاحت لیلیٰ مجنوں کے مشہور قصے میں مل سکتی ہے۔ صرف مجنوں کے پاس وہ آنکھیں تھیں جو لیلیٰ کی خوبصورتی دیکھ سکتی تھیں، اسی طرح شمس کا روحانی رتبہ صرف رومی کی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔ مختلف حوالہ جات البتہ واضح کرتے ہیں کہ صرف رومی ہی اپنے مرشد کے بلند درجے کے بارے میں رطب اللسان نہیں تھے بلکہ خود شمسؒ بھی اپنے بلند مرتبے کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں اور وہ ایسا اس انداز میں کرتے ہیں کہ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے الفاظ کے عقب میں ضرور کچھ نہ کچھ پوشیدہ ہے۔

ہمیں یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ رومی جیسے روشن دماغ ساتھی کو بے وقوف بنانا آسان نہیں۔ مقالات کے متعدد مقامات پر ان سوالات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو صدیوں سے رومی اور شمسؒ کے حوالے سے پوچھے جاتے رہے ہیں۔ اس مختصر سے پیش لفظ میں ان سب معاملات کا احاطہ یا تجزیہ کرنا ممکن نہیں۔ جو حوالہ جات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں وہ ایک قطعی جواب تو شاید فراہم نہ کریں لیکن اس شخصیت تک بالواسطہ رسائی ضرور فراہم کرتے ہیں جس کی عظمت نے رومی کو اپنی ذات کو پہچاننے کے قابل بنایا۔

رومی کی شخصیت پر تحریر کردہ لٹریچر میں طویل عرصے سے مقالات کی موجودگی کا اعتراف کیا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ کئی مسودے ترکی میں موجود تھے لیکن ایک عرصے تک کسی کی ان تک رسائی نہیں ہوئی، بالخصوص ان کا ترجمہ کرنا بہت مشکل کام تھا۔ 1970ء میں تہران میں ایک ناکافی ایڈیشن شائع ہوا تھا اور 1977ء میں یہیں سے اس کا ایک عمدہ ایڈیشن بھی شائع ہوا تھا۔ یہ مسودہ دو جلدوں میں شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن 1990ء میں سامنے آیا۔

حتمی کتاب اغلاط سے پاک تھی اور 550 صفحات پر مشتمل تھی۔ مغربی علماء میں صرف لیوس نے مقالات کا بغور جائزہ لیا ہے۔ شمس، کی شخصیت پر لکھے گئے باب میں انہوں نے کتاب میں مذکور اہم شخصیات کا جائزہ بھی لیا ہے اور شمس اور رومی کے درمیان تعلق پر ہونے والے کام پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مختلف اشعار کا ترجمہ بھی کیا ہے البتہ مقالات کے مطالعے

Marfat.com

اور تجزیئے کا بڑا کام اس لئے نہ ہوسکا کہ مقالات کوئی عام کتاب نہیں۔ فارسی تحریر میں ایسی مشکلات درپیش ہوتی ہیں جن کا دیگر کتابوں میں کم ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مقالات کے بارے میں ایک بات ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ شمس، کی ''تحریر کردہ'' نہیں بلکہ رومی کے حلقے میں ایک سے زائد افراد شمسؒ کے خطاب کے دوران نوٹس لیتے تھے۔ ایسا اکثر، اگرچہ ہمیشہ نہیں، ہوتا تھا کہ رومی بھی اسی محفل میں موجود ہوں۔ یہ مخطوطہ جات تو محفوظ کر لئے گئے لیکن انہیں حتمی شکل میں کبھی ایڈٹ نہ کیا گیا۔ اس لئے یہ بے ترتیبی کی حالت میں پڑے رہے۔ رومی کی تصنیف ''فیہ ماہ فیہ'' کا ترجمہ اے جے آربری نے ''مقالاتِ رومی'' کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ بھی تقریباً ویسی ہی کتاب ہے۔ یہ بھی رومی کے حلقے کے ایک یا زائد سامعین کا محفوظ کردہ کلام ہے۔ البتہ اس کلام کو بعد میں ایڈٹ کر کے صاف ستھری حالت میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ غالب امکان ہے کہ یہ مجموعہ مولانا روم کو بھی دکھایا گیا ہو اور انہوں نے خود اس کی قطع و برید کی ہو۔ جہاں تک مقالات شمسؒ کا تعلق ہے تو انہوں نے خود کبھی اس مجموعے کی منظوری نہیں دی، چنانچہ یہ بات تو واضح ہے کہ انہوں نے خود کبھی اس مجموعے کو نہیں دیکھا اور اگر دیکھا تھا تو وہ تصنیف ابھی دستیاب نہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے صاف نقل کا شروع میں جائزہ لیا ہو۔ اس کے مرتب کرنے والے محمد علی مواحد ہمیں بتاتے ہیں کہ چھ قدیم ترین مخطوطہ جات دو انداز کے ہیں۔ تین مخطوطوں میں طوالت نظر آتی ہے اور وہ تدوین نہیں کئے گئے۔ تین دیگر انتہائی مختصر ہیں لیکن ضمنی طور پر ان کی تدوین کی گئی ہے۔ مختصر طرز کا قدیم ترین مسودہ یقینی طور پر رومی کے صاحبزادے سلطان ولد کے ہاتھ میں تھا جو اپنی اور شمس کی گفتگو کی روداد سناتے ہیں۔ مواحد سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے شمسؒ نے یہ مسودہ دیکھا ہو اور منظور کیا ہو، اگرچہ یہ مکمل حالت میں کبھی سامنے نہیں آیا۔ وہ یہ بھی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ سب سے بہترین حالت والا مسودہ شاید شمسؒ نے خود لکھوایا ہو اور یہ صرف محفل میں موجود کسی شخص کا لکھا ہوا نہیں لگتا۔

محمد علی مواحد نے چھ قدیم ترین اور بعض نئے مخطوطہ جات سمیت دیگر ذرائع پر کئی سال تک کام کیا لیکن مقالات اب بھی کہانیوں، دلچسپ واقعات اور کسی حد تک نصیحتوں، جو ایک سے پانچ مصرعوں پر مشتمل ہیں، کا غیر مربوط مجموعہ ہیں۔ مواحد اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے غیر حتمی انداز میں اس کلام کو مرتب کیا ہے۔ اگر تمام نہیں تو کئی اشعار میں تحریری مسائل ہیں اور کئی مقامات پر ترجمہ کرنا نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیران کن طور پر شمسؒ کا یہ کلام پیچیدہ ہے حالانکہ انہوں نے قرآن مجید کی زبان کا نہایت تکنیکی انداز میں استعمال کیا ہے۔ رسمی تحریر کے برعکس، اس تحریر میں گرائمر واضح نہیں ہے یا پھر یکسر غلط ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ کئی اشعار کا سرے سے کوئی سیاق و سباق ہی نہیں، یا بہت کم ہے۔ اکثر ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ شمسؒ کس مسئلے کا ذکر کر رہے ہیں اور ان کے کلام کی انتہائی رسمی اور بسا اوقات مزاحیہ زبان یہ سمجھنا مشکل بنا دیتی ہے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ وہ صوفیانہ دور اور صحیفوں کی زبان میں کلام کرنا انتہائی پسند کرتے ہیں۔ یہ ظاہر اور غیر واضح دونوں اشکال میں ہے اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کس پہلو سے آشکار ہو کہ شمسؒ کس انداز میں بول رہے ہیں اور کس پہلو سے نوٹ لکھنے والا اس کلام کو نہیں سمجھ سکا۔ مثال کے طور پر کسی ایک کلام میں دو لکھے گئے فقروں میں معلوم نہیں کہ کتنے منٹ بلکہ کتنے گھنٹوں یا کتنے دنوں تک بحث کی گئی ہو۔

ایڈیٹر نے قدیم فارسی زبان کے نامعلوم طریقے سے زیر، زبر اور پیراگراف کا استعمال کر کے کلام کی ذیلی تقسیم کی ہے۔ عام طور پر ہم نے اس کی سرخی استعمال کی ہے لیکن اکثر و بیشتر اسے نظر انداز بھی کیا۔ بالخصوص پیراگراف کے ڈھانچے

Marfat.com

میں ایسا لگتا ہے کہ فقروں کو زیادہ تسلسل سے حقیقی حروفِ مباحثہ کے بجائے آؤٹ لائن کی سرخی کے طور پر پڑھنے کی ضرورت ہے۔ چھوٹے پیراگراف اس حقیقت پر روشنی ڈالنے میں مدد کرتے ہیں کہ یہ خلاصہ شدہ خیالات کیا بتا رہے ہیں۔ کئی اشعار میں سب سے مشکل سوالات میں سے یہ سوال ہے کہ کون کس سے مخاطب ہے۔ چند قسم کے استثنیٰ کے علاوہ ہم نے پیراگراف میں دیئے گئے ضمائر کو اسی طرح لیا ہے اور اسے مناسب نام کے ساتھ تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بعض اوقات ایک جملے میں لکھا ہوگا۔ ''اس نے کہا'' اور کسی اور جگہ لکھا ہوگا: ''میں نے کہا۔'' عام طور پر ایسا لگتا ہے کہ شمسؒ خود بول رہے ہیں لیکن کئی جگہ پر صیغۂ واحد متکلم بھی کسی اور کا حوالہ دیتا ہے۔ بعض فقروں میں دو مقررین ہیں جنہیں ''وہ'' کہا گیا۔ ان میں ایک شمسؒ کا مخاطب لگتا ہے لیکن ہمیشہ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ کون، کون ہے۔ اکثر اوقات فقروں میں ''آپ/تم'' کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ رومی ہو سکتے ہیں اور نہیں بھی ہو سکتے۔ کچھ اشعار میں، مثال کے طور پر کتاب کے بالکل آخر میں، شمسؒ رومی کے علاوہ واضح طور پر دیگر افراد سے مخاطب ہیں۔ ہم یقین سے نہیں کہتے کہ کسی جملے میں رومی کا نام ہونے کے باوجود انہی کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ ہمیں یہ ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ ایڈیٹر ہمیں بتاتا ہے کہ مخطوطہ جات میں اصل نام کے بجائے عام طور پر القاب استعمال کیے گئے ہیں۔ اس سے یہ امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ ایڈیٹر نے اس فقرے کو غلط پڑھا ہے یا اس کی غلط تشریح کی ہے۔

''مقالہ جات'' میں درپیش تمام مشکلات کے باوجود، قارئین اس بات سے اتفاق کریں گے کہ مواحد کے ایڈیشن نے رومی کی شخصیت کے طالب علموں کے لئے زبردست خدمت انجام دی ہے۔ پہلی بار ہم شمسؒ کی آواز سنتے ہیں۔ کتاب نہ صرف حقیقت سے روشناس کراتی ہے بلکہ اس آتشِ عشق سے بھی آگاہ کرتی ہے جس نے رومی کی شاعری کو متاثر کیا۔ کوئی اور نہیں بلکہ شمسؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت نے بھی ان میں سے کئی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ کسی بھی حوالے سے میرا مطمحِ نظر ان کی اصلیت کے بارے میں اعتراض اٹھانا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا ثبوت صرف مخطوطوں سے نہیں بلکہ انہی کے الفاظ میں ملتا ہے۔ میں نے ان تحریروں کو یہاں اس لئے پیش نہیں کیا کہ ہم آخر کار شمس تبریزؒ کو اپنی زبان سے بولتے دیکھتے ہیں بلکہ اس لئے کہ بولنے والا حیران کن کردار ہے۔ ہر اس شخص کو اسے پڑھنے کی ضرورت ہے جو رومی کا مداح ہے یا تصوف میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ان مقالات کا لکھنے والا کوئی بھی ہوتا، ان کا ترجمہ کرنا یقیناً ایک دل پسند اور قابلِ قدر کام ہے۔ انہیں محض رومی کی چھاپ کے تحت دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

میں نے اس مجموعے میں سے گوہرِ نایاب چن کر اس کتاب کو تراشنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں، میں کہاں تک کامیاب رہا، اس کا فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے۔

آخر میں وسیم بٹ صاحب، علیم اقبال صاحب، عظیم احمد صاحب، ملک فاروق منیر احمد اور خصوصاً معظم جاوید، سید اختر علی ہاشمی (کالج بک ڈپو) اور زاہد شیخ صاحب کا شکریہ ادا کروں گا جن کی مدد اور حوصلہ شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ کتاب میں مکمل نہ کر سکتا۔

والسلام

معاذ ہاشمی
0300-4416761

Marfat.com

میں خام تھا
مجھے پختہ کیا گیا
مجھے خاکستر کر دیا گیا

میں خام تھا

ہر کجا دردے دوا آنجا رود
ہر کجا فقرے نوا آں جا رود

Marfat.com

رَجَعنَا مِنَ الجِهَادِ الاصَغَرِ اِلَی الجِهَادِ الاکبَر

Marfat.com

مُرشد رومی حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

الداعی الی الخیر، خلاصۃ الارواح، اسرارِ الٰہی کے چراغ دان کے رمز آشنا، حق کے محرمِ راز، روشن سورج، نورِ مطلق، سرالمشکٰوۃ والزجاجہ، حاملِ کون ومکاں، وراستہ مزاج، شعلہ خو، شمس المعارف حضرت مولانا شمس الدین تبریزیؒ۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے مولانا شمس تبریزیؒ کا اسم گرامی ان الفاظ میں بیان کیا ہے: مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزیؒ، جب کہ شہزادہ داراشکوہ قادری نے محمد بن علی بن ملک داؤدؒ لکھا ہے۔

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس میں لکھا ہے: مولانا عزیز تر خیر کی طرف بلانے والے، ارواح کا خلاصہ، طاق اور شیشہ کے اوپر چراغ کے بھید ہیں۔ حق اور دین کے آفتاب اولین وآخرین میں خدا کے نور ہیں۔ مولانا فقیر اللہ ہاشمیؒ نے انہیں محیط اعظم عرفان وحقیقت، قلزم زخار توحید ومعرفت لکھا ہے۔ آپ کا شجرہ شریف سلسلہ معرفت (تصوف وسلوک) جناب حضرت امام جعفر صادقؓ کے توسط سے خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔

جیسا کہ پیش لفظ میں عرض کر چکا ہوں شمس المعارف حضرت مولانا شمس الدین تبریزی کے حالات و سوانح نیز خاندانی پس منظر اور حالات کے بارے میں کتب تذکرہ تفصیلات نہیں بتاتیں۔ غرض آپ کا سلسلہ نسب غیر متعین ہے۔ سلطان ولد کی مثنوی میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے مخالفین نے جہاں اور الزامات آپؒ پر لگائے وہاں ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپؒ کا نسب نامعلوم ہے۔

نے ورا اصل و نے نسب پیدا ست
می ندانیم ہم کہ او از کجا ست

آپ کے خاندانی شجرہ کے سلسلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے فہم میں آپ کے والد محترم ''خاوند علاؤالدین'' کیا بزرگ امید کی اولاد میں سے تھے۔

رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں:

شمس تبریزؒ کے والد کا نام ''علاؤالدین'' تھا۔ وہ ''کیا بزرگ'' کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسماعیلیہ کا امام تھا مگر علاؤالدین نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ یوں وہ اصلاح مذہب کی جانب گامزن ہوئے۔ اسی ضمن میں کہا جاتا ہے کہ مولانا علاؤالدین نے اپنے آبائی طرز مذہب کو جھوٹا جان کر اس سے بے

Marfat.com

زاری اختیار کی اور گھر میں موجود تمام غیر اسلامی مواد کتب ورسائل نذرِ آتش کر دیے اور گھر سے تحصیل مذہب کو نکل پڑے۔ آپ ان علاقوں کی جانب حقانیت اور اسلام کی روشنی پھیلانے نکلے جہاں سخت کفر والحاد تھا۔ آپ موصوف نے ان علاقوں میں دعوت تبلیغ وارشاد اور چند پند ونصائح کا سلسلہ شروع کیا۔

اکثر سوانح نگاروں نے آپ کے جائے پیدائش کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ شمسؒ "تبریز" ہی میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ آپ کے والد حضرت بابا کمال جندیؒ کے مرید باصفا تھے۔ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے تبریز میں حضرت ابوبکر زنبیل بافؒ اور حضرت رکن الدین سنجاسیؒ سے علومِ دینی کی تحصیل وتکمیل کی۔ تحصیل علم کے دوران آپ اکثر وبیشتر روزے سے رہتے۔ آپ فرماتے "میں ابھی مکتب میں تھا اور سن بلوغت کو نہ پہنچا تھا کہ اس دوران عشق محمدی ﷺ میں اپنے رسول ﷺ کی سیرت پڑھتے مجھے کھانے کی آرزو نہ ہوتی۔ یہ عرصہ خواہ چالیس ایام کا بھی ہو جاتا مجھے بھوک نہ لگتی جہاں تک کہ لوگ کھانے وغیرہ کی باتیں بھی کرتے تو میں اشاروں سے ان کو منع کیا کرتا۔ کبھی سر نفی میں ہلا کر اور کبھی ہاتھوں کے اشاروں سے۔"

مولانا جامی نفحات الانس میں رقم طراز ہیں کہ حضرت شمس تبریز حضرت ابوبکر زنبیل بافؒ کے مرید ہیں۔

کچھ تذکروں میں آپ کو حضرت رکن الدین سنجاسیؒ کا مرید کہا گیا۔ حضرت رکن الدین سنجاسیؒ وہی ہیں جو شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے بھی پیر تھے۔ بعض تذکروں میں آپ کو بابا کمال الدین جندیؒ کا مرید لکھا گیا ہے۔ یہ یوں ممکنات میں ہے کہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں آپ نے سب سے تربیت پائی ہو۔ اس سے کسی بزرگ کی چھوٹائی بڑائی کا تعین کرنا نہیں ہے بلکہ مختلف اوقات میں جن جن سے تربیت کی بھٹی میں کندن ہوئے ان کا تعارف کرانا مقصود ہے۔

آپ کے والد محترم مولانا علاؤ الدین نے جب اپنے گزشتہ اعمال ترک کیے اور فرقہ اسماعیلیہ سے توبہ کر کے دعوت ارشاد و پند ونصائح کا سلسلہ شروع کیا تو آپ نے شمس تبریز کو حصولِ علم کے لیے ان کی جائے پیدائش تبریز بھیجا جہاں آپ نے تحصیل علم وحکمت فرمائی۔

ایک اور تذکرہ میں حضرت غلام دستگیرؒ فرماتے ہیں:

حضرت شمس کو خدا تعالیٰ کی جانب سے نہایت حسین پیدا کیا گیا۔ بدنظر اور نااہل لوگوں سے محفوظ رکھنے اور جادو آسیب اور ٹونے ٹوٹکے سے حفاظت کی خاطر آپ کی تربیت مستورات میں والدہ صاحبہ کی نگرانی میں کی گئی جہاں آپ نے زردوزی کا کام بھی سیکھا۔ اس نسبت سے آپ زردوز کہلائے۔

☆☆☆

حضرت شمس الدین تبریزیؒ جو حضرت جلال الدین رومیؒ کے پیر ومرشد تھے، آغاز سے آج تک ان کی علمی وروحانی حیثیت پُر اثر ومسلمہ چلی آ رہی ہے۔ کوئی بھی آپ کی عظمت وجلالت سے منکر نہیں ہوسکتا۔ مگر

Marfat.com

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ کے حالات بہت کم دستیاب ہیں اور قدیم کتب میں آپ کے حالات قرار واقعی تحریر نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں وقائع نگاروں نے سہل انگاری برتی ہے۔ آپ کے حالات مولانا رومیؒ کے حالات بیان کر کے ضمناً تحریر کر دیے گئے جب کہ حضرت مولانا رومیؒ جیسی شخصیت کے مرشد ہونے کے اعتبار سے آپ کی جلالت علمی اور روحانی و باطنی قدر و منزلت اور آپ کے مقامات کا ہم لوگوں کو بہ خوبی ادراک ہونا چاہیے۔ آپ کے بارے میں معلومات کا فقدان اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے سن ولادت کا باوجود تحقیق کے پتہ نہ چل سکا۔ اس ضمن میں آپ کی عمر کا تذکرہ بھی درست طور پر نہ ہو سکا ہے کہ مفارقت ہی سے آپ کے سن ولادت کو نکالا جا سکتا۔

جن مورخوں نے آپ کا سن ولادت تحریر کیا ہے وہ ۵۸۰ھ ہے۔ تاریخ میں دراصل مرشد رومی خواجہ شمس الدین تبریزیؒ اور شمس الدینؒ سبزواری ہر دو کو ایک شخصیت قرار دے کر لکھا گیا ہے۔ اس مغالطہ آرائی میں شخصیت اور نام سے مطابقت ہونے کے باعث سے ہی تاریخ پیدائش متعین کر دی گئی۔

تذکرہ جات جو قبل ازیں لکھے جا چکے ہیں اس میں حضرت شمس تبریزؒ کے حالات میں قطعی تاریخ پیدائش کا تذکرہ نہ مل سکا ہے۔ جب کہ یہ طے ہے کہ دونوں شخصیات الگ الگ ہیں تو قرین قیاس ۵۸۰ھ اور ۵۸۵ھ کے درمیان ہے۔

یومِ وفات کے سلسلے میں بھی حضرت شمس تبریزؒ کا سن وفات ۶۴۲ھ سے ۶۴۵ھ لکھا گیا اور ۶۴۵ھ کو زیادہ مدلل طریق پر مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ نے ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

آپ کی ولادت کا زمانہ ۵۸۴ھ پر زیادہ اتفاق ہے۔ قدیم تبریز میں ایک خاندان علاؤالدین امام جو کہ ''کیا'' بزرگ کے خاندان سے تھے، قیام پذیر تھا۔ آپ کی بیوی سیدہ تھیں اور نہایت ہی خوب صورت اور حسین و جمیل تھیں۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی اور امام علاؤالدین ان کے ہمراہ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ اس وقت آپ یہاں ایک مسجد میں امامت کروایا کرتے تھے۔ آپ کا ایک مطب بھی تھا جس میں آپ فارغ اوقات میں مریضوں کا علاج بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کا مشغلہ تصنیف و تالیف بھی تھا۔ شومیٔ قسمت کہ اس مسجد کی انجمن کا صدر فخر الدین علی امام بھی ایک روز بیمار ہو گیا۔ اس نے امام علاؤالدین کی حکمت کا احوال سن رکھا تھا لہٰذا ایک شام جب کہ حکیم علاؤالدین مریضوں کا علاج کر رہے تھے، صدرِ انجمن فخر الدین بھی ادھر آ نکلا اور آتے ہی کہنے لگا: ''امام علاؤالدین...... یہ تو درست ہے کہ آپ ہماری مسجد کے بہت اچھے خطیب ہیں لیکن آپ کی حکمت کے بارے میں مجھے ابھی پتہ چلا ہے۔ بہر حال میں آج کل بیمار ہوں۔ حکیم صاحب مسئلہ یہ ہے کہ بعض اوقات میرے پاؤں سوج جاتے ہیں اور گردے بھی کام کرنے سے جواب دے جاتے ہیں، لہٰذا اس مرض کی کوئی عمدہ سی دوا تجویز فرمایئے جو مجھے صحت مند کر دے۔ اس بہانے سے آپ کا امتحان بھی ہو جائے گا۔''

Marfat.com

علاؤالدین صاحب نے سوچ کر کہا: ”فخرالدین صاحب علاج تو میں تجویز کر دیتا ہوں مگر چوں کہ یہ گردوں کا مرض ہے لہٰذا آپ کو کھانے پینے میں احتیاط کرنا پڑے گی۔“

”وہ میں یقیناً کروں گا۔“ فخرالدین نے کہا۔ ”آپ دوا تجویز کریں۔“

چنانچہ علاؤالدین نے انہیں دوائی دے دی۔ فخرالدین دوسرے روز پھر حاضر ہوا اور اس نے مایوسی سے کہا:

”امام صاحب آپ کی دوا سے کچھ فرق نہیں پڑا ہے لہٰذا میں آج پھر حاضر ہوں بلکہ سچ پوچھئے تو مرض پہلے سے کچھ زیادہ ہی چمک اٹھا ہے لہٰذا آج آپ مجھے کچھ سوچ سمجھ کر دوائی دیجیے تاکہ مجھے اس موذی مرض سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔“

”کیا جن چیزوں کے پرہیز کے بارے میں آپ سے کہا گیا تھا ان سے پرہیز کیا؟“ امام علاؤالدین نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ فخرالدین نے قدرے خفگی سے جواب دیا۔ ”لیکن تمباکو نوشی آپ جانتے ہیں کہ میں اس قدر جلد نہیں چھوڑ سکتا لہٰذا وہ میں نے نہیں چھوڑی امید ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑا ہوگا۔“

”بس یہی اصل سبب ہے۔“ حکیم علاؤالدین نے جواب دیا۔ ”اگرچہ میں نے آج کی دوائی بدل کر دے دی ہے لیکن اگر آپ نے تمباکو نوشی سے پرہیز نہیں کیا تو مجھے امید نہیں ہے کہ اس مرض کا علاج ہو سکے۔“

”اگر میرے مرض کا علاج نہ ہوا تو پھر آپ کا علاج بھی کر دیا جائے گا۔“ فخرالدین نے ہنستے ہوئے کہا اور امام علاؤالدین بھی ہنسنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ”واہ فخرالدین صاحب آپ مذاق بھی کیا ہی اچھا فرما لیتے ہیں۔“

فخرالدین چند لمحے رک کر بے بسی سے علاؤالدین کی طرف دیکھتا رہا اور پھر دوا لے کر اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ دوسرے روز فخرالدین صاحب تو تشریف نہیں لائے لیکن ایک پروانہ ضرور علاؤالدین تک پہنچ گیا جس میں درج تھا کہ انجمن مسجد نے آپ کو مسجد کی خطابت و امامت سے سبک دوش کر دیا ہے لہٰذا آپ اب آئندہ اپنا بندوبست فرما لیں۔ آپ نے حیرت سے یہ پروانہ دیکھا اور پھر آپ اس کے بعد نماز پڑھنے دوسری مسجد میں چلے گئے۔ لوگوں سے آپ کو بعد میں پتہ چل گیا کہ مسجد کی امامت سے ہٹانے میں فخرالدین کا ہاتھ ہے۔ بہرحال آپ نے صبر شکر کیا اور اب صرف مطب چلانے لگے، اور نماز پڑھنے کے لیے قریب ہی دوسری مسجد میں جانے لگے۔ ایک روز آپ کی بیوی نے آپ کو بتایا کہ وہ حاملہ ہو چکی ہیں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور آپ نے اس موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے نیک اور پرہیزگار فرزند عطا فرما۔ اس کے بعد آپ پھر اپنے روزگار میں مشغول ہو گئے۔ آپ بازار سے حکمت کی بہت ساری اشیا لے آتے اور پھر انہیں

Marfat.com

کوٹ چھان کر دوا بنا کر فروخت کر دیتے۔ آپ کا کاروبار کچھ زیادہ اچھا تو نہ تھا لیکن اس سے گھر کا بخوبی گزارا ہو رہا تھا۔

پھر ایک روز آپ اپنے مطب ہی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے گھر میں ایک فرزند دل بند پیدا ہوا ہے۔ یہ جمعہ کا روزِ سعید تھا اور بمطابق ۵۸۴ھ کا پہلا ہی مہینہ تھا۔ پیدائش کی خوشی میں محلہ میں مٹھائی تقسیم کی۔ آپ نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ یہ نین نقش سے بھی نہایت ہی خوب صورت تھا۔ ان کے ماتھے پر ایک خاص قسم کا نور چمک رہا تھا۔ آپ کی والدہ نے خوش ہو کر کہا: ''دیکھو تو میرے بیٹے کا چہرہ کتنا خوب صورت اور روشن ہے اور بالکل آفتاب ہی کی مانند چمک رہا ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں، آپ درست فرماتی ہیں۔'' امام علاؤالدین نے کہا۔

''میں اس بچے کا نام ''شمس'' رکھتی ہوں۔'' والدہ نے کہا۔

اس پر امام علاؤالدین بھی خوش ہو گئے۔ چنانچہ بمطابق ۵۸۴ھ میں شاہ شمس تبریز علاؤالدین کے گھر میں پیدا ہوئے جو کہ ایک متقی اور پرہیز گار گھرانا تھا۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کے ولی بچپن ہی سے نوامیس فطرت پر غالب ہوتے ہیں اور کسی بھی چیز سے ڈر یا خوف ان میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۂ یونس:۶۲)

اسی طرح حضرت شمس تبریزؒ کی والدہ ماجدہ بی بی اسمارہ فاطمہ فرماتی ہیں کہ جب سے حضرت شمسؒ نے ہمارے گھر میں جنم لیا ہے میں نے بہت سی خلاف معمول باتیں محسوس کیں مثلاً ہمارے گھر میں بہت غربت تھی۔ جو چیز باہر سے جتنے دن کے لیے آتی تھی وہ اتنے دنوں سے بھی پہلے ختم ہو جاتی تھی لیکن جب سے حضرت شمسؒ پیدا ہوئے باہر سے اگر گھر میں ایک دن کے لیے بھی چیز آتی ہے تو وہ مہینوں تک ختم ہونے کا نام نہیں لیتی اور حیرت انگیز طور پر اس میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بی بی اسمارہ فرماتی ہیں کہ میں نے جب پہلے پہل اتنی برکت گھر میں محسوس کی تو میں ڈری کہ یہ تو بہت ہی عجیب سی بات ہے لیکن پتہ نہیں کس چیز نے مجھے یہ سب کہنے سے روکے رکھا۔ حتیٰ کہ حضرت شمسؒ پانچ چھ سال کے ہو گئے۔

آپ بہت ہی پاکیزہ صفت لڑکے تھے۔ آپ کا چہرہ آفتاب کی مانند روشن تھا جس سے ہر وقت نور کی شعاعیں نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ آپ ہنس مکھ تھے۔ ان کی پیدائش سے پہلے تو بسا اوقات میں بہت سی باتوں میں تنگی محسوس کرتی تھی لیکن ان کی پیدائش کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مجھے کسی بھی بات میں کوئی تنگی محسوس نہیں ہوتی۔ علاوہ بریں نہ ہی میں اپنی غریبی کی وجہ سے نادم یا پریشان ہوتی بلکہ ہاتھ ہی نہیں رکتا اور ہر کام حیرت انگیز طریقے سے خود بہ خود درست ہوتا چلا جاتا۔ اس بات پر بھی مجھے پہلے پہل بہت حیرانی ہوتی تھی

Marfat.com

کہ پہلے میں جن قیمتی اشیا کو حاصل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی وہ اب پراسرار طریقے سے بڑی آسانی کے ساتھ مجھے مل جاتی تھی اور میں سوچتی رہ جاتی کہ پہلے تو یہ شے اتنی سہل الحصول نہ تھی۔ اسمارہ فاطمہ نے تو پتہ نہیں کیسے کیسے خلاف عادت مشاہدات کیے ہوں گے لیکن یہاں پر محض چند ایک مشاہدات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضرت شمسؒ پانچ چھ سال کی عمر میں بہت سلجھے ہوئے لڑکے تھے اور میری اور اپنے والد کی ہر بات کا جواب بڑے ادب سے دیتے تھے اور ان کے جواب دینے کا انداز بھی اتنا بلند اخلاق اور خوب صورت ہوتا تھا کہ بسا اوقات ہم انہیں اٹھا کر چوم لیا کرتے تھے۔

اسمارہ فاطمہ فرماتی ہیں کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت شمسؒ کے والد امام علاؤالدین اپنے مطب میں تھے اور میں پڑوسن کے ساتھ اس کے گھر میں باتیں کر رہی تھی جب کہ حضرت شمسؒ اپنے گھر میں اکیلے تھے۔ یکایک ہم نے محسوس کیا جیسے گھپ اندھیرا چھا گیا ہے اور آسمان غائب ہو گیا ہے۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو گیا جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں اور میری پڑوسن نے بے اختیار اپنے گھر کی جانب دیکھا تو ہم حیران رہ گئیں۔ ادھر سے پہلے تو گڑگڑاہٹ کی آوازیں آئیں اور پھر نور کی کرنیں گھر کے اندر سے چاروں طرف آسمان تک پہنچنے لگیں۔ میں تیزی سے اپنے گھر کی طرف دوڑی اور اندر داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت شمسؒ کونے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اچانک آسمان سے بہت سے ہیرے جواہرات دھڑ دھڑاتے ہوئے ہمارے صحن میں گرنے لگے۔ میں حیرت زدہ ہو کر دیکھتی ہوں کہ ان ہیرے جواہرات کی شکلیں بالکل سورج چاند اور ستاروں جیسی ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ حضرت شمسؒ جو کہ ابھی مشکل سے چھ سات سال کے تھے ان سے کھیلنے لگے ہیں۔ میں ڈری کہ کہیں وہ اچانک نمودار ہونے والے بھاری جواہرات سے اپنے اعضا پر چوٹ نہ لگوا لیں لیکن میں حیران ہو کر کیا دیکھتی ہوں کہ وہ چاند، سورج اور ستاروں جیسے ہیرے جواہرات ان کے اعضا پر پھولوں کی طرح لگتے ہیں اور انہیں چوٹ نہیں آتی۔

آپ کتنا ہی عرصہ ان مظاہر فطرت سے کھیلتے رہے اور دنیا گھپ اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ پھر یکایک ہولناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہی ہیرے جواہرات بڑی تیزی کے ساتھ بڑے ہو کر آسمان کی طرف چڑھنے لگے جس کی وجہ سے میں زمین پر گر پڑتی ہوں لیکن حضرت شمسؒ پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہ مسکراتے ہوئے دوڑ کر آتے ہیں اور مجھے اٹھا کر اندر لے جاتے ہیں۔ اب پھر جو میں نے غور سے دیکھا تو سورج اسی طرح چمک رہا ہے اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی تازہ ہوائیں چل رہی ہیں۔ کمرہ جس میں حضرت شمسؒ مجھے لے کر گئے تھے ایک عجیب سی خوشبو سے بھر جاتا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ کیا میں نے خواب دیکھا تھا۔ اچانک ہاتف غیب سے آواز میرے ذہن میں گونجتی ہے کہ نہیں اسمارہ فاطمہ یہ بابرکت واقعہ تو نے اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ شمسؒ جو اللہ کا دوست ہے وہ چاند ستاروں اور سورج سے کھیل رہا ہے۔ یہ تو نے خواب نہیں دیکھا۔ اس بچے کی حفاظت کر اور اسے پال پوس کر بڑا کر۔ اس کا اجر تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عطا ہوگا۔ اسمارہ فاطمہ پہلے تو اسے محض اپنے ذہن

Marfat.com

کی آواز تصور کرتی ہیں، پھر یقین کر لیتی ہیں لیکن یہ واقعہ بھی رفتہ رفتہ آپ کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے۔

اس زمانے میں حضرت بابا کمال الدین جندیؒ الحجازی کا بہت چرچا تھا۔ آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ اپنے گھر کا تمام سامان فروخت کر کے حج پر گئے۔ واپسی پر خواب میں دیکھا کہ آسمان سے سورج چاند اور ستارے ایک گھر میں اتر رہے ہیں اور ایک چھوٹا سا لڑکا ان سے پھولوں کی طرح کھیل رہا ہے۔ اس لڑکے کی شکل بہت نورانی تھی۔ آپ نے شکل یاد رکھی اور اپنے وطن آ کر اس لڑکے کی تلاش شروع کر دی۔ ایک روز گلی سے گزر رہے تھے کہ وہیں حضرت شمسؒ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ آپ کی نورانی شکل دیکھ کر ذہن کو جھٹکا لگا۔ آپ پہلی بار حضرت علاؤ الدینؒ کے گھر تشریف لائے اور بہت دیر تک حضرت شمسؒ کو پیار کرتے رہے۔ بابا کمال الدین جندی حجازیؒ کے پیار کا اثر یہ ہوا کہ سب گھر والوں کو بابا کمال الدین حجازیؒ سے محبت ہو گئی۔ حضرت شمسؒ بھی بابا سے محبت کرنے لگے اور پڑھنے کے لیے بلا تکلف مسجد میں ان کے پاس چلے جاتے۔ انہی سے آپ نے تمام علومِ دینی حاصل کیے اور پھر بڑے ہو کر انہی بابا کمال الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق تمام علوم دینی انہوں نے دوسرے اساتذہ سے حاصل کیے ہیں اور اس کے بعد بابا کمال الدین جندی حجازیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بہرحال جو بھی روایت درست ہو ہم نے بیان پر دونوں روایات کے اندراج کا التزام ملحوظ رکھا ہے۔ علاوہ بریں حضرت شمسؒ کے وطن مالوف کے بارے میں بھی بہت سی مختلف روایات ملتی ہیں اگرچہ حضرت شمسؒ پر آج تک مسلمان مصنفین نے بہت کم لکھا ہے اور کوئی خاص کتاب اس موضوع پر بالالتزام مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے لیکن سینہ گزٹ کے بطور بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ جو شخص زیادہ دیر کسی شخص کی صحبت میں رہے وہ اس سے اکتا جاتا ہے۔ کچھ یہی حال بابا کمالؒ الدین کا بھی ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے ''شمسؒ'' کو بھی عام شاگردوں کی مانند سمجھنا شروع کر دیا لیکن یہ خداوند تعالیٰ کو منظور نہ تھا۔ ان کی مسجد ان دنوں تعمیر ہو رہی تھی لہٰذا وہ اپنے شاگردوں کو مسجد کی تعمیر کے کام سے لگا دیتے تھے۔ ایک بار مغرب کے بعد بابا کمال الدینؒ نے حضرت ''شمسؒ'' کو جو کہ پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ میرے تمام شاگرد مسجد کی تعمیر کے لیے مٹی کی ٹوکریاں ڈھو رہے ہیں اور آپ میرے پاس خاموش بیٹھے ہوئے ان کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔

حضرت شمسؒ نے سوال کیا: ''یا حضرت آپ تو یہ فرمائیے کہ آپ اپنے اس شاگرد کو کس کام پر لگانا چاہتے ہیں، آپ حکم کیجیے انشاءاللہ تعمیل ہو گی۔''

اس پر شاہ بابا کمال الدین جندیؒ الحجازی مسکرائے اور انہوں نے کہا: ''چنانچہ آپ بھی ثواب حاصل کیجیے اور ذرا جلد جلد مٹی کی ٹوکریاں لے کر دوسرے شاگردان عزیز کے ہمراہ ڈھوئیے تاکہ مٹی کا کام جلد ختم ہو سکے۔''

Marfat.com

یہ سن کر حضرت شاہ شمسؒ بھی ٹوکری لے کر مٹی ڈھونے لگے۔ بابا کمال الدینؒ جندی چند لمحے خاموش بیٹھے رہے، پھر انہیں دیکھنے باہر نکل آئے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت شاہ شمسؒ بہت بھر کر اپنی ٹوکری لاتے ہیں۔ اب جو انہوں نے بغور دیکھا تو آپ نے محسوس کیا کہ ٹوکری حضرت شمسؒ کے سر سے ایک فٹ بلند رہتی ہے اور آپ کے سر کے ساتھ نہیں لگتی۔ ''یا اللہ اس میں کیا مصلحت ہے۔ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟'' حضرت کمال الدین جندیؒ بڑبڑائے۔ پھر یکا یک ''شمسؒ'' سے آپ کو اتنا خوف محسوس ہوا کہ اچانک آپ نے شمسؒ کو آواز دی اور ادھر ادھر کی باتوں میں لگا لیا۔ حضرت شمسؒ نے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ حضرت! اب مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کیوں فرما رہے ہیں مجھے مٹی ڈھونے دیں تاکہ کام جلد ختم ہو سکے۔ تو آپ نے فوراً فرمایا کہ شمسؒ آپ رہنے دیں، اب میں آپ کو مٹی ڈھونے پر نہیں لگانا چاہتا۔ بابا کمال الدینؒ اس خرقِ عادت واقعہ سے اتنے خوف زدہ ہوئے کہ دوبارہ آپ کو کسی بھی کام پر نہیں لگایا اور اگر کسی کام پر لگانے لگتے تو فوراً ٹوکری کے سر سے ایک فٹ اونچا اٹھے ہوئے ہونے کا واقعہ یاد آتا تو آپ کپکپا جاتے۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں شمسؒ اپنے استاذ و امام بابا کمال الدین جندیؒ سے مصروف گفتگو تھے کہ آندھی آ گئی اور حجرہ مبارک میں جلتا ہوا چراغ بجھ گیا جس سے اندھیرا ہو گیا۔ بابا کمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ اچانک شمسؒ اس صورت حال پر مسکرائے تو حجرہ میں اتنی تیز روشنی پھیل گئی کہ میں نے فوراً چراغ دوبارہ روشن کر لیا اور میں اس سے اتنا خوف زدہ ہوا کہ میں نے گھبرا کر شمسؒ کو چھٹی دے دی کہ اب وہ آرام سے گھر جا کر سوئے۔ شمس تبریزؒ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے ایسے ولی کامل تھے اور خدائے واحد کو ان کی کوئی ادا اتنی پسند تھی کہ بعض اوقات انجانے میں بھی آپ سے خرقِ عادت واقعات سرزد ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ مسجد سے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں دہقان کے مکئی کے کھیت میں سے ہو کر گزرنا تھا۔ دہقان کی فصل اس وقت کافی بڑی ہو چکی تھی۔ ٹانڈوں پر بھٹے پیدا ہو چکے تھے۔ کسان نے پانی لگایا ہوا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ایسے میں کوئی اس کے کھیت میں سے نہ گزرے لیکن شمس تبریزؒ تو اپنی مستی میں جا رہے تھے۔ کسان نے آپ کو آواز بھی دی لیکن شاہ شمسؒ نے سنی ان سنی کر کے کھیت میں پاؤں رکھ ہی دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ کھیت کی زمین نے سارا پانی پی لیا اور کھیت خشک ہو گیا۔ شمسؒ اس میں سے گزر گئے اور اپنے گھر کی راہ لی۔ وہ کسان آپ کی شکایت لگانے کے لیے آپ کے استاد کی خدمت میں دوڑا گیا اور ہانپتے کانپتے ہوئے اس نے مولانا کمال الدین جندی حجازیؒ سے شکایت کی کہ اگرچہ میں نے شمسؒ کو روکا بھی تھا مگر وہ باز نہیں آئے اور میرے پانی لگائے ہوئے کھیت سے گزر گئے جس کی وجہ سے پانی سوکھ گیا اور میرا کھیت خشک ہو گیا۔ چنانچہ اگر میری فصل کو پانی نہ ملا تو وہ سوکھ جائے گی اور اس کی تمام تر ذمہ داری آپ کے شاگرد پر ہو گی۔ بابا کمال الدینؒ نے کسان کو تسلی تشفی دی اور کہا کہ آپ فکر مت کریں میں آپ کے ساتھ چل کر دیکھتا ہوں کہ آپ کا کتنا نقصان ہوا ہے اور اگر واقعی نقصان ہوا ہو گا تو شمسؒ سے اس کی قیمت آپ کو دلوائی

Marfat.com

جائے گی۔ کسان اس بات پر راضی ہوگیا اور بابا صاحبؒ اس کے ساتھ چل کر اس کے کھیت تک آئے لیکن یہاں آ کر کسان چونک پڑا کیوں کہ اس کا کھیت تو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "پتہ نہیں خدا تعالیٰ کی اس میں کیا حکمت ہے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے کھیت سوکھتا دیکھا تھا تبھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا لیکن اب اس میں پانی لگا ہوا ہے۔ آپ جائیں۔ مجھے آپ سے یا آپ کے شاگرد سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

دوسرے روز بابا کمال الدین جندیؒ نے اپنے شاگرد شمسؒ سے پوچھا کہ کل کیا ہوا تھا۔ ایک کسان ہانپتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے آپ کے بارے میں شکایت کی تھی کہ آپ اس کے کھیت میں سے گزرے اور اس کا لگایا ہوا پانی سکھا دیا۔ حضرت شمس تبریزؒ نے سر جھکا کر کہا "مجھے اس پر ندامت ہے واقعی میری غلطی سے اس کے کھیت کا پانی سوکھ گیا تھا۔" اس پر بابا کمال الدینؒ جندی مسکرائے اور آپ نے فرمایا۔ "لیکن کہانی کا دوسرا حصہ تو تم نے ابھی سنا ہی نہیں۔ میں اس دھقان کے ہمراہ صورت حال دیکھنے جب اس کے کھیت پر گیا تو اس میں پانی لگا ہوا تھا اور وہ سوکھا ہوا نہیں بلکہ تر تھا۔" اس پر شمسؒ نے فرمایا: "بہر حال اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت رہی ہوگی عاجز بندہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کے کھیت سے گزر گیا تھا اور کھیت کی زمین کو میں نے بھی آواز کے ساتھ پانی پیتے ہوئے دیکھا تھا۔ پانی کب کھیت میں دوبارہ خدائی حکمت سے واپس آیا یہ میرے بعد کا واقعہ ہے۔"

اس پر حضرت بابا کمال الدین جندیؒ نے شمس تبریزؒ سے فرمایا: چلو کوئی بات نہیں لیکن آپ آئندہ محتاط رہا کریں اور اس بات سے احتراز فرمائیں کہ کسی غریب کو آپ کی ذات سے نقصان نہ پہنچ جائے۔" حضرت شمسؒ نے اپنے استاد کی نصیحت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

حضرت شمس تبریزؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ اپنے بچپن کے ہم جولیوں کے ساتھ زیادہ گھلتے ملتے نہیں تھے بلکہ نماز اور اس سے ہٹ کر اپنی قرآن پاک کی تعلیم پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا بابا کمال الدینؒ جندی آپ کی اس عادت سے بھی حیران تھے۔ ایک واقعہ اور جس نے آپ کے پیر صاحب کو خاصا پریشان اور خوف زدہ کیا وہ یہ تھا کہ ایک بار حضرت بابا کمال الدینؒ حضرت شمسؒ کو عشاء کے بعد اپنے حجرے میں قرآن پاک کی تلاوت میں لگا کر کسی جگہ یا کسی دوسری محفل میں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت شمسؒ کی عمر دس سال کی تھی۔ محفل میلاد میں جا کر حضرت بابا صاحبؒ نے شمس تبریزؒ کا خیال بھلا دیا اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کروا کر طعام کھانے میں ایسے مصروف ہوئے کہ آپ کو شاہ شمسؒ کا خیال ہی نہ رہا۔ لیکن جاتے وقت آپ نے شمسؒ کے لیے بھی تھوڑا سا طعام ہمراہ لے جانا مناسب سمجھا کیوں کہ یہ خیال بہر حال آپ کے دماغ میں ترحم کے جذبات کے ساتھ موج زن تھا کہ آپ باقی تمام طلبا کو تو اپنے ہمراہ لے کر آئے ہیں مگر شاہ شمسؒ کو اکیلا چھوڑ کر آئے ہیں۔ لہٰذا جب رات کو واپسی ہوئی تو آپ نے باقی تمام شاگردوں کو تو راستے سے اپنے اپنے گھروں کو جانے کی چھٹی دے دی اور تن تنہا دبے پاؤں مسجد میں داخل ہوئے تاکہ دیکھ

Marfat.com

سکیں کہ اس وقت شمسؒ کیا کر رہے ہیں۔ آپ دبے پاؤں حجرے کے دروازے پر پہنچ گئے اور یہاں پہنچ کر آپ نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ وہ منظر یہ تھا کہ شمسؒ اسی طرح قرآن کریم کھولے ہوئے بیٹھے دیوار سے پشت لگائے پڑھ رہے تھے۔ آپ کی آواز مدھم تھی لیکن عجیب بات یہ تھی کہ قرآن میں سے ایک نور نکل نکل کر شمس تبریزؒ کے سینے میں سے گزرتا ہوا آسمان کی طرف جا رہا تھا جس سے پورا حجرہ روشنی کے لیمپ کی مانند روشن تھا اور اتنی ہی تیز روشنی شمس تبریزؒ کے چہرہ مبارک سے بھی خارج ہو رہی تھی۔ آپ کھنکھارے تو شمسؒ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ نوری منظر اچانک غائب ہو گیا۔ آپ نے شمسؒ کو کھانا دیتے ہوئے فرمایا: ''جاؤ بیٹا گھر جا کر یہ تبرک و طعام کھاؤ اور اب رات زیادہ ہو گئی ہے لہٰذا طعام کھا کر آرام سے سو جاؤ۔'' یہ کہہ کر آپ بھی بڑھ کر اپنے بستر پر چلے گئے اور شمسؒ گھر کی طرف لوٹ آئے۔

شمس تبریزؒ کے حالات زندگی کے بارے میں ''مقالاتِ شمس تبریزؒ'' میں ان کی زبانی جو لکھا گیا، اس دور کے بارے میں سنیں۔ جب وہ اپنی زندگی کی ابتدائی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ جب وہ خام تھے۔ جب پختہ ہونے کا سفر قدم بہ قدم چڑھ رہے تھے۔ انہی کی زبانی کچھ یوں ہے۔

☆☆☆

بعض داناؤں کا قول ہے کہ روح لافانی ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ روح نو وارد ہے۔ مطلب یہ کہ پہلے یہ نہیں تھی اب پھر وجود میں آ گئی ہے۔ بلا شبہ ایک وقت ایسا تھا جس میں فرشتوں کا اجتماع ہوا۔ ''روحوں کے درجات مقرر کیے گئے۔'' البتہ اجتماع مختلف نوعیت کا تھا۔ سرائے میں قیام کرنے والوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے اور بدعنوانی کرنے والے بھی ایسا کرتے ہیں لیکن میں ایسے اجتماع کا ذکر کر رہا ہوں جو فرشتوں کا تھا۔ اللہ سب جانتا ہے لیکن ''یہ اجتماع اللہ کے روبرو تھا۔''

''یقیناً اللہ ان کے ساتھ ہے جو خدا خوف ہیں۔''

چنانچہ روح کی تخلیقی نوعیت کے آغاز کے لحاظ سے اس اجتماع میں تاتار کی روح ہم سے مانوس ہے اب بھی وہ ہمارے ساتھ اور عماد کے ساتھ مانوس ہو گی۔

اللہ نے اس اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''میں پانی اور مٹی سے اپنا خلیفہ وجود میں لانے لگا ہوں اور میں تمہیں مٹی اور پانی کی دنیا میں اس کا نائب بنانے والا ہوں۔''

انہوں نے کہا: ''اے اللہ ہم اس عالم بالا میں آپ کی ذات کے ساتھ خوش ہیں۔ ہمیں خوف ہے کہ زمین پر ہم بکھر جائیں گے اور اس سے دور ہو جائیں گے۔''

اس نے فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تم احتجاج اور ناشائستگی کے لحاظ سے یہ الفاظ نہیں بول سکتے۔ لہٰذا میری پناہ مانگو اور ڈرو مبادا تمہارا وجود ختم ہو جائے۔ تمہیں علم ہونا چاہیے کہ میں قادرِ سلطان ہوں۔ میری طاقت کامل ہے۔ تمہارے ہر پردے ہر لباس میں میں تمہیں جمع کروں گا اور تمہیں مقبول بناؤں گا اور ایک دوسرے

Marfat.com

کے ساتھ جوڑوں گا۔"

☆☆☆

مٹی اور پانی کی دنیا سے آگے، کوہ غیر مرئی کے بعد ہمیں کیچڑ اور گارے کی طرح باہم ملایا گیا اچانک ہم وہاں اٹھے اور "جھک جاؤ" کی آواز پر نیچے گر گئے۔

وہاں سے کہیں دور ہم نے عالم وجود کی سرحدوں کو دیکھا۔ اس سے دور شہر کی فصیل اور درخت ظاہر نہیں تھے۔ اس طرح جب ہم نومولود تھے تو ہم نے اس دنیا کو بالکل نہیں دیکھا تھا۔ آہستہ آہستہ ہمیں پتہ چلتا گیا۔ ہمیں الجھانے اور پھانسنے کا نقصان بھی آخر سامنے آنے لگا۔ شکار کے ذائقے نے پھندے کی تکلیف بھلا دی۔ بصورتِ دیگر بقاء ناممکن ہو جاتی۔

☆☆☆

میں اس دنیا میں آیا تاکہ اپنے چار سو دیکھ سکوں۔ میں نے الفاظ سنے الفاظ کے بغیر اور بات سنی بات کے بغیر اس طرف سے الفاظ سن رہا تھا۔ میں نے حروف کے بغیر گفتگو سے کہا کہ "اگر تم گفتگو ہو تو پھر یہ کیا ہیں۔" وہ بولی "میرے نزدیک یہ کھلونے ہیں۔" میں نے کہا کہ "پھر تم نے مجھے کھلونوں کی طرف بھیجا؟" اس نے کہا "نہیں تم خود چاہتے تھے۔ تم مٹی اور پانی میں اپنا مسکن چاہتے تھے جبکہ میں نہیں جانتی تھی اور نہ یہ دیکھ سکتی۔" پھر میں نے تمام الفاظ سنے اور میں ہر قسم کی گفتگو سے ماوراء دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

میرے بچپن کے دور میں ایک شان دار فرشتہ میرے پاس آتا تھا۔ میری اس حالت کی کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ میرے والد بھی لاعلم تھے۔ وہ کہہ رہے تھے "سب سے پہلے یہ کہ تم پاگل نہیں۔ مجھے علم نہیں کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کوئی تقلید یا شعبۂ تعلیم نہیں اور یہ فلاں فلاں بھی نہیں۔" میں نے کہا "میرا ایک لفظ سنو۔ میرے ساتھ تمہاری حیثیت ایسی ہے جیسے بطخ کے انڈے مرغی کے نیچے رکھ دیے جائیں۔ مرغی نے ان انڈوں کو سیا اور پھر بطخ کے بچے انڈوں سے نکل آئے جب بچے تھوڑے بڑے ہوئے اور ایک ندی کے کنارے پہنچے تو پانی میں داخل ہو کر تیرنے لگے۔ ان کی ماں مرغی تھی چنانچہ وہ کنارے پر ادھر ادھر بھاگتی رہی کیونکہ وہ پانی میں نہیں داخل ہو سکتی تھی۔ اب اے والد میں دیکھتا ہوں کہ سمندر میرا پیار بن چکا ہے اور یہ میرا وطن اور ملک ہے۔ اگر آپ مجھ میں سے ہیں یا میں آپ میں سے ہوں، میرے سمندر میں آ جائیں۔ اگر نہیں تو آپ مرغیوں میں واپس چلے جائیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آپ الجھے ہوئے ہیں۔" وہ بولے "اگر دوستوں کے ساتھ تمہارا سلوک یہ ہے تو دشمنوں کے ساتھ رویہ کیسا ہوگا؟"

☆☆☆

میں نے کبھی اپنے والد کو اپنی فرماں برداری کی بیرونی شکل دیکھنے نہیں دی۔ میں آخر کس طرح اپنی

Marfat.com

...ات کی اندرونی حیثیت اور شکل آشکار کر سکتا تھا۔ وہ ایک اچھے اور شریف النفس انسان تھے۔ اگر آپ کچھ الفاظ ہی بولیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر داڑھی پر بہنے لگیں گے لیکن وہ عاشق نہیں تھے۔ ایک اچھا انسان ہونا اور چیز ہے اور عاشق ہونا کچھ اور۔

☆☆☆

یہ میرے والد اور والدہ کی غلطی تھی کیونکہ انہوں نے نہایت شفقت سے میری پرورش کی۔ جب بھی بلّی کوئی مسئلہ کھڑا کر دیتی اور برتن توڑ دیتی تو میرے والد میرے سامنے اسے کچھ نہ کہتے۔ ہنستے ہوئے وہ کہتے ''آپ اس بار کیا کریں گے؟'' یہ بہتر ہے یہی قسمت میں لکھا تھا اور اسی طرح گزر گیا۔ ورنہ بلی مجھ پر، تم پر یا تمہاری ماں کے اوپر گر جاتی۔ خدا نے مصیبت مسلط کرنا تھی لیکن وہ مہربانی کے ساتھ گزار دی۔ لمبی جھاڑیوں میں وہ ہوشیاری کے ساتھ مٹھائی بناتے ہیں۔ کیڑوں کے ساتھ دن گزارنے کے بعد یہ ریشم بناتے ہیں۔ تجارت میں آہستگی سے چلو۔ تحمل کا مظاہرہ کرو۔ انگور کے ساتھ یہ وقت کے ساتھ حلوہ تیار کرتے ہیں۔

☆☆☆

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک مجذوب شخص تھا جو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا جب بھی لوگ اسے پکڑ کر کسی گھر میں بند کرتے تو وہ کچھ دیر بعد ہی باہر نظر آتا۔ ایک روز میرے والد صاحب مجھے ملنے کے بعد دیگر چند افراد سے باتیں کر رہے تھے کہ وہی پاگل شخص غضب ناک ہو کر ان کی طرف لپکا اور مکا لہرا کر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''کیا یہ اس بچے کے لیے نہیں تھا؟ میں تمہیں لے جاؤں گا اور دریا میں پھینک دوں گا اور وہ ایسا دریا ہے جس میں ہاتھی تک بہہ جاتا ہے۔ اور وہ نمک کے صحرا سے گزرتا ہے۔'' پھر وہ مجذوب مجھے مخاطب ہوا اور کہا ''اللہ تمہیں خوش رکھے۔'' اس نے مجھے سلام کیا اور چل دیا۔ اس کے بعد میں مرنے تک خود فراموشی میں مبتلا نہ ہوا۔ اس میں میری کسی کوشش کا عمل دخل نہیں تھا بلکہ مجبوراً ایسا ہوا۔ میرے ہاتھ کسی چیز کے ساتھ مصروف کار نہ ہوئے۔ جہاں کہیں تبلیغ ہو رہی ہوتی میں وہاں چلا جاتا۔

☆☆☆

میری ذات کے اندر ایک اچھی خبر تھی۔ مجھے حیرت ہے ان لوگوں پر جو اس اچھی خبر کے بغیر بھی خوش تھے۔ اگر انہیں طلائی تاج بھی پہنا دیے جائیں تو بھی وہ مطمئن نہیں ہوں گے۔ ''ہم ان کے ساتھ آخر کیا کریں گے؟ ہم اپنے باطن کے دروازے کھولنا چاہتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے انہیں لے جانے دو اور ہمیں وہ کچھ دو جو حقیقت ہے۔'' جب میں بچہ تھا تو وہ مجھے کہا کرتے تھے ''تم اتنا اداس کیوں ہو؟ کیا تمہیں کپڑے یا پیسے کی ضرورت ہے؟'' میں جواب دیتا تھا کہ ''میرا دل چاہتا ہے کہ وہ میرے پاس سے تمام کپڑے لے جائیں اور مجھے میرا مقصود دے دیں۔''

☆☆☆

Marfat.com

جب میں ابھی بڑا ہو رہا تھا اور بالغ نہیں ہوا تھا تو تیس سے چالیس روز تک میرے عشق نے میری بھوک ماردی۔ اگر وہ کھانے کی بات کرتے تو میں اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیتا۔ ہاں ...... کیا دور تھا وہ؟ وہ مجھے تھوڑا سا کھانا دیتے جو میں قبول کر لیتا اور شکوہ نہ کرتا اور اسے اپنی آستین میں چھپا لیتا۔ ایسی ہی محبت کے ساتھ مُرشد نے اپنی آتشِ کیفیت کے ساتھ مجھے سماع میں جکڑ لیا۔ وہ مجھ سے کسی چھوٹے پرندے کی مثل سلوک کر رہے تھے۔ ایک ایسے آوارہ منش انسان کی طرح جس نے تین روز سے کچھ نہ کھایا ہو اور اسے روٹی مل جائے۔ وہ جھپٹ کر روٹی لیتا ہے، اور جلدی اور بے تابی سے توڑ لیتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں میری کیفیت ایسی ہی تھی۔ میری دونوں آنکھیں ایسی تھیں جیسے خوف سے بھری دو پلیٹیں ہوں۔ میں ایک آواز سن رہا تھا ''وہ اب بھی خام ہے۔ اسے کسی کونے کھدرے میں ڈال دو تاکہ وہ خود اپنی ہی آگ میں پک جائے۔'' اب خدا نخواستہ کسی سرائے سے کوئی فاحشہ خرید لیں میں سو گنا زیادہ رفتار اور مہارت سے رقص کر رہا تھا۔ جب ایک مخلص انسان رقص کناں ہوتا ہے تو ساتوں آسمان زمین اور تمام مخلوق بھی رقص شروع کر دیتے ہیں۔ اگر ایک محمدی مشرق میں رقص کرتا ہے تو دوسرا محمدی مغرب میں ہو تو وہ رقص کر کے محظوظ ہو۔

☆☆☆

بحث یہ تھی کہ جب میں چھوٹا تھا تو میری بھوک مر گئی۔ تین تین یا چار چار دن گزر جاتے اور میں کچھ نہ کھاتا۔ اِس کی وجہ لوگوں کی باتیں نہیں بلکہ کیوں اور کیسے کے بغیر خدا کے الفاظ تھے۔ میرے والد کہہ رہے تھے ''اوہ میرا بیمار بیٹا۔'' ماں بول رہی تھی ''یہ کچھ نہیں کھائے گا۔'' میں نے کہا کہ ''بہر حال میں ناتواں نہیں ہوا۔ مجھ میں اب بھی اتنی طاقت ہے کہ اگر آپ کہیں تو میں اس کھڑکی سے پرندے کی طرح اُڑ کر نکل جاؤں۔'' ہر چار روز بعد کمزوری ایک لحہ کے لیے مجھ پر غالب آجاتی لیکن پھر چلی جاتی۔ ایک نوالہ تک نیچے نہ جاتا۔

''تمہیں ہو کیا گیا ہے؟''

''کچھ نہیں ہوا۔ کیا میں مجذوب نظر آتا ہوں؟ کیا میں نے کسی کے کپڑے پھاڑے ہیں؟ کیا میں نے آپ کا گریبان پکڑا ہے؟ کیا آپ کے کپڑے پھاڑے ہیں؟''

''لیکن تم کھاتے کچھ نہیں۔''

''میں آج کچھ نہیں کھا رہا۔''

''کل پرسوں اس سے اگلے دن؟''

اہلِ شہر کیا تھے؟ میرے والد میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں اپنے ہی شہر میں اجنبی تھا۔ میرے والد میرے لیے غیر ملکی تھے۔ میرا دل ان سے خوف زدہ تھا۔ میں نے تصور میں دیکھا کہ وہ مجھ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ وہ مجھ سے نرم الفاظ میں گفتگو کرتے لیکن مجھے لگتا کہ وہ میری پٹائی کر کے مجھے گھر سے باہر پھینکنے والے ہیں۔ میں کہا کرتا۔ ''اگر میرے مفاہیم نے ان کے مفاہیم سے جنم لیا ہوتا تو یہ اس کا نتیجہ ہونا

Marfat.com

چاہیے۔ اِس سے ان کے ساتھ مانوس ہونا چاہیے اور کامل ہونا چاہیے۔ ایک مرغی کے نیچے بطخ کے انڈے۔'' اُن کی آنکھوں سے آنسو بہا کرتے۔

☆☆☆

میں نے دیکھا کہ میرا گھر اور پورا شہر ان کے گرد طواف کر رہا ہے اور اس کی سرحدوں کے اندر ایک ایسی روشنی تھی جس کا الفاظ میں بیان مشکل ہے۔ میں نے اوپر کی جانب دیکھا اور مجھے گھر کی چھت دکھائی نہ دی۔ اس کیفیت میں میرے والد نے کہا کہ ''آہ میرا بچہ'' دوندیوں کی طرح آنسو ان کی دونوں آنکھوں سے بہ رہے تھے...... خون کے آنسو اسی حالت میں وہ اور بھی کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن وہ بات نہ کر سکے اور بخار شدت اختیار کر گیا اور پھر وہ چلے گئے۔

میرے پاس طلبہ کا ایک گروپ ہوا کرتا تھا۔ شفقت اور پند ونصائح کرنے کی بجائے میں ان سے درشتگی سے پیش آتا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''جب ہم اُس کے ساتھ بچے تھے تو اس نے کبھی اس طرح ہماری مٹی پلید نہیں کی تھی۔ شاید اب یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔'' میں ہر قسم کی نرمی کو کچلنے کا عادی تھا۔

☆☆☆

ایک بچہ تھا جو میری گفتگو سنا کرتا تھا۔ وہ ابھی تک چھوٹا تھا۔ اپنے والدین سے دور ہو کر سارا دن میرے ساتھ چپکا رہتا تھا۔ وہ کہتا کہ ''مجھے خدمت کا موقع دیں اور اپنے ساتھ رہنے دیں۔'' اس کی ماں اور باپ دونوں رو رہے تھے اور ان کے جسم ہچکولے لے رہے تھے۔ بچے کو خوف گزرا مبادا میں اس کے والدین کی کیفیت سے آگاہ ہو کر اسے دھتکار دوں۔ صورت حال اس سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔

وہ تمام دن اپنا سر گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھا رہتا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو اس طرح جواب دیا کہ وہ مزید کوئی اعتراض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ان دنوں میں دروازے کے پاس کھڑے ہو کر سنتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ مجھے یہ کلام سنائی دیا۔

''آپ کے کوچے میں عشاق آتے اور جاتے ہیں۔
خونِ جگر ان کی آنکھوں سے بہتا ہے اور وہ چلے جاتے ہیں
میں آپ کے در پہ خاک نشین ہوں۔
جبکہ باقی ہوا کے جھونکے کی طرح آتے اور جاتے ہیں۔''

میں نے کہا کہ جو کچھ بولا ہے وہ مکرر ہو جائے۔
اس نے کہا ''نہیں۔''
بالآخر وہ اٹھارہ برس کی عمر میں چل بسا۔

☆☆☆

Marfat.com

ہاں میں بچّوں کو کتنی اچھی طرح تعلیم دیا کرتا تھا۔ جب ایک بچہ میری طرف آتا تو میں اس کے والد سے کہتا "بچے کو یہاں کیوں لائے ہو؟" اس کی خفگی اور سیکھنے کی خواہش کی حامل کیفیت اوراس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے۔ اگر وہ کہتا کہ ہاں یہ بچہ گلیوں میں کھیلتا ہےاوراس کے لیے بہتر ہے کہ یہ بچّوں کے ساتھ بیٹھا رہے۔ پھر میں بچّوں کے پاؤں باندھ کراس کے باپ کے سامنے اس کی پٹائی کرتا اور ان دونوں کو کان سے پکڑ کر مدرسے سے نکال دیتا۔ اگر وہ کہتا ہے کہ "میں بچے کو اِس لیے یہاں لایا ہوں کہ آپ اِسے تعلیم دیں۔" میں کہتا کہ "میرے لیے ضروری ہے کہ میں اس کی پٹائی کروں۔ اگر یہ پھٹے ہوئے سر اور ٹوٹے پاؤں کے ساتھ تمہارے پاس واپس آیا تو کیا تم کہوگے کہ اس نے تمہیں کیوں مارا؟" اگر وہ کہتا کہ "ہاں میں کہوں گا۔" تو میں کہتا "یہاں سے چلے جاؤ۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ لڑکے کو بھی لے جاؤ۔" لیکن اگر وہ کہتا کہ "آپ ہی بچے کے مالک ہیں چاہے اسے ماریں چاہے اسے جان سے ماردیں۔" اِس پر بچّے کو لگتا کہ اُس کے پاس فرار کی کوئی راہ نہیں بچی۔ کوئی پناہ گاہ باقی نہیں اور اُستاد کی فرمانبرداری کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ کہ وہ گندے لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھے گا اور حشیش نہیں کھائے گا یا اور کوئی بُری عادت نہیں اپنائے گا۔ پھر اگر وہ لڑکا آٹھ یا نو سال کا ہوتا جس کی ابھی آنکھیں بھی پوری طرح نہیں کھلی ہوتیں اور جو بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں جانتا تھا اور جس کی پرواز سفر یا اختلاف کی کوئی سوچ نہیں ہوتی تھی وہ سب کچھ سیکھ سکتا جو میں پڑھاتا تھا۔ ارضِ روم میں، میں نے ایک بچے کو تین ماہ کے دوران پورا قرآنِ مجید پڑھا دیا۔

میں نے کہا۔ "میں اِسے تین ماہ میں پڑھا دوں گا۔" اور میں نے کہا کہ یہ مجھے دوسو درہم فیس دے۔

اس نے کہا۔ "میں آپ کو دوسو درہم کی دستار خرید دوں گا۔"

میں بولا۔ "نہیں۔ مجھے نقد رقم چاہیے۔"

☆☆☆

جیسا کہ میں نے بتایا میں نے ایک بچّے کو تین ماہ میں پورا قرآن شریف پڑھا دیا۔ "تین ماہ ختم ہونے سے پہلے میں نے کچھ نہ پوچھا کہ اس نے کیا کچھ سیکھا۔ اگر آپ پوچھتے ہیں تو یہ آپ کی غلطی ہوگی۔" اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ ایک بچہ تھا جو پہلے کسی سکول میں دوسال جاتا رہا تھا اور اُس نے قرآن کا آخری ایک تہائی حصّہ پڑھا تھا اور وہ بھی اُسے پوری طرح یاد نہیں تھا۔

ایک مجمعے میں اُس نے قرآن کی تلاوت شروع کردی۔ اس کا والد حیران تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "کیا تم میرے ہی بیٹے ہو؟"

وہ بولا "جی ہاں۔"

اُس نے کہا "مجھے غور سے تمہیں دیکھنے دو۔"

وہ بولا "جی غور سے مجھے دیکھ لیں۔"

Marfat.com

ایک طرف اُس کی ماں روتے روتے بے ہوش ہوگئی۔ وہ کسی گھر میں خادمہ تھی۔ اور اب خود اُس کے گھر میں دس خادمائیں قطار بنائے کھڑی تھیں۔ اُس نے طے شدہ دو سو درہم کی بجائے پانچ سو درہم دیے۔

اُس نے یہ بھی کہا کہ ''آپ ہمارے گھر میں سو جائیں۔''

میں نے کہا کہ ''ہمسائے اعتراضات کریں گے۔ ایک خوب صورت بیوی خوبصورت بچہ۔''

میں نے واضح کہا کہ ''میں کسی کو الزام تراشی کا موقع نہیں دینا چاہتا۔''

اُس نے کہا کہ ''کیسے الزامات؟ یہ لوگ کون ہوتے ہیں؟''

☆☆☆

میں جماعت کو پڑھا رہا تھا۔ وہ میرے پاس ایک شوخ بچے کو لائے جس کی آنکھیں لہو رنگ تھیں۔ وہ اندر آیا ''آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ اے معلم کیا میں اذان دوں؟ میں کافی خوش الحان ہوں۔ کیا میں آپ کا معاون بن جاؤں؟ بولیں؟''

میں نے اُس کی حالت سے اُس کی ماں اور باپ کو مطلع کیا کہ اگر آپ کا بچہ ٹوٹے بازو کے ساتھ آپ کے پاس واپس جائے تو کیا اُن کا رویہ تبدیل ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بچے کے لیے اپنے خلوص اور شفقت کے باعث ہم خود تو کبھی اپنے بچے کو مارنا پسند نہیں کرتے لیکن اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو ہم معترض نہیں ہوں گے۔ ہم تحریراً بھی یقین دہانی کرانے پر تیار ہیں۔ اِس لڑکے نے ہمیں سولی پر لٹکا رکھا ہے۔

میرے مدرسے کے تمام بچوں نے اپنے سر جھکا لیے۔ ایسے جیسے کوئی گہری سوچ میں گم ہو۔ وہ لڑکا اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنا ہم جولی ڈھونڈنے لگا جس کے ساتھ وہ ہنس کھیل سکے۔ اسے ایسا کوئی نہ دکھائی دیا وہ خود کلامی کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ کیسے لوگ ہیں؟'' اس نے ایک طالب علم کے بال کھینچے جب کہ دوسرے سے دُکھ کے ساتھ سرگوشی کی۔ وہ اس نو وارد سے مزید دور ہو گئے لیکن انہوں نے کوئی گڑبڑ کرنے کی جرأت نہ کی۔

میں نے ایسے ظاہر کیا جیسے میں ان سے بالکل لاتعلق ہوں۔ میں بولا۔ ''یہ کیا ہے؟ تم لوگ میرے سر پر کیوں سوار ہو؟''

اس نے کہا: ''کچھ نہیں، استاد جی، کوئی باہر سے اس کے گرد حرکت پذیر ہے۔''

میں زور سے دھاڑا جس سے وہ خوف زدہ ہوگیا۔

نمازِ ظہر سے پہلے وہ اٹھ کھڑا ہوا ''استاد جی، آج میں ذرا پہلے جانا چاہتا ہوں، میں ابھی تک نو وارد ہوں۔''

دوسرے دن وہ آیا۔ میں نے پوچھا کہ تم نے کیا پڑھا ہے؟

''سورۃ طلاق تک......''

میں نے کہا: ''اللہ تمہارا بھلا کرے آؤ سبق پڑھو۔''

Marfat.com

اس نے قرآن مجید کھولا لیکن جلدی کی وجہ سے ایک ورق پھٹ گیا۔ میں نے کہا۔ ''تمھیں مقدس کتاب پکڑنے کی تمیز نہیں'' اور اسے ایک تھپڑ جڑ دیا۔ وہ منہ کے بل نیچے جا گرا۔ پھر ایک اور تھپڑ مارا اور اس کے بال کھینچنے لگا۔ میں اس بری طرح سے اس کے ہاتھ رگید رہا تھا کہ اس سے خون نکلنے لگا۔ ''میں اسے سٹور کی طرف لے جاتا ہوں۔''

میں نے چپکے سے ہیڈ ماسٹر کو طلب کیا جس کے لیے میں نے خفیہ اشارے مقرر کر رکھے تھے۔ وہ معاملہ رفع دفع کرانے کے لیے آیا۔ اس نے مجھے سلام کیا لیکن میں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ بچہ مجھے دیکھ رہا تھا......

''اوہ یہ تو ہیڈ ماسٹر صاحب سے بھی اس طرح پیش آتے ہیں۔''

میں نے کہا''تم کیوں آئے ہو؟''

اس نے کہا: ''آپ سے ملنے کو دل کیا تو چلا آیا۔''

وہ گفتگو کو طول دے رہا تھا اور لڑکا چپکے سے سب سن رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مطلب ''مداخلت'' کے لیے آئے ہو؟

اس نے لبوں پر زبان پھیری، مطلب یہ کہ ''جیسے ہی مجھے کوئی موقع ملا۔''

پھر اس نے کہا: ''میں یہاں ہوں اب ڈرنے کی ضرورت نہیں، ذرا توقف کرو۔''

اس کے بعد بولا: ''جناب آپ مجھے اجازت دیں کہ یہ چلا جائے۔''

میں خاموش رہا۔ ایک خدمت گار آیا اور اسے گھر لے گیا۔ پورے ایک ہفتے تک وہ گھر سے باہر نہ نکلا۔

اگلے روز صبح میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے ماں اور باپ آئے اور میرے پاؤں پر گر گئے۔ ''ہم آپ کا کس منہ سے شکریہ ادا کریں؟ ہمیں تو نئی زندگی مل گئی ہے۔''

میں نے کہا: ''شاید اب وہ دوبارہ نہ یہاں آئے۔''

قصہ مختصر، ایک ہفتے بعد وہ آیا، دروازہ بند کیا اور چپکے سے ایک طرف بیٹھ گیا اور خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے اسے آگے بلایا اور کہا: ''اپنی جگہ پر بیٹھو۔''

اس نے نہایت احترام سے قرآن مجید کھولا۔ اس نے سبق لیا اور پہلے سے کہیں زیادہ مودبانہ طریقے سے یاد کیا۔

کئی روز بعد وہ بھول گیا۔ کسی نے کہا کہ وہ بارہ پانسہ کھیل رہا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ مخبر نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ میں گیا۔ مجھے اطلاع دینے والا لڑکا بھی میرے ساتھ تھا۔ میں نے اسے ڈرانے کو مارنے کے لیے چھڑی اٹھالی۔

وہ جگہ صاف کر کے کھیل رہے تھے۔ اس کی پیٹھ میری جانب تھی اور میں کہہ رہا تھا۔ ''کاش وہ مجھے

Marfat.com

دیکھ کر بھاگ لے۔''

تمام بچے اجنبی تھے۔ انہیں پتہ نہیں تھا کہ اس صورت حال کا میری ذات سے کیا تعلق ہے۔ وہ جانتے تو اسے بھاگنے کو کہہ دیتے۔ میرے پیچھے کھڑے لڑکے کی گویا جان نکل گئی، وہ ہزاروں رنگ بدل رہا تھا۔ وہ امید کر رہا تھا کہ دوسرا لڑکا اس کی طرف رخ کرے گا اور وہ اسے بھاگنے کا اشارہ کرے گا۔ اس کی پیٹھ ہماری طرف تھی اور وہ بالکل لاعلم تھا۔ وہ اس کے سامنے آیا اور بولا: ''السلام علیکم'' وہ زمین پر گر گیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور رنگ سفید پڑ گیا۔ وہ منجمد ہو کر رہ گیا۔

میں نے کہا: ''چلو اٹھو، یہاں سے چلیں۔''

ہم آ گئے اور اسے مدرسے لے گئے۔ پھر میں نے چھڑی پانی میں بھگو دی۔ وہ پہلے ہی نرم تھی اور اب ایسی تھی جس کے بارے میں آپ پوچھنا نہیں چاہیں گے۔ وہ اسے سٹور کی طرف لے گئے۔ وہ لڑکا جس نے بچوں کو پیٹا تھا بولا: ''محترم استاد صاحب'' اس نے ایک ناتواں لڑکے کو کوڑے میں رکھ کر کہا۔

میں نے اپنے معاون سے کہا: ''تم اسے پکڑ کر مارو کیوں کہ میرے اپنے ہاتھ پٹائی کر کے تھک چکے ہیں۔''

میرا معاون کچھ دیر تک اسے مارتا رہا پھر میں نے اسے کہا: ''تم اسے قابو میں رکھو اور دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔''

وہ دیکھا کیے۔ میں نے چھڑی اٹھائی اور اسے خود مارنے لگا۔ چوتھی ضرب پر اس کی کھال ادھڑنے لگی۔ وہ دل سے زار و قطار رو رہا تھا اور آنسو نیچے گر رہے تھے۔ وہ چیخنے لگا۔ پھر اس کی گھگی بند ہو گئی۔

مختصر یہ کہ وہ اسے گھر لے گئے۔ وہ ایک ماہ تک باہر نکلنے کے قابل نہ ہو سکا۔ جب وہ باہر آیا تو اس کی ماں نے کہا: ''تم کہاں جا رہے ہو؟''

اس نے کہا: ''استاد کی طرف۔''

ماں بولی: ''وہ کیوں بھلا؟''

لڑکے نے کہا: ''وہ میرا خدا ہے۔ ایک معلم کا کیا مقام ہے۔ میں اپنی موت تک ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اللہ جانتا ہے کہ میرا کیا بنے گا اور وہ کس پھانسی گھاٹ پر مجھے خشک کریں گے۔ انہوں نے مجھے کس قابل بنایا۔''

اس نے اپنے ماں باپ کے لیے دعا کی جو اسے میری طرف لے کر گئے تھے۔ والدین بھی میرے لیے دعا گو تھے اور ہمسائیوں نے بھی اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے۔ یہ ایک آوارہ لڑکا تھا اور اس کے شر سے کوئی جوان کوئی بچہ محفوظ نہیں تھا۔ اگر شہر کا بادشاہ بھی اس سے مخاطب ہوتا تو وہ اسے بھی مطعون کر ڈالتا اور پتھر مارتا۔ یہ ایسا بے باک تھا جیسے سیکڑوں قتل کیے ہوں اور اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

Marfat.com

بہر حال وہ واپس آیا تو سب سے زیادہ مؤدب اور ذہین تھا۔ اگر کوئی اس کی طرف جاتا تو وہ منہ پر انگلی رکھ کر کہتا ''چپ''۔ مختصر یہ کہ تھوڑے سے عرصے میں، میں نے پورا قرآن اسے ازبر کرا دیا۔ اور وہ نہایت خوش الحانی سے اذانیں دیتا۔ ان دونوں مواقع کے سوا کچھ نہ ہوا اور وہ میرا معاون بن گیا۔

☆☆☆

تم خدا کے بندوں میں سے ایک ہو۔ میں یہ حقیقت کیوں چھپاؤں اور منافقت کیوں کروں؟ میں اچھا اور بے داغ ہوں۔ میں اپنی روح کے کنٹرول میں تھا۔ قابل اعتماد اور میری ان معاملات کی طرف کوئی رغبت نہیں تھی۔ پس میں کچھ عرصے تک ارضِ روم میں رہا۔ درویش حضرات جو کئی سو سال تک اس راہ پر گامزن تھے اور منزل کھو بیٹھے تھے۔ میں ایسا مصور تھا کہ وہ بچہ جسے میں نے پڑھایا...... جو سیکڑوں ہزاروں تصویروں جیسا تھا۔ وہ میری معصومیت سے دھوکا کھا گیا۔ ایک بار وہ ارادتاً مجھ پر گر گیا اور میری گردن سے ایسے چمٹ گیا جو بیان سے باہر ہے۔ میں نے اسے زور سے تھپڑ مار دیا۔ میری اشتہا اتنی مر چکی تھی کہ عضو خشک ہو چکا تھا۔ عضو سے بھوک بالکل اڑ چکی تھی۔

میں اس وقت تک اسی حالت میں رہا جب تک میں نے ایک خواب نہ دیکھ لیا۔ وہ مجھے کہہ رہا تھا: ''یقیناً تمہاری روح کا بھی تم پر حق ہے۔ اسے اس کا حق دو۔''

☆☆☆

ارضِ انکان کی طرف سفر کے دوران صوفیوں کا ایک گروہ میرا ہم سفر بن گیا۔ انہوں نے مجھے اپنا امیر چن لیا۔ ''آپ کی اجازت کے بغیر ہم کسی مقام پر نہیں رکیں گے، کہیں کھانے کا دستر خوان نہیں بچھائیں گے اور آپ کے حکم کے بغیر ہم کوئی مسئلہ پیدا نہیں کریں گے۔ چاہے ہم ایک دوسرے سے کیوں نہ الجھ رہے ہوں۔''

کئی روز گزر گئے۔ انہیں کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکیں۔ یہ تربوزوں کا موسم تھا۔ کسی نے دور سے کھیرے کے کھیت سے چلا کر آواز دی اور ہماری طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا ''درویشو! یہاں آؤ، اپنی مدد کرو۔''

درویش وہاں جانا چاہتے تھے لیکن میں نے کہا ''جلدی مت کرو'' تاہم انہوں نے کہا کہ ''ہم بھوکے ہیں۔ بھوکے سے کوئی کام نہیں لیا جانا چاہیے۔ سخاوت کو مسترد نہیں کرنا چاہیے۔''

میں نے کہا کہ ''وہ کوئی جانے کی جگہ نہیں۔ یہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس صوفی کی طرح جو اپنی روٹی کی فکر کرتا ہے۔ اگر میرے نزدیک آپ بہتر ہیں تو آپ کو کھانا ملے گا۔ بصورتِ دیگر آپ میرے ہاتھ میں ہیں۔''

ہم نے اپنے کان ڈھیلے کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم نہیں سمجھے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ہم نے اپنے ہاتھ ہلائے ''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ نزدیک آ گیا اور خود کو سنجیدہ ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ میں نے کہا کہ ''ایک شرط ہے کہ تم وہی کچھ درویشوں کو دو گے جو خود کھاؤ گے۔''

Marfat.com

وہ میرے قدموں میں گر گیا اور ایک لمحے کے لیے ہکا بکا رہ گیا کیوں کہ یہی اس کی اصل صورتِ حال تھی۔ اس نے درویشوں کے لیے کچھ ٹکڑے جمع کر رکھے تھے۔ میں نے کہا: ''یہ اچھی بات نہیں۔ تم خود اچھے والے حصے کھا رہے ہو اور گندے والے حصے خدا کی راہ میں دے رہے ہو۔''

وہ زور سے چیخ کر نیچے گر گیا۔ اس نے تین روز تک درویشوں کو اپنے گھر مہمان رکھا۔ اس نے تین بھیڑیں ذبح کیں۔ میں نے کہا ''یہ حد ہے تم نے تین روز تک ہماری مہمان نوازی کی۔ اب اپنے لیے بھی کچھ رکھ لو۔''

ہم ارض انکان چلے گئے تھے اور اپنے ساتھیوں کو الوداع کہہ دیا۔ جب تک انہیں میری حقیقت کا پتا نہیں تھا۔ یہ بات میرے لیے مسرور کن تھی۔ ہم کھیل رہے تھے اور کشتی بھی لڑے۔ جب وہ مجھے پہچان گئے تو میرے پاس آئے۔ ''سچ ہے، یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہی تھا۔''

تین روز تک میں مزدوری کی تلاش میں گیا لیکن کوئی مجھے نہ لے گیا کیوں کہ میں کمزور تھا۔ وہ توانا مزدوروں کو لے جاتے اور مجھے چھوڑ جاتے۔ ایک شریف آدمی نے مجھے سڑک پر کھڑے دیکھا اور اپنے ملازم کو میرے پاس بھیجا کہ میں کیوں وہاں کھڑا ہوں۔

میں نے کہا: ''کیا تم نے سڑک کو قانونی طور پر اپنے نام لگوایا ہے؟ اگر تم شہر اور سڑک کو اپنے نام لگوایا ہے تو بتاؤ'' قصہ کوتاہ، وہ انکساری کے ساتھ میری طرف آیا اور مجھے اپنے ساتھ گھر لے گیا اور اعلیٰ جگہ رہنے کے لیے فراہم کی۔ اس نے مجھے کھانا دیا اور احترام کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ جب میں نے کھانا کھا لیا تو وہ بولا: ''جب تک آپ اس شہر میں ہیں آپ میری طرف آئیں اور کھانا کھائیں۔'' اس کے ان الفاظ نے مجھے جانے سے روک دیا۔

ایک دن اس نے مجھے سرِ راہ پکڑ لیا اور کہا: ''ابن آدم، آؤ اور مجھے اس مشکل سے نجات دلاؤ۔ دوستی کبھی یک طرفہ نہیں ہوتی۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میرا دل تمہیں چاہتا ہے اور میں جانتا ہوں تمہارا دل بھی مجھے چاہتا ہے۔ لیکن تم نے مجھے پردے میں رکھا۔ کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ ایسے کیوں کیا؟''

میں نے کہا: ''میرا ایک اصول ہے کہ میں جب کسی کو پسند کرتا ہوں تو شروع سے ہی میں ترش روئی کا مظاہرہ کرتا ہوں تاکہ میں پورے کا پورا اس کا بن جاؤں۔ کھال اور گوشت۔ درشتگی اور نرمی۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ نرم روی کی خاصیت یہ ہے کہ اگر آپ پانچ سالہ بچے سے نرمی کا مظاہرہ کریں تو وہ آپ کا بن جائے۔ لیکن ایک مرد کچھ اور چیز ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ امیر اس کے ساتھ کتنے تحمل کا مظاہر کر رہا ہے اور اسے کیا گزند پہنچا رہا ہے اور اس گزند کے پیچھے خوش نصیبی اپنا چہرہ دکھاتی ہے اور (جب وہ دیکھتا ہے) کہاں وہ اسے لے جاتا ہے اور یہ کہ وہ اسے راز میں شامل کر رہا ہے تو وہ بے باک ہو جاتا ہے اور یہ خوف نہیں کرتا کہ اسے مار دیا جائے گا کیوں کہ اسے مارا نہیں جائے گا۔ اس کی

Marfat.com

بجائے بقا کے ساتھ بقا یا پھر ہزاروں بقائیں۔

☆☆☆

اس نے کہا: اس راستے پر جرائم پیشہ عناصر منڈلا رہے ہیں اور مجھے آپ کے وہاں جانے پر کسی خطرے کا خوف ہے۔

پھر تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟ میں ایک جنگل میں گیا جہاں شیر تک جانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ درختوں میں سے ہوا سرسراتی گزر رہی تھی۔ ایک آوارہ لڑکا میرے پاس آیا اور کہا کہ: ''لعنت ہو تم پر'' میں نے اس کی بات پر کوئی کان دھرے نہ اس کی طرف دیکھا۔ وہ کئی بار چیخا اور آخر کار مجھ پہ اس کا اثر ہونے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جنگی کلہاڑا تھا جو کسی چٹان کو بھی ریزہ ریزہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ ایک بار پھر بولا: ''لعنت ہے تم پر'' تو میں نے اپنا منہ اس کی طرف موڑا۔

میں نے کوئی ہتھیار نہیں استعمال کیا تھا لیکن وہ پیٹھ کے بل جا گرا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا: ''میرا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں سے چلے جاؤ۔''

☆☆☆

میں اس کاررواں سرائے کے ایک کونے میں قیام پذیر تھا۔ کسی نے مجھے کہا کہ: ''کیا تم خانقاہ نہیں آرہے؟''

میں نے کہا: ''میں خود کو خانقاہ جانے کے لیے لائق نہیں سمجھتا۔ انہوں نے خانقاہ اس گروہ کے لیے تعمیر کی ہے تاکہ ان کی کھانے اور کمانے کی فکر ختم ہو جائے۔ ان کا وقت بہت قیمتی ہے اس لیے ان کے پاس اس کے لیے کوئی وقت نہیں۔ میں ان جیسا نہیں ہوں۔''

اس نے کہا: ''کیا تم مدرسے نہیں آرہے؟''

میں نے کہا: ''میں ویسا نہیں جو مباحثہ کر سکتا ہے۔ اگر مجھے اس کی باقاعدہ سمجھ آجائے تو پھر بحث کی گنجائش نہیں، اور اگر میں اپنی زبان میں بحث کروں تو وہ مجھ پر ہنسیں گے۔ تم مجھے غیر مقلد کہو کہ کفر کی بات کرتا ہوں۔ میں اجنبی ہوں۔ یہ کاررواں سرائے کسی اجنبی کے لیے مناسب مقام ہے۔''

کیا تمہیں دروازہ کھولنے کے لیے چابی کی ضرورت ہے؟ چابی کسی چور کو دینی چاہیے۔ تم قابل اعتبار ہو۔ چوروں کا ساتھ نہایت خوش گوار ہوتا ہے۔ قابل اعتبار شخص گھر کو ہوا کے سپرد کر دے گا۔ چور مردانہ وار اور ذہین ہے۔ وہ گھر کی نگرانی کرے گا۔ کافروں کی سنگت کافی خوش گوار ہوتی ہے کیونکہ وہ مجھے کافر سمجھتے ہیں۔

☆☆☆

کوئی شخص مجھے کہہ رہا تھا: ''یہ نکتہ دان ہے۔'' وہ ہنس دیا۔

وہ نالاں ہو گیا۔ وہ تلملا گیا۔ قسم سے اس نے اپنا سر ہلایا۔ وہ ہنس نہیں رہا تھا۔ وہ کیا کہتا ہے ''نکتہ

Marfat.com

دان! بازیگر"
میں کہہ رہا تھا: "میں اب بھی کہتا ہوں کہ میں نہیں ہوں۔"
اس نے کہا: "ساری لڑائی اس پر ہے۔ تمہیں کیوں نہیں ہونا چاہیے؟" اس نے درخواست کی کہ اس کے ساتھ چلوں۔ "کیوں کہ بچے آپ سے مانوس ہیں۔"
"جی بالکل۔"

اس نے مجھے کوئی خوش قسمت انسان نہیں بنایا۔ ناتوانی اور بیمار نوعیت کے باعث اس جیسی جگہیں مجھے نظر آئیں...... دولت وراحت۔ ایک بار پھر میں اس ناتوانی سے دور بھاگا خود اس سے دور بھاگ گیا۔
میں اس چھوٹے سے کمرے میں مقیم تھا جہاں وہ دروازے کے پاس صفائی کرتے تھے۔ میں جمعہ کو وہاں سے باہر آجاتا اور شرابیوں اور نشے بازوں کے سامنے سے ایک لفظ کہے بغیر نکل جاتا۔
اچانک انہوں نے کچھ سنا اور انہوں نے ندامت میں اپنے سر جھکا لیے۔ میں نے کہا: "نہیں، نہیں۔ اگر میں اتنا اچھا ہوتا تو یہاں رہ رہا ہوتا؟"
رات کو میں میمنے کی سریاں بیچنے والے کے پاس چلا جاتا اور روٹی اور شوربا کھاتا۔ اس نے کوئی بو سونگھی اور ہدایت کی کہ مجھے اچھے حصے دیے جائیں۔ میں اب وہاں سے کچھ نہیں خریدتا۔ میں چلا گیا۔ میں تلخ تلخ الفاظ بولتا۔ تم کہتے کہ "یہ پاگل ہے۔"
پورا رمضان ایک صد لوگ مجھے درخواست کرتے رہے کہ میں شام کو روزہ ان کے ساتھ افطار کروں۔ کچھ کو میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کاروان سرائے کے منتظم سے کہا کہ اگر کوئی آدمی مجھے ملنے آئے تو کہہ دینا کہ کوئی اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

☆☆☆

اس دنیا کو دیکھو۔ یہاں ایک ایسی ریاست ہے جہاں ایک سال تک ان کے لیے سردی رہتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا سے ایسے بھاگتے تھے جیسے چوہا (استعارۃً) بلی سے بھاگتا ہے۔ ایک انسان کو سات سروں والا شہر ہونا چاہیے۔ اسے سب کچھ کھو دینا چاہیے۔ کوئی فکر کیے بغیر سب کچھ قربان کرنا چاہیے۔
اس کارواں سرائے میں ایک تاجر بھی تھا۔ ستر گانٹھیں ریشم کی، کئی غلام اور کنیزیں۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ اسے کس نے تخلیق کیا۔ باقی سب قربانی دے رہے تھے۔ ان کے پاس اتنی روٹی نہیں تھی جس سے پیٹ بھر سکے۔ میں نے پورا رمضان ان کی امامت کی۔ ایک دفعہ میں نے کہا کہ "تم لوگ کس کے لیے قربانی دیتے ہو؟ میں جو امام ہوں، مجھے تو اس حوالے سے کچھ نظر نہیں آتا۔"
اس نے کہا: "خدا کی قسم میں سوچ ہی رہا تھا کہ آپ کو آواز دوں تاکہ ہم اکٹھے کھانا کھائیں لیکن دوسروں نے مجھے بلا لیا اور میں مصروف تھا۔"

Marfat.com

بازار کو جاتے ہوئے راستے میں ان کا اس سے تصادم کیوں نہیں ہوا اور محافظ بھاگتے کیوں نہیں؟

اس نے اپنا تمام سامان اپنے سامنے رکھ لیا۔ کاررواں سے پہلے اوران کی پہلی جھڑپ اس سے ہوئی۔

عظیم علما بہت دور تھے۔ مکمل مردہ، مکمل سوئے ہوئے۔ وہ اپنے خوابوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

میں نے کہا: ''میں کانٹوں کے بغیر گلاب چن لوں گا یا کسی ایسے کا دوست بن جاؤں گا جس کا کوئی دوست نہ ہو۔''

☆☆☆

وہ شکوہ کررہا تھا: ''انہوں نے میری جمع پونجی لوٹ لی ہے۔''

میں نے کہا: ''یہ ایک ہندوستانی غلام کی کہانی ہے۔ اس کا مالک جو دکان دار تھا وہ کوئی تیل یا شہد فروخت کرتے ہوئے وزن کر کے ہر کسی سے ایک انگلی تیل یا شہد لے لیتا۔ غلام نے دل میں اس کو ناپسند کیا۔ لیکن وہ کچھ کہنے کی جرأت نہ کرسکا۔ ایک دن چمڑے کی بنی مشک ٹوٹ گئی اور شہد بہہ نکلی۔ غلام کو بات کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ بولا: ''تم نے ایک ایک انگلی شہد جمع کیا اور اب یہ مشک کی مشک ضائع ہوگئی۔''

جو کسی دوسرے کے لیے گڑھا کھودتا ہے، خود اس میں گر جاتا ہے۔

''کسی کا برا مت سوچو، خود تمہارے ساتھ برا ہو جائے گا۔ کسی کے لیے گڑھا مت کھودو خود اس میں گر جاؤ گے۔''

☆☆☆

ہر کوئی بہادری کی، تاریخ کی باتیں کررہا تھا۔ جب یہ حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچی تو ایسی تھی ویسی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچی تو ایسی تھی ویسی تھی۔ اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر المومنین تک پہنچی تو ایسی تھی ویسی تھی۔ ہر کسی نے اپنی حیثیت کے مطابق اپنی رائے دی۔ جب میری باری آئی تو جتنا انہوں نے اصرار کیا اس کے باوجود میں نے کچھ نہیں کہا اور بولا ''میں کچھ نہیں کہوں گا۔''

وہاں ایک درویش تھا، اس کا سر جھکا رہتا تھا اور وہ ایک لفظ نہیں بولتا تھا۔ میرے اندر اس کے ساتھ بات کرنے کی خواہش جاگی۔

میں نے کہا: ''آدم علیہ السلام کا بیٹا ایک بار ان کی زندگی سے ضرور نکلا ہوتا...... اگر اس نے نکلنا تھا...... اور اس کی باقی پوری زندگی معافی مانگنے میں گزری ہوتی۔ اپنے والد کی روایت کے مطابق۔ وہ جو اپنے باپ جیسا ہو، اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ اس کے بعد میں نے حضرت آدم علیہ السلام کی جنت سے بے دخلی اور پچھتاوے پر بات کرنا شروع کردی۔

☆☆☆

حالانکہ قاضی شمس الدین خوئی میرا بہت احترام کرتا تھا پھر میں نے اس سے کہا کہ میں جانا اور کام

Marfat.com

کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ وہ مجھے سبق نہیں دے گا۔ اس نے کہا: ''میں نے تمہیں اس طرح تربیت دی۔''

میں نے کہا: ''نہیں، میں کوئی کام تلاش کروں گا۔''

اس نے کہا: ''میرے بیٹے تم اس گہری سوچ کی کیفیت اور ناتوانی کی حالت میں کیسے کام کرو گے؟''

انہوں نے مجھے حیرت کے ساتھ ماہرین فقہ سے ملوایا: ''اسے دیکھو، اس مقام اور سلطنت کے ساتھ یہ کام کرنا چاہتا ہے۔''

☆☆☆

قاضی شمس الدین کو الوداع کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مجھے تعلیم نہیں دی۔ اس نے کہا: ''میں خدا کے روبرو شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔ تم ایسے ہو جیسے خدا نے پیدا کیا تھا۔ کوئی اور انسان۔ اور اس نے تمہیں خوب صورتی کے ساتھ پیدا کیا۔ میں خدا کی مخلوق کو بدوضع نہیں بنانا چاہتا۔ میں نے ایک شان دار موتی دیکھا ہے، میں اس موتی کو ڈھانپنا نہیں چاہتا۔''

میں نے کہا: ''جب میں پاس ہوں تو مے نوشی مت کیا کرو۔''

دیگر لوگ کہتے: ''ہم مدرسوں اور مساجد کے ماہرین علم فقہ ہیں۔ ہم خوف زدہ نہیں۔ تم اپنے ہاتھ کی مشقت کے ساتھ کام کرتے ہو۔ اگر تم سربازار مے نوشی کرتے ہو تو ڈر کاہے کا؟''

میں ان کے ایسے الفاظ سے نہیں بھاگا۔ اگر میں شراب کے مٹکے میں جا کر بیٹھ جاؤں تو بھی میرے کپڑے نماز کے لیے ناپاک نہیں ہوں گے۔ اس سے مجھے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے؟ البتہ جب میں چھوٹا تھا تو میں نے اس سے کچھ نہ پایا۔ میں اس سے دور بھاگ گیا۔ جب میں نے نشے کی کیفیت کو دور سے دیکھا تو مجھے کراہت محسوس ہوئی۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ کیفیت مجھ پر بھی طاری نہ ہو جائے۔

وہ عالم بھی نشہ کرنے کا عادی تھا۔ قاضی شمس الدین خوئی اس کا نہایت احترام کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا: ''اس کی پیدائش مجھ سے کہیں زیادہ قابل احترام ہے اور وہ دولت مند ہے۔'' وہ جانے کیا کیا بتاتا رہا کہ وہ ایسے ہے، ویسے ہے لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ ایک روز اس نے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ اس کے معاملے میں میں بے بس ہوں، لیکن یہ کچھ زیادہ آبرومندانہ نہیں ہوگا۔''

اس نے مجھے کہا کہ ''قاضی نے بھی مجھے فلاں فلاں بات کی جس پر مجھے شرمندگی ہوئی۔''

وہ ہنس رہا تھا۔

''ہم بچپن سے ایک نیک انسان کے بیٹے تھے۔ شراب نوشی کرتے تھے، اب یہ عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ اگر میں دو یا تین روز تک شراب نوشی نہ کروں تو میرے اعضا میں کپکپاہٹ شروع ہو جاتی ہے۔ فالج اور بیماری کی طرح۔''

چونکہ شریعت یہی کہتی ہے کہ مجبوری کے وقت (وائن) جائز ہے اور اگر وہ رضا کارانہ خود کو روکتا ہے تو

Marfat.com

ہلاک ہو جائے گا۔ مسلمان اس کے خون پر بری الذمہ ہوں گے۔

ہمارے شہر میں یہی صورتِ حال تھی۔ وہاں ایک درویش تھا جو علیل ہو گیا۔ کسی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ دوائی پی لے۔ لیکن اسے دوائی میں نشہ آور عنصر ہونے میں تامل رہا چنانچہ وہ مر گیا۔ مرنے کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کا چہرہ کعبے کی مخالف سمت کی طرف ہو گیا تھا۔ اس نے کہا: ''خواب میں مجھے اتنی حیرت ہوئی کہ اس کی قبر پر چلا گیا اور اپنی انگلیوں سے قبر کھودی، اندر دیکھا کہ دھواں ہی دھواں بھرا تھا۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ اس آدمی نے کہا کہ کیا تم یہ چھوٹی سی مقدار دیکھ کر بھاگ رہے ہو؟ میں نے واپس جا کر دیکھا کہ وہ پورے کا پورا سیاہ ہو گیا ہے۔ میں نے احتیاط سے دیکھا۔ اس کا چہرہ خانہ کعبہ سے مڑا ہوا تھا۔

سلطان نے کسی کو جبراً جنسی اختلاط کرنے کو کہا۔ اگر وہ انکار کرتا تو اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا جاتا۔ اگر اس کی موت ہو جاتی تو وہ مسلمان کی موت مرتا۔ یہ بھی بالکل ایسا ہے کیوں کہ بیماری جابر سلطان ہے۔ یقیناً یہ قانون کا حصہ ہے۔

حقیقت میں سید کے لیے شراب نوشی کوئی تفریق نہیں رکھتی تھی اور یہ اس کے لیے جائز تھی کیوں کہ اسے ایک پیچیدہ مرض لاحق تھا۔ ایسا بالخصوص اس لیے ہے کیوں کہ اس کی بقا لوگوں کے لیے ضروری تھی۔ لہٰذا یہ لازم تھا کہ وہ اپنا دماغ تیار کرے بالخصوص حالتِ علالت میں۔

البتہ اگر راشد نے ایسا کیا ہوتا تو وہ کافر اور مرتد قرار پاتا اور اسے مرنے کے بعد یہودیوں کے قبرستان میں دفنایا جاتا۔

یہ صرف اس کے ساتھ لاتعلق نہیں ماسوائے یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھ رہا تھا۔ مولانا کیا آپ جانتے ہیں کہ مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ تھوڑا بولو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جس روز میں نماز پڑھتا ہوں میں بہت خوش اور مسرور ہوتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ خود فرماتا ہے ''اس پر رحمت نازل ہو۔'' آخر کار ایک درویش بھی یہ قرار دیتا ہے ''فقر میرا اعزاز ہے۔'' کیا اس درویش کو راحت پہنچا کر سکون نہیں ملتا؟''

اور پھر وہ خود کو اس کا مرتکب نہیں ٹھہراتا۔ وہ نمازوں اور نمازیوں کے خلاف باتیں کرتا ہے اور ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ راشد کو مطعون کرنے کی حقیقی وجہ یہی تھی۔ میری اس سے لاتعلقی اور اپنے بال نوچنے کی وجہ یہی تھی۔

میں کہا کرتا تھا ''سید'' تم طویل عرصے سے باتیں کر رہے ہو، کیا یہ نمازیں تمہارے لیے آڑ ہیں؟''

میں کہتا: کیا تم نے کبھی کبھار اس کنیز کے ساتھ جنسی فعل کیا ہے؟

وہ کہتا: جی، جی۔ یہ میرے لیے آڑ نہیں بنتا۔

اگر میں بالکل اس طرح کمر کے بل روز حشر تک لیٹا رہوں تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بالکل ہر روز پہلے سے بہتر اور اچھا ہو گا۔ بلاشبہ جس روز میں نماز قضا کرتا ہوں تو میں ملول اور رات تک کبیدہ خاطر رہتا ہوں۔ جس روز نماز پڑھوں تو میرا دل سرشار رہتا ہے۔

Marfat.com

کعبہ کے اندر کوئی قبلہ نہیں ہوتا......
کعبے کے باہر قبلے سے مفر ہرگز ممکن نہیں۔

☆☆☆

دمشق کے قاضی شمس الدین خوئی ......اگر میں ان سے وابستہ ہو جاتا تو ان کی زندگی کے آخر تک ان کی کارکردگی زبردست رہتی۔ لیکن میں نے دھوکہ دہی سے کام لیا اور انہوں نے یہ فریب برداشت کیا۔ لعنت ہے اس دن پر جب میں نے دھوکہ دہی کے کام کا آغاز کیا۔ فریب کے سوا میرا اور کیا کام ہے؟

اگر تم ایک گھوڑا خرید دو تاکہ میں جا سکوں تو کیا کوئی فرق پڑے گا؟ تم کہتے ہو "میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔" ایسا بالکل نہیں۔ میں ایک گھوڑا خریدوں گا لیکن تم یہیں رہو۔ مت جاؤ۔ تم نے یہ کہا لیکن یہ بھی فریب ہے۔ یہ میرا کام نہیں۔

☆☆☆

کسی نے شمس الدین خوئی پر اعتراض کیا۔ اس کا مقصد ایک قانون دان پر تنقید کرنا تھا۔ "فلاں فلاں کو ہر شعبے میں کمال حاصل ہے اور اس کا وظیفہ بہت زیادہ ہے۔ لیکن دوسرا شخص جسے بالکل کوئی بھی کمال حاصل نہیں اس کو بھی اتنا وظیفہ ملتا ہے۔"

اس نے کہا: "اگرچہ اسے زیادہ مہارت حاصل نہیں، وہ زیادہ کتابی نہیں۔ اسے اپنے کام پر کنٹرول حاصل ہے اور تجربہ بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسی مباحثے میں وہ کیسے بحث کرتا ہے۔ اور جو فلاں فلاں ملے اگرچہ اسے عبور حاصل ہے لیکن تجربہ کوئی نہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ مباحثے میں اپنا نکتہ نظر نہیں بیان کر سکتا؟"

☆☆☆

یہ ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ شکر ادا کرے کہ وہ کافر نہیں اور ایک کافر پر لازم ہے کہ وہ شکر ادا کرے کہ وہ کم از کم منافق نہیں۔

کئی احادیث معمول سے ہٹ کر ہیں اور بہت زیادہ معروف نہیں۔ ایک حدیث بتاتی ہے کہ جب دوزخ اہل دوزخ سے خالی ہوتی ہے اور اس کا سب سے نچلا درجہ خالی ہے۔ لوگ اسے دیکھنے آئیں گے۔ جب وہ نچلے درجے کے قریب آئیں گے تو دیکھیں گے کہ دروازے کھل اور بند ہو رہے ہیں اور وہ ویران تھر کی طرح خالی ہے۔ وہ منافقت کی تاسف بھری آوازیں سنیں گے۔ "کیا تم اب یہیں ہو؟"

وہ لوگ کہیں گے۔ "ہم منافقوں کے ٹولے میں سے تھے۔ ہمارے پاس بچنے اور بخشش کا کوئی امکان نہیں۔"

شمس الدین خوئی نے یہ حدیث درس دیتے ہوئے سنائی۔ لیکن یہ زیادہ مشہور ہوئی۔ لیکن وہ لوگ جو

Marfat.com

اس کا مطلب سمجھتے ہیں وہ مفہوم اخذ کرلیں گے۔

اب منافقت کھلے عام اور خفیہ ہے۔ سرعام منافقت ہم سے اور ہمارے ساتھیوں سے بہت دور ہے۔ لیکن ہر کسی کو سربستہ منافقت کے خلاف لڑنا چاہیے تاکہ یہ انسان سے دور ہو جائے۔

''مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔'' اس کا مطلب ہے کہ خدا بندے کا یا پھر بندہ خدا کا آئینہ ہے۔ کاملین کے الفاظ بالکل ایسے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

ایک شخص رو رہا تھا: ''تاتاریوں نے میرے بھائی کو ہلاک کر دیا۔ وہ صاحب علم انسان تھا۔''

میں نے کہا: ''اگر تمہیں علم ہے تو پتہ ہونا چاہیے تھا کہ تاتاریوں کی تلوار نے اسے ابدی زندگی عطا کر دی۔ لیکن مردہ یا موت کے پیامبروں کو زندگی کی حقیقت کا کیا علم؟ وہ منبر پر آتے ہیں اور آہ و فغاں شروع کر دیتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے''۔ کوئی جیل سے بھاگ گیا ہے تو تم اس کے لیے روتے ہو؟ کیا افسوس کا مقام ہے کہ وہ جیل سے فرار ہو گیا۔ تاتاریوں یا کسی اور نے جیل میں نقب لگائی اور وہ بھاگ گیا۔ اسے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ پھر تم روتے ہو۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے اس تیر کے ساتھ جیل کی دیوار کو نشانہ بنایا۔ یہ پتھر پہ ضرب کیوں لگاتے ہیں؟ کیا انہوں نے نفیس سنگ مرمر پہ اظہار تاسف نہیں کیا؟''

یا پھر اس کی ٹانگوں پر جانور، انہوں نے ذبح کر دیا اور وہ فرار ہو گیا۔ تم نے شور مچایا اور اپنا سر ٹکرایا اور رو دیے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے جانور حلال کر دیا۔ یا انہوں نے پنجرہ توڑ ڈالا اور تم بے بسی کے عالم میں رو پڑے۔ انہوں نے پنجرہ کیوں توڑا۔ انہوں نے پرندے کو جانے کیوں دیا؟ یا انہوں نے اوجھڑی پر نیزہ مارا اور غلاظت باہر نکل آئی۔ تم نے بین شروع کر دیا۔ افسوس صرف غلاظت ہی باقی بچی ہے۔

شمس تجندی آل بیتؓ کے لیے ماتم کر رہے تھے۔ میں اس کے لیے رو رہا تھا۔ تم آل بیتؓ کے لیے کیوں ماتم کناں ہو؟ کوئی اللہ کے پاس چلا گیا ہے اور تم اس کے لیے رو رہے ہو، اور تم اپنے لیے نہیں روتے۔ اگر تمہیں اپنی ذات کی کیفیت کا پتہ چلے تو تم اپنے لیے روؤ۔ اس کی بجائے تم اپنے تمام عزیز و اقارب کو جمع کرو اور اپنا ماتم کرو۔

خدا میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تم تبدیل ہوتے ہو۔ بسا اوقات تم روٹی پسند کرتے ہو اور اس کی طلب کرتے ہو اور کبھی تم دور چلے جاتے ہو۔ کبھی کبھار تم کسی دوست کے ساتھ نہایت گرم جوشی کا اظہار کرتے ہو اور وہ تمہارا محبوب ہوتا ہے۔ تم کہتے ہو ''میں اسے پیار کرتا ہوں''۔ پھر تم ایک دم رنگ بدلتے ہو اور کہتے ہو ''مجھے اس سے نفرت ہے۔'' اگر تم اپنی ایک کیفیت مستقل رکھو تو وہ ہمیشہ تمہارا محبوب رہے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

خجندی کہتے ہیں: ''میں اہل بیت کا غم منا رہا ہوں۔'' خود وہ اپنی ذات کا غم بھولا ہوا ہے۔

دمشق کے شہاب ہریوا جو اہل بیت کے بڑے تھے وہ کہا کرتے تھے: ''میرے نزدیک موت اس طرح ہے۔ حکام نے غیر منصفانہ طور پر ایک کمزور شخص کی پشت پر بھاری سامان لاد رکھا ہے۔ وہ ایک کھائی میں جاتا ہے یا پہاڑی پر چڑھتا ہے اور سیکڑوں بار گرتا ہے۔ پھر کوئی آتا ہے اور وہ رسی کھول دیتا ہے جو اس کی بوری کو گردن تک پابند رکھے ہوئے تھے۔ اس طرح بوری نیچے جا گرتی ہے۔ وہ کتنا ہلکا ہو جاتا ہے۔ وہ سکھی ہو گیا اور روح تازہ ہو گئی۔''

اب، اس جیسے کسی اور کی حالت...... جو اہل بیت کا غلام تھا...... بھی گویا ایسی تھی۔ اہل بیت کی کیفیت کیا ہو گی؟

اگر اس کا ایمان تھا تو وہ اس طرح اپنی موت کی طرف دیکھے گا لیکن اس کی بجائے وہ اہل بیت کا غم کر رہا ہے۔ اور وہ اس اہل بیت جو خدا کے عظیم اور برگزیدہ بندے تھے کی شمعوں کی طرف گستاخی اور حسد کی نظر سے دیکھتا ہے۔

تم خدا کے آگے کیوں نہیں گڑگڑاتے؟ رات کے پچھلے حصے میں اٹھ جاؤ اور دو نفل ادا کرو۔ مانگو، مانگو، مانگو۔ سجدے میں گر کر آنسو بہاؤ: ''اے اللہ کیا تم پیغمبروں اور اولیا کو اسی طرح خبردار کرنے والا نہیں چاہتے۔ اور اب جب کہ تم نے مجھے فلاں فلاں بزرگ سے ملا دیا ہے۔ اس کے ذریعے میری آنکھیں کھول دو گے۔''

خوش ہوا وہ جس نے مجھے دیکھا اور خوش ہوا وہ جس نے اس کو دیکھا جس نے میرا دیدار کیا ہو۔

☆☆☆

شہاب ہریوا جو دمشق کے ایک فقیہ تھے کو ہر مکتب فکر کے نکتہ داں قبول کرتے تھے۔ قدرتی بات ہے کہ عورتوں اور شہوت میں مصروف رہنا کمزوری سمجھتے تھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ یہ دانش مندی کا فتویٰ ہے۔

محمد کویانی نے ان سے کہا کہ: ''کیا عقل کے باعث کبھی فتویٰ دینے میں غلطی ہوئی؟''

اس نے جواب دیا کہ: ''نہیں عقل غلطی نہیں کرتی۔ کوئی اور چیز غلطی کرتی ہے۔''

☆☆☆

ہریوا خراسان کے رہنے والے تھے۔ وہ انہیں شہاب کہا کرتے تھے۔ وہ کسی کی تعریف نہیں کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے (میرے متعلق) ''یہ شخص میرا ہم خیال ہے۔'' میں ان کے ساتھ بیٹھ کر اطمینان محسوس کرتا تھا۔ مجھے سکون ملتا تھا۔

☆☆☆

دمشق میں شہاب یہ کہا کرتے تھے: ''میرے لیے یہ واضح عقلی نکتہ ہے کہ وہ اپنے مرکز کے لحاظ سے

Marfat.com

لازم ہے۔ وہ اپنی مرضی کا تابع ہے۔ خوارزم شاہ فخر الدین رازی کو اعلیٰ خوراک، خلعت فاخرہ اور سنہری جوتے دیا کرتا تھا تا کہ وہ یہ اقرار کر لیں کہ ''وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے''۔ انہوں نے کہا کہ ''زندگی ایسے ہے جیسے کسی نے اپنی گردن پر بھاری بھرکم وزن اٹھا رکھا ہو۔ اس کے پاؤں کیچڑ میں دھنسے ہوئے اور وہ نحیف ونزار ہو۔''

وہ شہاب کے پاس آتے اور ہزاروں دانش مندی کے بیچ سماعت کرتے۔ وہ اس سے مستفید ہوتے اور اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے۔ وہ باہر آتے اور کہتے: ''وہ فلسفی ہے۔ فلسفی کو ہر بات کا علم ہوتا ہے۔''

میں نے وہ کتاب سے مٹا دیا۔ میں نے کہا: ''صرف خدا کی ذات کو ہر بات کا علم ہوتا ہے۔'' اس کی جگہ تحریر کیا ''فلسفی کو کئی باتوں کا علم ہوتا ہے۔''

اس نے روزِ حشر سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: ''بصورتِ دیگر ان کے سفر میں فاصلے ختم ہو جائیں گے۔''

میں نے کہا: ''دنیا دیر پا کیسے رہ سکتی ہے؟''

وہ انبیا کرامؑ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ دانا انسان تھے لیکن وہ ایسی باتیں کرتے تھے کہ انہوں نے لوگوں کے بہترین مفاد میں کام کیا۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے ''اگر یہ وہی ہے جو تم کہتے ہو تو پھر ہم سب فیض یاب ہوئے۔'' وہاں صلاحیت کا فقدان اور مباحثے سے فرار تھا۔ بحث کو اس طرح مختصر کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ ''اس دن زمین کسی اور چیز میں تبدیل ہو جائے گی۔'' اور اس طرح اس نے خود میں یہ دیکھا۔ اپنی ذات کے اندر اس نے کامیابی حاصل کر لی۔ (اس روز جب) ہم آسمان کو تہہ و بالا کر دیں گے اور محشر برپا ہو جائے گا اور انہیں اپنے اعمال پر جواب دہ ہونا ہوگا۔ بذاتِ خود درکار نہیں۔

☆☆☆

محشر اجسام کا برپا ہوگا۔ فلسفی کہتے ہیں کہ ارواح کا بھی حشر برپا کیا جائے گا۔ وہ احمق ہے۔ وہ اپنا ہی صفحہ پڑھ رہا ہے۔ وہ حبیب ﷺ کا صفحہ نہیں پڑھ رہا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ جو کچھ نہیں جانتا وہ نہیں ہوگا۔ اگر وہ سب کچھ جانتا ہے تو اسے جاننا چاہیے کہ ابویزید اس کی زین کا کپڑا لا رہے ہیں۔

☆☆☆

کہا جاتا ہے کہ روشنی کے ۷۲ پردے ہیں۔ لیکن یہ مغالطہ آمیز ہے۔ روشنی کے پردے لامحدود ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے: ''اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں تب بھی تمام پانی ختم ہو جائے گا لیکن میرے پروردگار کی تعریف پوری نہیں کر سکے گا۔''

طالب کے ان پردوں تک پہنچنے تک راہِ حق اس پر نہیں کھل سکتی۔ لامحدود پردوں سے آگے گزر کر ہی مفہوم تک پہنچا جا سکتا ہے۔ الفاظ کا بھلا مفہوم کے ساتھ موازنہ کیا ہو سکتا ہے؟ میں ایک مسلمان ہوں کیا تمہیں

Marfat.com

علم ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

یہ نسل ایک بڑے درخت سے محروم ہے۔ مثال کے طور پر ایک بہت بڑا درخت ہے، پھلوں سے لدا ہوا۔ ایک دنیا پر سایہ فگن۔ صحرا کے عین بیچ میں سورج گرم ہے اور درخت کے نیچے ایک سو چشمے اور سیراب ہونے والے ان کے تمام مقامات موجود ہیں۔ کیا کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ کس درخت نے یہ شاخیں آگے بڑھائیں؟

وہ کون سا درخت تھا جس سے یہ شاخ کاٹی گئی اور ایسے نتائج آئے۔

جب میں حلب میں تھا تو میں عاجزی کے ساتھ مولانا کے لیے دعاؤں میں مصروف تھا۔ میں نے سیکڑوں دعائیں کیں اور اپنے ذہن میں وہ چیزیں سوچنے لگا جو مشقت کو گہنا دیتی ہیں۔ میرے ذہن میں ایسی کوئی چیز نہیں آئی جو مشقت کو بڑھا سکے۔ البتہ میرا آنے کا کوئی ذہن نہیں تھا۔

اگر شہاب ہرات کا دانا سن لیتا کہ میں بے جان چیزوں کے ماتم کرنے یا ہنسنے کے بارے میں کیا کہہ رہا ہوں تو وہ نیشاپوری لہجے میں کہتا: ''یہ کیا ہے؟'' کسی فلسفی کی دانش اس نکتے پر نہیں پہنچ سکتی۔

کیا آپ کو کچھ علم ہے کہ جسم یا دل میں کس مقام پر نفرت، راحت، مشکل اور ایسی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اب تم وہی غیر مرئی اور غیر متعین مقام ہو۔ زبان، الفاظ، اعضا اور دیگر حصے تمہارے ہتھیار ہیں۔ جب کوئی مرد کسی جگہ پر پہنچتا ہے وہاں سے وہ مشہور کرتا ہے کہ کسی وقت وہ یہاں کا باسی تھا۔ اس کا تعلق کس طرح اس سے ہے۔ ایک شخص اپنی زبان پر قابو پا کر خود کو چھپا سکتا ہے؟

☆☆☆

مثال کے طور پر سمندر میں ایک بگولہ ملے......بگولہ...... بالخصوص سمندر میں نہایت خوف ناک ہوتا ہے۔ ہر کوئی اس سے بھاگتا ہے۔ لیکن یہ شخص اس سے گریز نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ ''یقیناً میں اس سے بچ جاؤں گا۔''

میں نے بے جان چیزوں کے بولنے اور ان کے اقدامات کے بارے میں گفتگو کی۔ دانش وروں نے اس کی تردید کی۔ تو پھر میں اپنے آنکھوں کا کیا کروں؟ اور پھر ایک روتے ہوئے ستون کے حوالے سے حدیث مبارک بھی ہے۔

اب جہاں ایک شخص اپنی زبان بند رکھ کر خود کو چھپا سکتا ہے اور اپنی گفتگو بھی۔ اگر کوئی شخص بولتا ہے تو ٹھیک اسی لمحے میں اسے جان لیتا ہے اور اگر وہ گویا نہیں ہوتا تو میں اسے تین روز میں جان لیتا ہوں۔

لیکن ضروری نہیں کہ اس کی یہی حالت ہو۔ وہ سامعین کو سمجھنے کے نکتہ نظر سے بھی بولتا ہے۔ کیوں کہ یہ دراصل وہ خود ہے۔ میرا مطلب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جنہوں نے فرمایا ''اگر میرا خطاب ہٹا دیا جائے تو میری ذات کی یقینی کیفیت بڑھے گی نہیں۔'' اگر یہ حالت ان سے متعلق ہے تب پھر ان کا دوسرا ارشاد ان کی حالت

Marfat.com

کے بارے میں نہیں۔

☆☆☆

دمشق میں شہاب ہریوا جو ہر لحاظ سے صوفی سوچ کا حامل تھا۔ وہ انبیا کرام کے حوالے سے ہرزہ سرائی کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ صرف فرشتوں کا حسد ہے کہ ان کا لوگوں کی طرف نزول فرمایا گیا تاکہ وہ خود کو مخلوق کے ساتھ مصروف رکھیں۔

شہاب کسی کو اپنے تخلیے میں مخل نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جبرائیلؑ (نعوذ باللہ) میرا بھائی ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میرا وجود ایک مصیبت ہے۔

اس تمام خامہ فرسائی کے باوجود وہ مجھ سے کہتا تھا ''تم آجایا کرو کیوں کہ تمہاری صحبت میں مرا دل مطمئن رہتا ہے۔''

ایک دن میں نے کہا: ''چوں کہ تم میرے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہو اس لیے آج مجھے اپنے بارے میں ایک سوال پوچھنے دو۔''

میں نے کہا: ''یہ الفاظ میرے نزدیک ذو معنی ہیں۔''

اس نے کچھ وقت کے لیے اپنا ہاتھ نیچے کیا پھر بولا ''یہ ذو معنی والا کون سا مقام ہے؟'' سیکڑوں، ہزاروں اندر داخل ہوتے ہیں وہ تقسیم کر دیے گئے، صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور پھر آباد ہو گئے۔ اس بات کی وضاحت کے لیے وہ بولتا رہا، بولتا رہا اور بولتا رہا۔ آخر میں اس نے کہا کہ: ''بعض ایسے لوگ ہیں جن پر وہ خود کو آشکار فرماتا ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔''

میں نے خود سے کہا: ''بہر حال میں انہی لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔'' وہاں سے شروع کرو۔ تم نے پوری دنیا اس سمت میں گھومی ہے جہاں منزل نہیں پائی جا سکتی۔ تمہیں سوال کا جواب دینا چاہیے۔ سمت کے بارے میں وہ کچھ نہ بولا۔

☆☆☆

فلسفیوں کا ایک گروہ فرشتوں کو پیغمبروں پر فوقیت دیتا ہے۔ ان کے نزدیک (نعوذ باللہ) پیغمبر عیب دار ہوتے ہیں کیوں کہ وہ خود کو انسانوں میں الجھا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فرشتے پیغمبروں سے حسد رکھتے ہیں اور انہیں اپنا رخ دنیا کی طرف موڑنے پر اکساتے ہیں۔ وہ انہیں گمراہ کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو نصیحت کریں کہ: ''یہ دراصل خدا کی ذات سے دوری نہیں، خود کو چھپالیں۔''

انبیا کرام کے معجزات کی بابت وہ کہتے ہیں کہ ''ہم دانش وروں کے سچ کو قبول کرتے ہیں لیکن ہم وہ بات قبول نہیں کرتے جو داناؤں کا بولا ہوا سچ نہیں۔ خدا کا ثبوت ملے اور خدا کے ثبوت ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوں گے۔

Marfat.com

میں کہتا ہوں کہ ''معجزہ'' وہ چیز ہے جس کی خصوصیات کو تمہاری دانائی نہیں سمجھ سکتی۔ ''معجزہ وہ ہے جو عقل کو جانچنے سے محروم رکھتا ہے۔'' عقل خدا کا ثبوت ہے لیکن جب تم ٹھیک طرح سے اس کا اعلان نہیں کرتے تو اس میں تضاد آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۷۲ مسالک ہیں۔ اہل عقل ایک دوسرے کی نفی اور ایک دوسرے سے عدم اتفاق کرتے ہیں۔''

مثال کے طور پر کہ دو لوگوں سے پوچھتے ہو کہ دو جمع دو کا کیا مطلب ہے؟ دونوں بلا اختلاف ایک ہی جواب دیں گے کیوں کہ اس کے بارے میں سوچنا نہایت آسان ہے۔ جب تم پوچھو گے کہ سات جمع سات یا سترہ جمع سترہ کتنے ہیں تو دو ذہین لوگ اس پر عدم اتفاق کریں گے کیوں کہ اس کے بارے میں سوچنا مشکل ہے۔

جب کوئی شخص کاہل ہو اور عقل استعمال نہ کرے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے آئینے کو ٹیڑھا پکڑا جائے۔ ورنہ اگر آپ سیکڑوں، ہزاروں آئینے بھی پکڑ لیں تو وہ ایک ہی بات کہیں گے۔ پہلی کئی گئی باتوں کی تصدیقات اور اس کا تحفظ۔ روشنیاں تمام ایک دوسرے کی دوست ہیں۔ مثال کے طور پر سیکڑوں افراد کھلی آنکھ کے ساتھ سورج کی دھوپ میں کھڑے ہیں اور اس دوران کوئی اکیلا شخص دور سے ڈھول بجاتا اور ناچتا وہاں آتا ہے تو وہ اس پر متفق ہوں گے۔ لیکن اگر اندھیرا اور بادلوں سے بھری رات ہے تو ان لوگوں میں ایک سو اختلاف سامنے آئے گا۔ کوئی کہے گا کہ یہ ایک فوج ہے، کوئی کہے گا کہ یہ فتنہ کرنے کی پارٹی ہے وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ فلسفی لوگ انبیا کو عیب دار سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) کیوں کہ وہ خود کو لوگوں میں مصروف رکھتے ہیں اور رسالت اور منصب کے لیے ان کی چاہت کے ساتھ ان کا تصادم ہوتا ہے۔ البتہ وہ مکمل گمراہ نہیں ہوتے اور جنت کے دروازے ان پر مکمل بند نہیں کیے جاتے۔ البتہ انہیں لاتعلقی اور تارک الدنیا ہونے سے دور رکھا جاتا ہے۔ ان فلسفیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ انبیا کرام کی بیویاں رکھنے کی خواہش بھی ایک عیب اور خامی ہے۔

☆☆☆

احمق فلسفی کہتے ہیں کہ ''دانائی دس قسم کی ہے۔'' اور انہوں نے ہر ممکن چیز کا احاطہ کیا ہے۔ میں ان فلسفیوں میں سے ایک عظیم فلسفی کی باتیں سنا کرتا تھا۔ جو اطہر اور دیگر کو کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ تاکہ جان سکوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ پیغمبروں کی طرف گستاخانہ انگشت نمائی کرتا تھا۔ وہ کامل روشن بنا چکا تھا۔ اس نے کچھ نہ کھایا۔ اپنی پوری زندگی میں اس نے نیک یا بد کسی کی طرف نہ دیکھا۔ اس نے ابن سینا کو کوئی کریڈٹ نہ دیا۔ عظیم لوگ انکساری سے کام لیتے ہیں اور فائدے میں رہتے ہیں۔ آخر میں میں نے اس سے سوال کیا تو پریشان، کبیدہ خاطر اور تباہ ہو گیا۔ وہ کہا کرتا تھا ''کاش تبریزی ایک رات ہی بھی سو جائے۔''

☆☆☆

شہاب ایک پیارا بے دین شخص تھا۔ نیشاپوری لہجے میں وہ کہتا تھا کہ ''کچھ کرو تاکہ تم تھک نہ جاؤ۔

Marfat.com

کیوں کہ لڑکوں اور عورتوں دونوں سے لاتعلق ہو۔''

جہاں تک ہمارے شیخ محمد کا تعلق ہے تو وہ ایک بڑے انسان تھے۔''اس کی ذات ہی بقا کے لیے ضروری ہے۔'' وہ دوبارہ بیٹھے اور کہنے لگے''اللہ''۔ پھر مسکرا کر کہا''انہوں نے اسے کس قسم کا نام دیا ہے؟''

شہاب کے بال کی نوک تک ایسی نہیں کہ مجھے اس کے بارے میں اس کے عقیدے، خوشی کے بارے میں کھلا کھلا علم نہ ہو۔ وہ کیا تھا جو اسے خوراک سے دور رکھتا تھا۔ لیکن اسے میرے بال کی نوک کا بھی علم نہیں۔ وہ ہمیشہ جستجو میں رہا۔ اس کا وہ طالب علم جس نے معمولی قسم کی اشیا فروخت کر دیں اس نے کسی پر توجہ نہ دی۔ جب اس نے جمع دیکھا تو اس نے تسلیمات پیش کیں۔ میں نے کہا''سب کچھ ٹھیک ہے۔''

☆☆☆

وہ شہاب کو سرعام کافر کہتے تھے۔ میں نے کہا:''خبردار! شہاب کافر کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ روشن ہے، سچ ہے کہ سورج کے سامنے شہاب ایک کافر ہے۔ جب وہ سورج کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو پورا چاند بن جاتا ہے اور کامل ہو جاتا ہے۔''

حق کے کلام سے سمندر ابلنے کی وجہ سے تختی پر''لوح'' نمودار ہو گیا۔ حکم آیا''اے روح جبرائیل، الوہی لوح سے سربلندی والے الفاظ پڑھو۔'' میں نے ابھی بات ختم نہیں کی تھی کہ شہاب بھاگ اٹھا۔ اس نے کہا''میں تمہارے چہرے کی تاب نہیں لاسکتا۔'' وہ بھاگ نکلا۔

میں نے کہا کہ''میرا مطلب ہے، یہ ہے کیا؟''

وہ بھاگتے ہوئے کہہ رہا تھا''ایک شان دار چیز، شان دار چیز۔''

اگر شہاب کفر کے کلمات کہتا تھا لیکن وہ نرم خو اور روحانی تھا۔ وہ شفاف روح بن گیا اور کھانا کھانا ترک کر دیا۔ ایک روز میں استعاروں میں بات کر رہا تھا اور انکشافات کرنے میں مصروف تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مفہوم اس پر آشکار ہوں۔

تم کہتے ہو:''اور وہ میرے بارے میں تفصیل نہیں جانتا، وہ کائناتی علوم سے باخبر ہے۔''

ان کائناتی امور سے تمہاری کیا مراد ہے؟ جب میں کہتا ہوں کہ''کُل'' تو اس کا مطلب ہے کوئی بھی چیز اس سے باہر نہیں۔ اور اگر وہ کہتے ہیں''جزو'' تو سب کچھ اس کے اندر نہیں۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک باغ ہے جس میں فلاں فلاں درخت موجود نہیں۔ بلکہ تم اس کے برعکس کہتے ہو۔ اگر کوئی درخت ہی موجود نہیں تو یہ باغ ہی نہیں بلکہ ایک احاطہ ہے۔

شہاب نے کہا:''میں یہ نہیں کہتا کہ یہ نقص ہے کہ وہ ذات تفصیل نہیں جانتی۔ مثال کے طور پر میرے پیٹ میں ایک کیڑا ہے جو غیر خالص حالت میں پڑا ہے۔ مجھے کیڑے کا علم نہیں۔ اس کے جاننے اور نہ جاننے میں کیا نقص ہے؟''

Marfat.com

ابھی تک میں ہندی زبان نہیں جانتا۔ اس کی وجہ میری صلاحیت نہ ہونا نہیں۔ لیکن عربی کے بارے میں آپ کا خیال ہے۔ اگر وہ ہندوستانی یہ سن لے تو وہ کہے گا کہ یہ بہتر زبان ہے۔ اور فارسی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس زبان کے حسن اور نفاست سمیت۔ جو مفاہیم اور نفاست فارسی میں آتے ہیں وہ عربی میں موجود نہیں۔

☆☆☆

شیخ محمد سید اور دیگر کی حالت پر ہنسا کرتے تھے: ''یہ کیسے الفاظ ہیں...... خدا نے میرا پورا جسم اٹھا لیا۔'' اور میں ہنسا کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں اس سے اتفاق کر رہا ہوں۔ دراصل میں اس کی حالت پر ہنستا تھا: ''کیا تمہیں یہ اپنی ذات میں دکھائی نہیں دیتا؟''

اسے شہاب نیشاپوری کا ایک خواب آیا کیوں کہ ان لوگوں کو مطلع کیا گیا۔ اور یہ شہاب دوسرے شیخ شہاب الدین کے مقابلے میں نہایت شان دار شخصیت کے مالک تھے۔ اس نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی کی جانب بھاگے جا رہے تھے اور ایک عورت ان کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف اترنے لگے۔ عورت نے اپنی انگلی منہ میں ڈال کر کہا ''تم نے خود کو بچا لیا۔'' اگلی صبح وہ مدرسے آئے اور دروازے پر دستک دی۔ ''شہاب الدین کا انتقال ہو گیا۔'' وہ سب پریشان ہو گئے اور شیخ محمد غائب ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ''یہ شیطان تھا۔''

دن چڑھ آیا تو وہ کتابوں کے ساتھ داخل ہو گئے۔ انہوں نے اپنا سر ہاتھ میں دے کر مسکراتے ہوئے جان دے دی۔ شیخ محمد نے ان کی آنکھوں اور چہرے پر بوسہ دیا، خدا حافظ کہا اور چل دیے۔ وہاں موجود لوگ کہنے لگے: ''نہیں یہ خضر تھے، یا فرشتہ تھے جو ہم سے دور چلے گئے۔''

☆☆☆

فلسفی منکر بن جاتا ہے۔ اس کی عقل اسے بتاتی ہے کہ جو کچھ وہ نہیں جانتا دراصل موجود ہی نہیں اور یہ کہ اس کی عقل کائناتی ہے۔ چلیں مان لیتے ہیں کہ اس کے پاس عالم گیر دانش ہے۔ ایک کائناتی عقل اپنے خالق کا کیوں کر احاطہ کر سکتی ہے؟ وہ اپنا ہی صفحہ پڑھ رہا ہے۔ اس نے بڑے صفحے یا اپنے خالق کو نہیں پڑھا۔

وہ کہہ رہا تھا: ''آئیں امن قائم کریں۔''

اس نے کہا تھا کہ ''تم جو کچھ کہتے ہو وہ بدیہی نکلتا ہے، اس کی جگہ اسے بتدریج وقوع پذیر ہونے دو۔ مل کر کام کرنے سے رحم دلی اور چرب زبانی اسے چھوڑ دیں گی۔ بالکل اسی طرح جیسے مل کر کام کرنے سے وہ شاگردوں کے اجتماع سے نکل جاتا ہے۔ یہ لوگ طالبین کی روح کو تباہ کر دیتے ہیں۔ وہاں جا کر ساتھی خدا کی راہ کے طالب کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ درست ہے کہ کسی کا ساتھ بھی ہلاک کر دیتا ہے۔ لیکن اس ہلاکت کا نتیجہ ہزاروں زندگی کی صورت میں نکلتا ہے۔''

Marfat.com

ایک روز شیخ محمد کہہ رہے تھے کہ مطالعے کے ذریعے حاصل کیا جانے والا علم بہتر ہے کیوں کہ مطالعے کے بغیر حاصل کیا گیا علم اس بچے کی مانند ہے جو اچانک کوئی ایسی بات کر دیتا ہے جو بڑا کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کوئی وقعت کیسے ہو سکتی ہے؟''

میں نے کہا: ''وہ کسی ہدف پر بلا مقصد چوٹ لگاتا ہے۔'' جب آپ بچے سے پوچھتے ہیں تو وہ ان الفاظ کے سر پیر نہیں جانتا۔ صرف آپ جانتے ہیں کیوں کہ آپ بالغ ہیں۔ یہ اس شخص سے مختلف ہے جو الفاظ کو جنم دیتا ہے اور وہ جب آپ اسے گنتی کرنے کے لیے کہتے ہیں تو وہ ان الفاظ کی حمایت میں سیکڑوں، ہزاروں ثبوت لے آئے گا۔''

انہوں نے فرش کی طرف دیکھا مطلب یہ کہ انہوں نے فخر رازی اور شہاب جیسے کئی عظیم لوگوں کو موردِ الزام ٹھہرایا اور ان کی غلطیوں کی نشان دہی کی۔ انہوں نے کہا کہ ''پڑھیے! نہیں، میں قسم اٹھاتا ہوں۔''

میں نے تلاوت کی اور وہ بہ آوازِ بلند رونے لگے۔ میں ہنس رہا تھا لیکن دل ہی دل میں تاکہ انہیں غصہ نہ آ جائے۔

بالکل اب آپ تبلیغ بھی کرتے ہیں لیکن آپ کو حقیقت کا کوئی ادراک نہیں۔ میرے معانی آپ سے غیر ارادی طور پر جنم لیں گے۔ یہ آپ میں سے گزریں گے لیکن آپ کو پتہ تک نہیں چلے گا۔

☆☆☆

شیخ محمد اکثر کہا کرتے تھے کہ فلاں فلاں غلط تھا لیکن پھر میں نے دیکھا کہ وہ خود بھی غلطیاں کر رہے تھے۔ کبھی کبھار میں ان کی نشان دہی بھی کرتا۔ وہ سر جھکا لیتے۔ وہ کہتے ''بچے تم سخت چابک سے ضرب لگاتے ہو۔'' وہ پہاڑ تھے، ایک پہاڑ۔ میرا یہاں کوئی مقصد نہیں تھا لیکن ہر بار وہ پہیہ گھماتے اور اس جیسے سیکڑوں اور ہزاروں بھوسے کی طرح نیچے جا پڑتے۔

مثال کے طور پر وہ ایک کیفیت میں ہوتے اور اپنی حالت کے بارے میں بتاتے۔ میں انہیں بتاتا کہ وہ اس مقام پر کیسے کھڑے ہوئے۔ مثال کے طور پر وہ اس بحث میں شامل ہو گئے کہ جب بھی حدیث کی جگہ قرآن کے برابر ہوتی تو حدیث کی بات زیادہ واضح ہوتی۔ انہوں نے ایک حدیث پڑھی اور کہا کہ ''اس حدیث کے برابر قرآن میں کہاں حکم ہے؟''

میں نے خود انہیں دیکھا وہ ایک کیفیت میں تھے۔ میں انہیں انتشار سے مجتمع حالت میں لانا چاہتا تھا اور اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا چاہتا تھا جو ان کے سوال کے لیے مناسب ہوں۔ میں نے کہا کہ ''اس بات پر عدم اتفاق ہے کہ جو حدیث آپ نے بتائی ہے وہ حدیث ہے بھی یا نہیں لیکن اس حدیث کا قرآن میں برابر کہہ رہا ہے کہ ''مسلمان ایک روح کی مانند ہیں۔''

انہوں نے سمجھا کہ میں ان سے کچھ پوچھ رہا ہوں چنانچہ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ''مومنین بلاشبہ

Marfat.com

آپس میں بھائی ہیں۔تمہاری تخلیق اور پرورش ایک روح جیسی ہوئی۔"

پھر وہ دوبارہ معمول پر آ گئے اور سمجھ گئے کہ میرا مقصد سوال نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھا۔ انہوں نے کہا کہ "بچے، تم سخت چابک سے ضرب لگاتے ہو۔" شروع میں انہوں نے کہا "بچے" اور آخر میں انہوں نے کہا "بچے" پھر ہنس دیے۔ جس کا مطلب تھا کہ "ایک بچے کا یہ کیسا مقام ہے؟"

☆☆☆

شیخ محمد نے کہا: "کلام کا میدان بہت وسیع ہوتا ہے، جو چاہتا ہے کہتا ہے جتنا چاہتا ہے، کہتا ہے۔"

میں نے کہا: "کلام کی سطح بہت تنگ ہوتی ہے۔ البتہ مفہوم کا میدان بہت وسیع ہوتا ہے۔ کلام کے ساتھ سامنے آؤ تا کہ وسعت اور سطح دیکھ سکو۔ مفہوم کی سطح بہت وسیع ہوتی ہے۔ دیکھو اور جانچو کہ کیا تم دور والے ہو جو قریب ہے یا قریب والے دور ہو۔"

انہوں نے کہا: "تم بہتر جانتے ہو۔"

انہوں نے کہا: "ممکن ہے کہ تم وہی ہو جو تم ہو۔ لیکن اس مشکل سے سامنے آؤ کیوں کہ "اجتماع رحم دلی ہے" اگر الفاظ میں گویائی نہیں تو ڈرومت اور بھاگو مت۔ راہِ حق کے راز مجھ سے مخاطب نہیں۔ اس مقام سے جہاں سے دیگر کا اجتماع ہے۔ ظاہر یا باطن تمہاری اپنی بقا صرف تب ہے جب تنہائی ہو۔

اگر چہ تمہاری ذات کے اندر اچھے کردار کی خصوصیات موجود ہیں اور تم رقابت، دھوکہ دہی اور چوری کی خامیوں سے پاک ہو لیکن اس بقا کے اندر سربستہ فریب اور چوریاں موجود ہیں۔ یوں حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں زنجیر خفیہ چوری کے باعث عدل آسمان کی طرف چلی گئی اور اس چوری سے کوئی آگاہ نہ ہو سکا۔ لیکن جب انہوں نے زنجیر کو جاتے دیکھا تو سب کو علم ہو گیا کہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہو گی۔ اب یہ زنجیر عدل پُر کشش، شفاف اور ممتاز ہے۔ جب اسے راز کے متلاشی افراد سے واپس لیا گیا تو ایسا بلا وجہ نہیں کیا گیا کیونکہ "خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتی۔" اگر تم اپنی اچھائی اور ایمان کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے اور اگر تم باطنی کثافتوں کو صاف کرنے کی کوشش کرتے ہو تو پھر تمہارے لیے اچھائی میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

اس کلام کی حقیقت ان تک نہیں پہنچی۔ البتہ ایک مطلب ضرور ان تک پہنچا اور ان کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ جب انسان بدلتا ہے تو کوئی وجہ ہوتی ہے۔

بلاشبہ میں نے انہیں سمجھانے کے لیے اپنے الفاظ دہرائے لیکن انہوں نے مجھے ہدفِ تنقید بنایا: "یہ اپنے الفاظ اس لیے دہرا رہا ہے کیوں کہ اس کے پاس مواد کی کمی ہے۔"

میں نے کہا: "اصل میں تم لوگ ہو جن کے پاس علم کی کمی ہے جب کہ میرے الفاظ نپے تلے اور

Marfat.com

خوب صورت ہیں۔ اگر میں سیکڑوں بار کوئی بات کروں تو ہر بار انہیں نئے معنی سمجھ آئیں گے لیکن اصل مطلب پھر بھی نا قابل فہم ہوگا۔"

جب وہ کہہ رہے تھے کہ کلام کی سطح کافی وسیع ہوتی ہے تو میں جواب دینا چاہتا تھا: "کلام نہیں بلکہ معانی کی سطح وسیع ہے جب کہ کلام کی سطح چھوٹی ہے۔ لیکن میں نے منافقت کا مظاہرہ کیا۔ اگر چہ وہ پہاڑ آدمی تھے، وہ منافقت سے بھی باخبر تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ "الفاظ کو دوسرے کان سے سنیں، اس کان سے باتیں نہ سنو جس سے آپ شیوخ کی سنتے ہیں۔ وہ جگہ جہاں یہ الفاظ ہیں وہاں ابویزید کیسے ہوں گے اور فضیلت صرف میری ذات میں ہے۔"

☆☆☆

شیخ محمد کہا کرتے تھے: "اگر میں کہوں کہ کوئی چیز ایسی ہونی چاہیے یا ویسی ہونی چاہیے تو یہ میرے نزدیک کفر ہوگا۔"

میں نے اس وقت تک تحمل سے کام لیا جب ایک روز وہ کسی کو نصیحت کر رہے تھے جس میں ان سے کہا کہ "تو اس نصیحت کے ساتھ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں ایسا ہونا چاہیے لیکن آپ کے لیے یہ کفر ہے۔"

اگر وہ کہتے کہ "یہ محض ایک کیفیت ہے اور یہ دوسری کیفیت ہے۔ تو یہ تضاد ہوتا۔ اگر ان الفاظ "میرا خدا کے ساتھ ایک لحہ" میں لحہ جاری نہیں...... اور ادبی معنی اس کے جاری نہ ہونے کے متقاضی ہیں تو ......حضرت عائشہ ؓ کے الفاظ درست ہوں گے "جو یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی آنکھوں کے ساتھ خدا کا دیدار کیا ہے تو اُس نے بہت بڑا جھوٹ کہا" کیونکہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے تو اُس میں تبدیلی نہیں آسکتی اور یہ کیفیت برقرار رہے گی۔ یہ ختم نہیں کی جاسکتی۔ اِس بارے میں باری تعالیٰ کے خود الفاظ یہ ہیں کہ "جو کوئی خدا سے ملنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اُس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔"

"یہاں کسی" سے مراد وہ خود ہے۔

☆☆☆

اس طرح شیخ محمد ابن عربی دمشق والے کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ میرا پردہ رکھتے ہیں۔

میں نے کہا "آپ محمد ﷺ میں وہ کچھ کیوں نہیں دیکھتے جو آپ خود میں دیکھتے ہیں؟ ہر کوئی اپنا پردہ خود رکھتا ہے۔"

انہوں نے کہا "جہاں صوفیانہ اسرار کی حقیقت ہوتی ہے وہاں دعوے کہاں ہیں؟ کرو اور نہ کرو کہاں ہیں؟"

میں نے کہا کہ "بہر حال اُس کے پاس معنی ہیں اور یہ نیکی اُن کے پاس کثرت سے موجود ہے۔ اس

Marfat.com

کا وہ انکار جو آپ میں ہے، یہ الزام قبول کرنا کیا یہ دعویٰ نہیں؟ مجھے اپنا بھائی اور بچہ کہنا دعویٰ نہیں؟ پس آپ دعوے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کسی کو دعوے نہیں کرنے چاہیے۔"

وہ بہت اچھے ہمدرد تھے۔ بہت مانوس انسان۔ وہ زبردست انسان تھے شیخ محمد لیکن وہ تقلید نہیں کر رہے۔ کسی نے کہا کہ "وہ اور کچھ نہیں صرف اپنی تقلید کر رہے ہیں۔" میں نے کہا "نہیں وہ تقلید نہیں کرتے تھے۔"

☆☆☆

کئی بار شیخ محمد جھکتے اور سجدہ کر کے کہتے "میں اہل قانون کا خادم ہوں۔" لیکن وہ تقلید نہیں کرتے۔ میں اُن سے کافی مستفید ہوا لیکن اتنا نہیں جتنا آپ سے ہوا ہوں۔ جو کچھ آپ سے ملا وہ ان سے نہیں ملا۔ ایک موتی کنکر سے کتنا مختلف ہوتا ہے! البتہ بچے آپ سے مکمل طور پر نہیں چمٹتے اور یہ حیران کن ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ آخر میں وہ آپ کے ساتھ چپک جائیں۔ آپ پابند نہیں کہ خود کو بچوں یا بچوں کے علاوہ کسی پر ظاہر کریں۔

ایک شخص خود کو چھپانے کے لیے ہزاروں کوششیں کرتا ہے جبکہ دوسرا آدمی خود کو ظاہر کرنے کے لیے لاکھوں جتن کرتا ہے۔ جتنا میں خود کو شفاف بناتا ہوں اتنا ہی مشکل میں پڑ جاتا ہوں۔ رازدان اور غیر رازدان دونوں آس پاس ہیں۔ اور میں جیسے چاہتا ہوں ویسے زندہ نہیں رہ سکتا۔

☆☆☆

خدا کے ایسے بندے ہیں جن کو وہ پردے میں لاتا ہے اور اُن پر اسرار منکشف کرتا ہے۔

شیخ احد مجھے محفلِ سماع میں لے گئے اور میرے لیے احترام کا اظہار کیا۔ ایک روز وہ مجھ سے کہنے لگے کہ "ہم دونوں اکٹھے کیوں نہیں ہو سکتے۔" میں نے کہا کہ "ایک شرط یہ ہے کہ تم کھلے عام بیٹھو اور اپنے شاگردوں کے سامنے بیٹھ کر مے نوشی کرو اور میں مے نوشی نہ کروں۔"

اُس نے کہا: "آپ مے نوشی کیوں نہ کریں؟"

میں بولا: "اِس لیے تاکہ تم بے دین اور خوش قسمت بن جاؤ اور میں بے دین لیکن بدقسمت بن جاؤں۔"

اس نے کہا: "میں نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد میں نے ایک لفظ کہا تو اُس نے تین بار اپنے ہاتھ سے اپنا ماتھا پیٹا۔

☆☆☆

اس دنیا کی طلب، اگرچہ یہ ضروری ہو سکتی ہے میرے جگر کو غم واندوہ سے بھر دیتی ہے۔ اِس کی وجہ تمہاری ذات میں کوئی سقم نہیں۔ لیکن دوسری دنیا کی طلب کر کے کوئی دکھ نہیں پہنچتا۔ میں کسی کو چاہتا ہوں کہ وہ بار بار لاکھوں بار دروازے سے اندر آئے۔ میں خدا کے خوف کا طلب گار ہوں۔

Marfat.com

کچھ لوگوں کے لیے اس دنیا سے متعلق ہر چیز سے فوراً فائدہ اٹھانا چاہیے۔ دیگر افراد ماتم اور آہ وزاری کے ساتھ دنیا کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہزاروں جتن کے بعد ایک قطرہ نکلتا ہے۔ اب یہ میرے لیے کم از کم چیز ہے۔ جو کوئی خدا کے لیے مجھ سے رجوع کرتا ہے وہ اُس سے کراہت محسوس کرتا ہے۔ یہ پہلا قدم ہے۔

احدالدین نے مجھے کہا: ''تم میرے پاس کیوں نہیں آتے تاکہ ہم اکٹھے رہیں؟''

میں نے کہا: ''آؤ جام اٹھائیں ایک میرے لیے اور ایک آپ کے لیے اور اِسے اُن تمام لوگوں تک پہنچائیں جو سماع کے لیے جمع ہیں۔''

اس نے کہا: ''میں یہ نہیں کرسکتا۔''

''پھر میرا ساتھی بننے کا نہ سوچو۔ تم جام کے لیے اپنے شاگرد اور پوری دنیا بیچ دیتے ہو۔''

☆☆☆

حیران ہوں یہ لوگ کیا سوچتے ہیں؟
خدا کے ساتھ دوستی ہے
وہ خدا جس نے آسمان بنائے
جس نے زمین بنائی
جس نے کائنات کو ظاہر کیا
کیا اُس کی دوستی حاصل کرنا اتنا آسان ہے؟
کہ تم اُس کے سامنے بیٹھو
تم بولو اور تم سنو
کیا تم سوچتے ہو کہ یہ کچن کا سوپ ہے؟
تم اندر آتے ہو اور پی لیتے ہو
اور پھر چل دو

☆☆☆

دنیا ایک خزانہ ہے اور ایک سانپ ہے۔ کچھ لوگ خزانے سے کھیلتے ہیں اور کچھ سانپ سے۔ وہ لوگ جو سانپ سے کھیلتے ہیں اُن کو اپنا دل ڈسنے کے لیے دینا ہوگا۔ یہ دم اور سر پر ڈستا رہے۔ اگر یہ دُم سے (مراد نچلے حصے پہ) کاٹے اور تم نہیں جاگتے تو پھر یہ سر پر کاٹے گا۔

وہ لوگ جو سانپ سے دور بھاگتے ہیں اور اُس کے نگینوں اور پیار سے دھوکا نہیں کھاتے۔ وہ اہلِ عقل شیخ کو سامنے پاتے ہیں۔ کیونکہ شیخ کی عقل ایک الماس ہے جو سانپ کی آنکھوں کو اندھا کردیتی ہے۔

Marfat.com

جب ڈریگن جیسا سانپ دیکھتا ہے کہ عقل کا شیخ میرِ کارواں ہے تو وہ مست ہوتا ہے اور نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اِس پانی میں یہ شارک جیسا بن جاتا ہے لیکن عقل کے پاؤں تلے یہ پُل بن جاتا ہے اُس کا زہر میٹھا بن جاتا ہے اُس کے کانٹے ابھر آتے ہیں۔ یہ رہزن ہوتا ہے لیکن مماثل بن جاتا ہے۔ یہ اگرچہ خوف کا عنصر ہوتا ہے لیکن سلامتی کا مادہ بن جاتا ہے۔

☆☆☆

عقل تمہیں دہلیز تک لے جاتی ہے لیکن گھر کے اندر نہیں لے جاتی۔ عقل ایک پردہ ہے۔ دل ایک پردہ ہے نہ سربستہ دل ایک پردہ ہے۔

☆☆☆

عقل ایک ماہر تیر انداز ہے۔ یہ کمان کو کان تک کھینچ سکتی ہے تاہم اس دنیاوی عقل کو قدرت کم عقل کا سمجھتی ہے۔ یہ کمان کھینچتی ہے لیکن کان تک نہیں۔ ہزاروں ہتھکنڈوں کے ساتھ یہ منہ تک پہنچتی ہے۔ اگر تم کمان کو منہ تک کھینچ دیتے ہو تو یہ کیا کام کر سکتی ہیں۔ اگر تم اسے کان سے چلاتے ہو تو یہ زخم لگا سکتی ہے۔
چنانچہ منہ سے آنے والے الفاظ کچھ بھی نہیں۔ صرف اس صورت میں اگر عمل کے ساتھ اختیار کیے جائیں۔ میں کم تر میں سے کم ترین ہوں اور حقیروں میں سب سے حقیر ہوں۔ خدا میری روح کو مجھ سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور میں اپنی روح کو تم سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اس دنیاوی عقل کے الفاظ منہ سے نکلتے ہیں۔ اس دنیاوی عقل کے الفاظ وہ تیر ہیں جو روح کی گہرائی سے چلائے جاتے ہیں۔ اس لیے اگر حرف قرآن ہو جہاں پہاڑ حرکت شروع کر دیں یا زمین شق ہو جائے۔

ایسے الفاظ جو سوچ سے جنم نہیں لیتے
وہ بولنے لکھنے کے لیے موزوں نہیں

ہر کسی کو اپنے آگے یا پیچھے دیکھنا چاہیے تاکہ اس دنیا کے لیے محبت رکاوٹ نہ بن سکے کیونکہ کسی چیز کے لیے تمہاری چاہت تمہیں اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ جب اس دنیا کے لیے محبت مذہب کے لیے محبت پر حاوی ہوتی ہے تو یہ تمہیں اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "ہم نے اُن کے آگے ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہے اور اُس کے پیچھے بھی رکاوٹ کھڑی کر دی ہے۔"
ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ پچھتائیں اور احساسِ بیداری پیدا ہو جائے۔ پھر یہ محبت کم ہو گی اور رکاوٹ پتلی ہو جائے گی۔ زیادہ تر امکان ہے کہ اسے اچھے تعلق کے ساتھ ناطے کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ اچھے دوست ایسے کسی کے ساتھ لمبے عرصے تک چل سکتے ہیں جو نرم خو اور صبر آزما ہو۔

☆☆☆

ایک بادشاہ کے دو شہزادے تھے۔ ایک نہایت مہذب اور اعلیٰ خصائل کا مالک تھا جبکہ دوسرا بیٹا احمق،

Marfat.com

خودسر، بے وقعت اور زنانہ تھا۔ کسی جذبے کے تحت بادشاہ نے رستم جیسا بہادر جانثار آدمی منتخب کیا اور اُسے اس لڑکے کا ساتھی اور اتالیق بنا دیا۔ دن رات اتالیق اسے مردوں کے خصائل سناتا اور عملاً بھی دکھاتا۔ وہ اُسے سکھاتا کہ ہتھیار کیسے چلائے جاتے ہیں اور مردوں کی طرح کیسے چلا جاتا ہے۔ پورے دو ماہ تک وہ بہادر اور توانا شخص مردوں کے بارے میں باتیں اور اُن کی کہانیاں سناتا رہا لیکن نتیجہ ندارد۔ وہ لڑکا کھلونے اور گڑیائیں بناتا اور اُن سے کھیلتا رہتا۔

دو ماہ بعد بادشاہ نے لڑکے کو طلب کیا تاکہ صورت حال سے باخبر ہو سکے۔ لڑکے نے سر پر نقاب اوڑھ رکھا تھا اور کھلونے پکڑ رکھے تھے۔ اُس کا اتالیق اتنا بدحواس ہوا کہ اُس نے اپنی پگڑی سے منہ چھپا لیا اور اس کے آگے بیٹھ گیا۔ بادشاہ تخت سے نیچے اُتر آیا اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے پوچھا کہ ''اتالیق کہاں ہے؟ اُستاد کہاں ہے؟''

اُستاد نے نقاب ہٹا کر بادشاہ کو تسلیمات کہیں اور زنانہ آواز میں بولا: ''جی میں یہاں ہوں۔'' بادشاہ نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' وہ بولا: ''اے شہنشاہ دنیا! میں نے پورے دو ماہ تک اِسے بدلنے کی کوشش کی۔ مارا پیٹا بھی۔ اور پتہ نہیں کیا کیا جتن کیے۔ لیکن یہ نہیں بدلا۔ اب میں خود اس کے رنگ میں ڈھل گیا ہوں۔''

لیکن وہ ایک مرد تھا۔ وہ کیسے خود کو اس روپ میں ڈھالتا جس سے اس کا وقار مجروح ہوتا۔

☆☆☆

شروع شروع میں ماہرینِ فقہ کے ساتھ نہیں بیٹھتا تھا بلکہ درویشوں کی صحبت اختیار کرتا تھا۔ میں کہا کرتا تھا۔ ''یہ درویش بننے سے نابلد ہیں۔'' پھر مجھے پتہ چلا کہ درویش ہونا کیسا ہوتا ہے اور یہ کہاں ہیں۔ اب میں درویشوں کی بجائے فقہا کے پاس بیٹھتا ہوں۔ کم از کم فقہا نے کوئی تکلیف تو اٹھائی ہے جبکہ دیگر لوگ خود کو درویش کہہ کر بڑھکیں مارتے، درویش کہاں ہیں۔

تمام عظیم پیغمبر درویش کہلانے کے لیے آتشِ عشق میں جلے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے بولے: ''مجھے حضرت محمد ﷺ کی امت میں شامل فرمادے۔'' امتِ محمدی ﷺ وہ ہے جسے یہ مرتبہ دیا گیا ہے۔

یہ داستان کا ایک اندرونی حصہ ہے۔ ہر داستان کا ایک اندرونی حصہ ہوتا ہے۔ عظیم لوگ اندرونی گودے کے لیے نہ کہ بوریت کے خاتمے کے لیے کہانی سنتے ہیں۔ وہ اسے کہانی کی شکل میں لاتے ہیں تاکہ اس کے اندر مقصد تک پہنچ سکیں۔ بلاشبہ ''وہ جو چپ رہا وہ بچ گیا۔'' بالخصوص عظیم لوگوں کی صحبت میں۔

جو کچھ بچے آئینے میں دیکھتے ہیں
وہ بوڑھا آدمی پختہ اینٹ میں دیکھ لیتا ہے

☆☆☆

بہرحال میں ایک فقیہہ تھا۔ میں نے تنبیہ اور دیگر کا کئی بار مطالعہ کیا۔ اب ان میں سے کچھ بھی

Marfat.com

میرے ذہن میں نہیں آتا کچھ بھی نہیں۔ اس طرح آگے بڑھنے تک اور یہ میرے چہرے کے سامنے اپنا سر اُٹھاتا ہے پھر وہ میرے سامنے گر جاتا ہے۔ داستان گوئی کا میرا کوئی ذہن نہیں۔ اوہ! جاؤ، تم آؤ جوانی کے دور سے زیادہ میٹھا اور انسان کی ذہانت کے ساتھ اسے ملانا۔

☆☆☆

کسی نے کسی سے پوچھا: ''جناب، کیا آپ یہودی ہیں؟''

اس نے کہا: ''نہیں میں فقیہہ ہوں۔''

وہ بولا: ''بہت بری بات ہے کہ آپ یہودی نہیں۔''

اس نے کہا: ''کیوں؟''

اس نے کہا: ''مجھے کچھ گندھک کی ضرورت ہے۔''

اس جگہ پر یہ روایت تھی کی یہودی صبح کے وقت باہر نہیں نکلتے تھے۔ مسلمانوں کے قہر کے خوف سے جو یہودی کے خلاف بدسلوکی کو احسن سمجھتے تھے یہی وہ لوگ تھے جو گندھک اور اس جیسی چیزیں بیچتے تھے۔

اس نے کہا: ''کیا یہی وجہ ہے کہ تم مجھے یہودی دیکھنا چاہتے ہو؟''

اس نے کہا: ''جی ہاں۔''

وہ بولا: ''جناب، میں آپ کے لیے کچھ گندھک لے آؤں گا۔ میرے لیے یہودیت کی خواہش مت کرو۔ میں وہ کام کروں گا جو تم چاہتے ہو۔''

☆☆☆

عقل کی ٹانگیں کمزور ہوتی ہیں۔ اس میں سے کچھ نہیں نکلتا۔ تاہم اسے حصّہ کے بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ ایک نو وارد چیز ہے اور نو وارد چیز گھر کے دروازے تک لے جاتی ہے۔ لیکن اس میں اتنی جرأت نہیں کہ حرم تک جائے۔ ایک لوح پر الف کندہ تھا۔ بعض اوقات ہم کہتے ہیں کہ یہ لوح پر لکھا تھا۔ کبھی زمین پر کبھی قلب پر اس کی روشنی سے بلند و پست منور ہوئے۔ مقرر کہاں ہے؟ ایک آنکھ کہاں ہے؟ وہ بصیرت کہاں ہے جو تیرا دیدار کر سکے؟

☆☆☆

پھر وہ کہتے ہیں کہ سب کچھ خالق حقیقی ہے۔ کوئی مخلوق نہیں۔ اگر کوئی مخلوق نہ ہوتی تو کلام الفاظ اور آواز کے بغیر ہوتی جہاں حق ہے وہاں نہ الفاظ ہیں نہ آواز۔

☆☆☆

جب الفاظ سے ہر چیز آگاہ ہو جاتی ہے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب کسی کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا تو کسی کو اسے بتانا چاہیے۔ شاید وہ بات یا حروفِ تہجی کے دیگر الفاظ نہیں سمجھتا۔ کسی کو اس

Marfat.com

کی سمجھ نہیں آتی ہے اور کسی کے نزدیک قرآن وضاحت کے لیے نازل ہوا۔ یہ الف لاتعلق ہے۔ یہ الوہیت کے سامنے نشست ہے۔ ''ب'' اس کے لیے دل میں محبت ہے اور اُس کے قدموں میں سر جھکانا ہے۔

☆☆☆

پہلے مجھے بتاؤ کہ الف کیا ہے پھر میں بتاؤں گا کہ ''ب'' کیا ہے۔ یہ کافی طویل ہوگا۔ لیکن اب طویل اور مختصر دونوں میرے لیے ایک جیسے ہیں چنانچہ مجھے مختصر اور طویل ہونے دو۔ طویل اور مختصر دونوں ایک جسم سے نکلے ہیں۔ اور ان کی خصوصیات بھی نئی ہیں۔ اول و آخر اس سے نکلتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی اوّل ہے نہ آخر۔ ظاہر نہ باطن۔

☆☆☆

تمام رازوں میں سے الف سے زیادہ کوئی سربستہ نہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ الف کی وضاحت ہے اور یقیناً الف ناقابلِ فہم ہے۔

وہ جو گرہ کھولتے مر جاتے ہیں
ایک مجمع میں جنم لینے والے تنہائی میں مر جاتے ہیں
سمندر کے کنارے پیاسے سو جاتے ہیں۔
خزانے کے اوپر بیٹھے غربت سے مر جاتے ہیں۔

☆☆☆

وہ جو گرہ کھولتے مر جاتے ہیں!

انسان کو کسی مقصد کے لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ غور کرے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اُسے کہاں لوٹ کے جانا ہے۔ اسے ظاہر اور باطن کی حسیات دی جاتی ہیں تاکہ وہ انہیں حصول علم کے لیے بطور آلہ استعمال کر سکے۔ جب وہ ان کا کسی مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے تو اسے زندگی خوش وخرم طریقے سے گزارنے کی کوئی ضمانت نہیں ملتی نہ ہی اُسے زندگی کے آغاز یا انجام کا پتہ چلتا ہے۔ خود کو علوم...... جو اس دنیا کے مکینوں کے لیے بہترین پیشہ ہے، کے ساتھ وہ اپنے دن رات گزارتا ہے اور اپنے مقصد سے دور رہتا ہے۔ زندگی کے اختتام پر اس شعبے کے بہترین محقق صاحبان کہتے ہیں: ''اس دنیا سے ہمیں غم و اندوہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔'' یہ پوری دنیا کے لیے نصیحت ہے۔ یہ شعائر پر کھڑے ہونے کا وقت نہیں تھا۔ یہ الفاظ کی تشریح کرنے کا وقت نہیں تھا۔

ہماری روحیں ہمارے جسموں میں کبیدہ خاطر ہیں
اس دنیا سے ہم نے صرف غم و اندوہ ہائے ہی پائے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

ایام کوخود سے فائدہ اٹھانے دو۔تم فلاح یافتہ ہو۔ایام آتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ذریعے فائدہ مند ہوسکیں۔

اس نے لیلۃ القدر کی تیاری کی۔وہ طاق راتوں میں ہے۔کلام سے آگاہ ایک چیز ہے جبکہ آگاہ کے طور پر کلام اور چیز ہے۔وہ ہزاروں الفاظ بولا پھر اس نے کہا کہ ''باقی ؟''

وہ بت بنا بیٹھا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے راز دان تھے۔کلیم اللہ......فرمایا۔''تم مجھے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکو گے۔''

سرپٹ دوڑتے گھوڑوں جیسا متحرک......وہ آگے آیا اور اسے بچالیا گیا۔''وائے! پھر بھی۔''

''وہاں ہمارے درمیان ایام تھے۔''

''سمندر ختم ہو جائیں گے۔''لیکن الف کے معنی ختم نہیں ہوں گے۔

وہ خدا کی عدالت سے چھلانگ لگا کر نکلا؟ آخر اس نے کس تنہائی کے تحت چھلانگ لگائی؟ وہ دانائے حق کا رازدان تھا۔

میں نے کہا کہ ''عقل غلطیاں نہیں کرتی۔'' لیکن یہ کہنا غلطی ہے کہ ''عقل غلطی نہیں کرتی۔'' ''ب الف کے نقش قدم پر چلا۔میں نے کہا ''تم کیوں آئے؟''

اس نے جواب دیا ''یہ تمہاری جواب طلبی ہوگی؟ میرے پاس ایک نقطہ ہے اور یہ تمہارے لیے عشق کا ہے جو میری روح میں بسا ہے۔میں الف کا معنی ہوں۔میں لاتعلقی کے راز کا اظہار کرتا ہوں۔''

''ت'' آیا ''میرے سر پر دو نقطے ہیں تاکہ میں دنیا و آخرت کو اٹھا سکوں۔'' ''ث'' بھی کمر کس کے بولا۔''یہ بالکل ویسے اگلی کڑی ہے جیسے قرآن شریف تورات مقدس کا تسلسل ہے۔''

''ج'' کے الف سے زیادہ دو حصے ہیں لیکن اس نے اپنی کمر کے گرد خدمت کا پٹکا باندھ رکھا ہے۔

''د'' میں پھر دو الف ہیں۔

☆☆☆

سعید مصائب کی ایک کہانی ہے جو بغداد میں اُستاد تھے۔اس کی ایک بیٹی تھی جس کی نرم خوئی اور حسن کے چرچے گزرتے گزرتے خلیفہ تک جا پہنچے۔اس نے اس لڑکی کو اپنی بیوی بنانے کے لیے ہر قسم کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے لیکن کوئی کامیابی نہ ملی۔

اُستاد کی کلاس میں ایک ایسا قانون کا طالب علم تھا جو انتہائی غریب اور لاچار تھا۔اس کی ماں بہت غریب تھی۔اس بڑے آدمی کی نظریں اس طالب علم پر جا پڑیں۔جب کلاس ختم ہوئی تو اس نے اسے آگے بلایا۔اس نے گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے ہوئے اسے کہا۔''میں تمہیں اپنی بیٹی دوں گا اور تم میرے نائب بن جاؤ گے۔''

اس نے یہ بات اپنی ماں کو سنائی۔اس کی ماں کو شائبہ گزرا کہ وہ راتوں کو پڑھ پڑھ کر پاگل ہو گیا

Marfat.com

ہے۔ وہ بولی۔ ''بیٹا کیا تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ کیا تم خود تصور کر رہے ہو؟ میرے پاس تو کوئی دولت نہیں کہ تمہارا علاج کرواسکوں۔''

اس نے کہا کہ ''ماں یہ خواب ہے نہ کوئی خیال۔ نہ یہ تھکاوٹ کا نتیجہ ہے۔ میں نے جو کچھ گزشتہ روز دیکھا یہ سچ ہے۔''

ماں اور بھی پریشان ہوگئی۔ اس نے ہمسایوں سے مشورہ کیا کہ یہ لڑکا مجھے پاگل کر کے رکھ دے گا۔ انہوں نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کو ڈراؤ تا کہ وہ خواب دیکھنا ترک کر دے۔ اگر لوگوں نے اس کی باتیں سن لیں تو وہ سمجھیں گے کہ یہ پاگل ہوگیا ہے۔

جب وہ اگلے روز کلاس میں گیا تو استاد نے دوبارہ اسے بلا کر پہلے سے بھی زیادہ زور سے اصرار کیا تو فاضل انسان علم کا متلاشی آنکھیں ملتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں حیران ہوں! شاید یہ کوئی خواب ہے یا خیال، میری ماں اور تمام خواتین متفق ہیں۔''

''مسلسل سوچ کر اور فکر کے باعث تم عقل کھو بیٹھے ہو۔ تم مالی خولیا کا شکار لگتے ہو۔''

دوبارہ اس نے مدرسے کی طرف دیکھا پھر خود کو اور پروفیسر کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''نہیں، خدا کی قسم میں تصورات میں نہیں کھویا ہوا، کوئی مالی خولیا نہیں، کوئی خواب نہیں، کوئی پاگل پن نہیں۔''

دوبارہ وہ گھر گیا اور کہانی ماں کے گوش گزار کی۔ انہوں نے کہا کہ ''بدبختی بالآخر راسخ ہوگئی ہے۔ یہ خود کو ہمارے ذہن سے نکال کر ہی رہے گا۔'' مختصر یہ کہ جتنا وہ اصرار کرتا اتنا وہ انکار کرتے۔ حتیٰ کہ جب شادی کا وقت قریب آیا اور وہ عروسی لباس پہن کر باہر آیا اور ماں کو سونا اور چاندی دیا تو وہ اور شک میں مبتلا ہوگئی اور شک برقرار رہا۔

رات کو وہ لڑکی (دلہن) لے آئے۔ ہمسایہ خواتین اور اس کی ماں حیرت سے دیکھتی رہیں۔ خواتین کا ایک گروہ جو لڑکی کو جانتا تھا، آگے بڑھا۔ انہوں نے صورت حال کی مضحکہ خیزی پر اپنے تاثرات بیان کیے۔ وہ لڑکی چلا کر بولی۔ ''اس میں مضحکہ خیزی والی کون سی بات ہے؟ وہ اہل علم و دانش میں سے ہے اور ہمارا تعلق بھی اسی طبقے میں سے ہے بلکہ یہ ہم سے افضل ہے کیونکہ ہم اس دنیا سے جڑے ہیں جبکہ یہ دنیا سے بیگانہ ہے۔ اس لیے یہ ہم سے زیادہ بہتر ہے۔ ہمیں بھی ترکِ دنیا کر کے اس جیسا بن جانا چاہیے۔''

☆☆☆

جان لو کہ مطالعہ بھی ایک بڑا پردہ ہے۔ انسان اس کے اندر ایسے جاتا ہے جیسے کسی کنویں یا خندق میں جا رہا ہو پھر آخر میں وہ تاسف کا اظہار کرتا ہے کیونکہ اسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ تو صرف برتن چاٹنے میں لگا رہا تا کہ نہ ختم ہونے والی غذا سے دور رہ سکے۔ تمام الفاظ اور آواز ہی برتن ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

موت کے وقت سنائی زیرِ لب کچھ بڑ بڑا رہا تھا۔ جب لوگ اپنے کان اس کے منہ کے قریب لائے تو سنا کہ ۔

میں نے جو کچھ کہا اس سے لاتعلق ہو رہا ہوں
کلام میں کوئی معنی نہیں معنی میں کوئی کلام نہیں

☆☆☆

او جسم کے غلام! تم کب تک اس کی خدمت میں لگے رہو گے؟

انہوں نے کہا کہ یہ نظم ابوالعلیٰ معریٰ کی ہے۔ ان کے الفاظ کافی نہیں۔ یہ ویسے نہیں جو وہ کہتے ہیں کہ وہ غلط تھا۔ دیکھو جو محترم کہتا ہے:

میرا علم اس نقطے کو پا گیا کہ
مجھے پتہ چل گیا کہ میں جاہل ہوں

صرف اس ایک لفظ سے تم کسی قسم کی خوشبو پکڑ سکتے ہو۔ انہوں نے اسے کچھ دکھایا۔ "مجھے پتہ چلا کہ میں نے شروع سے آخر تک جو کہا وہ کچھ نہیں تھا۔"

☆☆☆

وہ جو زیادہ فاضل ہے وہ مقصد سے دور ہے۔ جتنی اس کی سوچ زیادہ مشکل ہوگی وہ اتنا دور ہوگا۔ یہ کھوپڑی کا نہیں بلکہ دل کا کام ہے۔

یہ اس شخص کی کہانی ہے جس کو خزانے کے راستے مل گئے۔

"فلاں فلاں دروازے سے باہر نکلو۔ وہاں ایک گنبد ہے۔ اپنی پشت گنبد کے ساتھ لگاؤ اور منہ قبلے کی طرف رکھو اور ایک تیر چلاؤ۔ جہاں تیر گرے گا وہیں خزانہ ہے۔"

وہ چلا اور تیر چلایا۔ اس نے سر توڑ کوشش کی لیکن کچھ نہ ملا پھر یہ خبر بادشاہ تک جا پہنچی۔ ماہر تیر اندازوں نے بھی تیر چلائے لیکن کوئی آثار نمودار نہ ہوئے۔ جب اس نے دوبارہ خدا سے رجوع کیا تو اسے ایک اشارہ ملا۔ "ہم نے یہ نہیں کہا کہ تم تیر کھینچو۔" وہ آیا اور تیر کمان میں رکھا اور وہ اس کے سامنے جا گرا۔ جب سراغ مل گیا۔ "دو لمبے قدم اور وہ آ گیا۔" لہٰذا اس کا عمل سے کیا تعلق ہے؟ اس کا صوفیانہ شعبے سے کیا تعلق ہے؟ جو آگے تیر پھینکے گا وہ محروم ہوگا۔ ایسا اس لیے یہ ہے کہ "آپ کو اگلے قدم لینے کی ضرورت ہے خزانے تک پہنچنے کے لیے۔ اور کس قسم کا قدم؟"

وہ جو اپنی روح کو جانتا ہے۔ وہ رب کو پہچانتا ہے۔

☆☆☆

سوال کیا گیا کہ نماز سے فاضل تر کیا ہے؟ اس کا جواب ہم نے یہ دیا کہ نماز کی جان، نماز مع تقریرہ

Marfat.com

سے بہتر ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ایمان نماز سے بہتر ہے۔ کیونکہ نماز پانچ وقت فرض ہے۔ اور ایمان فرض سے پیوست ہے۔ اور نماز معذوری کی حالت میں ساقط ہو جاتی ہے۔ اور تاخیر کی اجازت ہوتی ہے۔ اور ایمان کو نماز پر دوسری فضیلت یہ ہے کہ ایمان کسی معذوری کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ پھر تاخیر کی بھی اجازت نہیں۔ ایمان بغیر نماز کے منفعت بخش ہے۔ مگر ایمان کے بغیر نماز کوئی فائدہ نہیں دیتی جیسے منافقوں کی نماز۔ ہر دین میں نماز جدا ہے۔ لیکن ایمان کسی دین میں تبدیل نہیں ہوتا۔ اس کے احوال اور اس کا قبلہ تبدیل نہیں ہوتا۔ اور دوسرے فرق ہیں۔ سننے والے کے ظرف کے مطابق یہ فرق ظاہر ہوتے ہیں۔ سننے والا خمیر کنندہ کے سامنے آئینے کی طرح ہے۔ کلام پانی کی طرح ہے۔ آٹے میں صرف اتنا پانی ڈالتے ہیں، جس سے وہ ٹھیک ہو جائے۔

میری آنکھ دُوسرے پر نہیں پڑتی۔ میں کیا کروں۔ اپنے آپ سے گلہ کر۔ کیونکہ اس سے روشنائی تُو خود ہے۔

یعنی میں کیا کروں، سننے والا سوائے تیرے کسی کو تلاش نہیں کرتا۔ اس کی روشنائی تُو ہی ہے، اس سبب سے کہ تُو اپنے آپ ہی میں ہے۔ اپنے آپ سے تُو نے رہائی نہیں پائی۔ اگر تُو اپنے آپ سے رہائی پا جاتا تو تیری روشنائی لاکھ گنا ہو جاتی۔

ایک شخص بے حد کمزور، بوڑھا، حقیر تھا۔ وہ ایک چڑیا کی طرح بہت ہی حقیر تھا۔ اتنا حقیر کہ بڑی بڑی قبیح صورتیں بھی اسے دیکھتیں، تو خدا کا شکر ادا کرتیں کہ وہ اس سے تو بہت بہتر ہیں۔ اسے دیکھنے سے پہلے انہیں شک ہی ہوتا کہ کوئی ان سے بڑھ کر کیسے ہو سکتا ہے۔ بایں ہمہ بادشاہ کے دیوان میں وزیر کے سامنے وہ بڑی بڑی گپیں ہانکتا اور درشت زبانی کرتا۔ وزیر کو اس سے بہت تکلیف ہوتی اور وہ بڑے تحمل سے کام لیتا۔ یہاں تک کہ ایک دن وزیر بہت غصے ہوا اور بلند آواز سے بولا کہ اے اہلِ دیوان! فلاں آدمی کو میں نے خاک سے اٹھایا۔ اس کی پرورش کی۔ قسم قسم کے کھانے اور نعمتیں اسے کھلائیں۔ اور یہ کسی قابل ہوا اور یہاں تک اس کی رسائی ہوئی۔ اور مجھے ہی یہ واہی تباہی باتیں کہہ رہا ہے۔ وہ حقیر ترین آدمی اچھل کر وزیر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور بولا، اے دیوان وا کا بر دولت وارکان! یہ درست کہہ رہا ہے۔ اس کے اور اس کے باپ دادا کے ٹکڑوں پر میں پلا اور بڑا ہوا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں اس حقیر اور رسوا حالت میں ہوں۔ اگر میں نے کسی دوسرے آدمی کے نان و نعمت پر پرورش پائی ہوتی، تو ہو سکتا تھا کہ میری صورت، میرا قد اور میری قیمت اس سے بہت زیادہ ہوتی۔ اس نے مجھے خاک سے اٹھایا۔ بے شک میں یہی کہتا ہوں۔

یٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (سورۂ نبا:۴۰)

کاش میں مٹی ہی رہتا!

اور اگر کسی دوسرے آدمی نے مجھے خاک سے اٹھایا ہوتا تو یوں میرا مضحکہ نہ اُڑتا۔

Marfat.com

اب جو مرید کسی مردِ حق سے پرورش پاتا ہے، اس کی روح پاک اور مطہر ہوتی ہے۔ اور جو شخص کسی جھوٹے، مکار اور فریبی کے ہاتھوں پرورش پاتا ہے، اس سے علم سیکھتا ہے، اس حقیر بوڑھے، عاجز و غمگین اور کم حواس آدمی کی طرح ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ

کافروں کے دوست شیاطین ہیں، جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لاتے رہتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ: ۲۵۷)

دراصل آدمی کی سرشت میں تمام علوم کا خمیر موجود ہے۔ اس کی روح غیب کی چیزیں دکھاتی ہے، جیسا کہ صاف پانی کے نیچے جو سنگریزے اور مٹی ہو نظر آجاتی ہے اور جو کچھ پانی کے اوپر ہے وہ بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس صاف پانی کا عکس خدا تعالیٰ نے اس موتی پر ڈال دیا ہے، بغیر کسی علاج کے اور بغیر کسی تعلیم کے۔ لیکن جب اس صاف پانی میں مٹی مل جائے، یا اس میں دوسرے رنگوں کی آمیزش ہو جائے، تو اس کی وہ خاصیت و دانش اس سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ بھول جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء کو بھیجا۔ وہ بہت بڑے صاف پانی کی طرح تھے۔ ہر حقیر رنگین اور گدلا پانی جو اس میں آکر ملا، اسے اپنی تیرگی اور عارضی رنگ سے رہائی مل گئی۔ پس جب وہ اپنے آپ کو صاف دیکھتا ہے، تو اسے یاد آتا ہے کہ میں پہلے اسی طرح صاف اور نتھرا ہوا تھا۔ اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کی تیرگی اور رنگ عارضی ہے۔ اسے اپنی وہ حالت یاد آجاتی ہے، جو اس کے ان عوارض کے لاحق ہونے سے پہلے تھی۔ اور وہ کہہ اٹھتا ہے:

هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (سورۃ بقرہ: ۲۵)

یہ ہی ہے جو اس سے قبل ہمیں رزق مل چکا ہے۔

پس انبیاء اور اولیاء پہلی حالت یاد دلانے والے ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ وہ اس کے جوہر میں کوئی چیز ملا دیتے ہیں۔ اب ہر گدلا پانی جس نے کہ بڑے اور صاف پانی کو پہچان لیا کہ میں اس میں سے ہوں اور اسی کا ہوں، اس ٹیں مل گیا۔ اور جس گدلے پانی نے بڑے پانی کو نہ پہچانا اور اسے غیر جنس سمجھا اور جس نے دوسرے رنگوں اور تیرگیوں میں پناہ لی، وہ سمندر اسے نہیں مل سکتا۔ سمندر اس سے دور ہی رہتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

فما تعارف منها اسلف و ما تناكر منها ايتلف و ما تنا كر منها اختلف. (صحیح بخاری)

جس روح نے اس سے موانست کی وہ اس سے مل گئی۔ اور جس نے اس سے بیگانگی اختیار کی، وہ الگ ہو گئی۔

اور اس نے فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (سورۃ توبہ: ۱۲۸)

تمہارے پاس رسول تمہیں میں سے آیا۔

Marfat.com

یعنی بڑا پانی چھوٹے پانی کی جنس سے ہے۔ اس کے نفس سے اور اس کی اصل سے ہے۔ اور جو پانی اسے اپنے نفس سے خیال نہیں کرتا تو اس کا یہ انکار نفس آب سے نہیں۔ وہ بد دوست کی وجہ سے ہے۔ اس بد دوست کا عکس اس پانی پر پڑتا ہے۔ اور چھوٹا پانی نہیں جانتا کہ بڑے پانی اور سمندر سے میرا دور بھاگنا میرے نفس کی وجہ سے ہے۔ یا اس بدہم نشین کے عکس کی وجہ سے، جس سے اس کا بہت میل ملاپ ہے۔ جیسا کہ مٹی کھانے والا نہیں جانتا کہ مٹی کی طرف میرا میلان میری طبیعت کا تقاضا ہے، یا اس کی وجہ کوئی بیماری ہے جو میری طبیعت سے مل گئی ہے۔

سمجھ لے کہ ہر شعر، حدیث یا آیت جسے شہادت کے طور پر لاتے ہیں، دو شاہدوں اور دو گواہوں کی طرح ہے۔ گواہی کے اصول سے واقف گواہ ہر مقام کے مناسب حال مختلف گواہیاں دیتے ہیں۔ گواہ دو ہی ہوتے ہیں۔ وہی واقف خانہ کے گواہ۔ وہی بیع دوکان کے گواہ۔ وہی نکاح کے گواہ ہوتے ہیں۔ جس جھگڑے کے وقت بھی وہ موجود ہوں، اس کے مطابق گواہی دیتے ہیں۔ گواہوں کی صورت وہی ہے۔ مگر مفہوم مختلف ہے:

نفعنا اللہ و ایّاکم اللون لون الحرم و الریح ریح المسک.

اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اور آپ کے حق میں الحرم کی رنگینی اور مشک کی مہک کو نفع مند بنائے۔

☆☆☆

ہم نے کہا کون آزردہ ہوا، جسے تم دیکھتے ہو۔ کہتا تھا میں خدا تعالیٰ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اس زمانہ میں خداوند تعالیٰ کو حقیقت میں نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ جو شخص یہ خواہش رکھتا ہے، میں خدا تعالیٰ کو دیکھوں، وہ خدا تعالیٰ کا نقاب ہے۔ اس گھڑی میں وہ خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح خلقِ خدا انواع و اقسام کی چیزوں، باپ، ماں، بھائیوں، دوستوں، آسمانوں، زمینوں، باغوں، ایوانوں، علوم، اعمال، اطعمہ، مشروبات سے ازروئے حق، مہر و محبت اور شفقت رکھتی ہے۔ یہ تمام چیزیں نقاب ہیں۔ جب وہ اس دُنیا سے گزر جائیں گے اور اس بادشاہِ حقیقی کو بے نقاب دیکھیں گے تو انہیں سمجھ آ جائے گی کہ وہ سب چیزیں نقاب اور پردے تھیں۔ ان کا مطلوب دراصل ایک چیز تھی۔ تمام مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ وہ سوال اور مشکلات جو ان کے دل اور ذہن میں تھیں، ان سب کا وہ جواب سن لیں گے۔ اور سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب اس طرح پر نہیں ہوگا کہ وہ ہر مشکل کا حل انفرادی طور پر جدا جدا بتائے، بلکہ ایک ہی جواب سے سارے سوال حل ہو جائیں گے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے موسم سرما میں سردی کی شدت سے بچنے کے لیے ہر شخص لباس، پوستین، تنور یا گرم غار کی پناہ ڈھونڈتا ہے، یا جیسے سردی کے زہر سے موسم سرما میں ساری نباتات، درخت اور گھاس کو پت جھڑ کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ اور ٹنڈ منڈ درخت اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، تاکہ

Marfat.com

انہیں سردی کا آسیب نہ ہو جائے۔ جب بہار آتی ہے تو ان سب کے جواب میں اپنی تجلّی فرماتی ہے۔ زندگی اور موت کے متعلق ان کے سب سوال یکبارگی حل ہو جاتے ہیں، اور کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ اب یہ اپنا سر باہر نکالتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اس مصیبت کی اصل وجہ کیا تھی۔

خدا تعالیٰ نے یہ نقاب اس مصلحت کے ماتحت پیدا کیے ہیں کہ اگر وہ اپنا جمال بے پردہ ہو کر دکھائے، تو ہم اس کی تاب نہ لاسکتے۔ اور اس سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔ ان نقابوں کے ذریعہ ہمیں مدد اور منفعت حاصل ہوتی ہے۔ تُو سورج کو دیکھتا ہے کہ اس کی روشنی میں ہم چلتے پھرتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں، اور اس روشنی کی مدد سے برے بھلے کی تمیز کرتے ہیں۔ اور اس سے گرم ہوتے ہیں۔ درخت اور باغ اس سے پھل حاصل کرتے ہیں۔ کچے اور ترش میوے اس کی حرارت سے پک کر شیریں ہو جاتے ہیں۔ اس کی تاثیر سے سونے، چاندی، لعل اور یاقوت کی کانیں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ سورج جو چند در چند واسطوں کے ذریعہ ہمیں اتنے فائدے پہنچاتا ہے، ہمارے زیادہ نزدیک آ جائے تو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے، بلکہ تمام دُنیا اور خلقت کو جلا کر رکھ دے اور کچھ باقی نہ رہے۔ خداوند تعالیٰ جب پردے کے پیچھے سے پہاڑ پر تجلّی گراتا ہے تو اسے درختوں، پھولوں اور سبزہ زار سے آراستہ پیراستہ کر دیتا ہے۔ اور جب بے پردہ ہو کر اس پر تجلّی گراتا ہے تو اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ اور اس کے ذرّے تک اُڑ جاتے ہیں۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (سورۂ اعراف: ۱۴۳)

جب اس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اسے چور چور کر دیا۔

ایک سائل نے سوال کیا کہ آخر موسم سرما میں بھی یہی آفتاب ہوتا ہے۔ کہا یہاں ہماری مراد فقط ایک مثال بیان کرنا ہے۔ لیکن وہاں نہ بوجھ نہ اونٹ، کچھ بھی نہیں۔ قصہ کچھ اور ہے اور نظیر کچھ اور۔ ہر چند کہ عقل اپنی کوشش سے اس چیز کا ادراک نہیں کر سکتی۔ لیکن وہ اپنی کوشش کو کیسے ترک کر سکتی ہے؟ اگر عقل اپنی کوشش کو چھوڑ دے تو پھر وہ عقل نہیں رہتی۔ عقل وہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ادراک میں فکرمند اور جدوجہد سے رات دن مضطرب اور بے قرار رہتی ہے۔ اگرچہ خدا سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اور وہ قابلِ ادراک نہیں۔

عقل پروانہ کی طرح ہے۔ اور معشوق شمع کی طرح۔ ہر چند کہ پروانہ جب اپنے آپ کو شمع پر گراتا ہے تو جل جاتا ہے۔ اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ لیکن پروانہ وہی ہے جسے جل مرنے کا آسیب ہو اور جسے دُکھ پہنچے۔ اور جو شمع سے آرام نہ پائے۔ اور اگر پروانہ کی طرح کوئی حیوان ہو کہ شمع کا نور اسے صبر و شکیب دیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس پر نہیں گراتا، تو وہ پروانہ نہیں۔ اور اگر اپنے آپ کو شمع کے طور پر گرائے اور جلے نہیں تو وہ بھی شمع نہیں ہے۔

پس وہ آدمی کہ جو خدا کے نور سے شکیب پاتا ہے اور جدوجہد نہیں کرتا، آدمی نہیں ہے۔ اور اگر وہ خدا کا ادراک کر سکتا ہے تو وہ خدا ہی نہیں۔ پس آدمی وہ ہے جو جدوجہد کے بغیر نہیں۔ اور جو خدا تعالیٰ کے جلال

Marfat.com

کے گرد گھومتا ہے۔اور بے آرام اور بے قرار رہتا ہے۔اور خدا وہ ہے جو آدمی کو جلاتا ہے اور اسے نیست کرتا ہے اور خود کسی عقل کی سمجھ میں نہیں آتا۔

☆☆☆

اس دُنیا میں جن دانا دوستوں نے ایک دوسرے کو بہت زیادہ دیکھا ہوگا، وہ جب اگلے جہان میں اکٹھے ہوں گے تو ان کے باہم آشنائی پختہ ہو چکی ہوگی۔فوراً ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔اور وہ جان لیں گے کہ ہم دُنیا میں اکٹھے رہ چکے ہیں۔اور وہ خوش خوش ایک دوسرے سے ملیں گے۔کیونکہ آدمی اپنے دوست کو بہت جلد کھو بیٹھتا ہے۔کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اس دُنیا میں تو جس شخص کو اپنا دوست بناتا ہے، اسے اپنی جان سمجھتا ہے، اور تیری نظر میں وہ یوسف ہوتا ہے، وہ ایک ہی قبیح فعل کی بناء پر تیری نظروں سے چھپ جاتا ہے، اور تو اسے کھو بیٹھتا ہے۔وہ یوسف تیرے لیے بھیڑیا بن جاتا ہے۔وہی شکل جو تجھے یوسف نظر آتی تھی، اب وہ بھیڑیا دکھائی دیتی ہے۔حالانکہ اس کی شکل تبدیل نہیں ہوئی۔وہ اب بھی بالکل ویسی ہی ہے، جیسے تو پہلے دیکھتا تھا۔ایک ہی عارضی سی حرکت سے تو نے اسے کھو دیا۔کل جبکہ حشر برپا ہوگا، اور یہ ذات ایک دوسری ذات سے بدل جائے گی۔چونکہ تو نے اسے دُنیا میں اچھی طرح پہچانا نہ ہوگا اور اس کی خوبیوں کو سمجھا نہ ہوگا، تو اسے وہاں کیسے پہچان سکے گا؟ مختصر یہ کہ ایک دوسرے کو بہت بہت دیکھنا چاہیے۔آدمی میں نیک اور بد صفتیں عارضی ہیں، ان سے درگذر کر کے اس کی عین ذات تک پہنچنا چاہیے۔یہ اوصاف جو انسان ایک دوسرے میں شمار کرتے ہیں، اصلی نہیں۔

قصہ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے کہا میں فلاں مرد کو خوب پہچانتا ہوں اور میں اس کی نشانیاں بتا سکتا ہوں۔اس سے کہا گیا، فرمایئے۔اس نے جواب دیا، میں نے اس سے مکان کرایہ پر لیا تھا، اور اس کے پاس دو سیاہ گائیں تھیں۔اب یہی مثال یہاں صادق آتی ہے۔لوگ کہتے ہیں ہم نے فلاں دوست کو دیکھا ہے اور اسے ہم خوب پہچانتے ہیں۔اور اس کی جو نشانیاں وہ بتاتے ہیں وہ ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی کہ قصہ میں دو سیاہ گائیں بتائی گئی ہیں۔حقیقت میں یہ اس کی نشانی نہیں، اور اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔اب انسان کو چاہیے کہ وہ آدمی کے نیک یا بد ہونے کا خیال نہ کرے۔اور صرف اس کی ذات کو دیکھے کہ اس میں کیا کیا خوبی ہے، اور کون کون سی اہلیت۔اس کا دیکھنا اور سمجھنا درحقیقت یہی ہے۔

ان لوگوں پر مجھے تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں اولیاء اور عشاق اس بے مثال ہستی یعنی خداوند تعالیٰ سے کیسے عشق بازی کرنے لگتے ہیں۔حالانکہ نہ اس کی کوئی جگہ ہے، نہ اس کی شکل وصورت ہے، نہ اس کا مکان ہے، نہ اس جیسا کوئی ہے، جس پر اسے قیاس کیا جا سکے۔پھر اولیاء اور عشاق کی طرح اس سے قوت حاصل کرتے اور متاثر ہوتے ہیں؟ اور رات دن اسی کی دُھن میں رہتے ہیں۔جو شخص کسی کو اپنا دوست بناتا ہے، اس سے مدد لیتا ہے۔آخر وہ شخص یہ مدد اپنے دوست کے لطف، احسان، علم، ذکر، فکر سے اور شادی وغم ہی سے

Marfat.com

حاصل کرتا ہے۔ اور یہ ساری چیزیں عالمِ لامکاں میں موجود ہیں۔ وہ شخص ہر گھڑی ان ذرائع سے مدد لیتا اور متاثر ہوتا ہے۔ اسے اس صورتِ حال پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ اسے تعجب ہوتا ہے تو اس بات پر کہ اولیاء اور عشاق عالمِ لامکاں سے کیسے خوش ہو جاتے ہیں اور وہ اس سے کس طرح مدد لیتے ہیں۔

ایک حکیم خدا کا منکر تھا۔ ایک دن وہ بیمار ہو گیا اور اس کی تکلیف طوالت اختیار کر گئی۔ ایک خدائی طبیب اس کے پاس گیا، اور پوچھا آخر تو کیا چاہتا ہے؟ بولا، صحت۔ پوچھا، بتا اس صحت کی کیا شکل وصورت ہوتی ہے؟ تاکہ وہ تیرے لیے حاصل کروں۔ جواب دیا اس کی شکل وصورت نہیں ہوتی۔ اس کی کوئی مثال نہیں۔ مجھ سے تو کیا پوچھتا ہے۔ خدائی حکیم نے کہا۔ آخر بتا تو سہی صحت کیا ہے؟ بولا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جب صحت آتی ہے تو میں طاقتور ہو جاتا ہوں۔ خوب موٹا تازہ ہو جاتا ہوں۔ میرا رنگ سرخ وسفید ہو جاتا ہے۔ میں تازہ اور شگفتہ ہو جاتا ہوں۔ خدائی حکیم نے کہا میں تجھ سے نفسِ صحت کے متعلق پوچھتا ہوں کہ صحت کی ذات کیا چیز ہے؟ جواب دیا، میں نہیں جانتا۔ اس کی کوئی مثال نہیں۔ اس نے کہا، اگر تو مسلمان ہو جائے اور اپنا پہلا مذہب چھوڑ دے، تو میں تیرا علاج کروں گا اور تجھے صحت یاب کر دوں گا۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ سے لوگوں نے سوال کیا کہ ہر چند کہ یہ معانی بے مثال ہیں، کیا آدمی اس شکل کے ذریعے ان معانی سے منفعت حاصل کر سکتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، یہ جو آسمان اور زمین اس شکل کے توسط سے منفعت حاصل کرتے ہیں، تو یہ اس معنیٰ کل سے ہے۔ جب تو آسمان کی گردش دیکھتا ہے۔ ابر کا وقت پر برسنا ملاحظہ کرتا ہے۔ گرمی کے بعد سردی کا آنا اور موسموں کی تبدیلیاں تیرے سامنے ہوتی ہیں۔ تو تو دیکھتا ہے کہ یہ سب کچھ بھلائی ہی کے لیے ہے اور حکمت پر مبنی ہے۔ آخر یہ کون سب کچھ کرتا ہے؟ اسے دیکھ اور اس دُنیا کے توسط سے مدد لے۔ جس طرح آدمی کے معنیٰ سے تو اس کے جسم کے ذریعہ مدد لیتا ہے۔ اسی طرح دُنیا کے ذریعہ سے معنیٔ عالم سے مدد لے۔

حضور سرور کائنات ﷺ سرمست اور بے خود ہو جاتے، تو جو بات کہتے وہ اگرچہ حضور ﷺ کی زبان سے جاری ہوتی مگر حضور ﷺ درمیان میں نہ ہوتے۔ درحقیقت بات کہنے والا خدا ہوتا۔ چونکہ انہیں اپنی پہلی حالت معلوم ہوتی کہ اس قسم کی بات سے وہ بے خبر اور لاعلم تھے۔ اس لیے اب جو بات انہیں یاد آ جاتی تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان کی یہ حالت وہ نہیں جو پہلے تھی۔ اور یہ کہ یہ خدا تعالیٰ کا تصرف ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے اپنی پیدائش سے کئی ہزار سال پہلے گزرے ہوئے لوگوں اور نبیوں کے حالات سے لے کر دُنیا کی آخری صدی تک کے تمام حالات ارشاد فرمائے کہ کیا کچھ ہو چکا اور کیا کچھ آئندہ ہونے والا ہے۔

حضور ﷺ کا مقصد وجود عرش وکرسی اور خلا وملا سے پہلے موجود تھا۔ ان چیزوں کا اتنے طویل عرصہ سے وجود ہونا، حضور ﷺ کو حادث نہیں کہہ سکتا۔ بھلا حادث کبھی قدیم کے متعلق خبر دے سکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ بات حضور ﷺ نہیں کرتے بلکہ خدا کرتا ہے کہ:

Marfat.com

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورۂ نجم: ۳،۴)

یہ پیغمبر اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ ہماری وحی ہی کے مطابق بولتے ہیں۔

خدا آواز اور حرف سے منزہ ہے۔ اس کا سخن، حرف اور صوت کی قید سے یکسر آزاد ہے۔ لیکن وہ جس حرف، آواز یا زبان سے چاہتا ہے اپنا سخن جاری کر دیتا ہے۔ راستوں میں اور کاررواں سراؤں میں حوض کے پاس کسی مرد یا کسی پرندے کا سنگین مجسمہ بنا ہوتا ہے۔ اس کے منہ سے پانی بہتا ہے اور حوض میں گرتا ہے۔ سب دانا لوگ جانتے ہیں کہ وہ پانی پتھر کے بنے ہوئے مرغ کے منہ سے نہیں بہتا۔ وہ کسی دوسری جگہ سے آتا ہے۔ اگر تو کسی آدمی کو پہچاننا چاہے تو اس سے بات کرنی شروع کر دے۔ اس کی بات سے تو اسے سمجھ جائے گا۔ اور اگر وہ طرار ہے اور اسے کسی نے بتا رکھا ہے کہ آدمی کو اس کی گفتگو سے پہچانا جاتا ہے، اور وہ اپنی گفتگو میں بہت محتاط ہے تاکہ تو اسے حاصل نہ کر سکے۔

تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ یہ حکایت، صحرا میں ایک بچے نے اپنی ماں سے کہا رات کے اندھیرے میں دیو جیسی ایک شکل نظر آتی ہے۔ مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ماں نے کہا، ڈر نہیں۔ جب تو اسے دیکھے تو بڑا دلیر ہو کر اس پر حملہ کر دے۔ معلوم ہو جائے گا، وہ درحقیقت ہے یا صرف خیال ہی ہے۔ بچے نے کہا، ماں! اگر کالے ہوّے کی ماں نے بھی اسے یہی وصیت کر رکھی ہو کہ فوراً حملہ کر دینا۔ تو میں کیا کروں گا؟

اب اسے وصیت کی گئی ہو کہ بولنا نہیں، تاکہ تمہاری اصلیت ظاہر نہ ہو جائے۔ پھر میں اسے کس طرح پہچانوں۔ کہا اس کے سامنے خاموش رہ۔ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور صبر کر۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی زبان سے کوئی کلمہ نکل جائے۔ اگر اس کی زبان سے کلمہ نہ نکلے تو تیری ہی زبان سے کوئی بات نکل جائے، جو تو کبھی نہ چاہتا ہو۔ اس بات سے تیری طبیعت میں سختی اور فکر پیدا ہو جائے۔ اور فکرِ حال سے تو اسے جان لے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ کیونکہ تو اسی سے متاثر ہوا۔ اور اسی کا عکس اور اسی کا احوال تھا جس نے تجھ پر عکس ڈالا۔ تو تیرے دل میں خیال پیدا ہوا اور تیرے منہ سے بات نکل گئی۔

شیخ سرزیؒ اپنے مریدوں میں تشریف فرما تھے۔ ایک مرید کو بھنی ہوئی سری کھانے کی خواہش ہوئی۔ شیخ نے اشارہ کیا کہ فلاں مرید کے لیے بھنی ہوئی سری لے آؤ۔ مریدوں نے پوچھا کہ اسے اس کی خواہش ہے؟ جواب دیا تیس سال سے مجھ میں کوئی احتیاج نہیں رہی۔ میں نے اپنے آپ کو ہر احتیاج سے پاک کر لیا ہے۔ میں بےنقش آئینہ کی طرح صاف اور روشن ہوں۔ اب جو بھنی ہوئی سری کھانے کو میرا دل چاہا اور مجھے بھوک لگی تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ فلاں مرید کا تقاضا ہے۔ کیونکہ آئینہ بےنقش ہے۔ اگر اس آئینے میں کوئی نقش ظاہر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کسی اور ہی کا ہے۔

ایک عزیز نے اپنے کسی مقصد کی طلب میں چلہ کشی کی۔ اسے ندا آئی کہ ایسا بلند مقصد چلّہ سے حاصل نہ ہوگا۔ چلّہ سے باہر آ تاکہ ایک بزرگ کی نظر تجھ پر پڑے اور تیرا وہ مقصد تجھے حاصل ہو جائے۔

Marfat.com

پوچھا مجھے وہ بزرگ کہاں ملے گا؟ جواب ملا جامع مسجد میں۔ بولا میں اتنی خلقت میں اسے کیسے پہچانوں گا کہ وہ کون ہے؟ ندا آئی۔ تو جا وہ خود پہچان لے گا اور تجھ پر نگاہ کرے گا۔ اس بات کی نشانی کہ اس نے تجھ پر نظر کی، یہ ہے کہ تیرے ہاتھ سے پانی کی چھاگل گر جائے گی اور تو بے ہوش ہو جائے گا۔ تو سمجھ جائے گا کہ اس نے تجھ پر نگاہ کی ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا کہ پانی سے بھری ہوئی چھاگل ہاتھ میں لے لی، اور مسجد کے اندر جماعت کو پانی پلانے لگا اور صفوں میں گھومنے لگا۔ ناگاہ اس کی حالت متغیر ہوئی۔ اس نے نعرہ مارا۔ چھاگل اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ایک گوشہ میں پڑا رہا۔ لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو تنہا پایا۔ جس شاہ نے اس پر نگاہ کی تھی، وہ وہاں پر موجود نہ تھا مگر اس کا مقصد اسے حاصل ہو گیا۔

بعض ایسے مردانِ خدا ہیں کہ وہ انتہائی عظمت اور غیرتِ حق کی وجہ سے کسی کو اپنا منہ نہیں دکھاتے لیکن طالبوں کو ان کے بڑے بڑے مقاصد تک پہنچا دیتے ہیں، اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ ایسے شاہ بہت نادر ہیں اور انتہائی نازک مزاج ہیں۔

میں نے پوچھا کیا ایسے بزرگ آپ کے سامنے آتے ہیں؟ کہا میرا ''سامنا'' ہی نہیں۔ مدت سے میرا ''سامنا'' باقی نہیں رہا۔ اگر وہ آتے ہیں تو اس تصور کے سامنے آتے ہیں جس کے وہ معتقد ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے کہا، ہم آپ کے گھر آئیں؟ بولے، دُنیا میں میرا گھر کہاں ہے؟ گھر کیا ہوتا ہے؟

حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صحرا میں گھوم رہے تھے کہ بڑی موسلا دھار بارش نے آ لیا۔ آپ نے غار کے گوشہ میں جہاں ایک سیاہ خرگوش کا بھٹ تھا، پناہ لی۔ بارش تھمی تو حضرت پر وحی نازل ہوئی کہ سیاہ خرگوش کے بھٹ سے باہر نکل آ، کیونکہ تیرے ڈر کی وجہ سے اس کے بچے اندر نہیں جاتے۔ حضرت عیسیٰؑ نے پکار کر کہا، اے خدایا!

لا بن اوی ماویٰ و لیس لابن مریم ماویٰ.

سیاہ خرگوش کے بچوں کے لیے تو جائے پناہ ہے، مگر مریمؑ کے بیٹے کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔

خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا، سیاہ خرگوش کے بیٹے کے لیے پناہ ہے، جگہ ہے۔ اور مریمؑ کے بیٹے کے لیے نہ پناہ ہے، نہ جگہ۔ نہ گھر ہے، نہ مقام۔

اگرچہ سیاہ خرگوش کے بچے کے لیے گھر ہے۔ لیکن ایسا معشوق اسے گھر سے نہیں نکالتا۔ تجھے معشوق ہی نے تو گھر سے اس طرح نکالا ہے۔ اگر تیرا گھر نہیں ہے تو کیا پروا؟ کہ اس طرح نکالے جانے کا مزا اور یہ عزت تیرے ہی لیے مخصوص ہوئی۔ زہے قسمت کہ اس نے خود تجھے نکالا۔ سو ہزار زمین اور آسمان، دُنیا، آخرت، عرش، کرسی اس کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ مرتبہ ان سب سے بڑھ کر ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

یہ جو کہتے ہیں ان القلوب علی القلوب شواھد بے شک دل، دلوں کے گواہ ہوتے ہیں، کہاوت اور ایک بات ہے جو لوگ کہتے ہیں اور حکایت ہے جس کی حقیقت ان پر منکشف نہیں ہوتی۔ ورنہ سخن کی کیا حاجت تھی۔ جب دل گواہی دے تو زبان کی گواہی کی کیا ضرورت؟

امیر نائب نے کہا کہ بے شک دل گواہی دیتا ہے۔ لیکن دل کو مزا جدا آتا ہے، کان کو جدا، آنکھ کو جدا اور زبان کو جدا لطف آتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک احتیاج ہے، تا کہ فائدہ زیادہ سے زیادہ ہو۔

اگر دل کو استغراق ہو تو بہت اس میں محو ہو جاتے ہیں۔ زبان کے محتاج نہیں رہتے۔ آخر لیلیٰ کا حسن رحمانی نہ تھا۔ وہ جسمانی اور نفسی تھا اور وہ آب وگل سے تھا۔ اس کے عشق کو اتنا استغراق تھا کہ مجنوں کو اس نے کچھ اس طرح پکڑا اور غرق کیا کہ اسے لیلیٰ کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھنے کی احتیاج نہ تھی اور نہ اس کے کان کو لیلیٰ کی بات سننے کی حاجت تھی۔ کیونکہ وہ لیلیٰ کو اپنے آپ سے جدا نہیں دیکھتا تھا۔

تیری روشنی میری آنکھ میں ہے۔ تیرا نام میرے منہ میں۔ تیرا ذکر میرے دل میں، پس تو مجھ سے دور کیسے ہوا؟

اب جبکہ معشوق جسمانی میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ اس کا عشق عاشق کو اس حالت تک پہنچا دے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے جدا نہ دیکھے۔ اس کی ہر حس مکمل طور پر معشوق میں غرق ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ آنکھ، کان، ناک، غرضیکہ کسی عضو سے کسی دوسرے حظ کا طلبگار نہیں ہوتا۔ وہ سب کو اکٹھے دیکھتا ہے اور حاضر سمجھتا ہے۔ ان اعضاء میں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، ایک عضو بھی مکمل حظ اٹھاتا ہے، تو وہ سب کے سب اس ذوق میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کسی دوسرے حظ کے طلب گار نہیں ہوتے۔ وہ دوسری حس کی طلب کو اس امر کی دلیل سمجھتا ہے کہ اس ایک عضو نے کما حقہٗ پورا حظ نہیں اٹھایا۔ اس نے حظ اٹھایا مگر ناقص۔ وہ اس حظ میں غرق نہیں ہوا۔ اس لیے دوسری حس حظ کا طلب گار ہے۔ وہ دشمن کی طلبگار ہے۔ ہر حس ایک مختلف حظ اٹھاتی ہے۔ معنی کے اعتبار سے حواس جمع ہیں۔ صورت کے لحاظ سے وہ متفرق ہیں۔ جب ایک عضو کو استغراق حاصل ہوتا ہے تو سارے اعضاء اس میں غرق ہو جاتے ہیں، جیسے مکھی اڑتی ہے۔ وہ پر کو ہلاتی ہے، سر کو ہلاتی ہے اور اس کے سب اجزاء کو حرکت ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ شہد میں غرق ہوتی ہے، تو سب اجزاء یکساں ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی جزو حرکت نہیں کرتا۔ استغراق وہ ہوتا ہے کہ غرق ہونے والا خود موجود نہیں رہتا۔ اور نہ وہ جدوجہد کرتا ہے۔ نہ اس سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے۔ نہ وہ حرکت کرتا ہے۔ وہ اس پانی میں غرق ہوتا ہے۔ اس حالت میں جو فعل اس سے سرزد ہوتا ہے، وہ اس کا فعل نہیں ہوتا۔ وہ پانی کا فعل ہوتا ہے۔ اگر وہ پانی میں ابھی ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ تو اسے غرق ہونا نہیں کہتے۔ یا اگر وہ چلاتا ہے کہ ہائے میں غرق ہو گیا، تو اسے بھی استغراق نہیں کہتے۔

آخر منصور کا یہ انا الحق (میں خدا ہوں) کہنا بھی یہی معنی رکھتا ہے۔ انا الحق ہیں کہ انا الحق کہنا بہت بڑا

Marfat.com

دعویٰ ہے۔ بڑا دعویٰ تو انا العبد (میں بندہ ہوں) کہنا ہے۔ انا الحق بہت بڑی عاجزی ہے۔ کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے، میں خدا کا بندہ ہوں۔ وہ دو ہستیوں کو ثابت کرتا ہے۔ ایک اپنے آپ کو اور دوسرے خدا کو۔ لیکن جو انا الحق کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو معدوم کرتا ہے۔ فنا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، انا الحق یعنی میں نہیں ہوں، سب وہی ہے۔ خدا کے سوا کوئی ہستی نہیں۔ میں کلی طور پر عدم محض ہوں۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اس میں بے حد عاجزی ہے۔ مگر یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

وہ شخص کہ جو خدا کی بندگی کرتا ہے، آخر اس کی بندگی درمیان میں موجود ہے۔ خواہ وہ خدا کے لیے ہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خدا کو دیکھتا ہے۔ وہ پانی میں غرق نہیں ہوتا۔ غرق شدہ وہ آدمی ہوتا ہے کہ جس سے کوئی فعل یا حرکت سرزد نہیں ہوتی۔ لیکن اس کی حرکتیں پانی کی حرکتیں ہوتی ہیں۔ ایک شیر نے ایک ہرن کا پیچھا کیا، ہرن بھاگ کھڑا ہوا۔ اس وقت دو ہستیاں تھیں۔ ایک شیر اور دوسرے ہرن۔ لیکن جب شیر نے اسے جالیا۔ اور وہ شیر کے پنجۂ قہر میں آ گیا اور شیر کی ہیبت نے اسے بے ہوش کر دیا۔ اور وہ شیر کے سامنے بے خود گر گیا تو اس گھڑی اکیلے شیر ہی کی ہستی باقی رہی۔ ہرن محو ہو گیا، اور باقی نہ رہا۔

استغراق یہ ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ شیر، چیتے اور ظالم کا خوف جو عام لوگوں پر طاری ہوتا ہے، اس پر طاری نہیں کرتا بلکہ اسے خود خداوند تعالیٰ خائف کرتا ہے۔ اور اس پر یہ حقیقت کھول دیتا ہے کہ یہ خوف خاص اس کی اپنی طرف سے ہے۔ اور خدا خود ہی اسے امن، عیش، طرب اور خواب و خورش کی صورت دکھاتا ہے۔ وہ بیداری کے عالم میں اپنی کھلی آنکھوں سے شیر، چیتے یا آگ کو دیکھتا ہے اور انہیں محسوس کرتا ہے۔ اسے اس حالت میں معلوم ہو جاتا ہے کہ شیر، چیتے یا آگ کی وہ صورت در حقیقت اس دُنیا سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ غیب کی صورت ہے۔ جس کی یوں تصویر کھنچ گئی ہے اور خداوند تعالیٰ اس طریق پر انتہائی حسن و جمال کے پرتو سے اپنی صورت دکھاتا ہے کہ مستغرق کو نہایت پُر فضا باغات نظر آتے ہیں۔ ان باغوں میں انوار، نہریں، حوریں، محلات، قسم قسم کے کھانے، مشروبات، خلعتیں، کئی براق، مختلف شہر، منزلیں اور گوناگوں عجائبات ہوتے ہیں۔ وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ چیزیں اس دُنیا سے نہیں۔ یہ سب چیزیں اسے خداوند تعالیٰ اپنی نظر سے دکھاتا اور مناظر کشی کرتا ہے۔ پس یقین ہو جاتا ہے کہ خوف اسے خدا کی طرف سے ہے۔ اسی طرح اس کی ہر امید، راحت اور مشاہدہ کا تعلق خدا ہی سے ہوتا ہے۔ اب اس کا یہ خوف دُنیا کا خوف نہیں رہتا کیونکہ یہ مشاہدہ ہے، دلیل کی بناء پر نہیں۔ یہ خدا کا معین کردہ ہے۔ کیونکہ ہر چیز کا ظہور خداوند تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

فلسفی بھی اسے جانتا ہے۔ لیکن اس کی دلیل پائیدار نہیں ہوتی اور وہ خوشی جو صرف دلیل سے حاصل ہو، اس کی عمر لمبی نہیں ہوتی۔ جب تک تو اس سے دلیل بیان کرتا رہتا ہے، وہ خوبصورت، گرم اور تازہ ہوتی ہے۔ جونہی کہ دلیل کا ذکر ختم ہوا اس کی گرمی اور خوشی جاتی رہی۔ جیسے دلیل سے آدمی جانتا ہے کہ اس گھر کو بنانے والا کوئی معمار ہے اور دلیل ہی سے وہ جانتا ہے کہ وہ معمار آنکھوں والا ہے، اندھا نہیں۔ اسے قدرت

Marfat.com

حاصل ہے، وہ عاجز نہیں۔ وہ موجود تھا، معدوم نہیں تھا۔ زندہ تھا، مرا ہوا نہیں تھا۔ آدمی یہ سب کچھ جانتا ہے۔ مگر صرف دلیل سے جانتا ہے اور دلیل پائیدار نہیں ہوتی۔ جلدی فراموش ہو جاتی ہے۔ لیکن جب عارفوں نے خدمتیں کیں، تو معمار کو پہچان لیا اور اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لیا۔ اور نان و نمک انہوں نے باہم کھایا اور اختلاط کیا۔ ان کے تصور اور ان کی نظر سے گھر کی بنیاد کبھی اوجھل نہیں ہوتی۔ پس اس قسم کا آدمی خداوند میں فنا ہوتا ہے اور اس کے حق میں نہ گناہ گناہ ہوتا ہے اور نہ جرم جرم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پانی کا مغلوب اور مہلک ہے۔

ایک بادشاہ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ایک مہمان آنے والا ہے۔ تم سونے کا ایک ایک پیالہ پکڑ کر کھڑے رہو۔ ایک غلام اس بادشاہ کا خاص مقرب تھا، اسے بھی حکم دیا کہ ایک پیالہ پکڑے۔ جب بادشاہ نے صورت دکھائی تو وہ خاص غلام بادشاہ کے دیدار سے بے خود اور مست ہو گیا۔ پیالہ اس کے ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔ دوسرے ملازموں نے یہ دیکھا تو سمجھا شاید ایسا ہی کرنا چاہیے۔ انہوں نے اپنے اپنے پیالے زمین پر دے مارے اور توڑ ڈالے۔ بادشاہ سخت برہم ہوا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ وہ بولے جہاں پناہ کے مقربِ خاص نے ایسا کیا تھا۔ بادشاہ بولا: بے وقوفو! وہ اس نے نہیں کیا تھا، وہ میں نے کیا تھا۔ ظاہری طور پر وہ سب گناہ تھا۔ مگر وہ ایک گناہ عین بندگی تھی۔ بلکہ تمام بندگیوں سے بڑھ کر تھی۔ اس سب کا مقصود اس کا وہ غلام تھا۔ باقی غلام محض پیرو کار تھے۔ کیونکہ جو معنی میں نے بیان کیے ہیں، ان کے مطابق درحقیقت وہ غلام بادشاہ تھا۔ اور سب غلام بادشاہ نہیں۔ پس وہ اس کے پیرو ہوتے ہیں۔ جب وہ عین بادشاہ ہے تو غلام اس صورت کے علاوہ نہیں ہے کہ وہ بادشاہ کے جمال سے پُر ہے۔ جیسے کہا گیا:

لو لاک لما خلقت الا فلاک.

اے پیغمبرؐ! اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔

یہ بھی انا الحق ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے آسمانوں کو اپنے لیے پیدا کیا۔ یہ انا الحق ہے، دوسری زبان سے اور دوسری رمز سے!

بزرگوں کی باتیں زبان اگر سو طریق پر ادا کرے تو بھی ایک ہی ہوتی ہے۔ جبکہ حق ایک ہے۔ راستہ ایک ہے، تو باتیں دو کیسے ہو سکتی ہیں؟ لیکن اس کی صورت مخالف ہوتی ہے۔ معنی ایک ہی ہیں۔ تفرقہ صرف صورت میں ہے۔ معنی سب جمعیت ہی ہے۔ جیسا کہ فرمایا جب خیمہ بناتے ہیں تو کوئی رسی بٹتا ہے، کوئی کیل گھڑتا ہے، کوئی کپڑا بنتا ہے۔ کوئی سیتا ہے۔ کوئی اور طرح ہاتھ بٹاتا ہے۔ ظاہری طور پر یہ صورتیں اگرچہ مختلف ہیں اور متفرق معلوم ہوتی ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ سب ایک ہیں، اور سب کے سب ایک ہی کام کرتے ہیں۔ یہی حال اس دُنیا کا ہے تو غور سے دیکھیے تو سب خدا ہی کی بندگی کرتے ہیں۔ کیا فاسق اور کیا صالح۔ کیا عاصی اور کیا مطیع۔ کیا دیو اور کیا فرشتہ، سب اسی کی بندگی میں مشغول ہیں۔ مثلاً بادشاہ چاہتا

Marfat.com

ہے کہ اپنے غلاموں کا امتحان لے۔ اور انہیں آزمائے تاکہ ثابت قدم اور بے ثبات میں تمیز ہو جائے۔ نیک عہد اور بد عہد میں تفریق ہو جائے۔ باوفا اور بے وفا علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔ اس مقصد کے لیے وسوسے اور ہیجان چاہئیں تاکہ ثابت قدمی پیدا ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو اس میں ثابت قدمی کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ پس وہ وسوسے اور ہیجان اور بادشاہ کی بندگی کرتا ہے۔ جب بادشاہ کا منشاء یہ ہے کہ وہ یوں کرے۔ وہ ہوا کو بھیج دیتا ہے تاکہ وہ غیر ثابت قدموں میں سے ثابت قدم پیدا کرے۔ مچھر کو درخت اور باغ سے جدا کر دیتا ہے تاکہ مچھر چلا جائے اور جو مچھر نہیں وہ رہ جائے۔

ایک بادشاہ نے ایک لونڈی سے فرمایا، اپنے آپ کو خوب بنا سنوار، اور غلاموں کے پاس جا تاکہ ان کی امانت اور خیانت ظاہر ہو جائے۔ لونڈی کا یہ فعل اگرچہ بظاہر گناہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ بادشاہ کی بندگی کرتی ہے۔ ان بندوں نے اس دُنیا میں اپنے آپ کو دلیل یا تقلید سے نہیں دیکھا بلکہ بے پردہ اور بے حجاب معائنہ سے دیکھا ہے۔ یہاں کیا نیک اور کیا بد سب خدا تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کرتے ہیں:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (سورۂ بنی اسرائیل، ع ۵)

کوئی شے ایسی نہیں جو حمدِ خداوندی کی تسبیح میں نہ لگی ہو۔

پس ان کے حق میں اسی دُنیا میں قیامت ہے۔ چونکہ قیامت عبارت ہے اس حقیقت سے کہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی بندگی کریں گے۔ اور کوئی بھی سوائے خدا کی بندگی کے کوئی دوسرا کام نہیں کرے گا۔ یہ لوگ یہ حقیقت اسی دُنیا میں دیکھ لیتے ہیں کہ لوکشف الغطاء ماازودت یقیناً۔

لغت کے اعتبار سے عالم وہ ہے جو عارف سے عالی تر ہو۔ کیونکہ خدا کو عالم کہتے ہیں۔ لیکن ہم اسے عارف نہیں کہہ سکتے۔ عارف وہ ہے جو نہیں جانتا اور جانتا ہے۔ اور یہ بات خدا کے متعلق نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن عرفِ عام میں عارف بڑا ہے۔ عارف عبارت ہے اس سے جو جانتا ہے بغیر دلیل کے۔ اور دیکھتا ہے معائنہ اور مشاہدہ سے۔ عرفِ عام میں اسے عارف کہتے ہیں۔

کہتے ہیں ایک عالم سوز اہد سے بہتر ہے۔ عالم کس طرح سوز اہد سے بہتر ہے؟ آخر ایک زاہد علم ہی کی بناء پر زُہد کرتا ہے۔ علم کے بغیر زُہد محال ہے۔ زُہد کیا ہے؟ یہی دُنیا سے روگردانی کرنا اور اس میں طاعت اور آخرت کو شامل کرنا۔ دُنیا کو سمجھنا چاہیے۔ دُنیا کی زشت روئی اور بے ثباتی کو جاننا چاہیے۔ اور آخرت کے لطف ثبات اور بقا سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے۔ اور سوچنا چاہیے کہ بندگی اور اطاعت کس طرح کروں؟ اور کیا بندگی کروں؟ یہ سب علم ہے۔ پس علم کے بغیر زہد محال ہے۔ زاہد عالم بھی ہے اور زاہد بھی۔ یہ عالم سوز اہد سے بہتر ہے۔ یہ کس طرح ہے؟ اس کے معنی لوگوں نے نہیں سمجھے۔ یہ علم کچھ اور ہے جو خدا تعالیٰ اس علم و زہد کے بعد عطا کرتا ہے، جو پہلے حاصل تھے۔ یہ دوسرا علم پھل ہے، اس علم و زُہد کا۔ ایسا عالم واقعی سوز اہد سے بہتر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی نے ایک درخت بویا اور وہ درخت پھل لایا۔ یہ درخت ان سو درختوں سے

Marfat.com

قطعاً بہتر ہے جنہیں پھل نہیں لگا۔ کیونکہ کچھ پتہ نہیں، وہ درخت کبھی پھل دے سکیں گے یا نہیں۔ راستہ میں بے شمار آفتیں ہیں۔ وہ حاجی جو کعبہ میں پہنچ گیا، ان سو حاجیوں سے بہتر ہے جو ابھی راستہ ہی میں دشت پیما ہیں۔ انہیں خوف ہے کہ شاید کعبہ تک پہنچ سکیں یا نہ پہنچ سکیں۔ لیکن یہ ایک حاجی حقیقت کو پہنچ گیا ہے۔ ایک حقیقت لاکھ شک سے بہتر ہے۔

امیر نائب نے کہا جو ابھی کعبہ تک نہیں پہنچا، وہ بھی پہنچنے کی اُمید تو رکھتا ہے۔ فرمایا جو امید رکھتا ہے اور جو پہنچ چکا ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ وہی فرق جو امن اور خوف میں ہے۔ یہ فرق اتنا بڑا ہے کہ سب پر ظاہر ہے۔ خوف اور امن کا مقابلہ ہی کیا۔ خود امن امن میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ پچھلے انبیاء پر حضور سرور کائنات ﷺ کو ازروئے امن ہی فضیلت حاصل ہے۔ ورنہ تمام انبیاء امن پر ہیں۔ اور خوف سے گزر چکے ہیں، سوائے اس کے کہ اس میں مقامات ہیں کہ:

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (سورۂ زخرف:۳۲)

ہم نے بعض کے درجے بعض سے بلند کیے ہیں۔

ورنہ عالمِ خوف میں ایسے مقامات ہیں، جن کا صاف نشان دیا جا سکتا ہے۔ لیکن امن کے مقامات بے نشان ہیں۔ عالمِ خوف پر نظر کیجیے۔ یہاں ہر کوئی خدا کے راستہ میں بخشش کرتا ہوا ملے گا۔ کوئی جسم کی بخشش کر رہا ہے۔ کوئی مال کی، کوئی جان کی۔ کوئی روزہ سے ہے، کوئی زکوٰۃ دے رہا ہے۔ کوئی نماز پڑھ رہا ہے۔ ایک دس رکعت، دوسرا سو رکعت۔ پس ان کی منزلیں ظاہر اور مقرر ہیں۔ ان منزلوں کی نشاندہی کرنا ایسے ہی ہے، جیسے قونیہ سے قیصریہ کے درمیان منزلیں معین ہیں۔ قیماد اور برخ، سلطان وغیرہ لیکن دریا کی منزلیں انطاکیہ سے مصر تک بے نشان ہیں۔ انہیں صرف کشتی ران ہی جانتا ہے۔ وہ خشکی والوں کو نہیں بتاتا۔ کیونکہ وہ اسے نہیں سمجھ سکتے۔

کسی نے کہا کہ گفتار بھی فائدہ دیتی ہے۔ اگر وہ سب کچھ نہیں جانتے تو تھوڑا بہت ضرور جانیں۔

فرمایا جو شخص اندھیری رات میں جاگ رہا ہے، یہ عزم رکھتا ہے کہ میں دن کے پاس پہنچ جاؤں۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ کس طرح دن کے پاس پہنچے۔ لیکن چونکہ وہ دن کا منتظر ہے، وہ دن کے نزدیک پہنچنا چاہتا ہے۔ یا جو شخص اندھیری رات میں جبکہ بادل چھائے ہوئے ہیں، قافلہ کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں تک پہنچا اور کہاں سے گزر رہا ہے، اور کتنی مسافت طے کر چکا ہے۔ لیکن جب دن چڑھتا ہے تو اسے اپنے سفر کا حاصل معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ اچانک کسی جگہ پہنچ جاتا ہے، خدا کے لیے جو شخص دو آنکھیں جھپکتا ہے، یہ بھی ضائع نہیں جاتا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (سورۂ زلزال:۷)

جس نے رائی کے دانہ کے برابر بھی نیکی کی ہے، وہ اسے دیکھ لے گا۔

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت ہنستے اور یحییٰ علیہ السلام بہت روتے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا، خدا کی دقیق تدبیروں سے تو خوب محفوظ و مصئون ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تو یوں ہنستا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے، تو خداوند تعالیٰ کے عجیب اور نادر لطف و عنایت کو بھول گیا ہے۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ تو روتا ہے۔ اس گفتگو کے وقت خدا کے اولیاء میں سے ایک ولی موجود تھا۔ اس نے خدا سے پوچھا کہ ان دو میں سے کس کا مقام بلند تر ہے؟ جواب آیا کہ:

انا عند من هو احسنهم بی ظنا.

میں وہاں ہوں جہاں میرے بندے کا خیال ہے۔

ہر بندے کے نزدیک میری ایک شکل ہے۔ جو کوئی جہاں بھی میرا خیال کرے، میں وہیں ہوتا ہوں۔ میں اس خیال کا بندہ ہوں کہ جہاں حق ہو۔ اور اس حقیقت سے بیزار ہوں، جہاں حق نہ ہو۔ اے میرے بندو! اپنے خیالات کو پاک و مطہر بناؤ، کہ تمہارے خیالات میرے رہنے کی جگہ اور میرے بسنے کا مقام ہیں۔ اب تو خود ہی آزما دیکھ کہ گریہ، خندہ، صوم، نماز، خلوت، جمعیت میں سے سب سے زیادہ نفع دینے والی کون سی چیز ہے۔ اور تیرے احوال کس طریق پر زیادہ درست ہوتے ہیں۔ اور کس طریق پر تو زیادہ سے زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔ پس وہ راستہ پکڑ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

استفت قلبک وان افتاک المفتون

تو اپنے دل سے فتویٰ لے۔ اگرچہ مفتی لوگ فتویٰ دیتے رہیں۔

مفتی معنی تیرا اندر ہے۔ مفتیوں کا فتویٰ اس کے سامنے پیش کرتا کہ جو اس کے موافق ہو تجھے معلوم ہو جائے۔ جس فتوے کو وہ درست کہے، تو اسے قبول کر۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے طبیب بیمار کے پاس آتا ہے تو اندر کے طبیب سے پوچھتا ہے۔ تیرا طبیب معنی بھی تیرے اندر ہے۔ اور وہ تیرا مزاج ہی تو ہے۔ وہ کسی چیز کو دور کرتا ہے اور کسی کو قبول۔ اس لیے بیرونی طبیب اس اندرونی طبیب سے پوچھتا ہے کہ فلاں چیز جو تو نے کھائی، کیسی تھی؟ وہ ہلکی تھی یا ثقیل؟ اس بات کا جواب وہی ہوتا ہے، جو اندر کا طبیب بتائے۔ کیونکہ باہر کا طبیب اسی سے حکم لگاتا ہے۔ پس اصل طبیب اندر ہے۔ اور وہ اس کا مزاج ہے۔ جب یہ اندر والا طبیب ضعیف ہو جاتا ہے اور مزاج میں فساد واقع ہوتا ہے۔ تو ہر چیز کو عکس سے دیکھتا ہے۔ اور ٹیڑھی نشانیاں بتاتا ہے۔ شکر کو تلخ کہہ دیتا ہے۔ اور سرکہ کو شیریں بتا دیتا ہے۔ پس ہم محتاج ہو جاتے ہیں کہ باہر کے طبیب سے مدد لیں۔ تاکہ مزاج پہلے کی طرح برقرار ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اپنا آپ پھر طبیب کو دکھاتا ہے اور اس سے فتویٰ لیتا ہے۔ معنی کے اعتبار سے آدمی کا مزاج ایسا ہی ہے۔ جب اس کے حواس باطنہ کمزور ہو جاتے ہیں تو وہ جو کچھ دیکھتا اور کہتا ہے، حقیقت کے خلاف ہوتا ہے۔ پس انبیاء اور اولیاء طبیب ہیں۔ وہ اس مزاج کی مدد کرتے ہیں، تاکہ وہ مستقیم ہو جائے۔ اور اس کا دل اور دین طاقتور ہو جائے۔

Marfat.com

ارنی الاشیاء کما ھی

مجھے چیزیں ایسی حالت میں دکھا جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں۔

آدمی ایک بہت بڑی چیز ہے۔ اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ وہ پردے اور تاریکیاں اسے نہیں چھوڑتیں کہ وہ خود علم پڑھے۔ یہ گوناگوں مصروفیتیں ہی پردے اور تاریکیاں ہیں۔ قسم قسم کی تدبیریں، حیلے اور دُنیا کی آرزوئیں اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ ان تاریکیوں اور پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ پھر بھی کچھ پڑھ ہی لیتا ہے۔ اور وہ حقیقت سے کچھ نہ کچھ واقف ہی ہے۔ اندازہ کرو کہ جب یہ تاریکیاں اور پردے راستہ سے اٹھ جائیں تو وہ کیا کچھ جان لیتا ہے، اور خود کتنے علم پیدا کرتا ہے۔ آخر صنعت جیسے خیاطی، معماری، نجاری، زراعت، زرگری، علم نجوم، طب اور اسی قسم کی بے شمار دوسری صنعتیں الیٰ الا یعد و لا یحصی آدمی کے اندر ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ یہ پتھر اور مٹی کے ڈھیلوں سے پیدا نہیں ہوئیں۔ وہ جو کہتے ہیں، مردے کو قبر میں دفن کرنا، انسان کو کوے نے سکھایا۔ یہ بھی انسان ہی کا عکس تھا، جو پرندے پر پڑا۔ دراصل یہ انسان ہی کے تقاضے نے کیا۔ حیوان آخر انسان ہی کا جزو ہے۔ جزو اپنے کل کو کیسے سکھا سکتا ہے؟ یہ ایسا ہی ہے جیسے آدمی بائیں ہاتھ سے لکھنا چاہے۔ وہ قلم کو بائیں ہاتھ سے پکڑے، تو اگرچہ اس کا دل مضبوط ہے، لکھتے وقت اس کا ہاتھ لرزتا ہے، اور ہاتھ دل کے حکم سے لکھتا ہے۔

سخن اہلِ سخن سے جدا نہیں۔ سخن ہمیشہ اہل سخن تک پہنچا ہے۔ اور سخن اس سے پورا اتصال رکھتا ہے۔ درخت اگر موسمِ سرما میں پتے اور پھل پیدا نہیں کرتے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کوئی کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ کام میں لگے ہوئے ہیں۔

موسم سرما آمدنی کا وقت ہے۔ گرمی کا موسم خرچ ہوتا سب دیکھ لیتے ہیں، آمدنی کو کوئی نہیں دیکھتا۔ جیسے کوئی ضیافت کرتا ہے، تو اس کا خرچ اٹھتا ہے۔ اس خرچ کو سب دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ آمدنی جو اس نے تھوڑی تھوڑی کر کے جمع کی تھی، اسے کسی نے دیکھا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اصل چیز آمدنی ہے۔ کیونکہ خرچ آمدنی ہی میں سے ہوتا ہے۔ جس سے ہمیں تعلق ہوتا ہے، ہم ہر لحظہ اس سے بات کرتے ہیں۔ خاموشی میں اس کی غیر حاضری میں اور اس کی حضوری میں۔ ہر حالت میں ہم اس سے باتیں کرتے ہیں۔ بلکہ جنگ میں بھی جبکہ ہم گتھم گتھا ہوتے اور ایک دوسرے کو مکے مارتے ہیں، اس وقت بھی ہم اس سے مصروف گفتگو ہوتے ہیں۔ اور ہم اسی کے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہم سے جدا نہیں ہوتا۔ ہمارے اس مکّے کے اندر اس حالت میں انگور کا خوشہ ہوتا ہے۔ تجھے یقین نہیں آیا؟ مٹھی کو کھول اور دیکھ! یہ انگور نہیں بلکہ قیمتی اور پیارے پیارے موتی ہیں۔ آخر دوسرے لوگ نظم و نثر سے بڑے نازک اور دل پسند معارف پیدا کرتے ہیں۔ یہ جو ہمارے دوستوں کا میلانِ طبع اس طرف ہے اور ہم سے تعلق ہے۔ یہ باریک معارف اور وعظ و نصیحت کی وجہ سے نہیں۔ چونکہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں اور ان کی کمی نہیں۔ انہیں جو مجھ سے تعلق ہے یہ ان چیزوں کی

Marfat.com

وجہ سے نہیں۔ وہ کچھ اور چیز دیکھتا ہے۔ جو کچھ اس نے دوسروں سے دیکھا ہے، اس سے ہٹ کر کوئی چیز ہے، جس سے وہ روشنی پاتا ہے۔

کہتے ہیں ایک بادشاہ نے مجنوں کو بلایا اور پوچھا، تجھے کیا ہو گیا ہے اور تجھ پر کیا اُفتاد پڑی ہے کہ تُو نے اپنے آپ کو رسوا کر لیا؟ اپنے خاندان اور کنبے کو چھوڑ کر خراب اور فنا ہو گیا؟ لیلیٰ کیا ہے؟ اس میں خوبی ہی کیا ہے؟ آ میں تجھے حسین ترین دوشیزائیں دکھاؤں اور ان کو تجھ پر قربان کروں، اور انہیں تجھ کو بخش دوں۔

جب یہ حسین ترین دوشیزائیں حاضر ہوئیں تو اپنی اداؤں میں سرمست تھیں۔ مجنوں اپنے حال میں تھا، اس نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا، اور نظر اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔

بادشاہ نے فرمایا، اب ذرا سر اٹھا اور ان دوشیزاؤں کو دیکھ۔

مجنوں نے جواب دیا، میں ڈرتا ہوں۔ کیونکہ لیلیٰ کا عشق تلوار سونتے کھڑا ہے۔ میں نے اپنا سر اٹھایا، تو وہ اس سر کو تلوار کے ایک ہی وار سے اڑا دے گا۔ وہ لیلیٰ کے عشق میں غرق تھا۔ اور اس کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ اس نے کسی دوسری حسین دوشیزہ کی پرواتک نہ کی۔ لیلیٰ کے علاوہ کسی اور پر نظر کرنا گویا تلوار سے قتل ہو جانا تھا۔ آخر دوسری حسینانِ مہ جبین کی خوبصورت آنکھ، رخسار، ہونٹ، ناک تھے۔ لیلیٰ میں آخر اس نے کیا خاص بات دیکھی کہ وہ ساکن ہو کر رہ گیا!

☆☆☆

مغرب کا رہنے والا ایک آدمی مغرب میں مقیم ہے اور وہ صاحب جوہر ہے۔ اور مشرق کا رہنے والا ایک شخص مغرب میں آیا۔ مسافر وہ مغربی ہے۔ لیکن جو شخص مشرق سے آیا، کیا وہ مسافر ہے؟ ساری دُنیا ایک گھر سے زیادہ نہیں۔ اگر کوئی آدمی گھر کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے کی طرف چلا جائے، تو وہ مسافر نہیں کہلاتا۔ کیونکہ آخر وہ گھر ہی میں موجود ہے۔ لیکن وہ مغربی شخص جو صاحب جوہر ہے، گھر سے باہر آئے تو مسافر ہے، کہتے ہیں:

الاسلام بدا غریباً.

اسلام کی ابتداء غربت سے ہوئی۔ (حدیث)

یہ نہیں کہا گیا:

المشرقی بدا غریباً.

مشرق کی ابتداء غربت سے ہوئی۔

اسی طرح حضور سرورِ کائنات ﷺ نے جب شکست کھائی تو مظلوم تھے اور جب انہوں نے شکست دی، اس وقت بھی مظلوم حضور ﷺ ہی تھے۔ کیونکہ دونوں حالتوں میں وہ حق پر تھے۔ اور مظلوم وہ ہے جس کے ہاتھ میں صداقت ہو۔ حضور سرور کائنات ﷺ کو اسیروں کے متعلق دلسوزی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول

Marfat.com

ﷺ کی خاطر وحی نازل کی کہ اے رسول ﷺ ان اسیروں سے کہہ دے کہ اس قید و بند کی حالت میں اگر تم اپنی نیت کو بخیر کرلو تو خدا تعالیٰ تمہیں رہائی دے گا۔ اور جو کچھ تم سے چھن گیا ہے، وہ تمہیں دوبارہ دے گا۔ بلکہ اس کو دُگنا تگنا کر کے دے گا۔ اپنی بخشش اور رضا سے وہ تمہیں دو خزانے دے گا۔ ایک دُنیا کا خزانہ جو تم نے کھویا ہے اور دوسرا آخرت کا۔

☆☆☆

جب بندہ عمل کرتا ہے۔ تو وہ توفیق اور خیر کے ذریعہ ہوتا ہے یا خدا کی مہربانی سے؟ فرمایا، خدا کی مہربانی سے اور توفیق بھی حق ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ اپنے انتہائی لطف و کرم سے دونوں میں اضافہ فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ دونوں تجھ سے ہیں:

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (احقاف:۱۴)

جو کچھ انہوں نے کیا اس کا بدلہ۔

چونکہ خدا تعالیٰ کو اس میں لطف آتا ہے۔ پس جو شخص حقیقی طلب رکھتا ہے، پالیتا ہے۔ فرمایا لیکن یہ بغیر سردار کے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والا واقعہ ہے کہ جب وہ لوگ آپ کے مطیع تھے، دریائے نیل میں راستے پیدا ہوگئے اور دریا میں سے گرد اٹھنے لگی۔ اور وہ سلامتی کے ساتھ دریا عبور کر گئے۔ پھر جب انہوں نے اپنے سردار کی مخالفت کی تو چالیس سال تک بیابانوں میں بھٹکتے پھرے، ارشاد ہے:

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ (مائدہ:۲۶)

وہ چالیس سال تک زمین پر بھٹکتے رہے۔

اور اس زمانہ کا سرداران کی اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کا فرض ہے، وہ دیکھے کہ وہ اس کے مطیع ہیں اور احکام بجالاتے ہیں۔ مثلاً جب سپاہی امیر کی خدمت میں مطیع اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی اپنی عقل کو ان کی بھلائی کے کام سوچنے میں لگائے رکھتا ہے۔ لیکن جب وہ اس کے مطیع نہ رہیں تو وہ کس طرح ان کا تدارک کرسکتا ہے اور اپنی عقل کو کیسے ان کی بھلائی میں مصروف رکھ سکتا ہے۔

☆☆☆

سمجھ لے کہ آدمی کے جسم میں عقل ہمیشہ امیر کی مانند ہے۔ جب تک جسم کی رعایا اس کی مطیع رہتی ہے۔ اس کے سب کام اصلاح پاتے رہتے ہیں۔ لیکن جب جسم عقل کے تابع نہیں رہتا تو فساد رونما ہوجاتا ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ شرابی آدمی جب نشہ میں چُور ہوتا ہے تو رعایائے وجود یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور زبان کیا کیا فساد برپا کرتے ہیں۔ دوسرے دن ہوشیار ہونے پر وہ کہتا ہے کہ میں نے کیا کیا! میں نے کیوں اس طرح بکواس کی، اور کیوں گالیاں دیں۔ پس اصلاح کا وقت ہی ہوتا ہے، جب بستی میں سردار موجود ہو۔ اور یہ اس کے مطیع ہوں۔ اب عقل بعض وقت اس رعایائے اعضاء کی اصلاح کے لیے سوچ بچار کرتی ہے، جو

Marfat.com

اس کے زیرِ فرمان ہیں۔ مثلاً اس نے سوچا کہ میں جاؤں۔ یہ اس وقت ہی ہوسکتا ہے کہ پاؤں اس کے زیر فرمان ہوں۔ ورنہ وہ سوچتی ہی نہیں۔ اب اسی طرح جسم میں عقل امیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ سارے وجود جسے دُنیا کہتے ہیں، سب کے سب اپنی عقل، دانش، نظر اور علم سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہ سب مل کر ایک جسم ہیں اور ان میں مجموعی عقل امیر ہے۔ دُنیا کے جسم اگر اس امیر کے تابع نہیں رہتے تو ان کی حالت پر ہمیشہ پریشانی اور پشیمانی طاری رہتی ہے۔ اب جبکہ وہ مطیع ہوجاتے ہیں تو جو کچھ مجموعی عقل کہتی ہے، یہ کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی اپنی عقل کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے، وہ اپنی عقل سے اسے نہ سمجھ سکیں۔ چاہیے کہ وہ اسی کے مطیع رہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک لڑکے کو درزی کی دوکان پر شاگرد بنا کر بٹھاتے ہیں، تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر حال میں اُستاد کا مطیع ہو۔ اگر اسے تکل دے کہ اسے سیئے، تو وہ اسے سی ڈالے۔ اور اگر شلال دے تو شلال سی ڈالے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ درزی کا پیشہ سیکھے تو اسے اپنے اختیار کو قطعاً بھول جانا چاہیے۔ اور چاہیے کہ استاد کے حکم کا پابند ہوجائے۔ خداوند تعالیٰ سے میں امید کرتا ہوں کہ وہ ایسی حالت پیدا کر دے گا جو صرف اسی کی عنایت ہی سے پیدا ہوسکتی ہے۔ اور جو لاکھوں کوششوں کی زد سے بالا ہے۔

☆☆☆

اب اصل قابلیت وہ ہے جو نفس میں ہے۔ نفس اور روح دو مختلف چیزیں ہیں۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ نفس انسان کو خواب میں کہاں کہاں لیے پھرتا ہے۔ اور روح جسم ہی میں رہتی ہے۔ لیکن یہ نفس بن جاتا ہے اور دوسری چیز ہوجاتا ہے۔ پس امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا:

من عرف نفسهٗ فقد عرف ربه.

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے خدا کو پہچان لیا۔

یہ نفس ہی کے متعلق کہا ہے۔ روح کے متعلق نہیں کہا۔ اور اگر ہم کہیں کہ یہ نفس کے متعلق کہا ہے یہ عقل مندی نہیں۔ اور اگر ہم اس نفس کی شرح کریں تو وہ اسے ہی نفس سمجھ لے گا۔ کیونکہ وہ اس نفس کو نہیں جانتا۔ مثلاً ایک چھوٹا آئینہ ہاتھ میں لیا جائے۔ وہ آئینہ بڑا ہو یا چھوٹا، اچھا ہو یا برا اس کا کام ہی چیزیں دکھانا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ یہ بات ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اس نے جواب دیا اسی قدر کافی ہے کہ اس آئینہ میں کانٹا، کانٹا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں۔ اس کی ایک الگ دنیا ہے۔ یہ دنیا الگ اس لیے ہے کہ ہم اسے طلب کریں اور جو خوشیاں اس کے اندر ہیں انہیں بھی حاصل کریں۔ انسان کے حصہ میں وہی خوشیاں آتی ہیں جو حیوانیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ تمام حیوانی قوت ہے جو آدمی کو آدمی بناتی ہے۔ اور جو حقیقت ہے وہ انسان ہے۔ اور انسان کم ہوتا جاتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ انسان بولنے والا حیوان ہے۔ الانسان حیوانِ ناطق۔ پس آدمی دو چیزوں پر مشتمل ہوا۔ اس دنیا میں جو حیوانی قوت میں ہے وہ شہوات اور آرزوئیں ہیں۔ لیکن جو کچھ ان سب کا خلاصہ ہے اس کی غذا علم حکمت اور اللہ کا دیدار ہے۔ آدمی

Marfat.com

میں جو حیوانیت ہے وہ حق سے گریزاں ہے اور اس کی انسانیت دنیا سے روگرداں ہے۔

فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّمِنكُم مُّؤْمِنٌ (سورۃ تغابن:۲)

پس تم ہی میں کافر بھی ہیں اور تم ہی میں مومن بھی۔

اس وجود میں دو شخص برسرِ پیکار ہیں۔

☆☆☆

اس میں شک نہیں کہ یہ دُنیا عالمِ زمستان ہے۔ جمادات کو ''جماد'' کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ سب کچھ منجمد ہے۔ یہ سنگ وکوہ، یہ لباس کہ تو پہنے ہوئے ہے، سب منجمد ہیں۔ اگر یہ دُنیا عالمِ زمستان نہیں تو پھر ہر چیز منجمد کیوں ہے؟ عالمِ معنی بڑا بسیط ہے۔ نظر اس سارے عالم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لیکن تاثیر سے اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ ہوا اور سردی ہے۔ یہ دُنیا سردی کے موسم کی طرح، اس لیے ہے کہ یہاں سب کچھ منجمد ہے۔ لیکن یہ سردی کا موسم عقلی ہے، حسّی نہیں۔ جب خدائی ہوا آتی ہے، تو وہ پہاڑ کو بھی گداز کر دیتی ہے۔ دُنیا پانی بن جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے گرمی کا موسم آتا ہے تو ہر جمی ہوئی چیز پگھل جاتی ہے۔ قیامت کے دن جب وہ ہوا چلے گی، سب کچھ گداز ہو جائے گا۔ خداوند تعالیٰ ان کلمات کو آپ کے گرد کئی لشکر بنا دیتا ہے، تاکہ دشمنوں کے سامنے وہ آپ کے لیے دیوار بن جائیں۔ اور دشمنوں کے لیے قہر کا باعث بنیں۔ یعنی اندر والے دشمنوں کے لیے بیرونی دشمن کچھ چیز نہیں۔ وہ ہیں کیا چیز؟ تو نے نہیں دیکھا کہ کتنے ہزار کافر، ایک کافر کے قیدی ہیں، جوان کا بادشاہ ہے۔ اور وہ کافر اندیشہ کا قیدی ہے۔ پس ہم سمجھ گئے کہ کام اندیشہ کرتا ہے۔ جب ایک کمزور اور مکدر اندیشہ سے اتنے ہزار لوگ اور جہان اسیر ہیں تو جس جگہ اندیشوں کا کوئی شمار نہیں، دیکھو وہاں کتنی عظمت اور شان ہوگی۔ اس صورت میں دشمنوں کا قہر کیا کر سکتا ہے؟ اور وہ کس دنیا کو فتح کر سکتے ہیں؟ جب ہم صاف دیکھتے ہیں کہ لاکھوں سپاہی جن کا شمار نہیں صحرا در صحرا پھیلے ہوئے ہیں اور وہ ایک شخص کے اسیر ہیں اور وہ شخص ایک حقیر اندیشہ کا اسیر ہے۔ پس یہ سب کے سب ایک ہی اندیشہ کے اسیر ہوئے۔ قدسی اور علوی اندیشے چونکہ نہایت عظیم اور بے حد وحساب ہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ کام اندیشے ہی کرتے ہیں۔ سب صورتیں اندیشہ کے تابع اور آلہ کار ہیں، اور اندیشہ کے بغیر وہ یکسر معطل ہیں، اور منجمد ہیں۔ پس جو شخص محض صورت کو دیکھتا ہے، وہ خود بھی منجمد ہے۔ عالمِ معنی میں اس کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ وہ بچہ ہے، نابالغ ہے، خواہ صورت کے اعتبار سے وہ سو سال کا بوڑھا کیوں نہ ہو۔

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر.

ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آ گئے۔

یعنی نفس کے ساتھ جنگ کرنا جہادِ اکبر ہے۔ جنگ میں ہم کئی صورتیں تھے اور ہم صوری دشمنوں سے لڑے۔ اس گھڑی ہم اندیشوں کے لشکر کے خلاف مصروفِ پیکار ہیں، تاکہ نیک اندیشے بد اندیشوں کو شکست

Marfat.com

دیں۔ اور جسم کی مملکت سے انہیں نکال باہر کیا جائے۔ پس جہادِ اکبر یہی ہوا۔ اب فکر کا کام ہے۔ کیونکہ افکار بغیر جسم کے توسط کے مصروف پیکار ہیں۔ ایسے ہی جیسے کہ عقل فعال کسی آلہ کی مدد کے بغیر آسمان کو گھماتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ آلہ کی احتیاج نہیں۔

تو جوہری ہے اور دونوں جہان خاص تیرا عرض ہیں۔ وہ جوہر نا پسند ہے جو عرض سے مانگا جائے۔

جو شخص دل سے علم کی جستجو کرتا ہے اس پر رو۔ اور جو آدمی جان سے عقل کو ڈھونڈتا ہے، اس پر ہنس۔

جب عرض ہے تو عرض پر نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ جوہر مشک کے نافہ کی طرح ہے اور یہ دُنیا اور اس دُنیا کی خوشیاں اس مشک کی خوشبو کی طرح ہیں۔ مشک کی یہ خوشبو نہیں رہتی۔ کیونکہ عرض ہے۔ جو شخص اس خوشبو سے مشک طلب کرتا ہے نہ کہ صرف خوشبو، اور خوشبو پر قانع نہیں رہتا، وہ نیک ہے۔ لیکن جو شخص صرف خوشبو ہی سے مطمئن ہوگیا، وہ بد ہے۔ کیونکہ اس نے اس چیز پر ہاتھ ڈالا ہے، جو اس کے ہاتھ میں نہیں رہتی۔ کیونکہ خوشبو مشک کی صفت ہے۔ جب تک کہ مشک اس دُنیا میں موجود ہے خوشبو آتی ہے۔ جب وہ مشک پردہ میں چھپ گیا اور دوسری دُنیا میں چلا گیا، تو جو لوگ اس کی خوشبو میں زندہ تھے، وہ مرجائیں گے کیونکہ خوشبو مشک کی ملازم تھی۔ وہ وہیں چلی گئی، جہاں مشک اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ پس نیک بخت وہ ہے جو خوشبو سے گزر کر مشک کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے چہرہ تک جس کی رسائی ہوگئی اور وہ عین وہی ہوگیا۔ اس کے بعد اسے فنا نہیں ہوتی۔ اور وہ مشک کی ذات میں باقی رہتا ہے اور مشک کا حکم رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ خود اپنے آپ کو عالم خوشبو میں پہنچاتا ہے اور دُنیا اس سے زندہ ہوتی ہے۔ اس پر جو کچھ کہ وہ تھا سوائے نام کے باقی کچھ نہیں رہتا۔ ایسی ہی جیسے ایک جانور نمک کی کان میں جا کر نمک ہی بن جاتا ہے۔ اس میں سوائے جانور کے نام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ وہی دریائے نمک بن جاتا ہے۔ اس کی تاثیر اس کا فعل سب نمک کا ہوتا ہے۔ وہ نام اسے کیا نقصان دیتا ہے؟ نمکینی سے وہ باہر نہیں آئے گا۔ اور اگر تو نمک کی اس کان کا نام کچھ اور رکھ دے تو بھی نمک سے باہر نہیں آتا۔

پس آدمی کو ان خوشیوں اور مزدوروں سے آگے گزر جانا چاہیے جو خدا تعالیٰ کا عکس ہیں۔ اور اسے انہی پر قانع نہیں ہونا چاہیے۔ ہر چند کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے لطف و کرم ہی سے ہے اور اسی کے جمال کا عکس ہے۔ لیکن ہم سے نسبت باقی نہیں، خدا سے نسبت باقی ہے۔ اور خلقت سے نسبت فانی ہے۔ جیسے کہ آفتاب کی شعاع جو گھروں کو منور کرتی ہے۔ ہر چند کہ آفتاب کی شعاع ہے اور نور ہے۔ لیکن وہ آفتاب کی ملازم ہے۔ جب آفتاب غروب ہوتا ہے، روشنی نہیں رہتی۔ پس آفتاب بننا چاہیے تاکہ جدائی کا خوف نہ رہے۔ اصل باخت ہے اور شناخت ہے۔ بعض لوگوں میں داد و عطا ہے۔ لیکن شناخت نہیں۔ لیکن بعض کو شناخت ہے، ان میں باخت نہیں۔ لیکن جب یہ دونوں موجود ہیں تو یہ توفیق کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ ایسا آدمی بے نظیر ہوتا ہے۔ یہ مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی راستہ پر چلا جارہا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ وہ راستہ پر چل رہا ہے یا بغیر راستہ

Marfat.com

ہی کے چلا جا رہا ہے۔ وہ اندھوں کی طرح چلا جاتا ہے۔ یکا یک مرغ کی آواز یا کسی قرنا کی آواز اسے پتہ دیتی ہے کہ آبادی قریب ہے۔ کجا یہ شخص اور کجا وہ جو راستہ جانتا ہے، اور اس پر چلا جاتا ہے۔ وہ کسی نشانی کا محتاج نہیں۔ پس شناخت اور رائے ہی سب کچھ ہے۔

☆☆☆

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

اللیل طویل فلا تقصرہ بمنامک والنہار مضی فلا تکدرہ باثامک.

رات طویل ہے تو سو کر اسے مختصر نہ کر اور دن گزر چکا ہے، اسے اپنے گناہوں سے مکدر نہ کر۔

رازکی باتیں کہنے اور حاجتیں مانگنے کے لیے رات لمبی ہے۔ خلقت کی طرف سے تشویش ہوتی، نہ دوستوں اور دشمنوں کی زحمت ہوتی ہے۔ خلوت اور بے فکری حاصل ہو جاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا ہے، تاکہ لوگوں کے اعمال دکھادے اور ریا کاری سے محفوظ و مصئون رہیں، محض خدا کے لیے۔ اندھیری رات میں مخلص اور ریاکار انسان کا پتہ لگ جاتا ہے۔ رات کے وقت ہر چیز چھپی ہوتی ہے۔ دن کو اس کا ڈھنڈورا پٹ جاتا ہے۔ ریاکار انسان رات کو سوار ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے چونکہ اب کوئی نہیں دیکھتا جو چاہوں کروں۔ کہتے ہیں کون دیکھتا ہے۔ لیکن تو کوئی نہیں کہ کسی کو دیکھے۔ وہ جو دیکھنے والا ہے، ساری دُنیا اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور مصیبت کے وقت اسے پکارتے ہیں۔ دانتوں میں درد ہو، کان میں درد ہو، آنکھ میں درد ہو، تہمت لگے، خوف ہو۔ ہر حالت میں سب اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ سنتا ہے۔ وہی حاجت روائی کرے گا اور چھپ چھپ کر صدقہ دیتے ہیں کہ بلا دور ہو۔ بیمار کی کھوئی صحت اسے واپس مل جائے۔ اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہ صدقات کو قبول فرماتا ہے۔ جب صحت کے آثار ہوتے ہیں اور فرصت ہوتی ہے تو ان کا وہ یقین تازہ ہو جاتا ہے اور خیال دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں، اے خدا وہ کیا حالت تھی، جب میں نے بڑے صدق سے تجھے پکارا تھا۔ میں نے زندان کے اس گوشہ میں ہزاروں مرتبہ قل ھو اللہ پڑھا۔ بڑی گریہ وزاری کی۔ آخر تو نے میری حاجت پوری کر دی۔ اب میں زندان سے باہر ویسا ہی محتاج ہوں، جیسا کہ زندان کے اندر محتاج تھا۔ اس اندھیری دُنیا کے زندان سے مجھے باہر نکال اور نبیوں کی دُنیا میں کہ جہاں نور ہی نور ہے، مجھے لے آ۔ اب ہمارا وہی اخلاص ہمیں زندان اور حالتِ درد سے باہر کیوں نہیں لاتا۔ دل میں ہزارہا خیال آتے ہیں کہ پتہ نہیں فائدہ ہو یا نہ ہو۔ اور اس خیال کا اثر ہزار کاہلی اور ملال پیدا کرتا ہے۔ خیال کو جلا دینے والا وہ یقین کہاں ہے؟

خداوند تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے، یہ جو میں نے کہا تمہارا نفسِ حیوانی تمہارا اور میرا دشمن ہے:

لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (سورۂ ممتحنہ:۱)

میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بنانا۔

Marfat.com

اسے مجاہدہ کے زندان میں ہمیشہ قید رکھ کیونکہ جب تک یہ قید، مصیبت اور تکلیف میں ہے تیرا اخلاص ظاہر ہوتا اور طاقت حاصل کرتا ہے۔ تو نے ہزار بار آزما دیکھا کہ دانتوں کی تکلیف، دردِ سر اور خوف نے تجھ میں اخلاص پیدا کر دیا۔ پھر تو جسمانی راحت میں کیسے جکڑا گیا؟ اور کیسے جسم کی تیمار داری میں مشغول ہوگیا؟ اپنے اصل مقصود کو فراموش نہ کر اور نفس کو پوری طاقت کے ساتھ نامراد رکھ تاکہ تو ابدی مراد کو پہنچے اور تاریکی کے زندان سے تجھے اخلاص حاصل ہو۔ کیونکہ:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (سورۂ نازعات: ۴۰، ۴۱)

جس نے نفس کو خواہش سے روکا، پس جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

☆☆☆

ہم امیر کو دُنیا اور اس کے مرتبہ، علم اور اس کے عمل کی وجہ سے دوست نہیں رکھتے۔ دوسرے لوگ اسے ان وجوہ کی بناء پر دوست رکھتے ہیں، کیونکہ وہ امیر کا منہ نہیں دیکھتے، امیر کی پیٹھ کو دیکھتے ہیں۔ امیر آئینہ کی طرح ہے، اور یہ صفات قیمتی موتیوں کی طرح اور سونے کی طرح ہیں، جو آئینے کی پشت پر لگا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو سونے کے عاشق ہیں اور موتیوں کے عاشق ہیں، ان کی نظر آئینہ کی پشت پر ہے اور جو آئینہ کے عاشق ہیں، ان کی نظر موتیوں اور سونے پر نہیں۔ وہ اپنی نظر آئینہ پر جمائے ہوئے ہیں اور آئینہ کو محض اس کے آئینہ ہونے کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ آئینہ میں اپنا حسن دیکھتے ہیں۔ آئینہ سے وہ ملول نہیں ہوتے لیکن وہ جن کا چہرہ بدصورت اور عیب دار ہے، وہ آئینہ میں روشنی دیکھتا ہے۔ وہ جلدی سے آئینہ کو پھیر دیتا ہے اور ان جواہرات کا طالب ہوتا ہے۔ اب آئینہ کی پشت پر ہزار رنگ کے نقوش بناتے ہیں اور جواہرات ٹکاتے ہیں۔ اس سے آئینہ کے چہرے کا کیا بگڑتا ہے؟ اب خداوند تعالیٰ نے حیوانیت اور انسانیت کو مرکب کیا ہے تاکہ دونوں ظاہر ہوں کہ:

و بضدها تتبين الاشياء.

ضد سے اشیاء میں فرق کیا جاتا ہے۔

کسی چیز کی تعریف اس کی ضد کے بغیر ممکن نہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی ضد نہیں، فرماتا ہے:

كنت كنزاً مخفياً فاجبت بان اعرف.

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے واجب سمجھا کہ پہچانا جاؤں۔

پس یہ عالم پیدا کیا جو ظلمت ہے، تاکہ اس کا نور ظاہر ہو۔ اس طرح اس نے اولیاء کو پیدا کیا کہ:

اخرج بصفاتي الىٰ خلقي.

میری صفات کو لے کر میری مخلوق کی طرف آ ؤ۔

اور یہ خدا کے نور کے مظہر ہیں، تاکہ دشمن سے دوست جدا کیا جائے۔ اور بیگانہ سے یگانہ ممتاز کیا

Marfat.com

جائے۔ معنی کے لحاظ سے اس کیفیت کی کوئی ضد نہیں ہے۔ سوائے ظاہری صورت کے، جس طرح کہ آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں ابلیس، موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون، ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں نمرود اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کے مقابلہ میں ابوجہل۔ پس اولیاء سے خدا کی ضد پیدا ہوتی ہے، اگرچہ معنی میں وہ ضد نہیں رکھتا۔ اس سے جتنی دشمنی اور ضد دکھاتے ہیں، اتنا ہی وہ زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور زیادہ مشہور ہوتے ہیں:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــٔـُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (سورۃ الصف:۳۲)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو پورا کرکے ہی رہے گا۔ اگرچہ یہ بات اہلِ کفر کو ناگوار ہی ہو۔

چاند نور چھڑکتا ہے، اور کتا بھونکتا ہے۔ اس میں چاند کا کیا قصور؟ کتا ایسا ہی ہے۔

چاند سے آسمان کے ارکان نور لیتے ہیں۔ وہ کتا کیا حیثیت رکھتا ہے کہ زمین کا کانٹا بھی بن جائے۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ انہیں خداوند تعالیٰ نعمت، مال، زر اور امارت سے عذاب دیتا ہے، اور ان کی جان ان سے گریز نہیں کرتی۔

ایک فقیر نے ملکِ عرب میں ایک امیر کو سوار دیکھا۔ اس کی پیشانی میں انبیاء و اولیاء کی روشنی دیکھی۔ کہا سبحان اللہ!

يعذّب عبادهٖ بالنعم.

پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندوں کو نعمتوں سے عذاب دیتا ہے۔

فرمایا کسی آدمی نے مُرشد کے سامنے کہا کہ میں نے مُرشد کی مدد سے دلیلِ قاطع دے کر خدا کی ہستی ثابت کردی ہے۔ فرمایا کل فرشتے آئے تھے اور اس آدمی کے لیے دُعا کرتے تھے کہ الحمدللہ اس نے ہمارا خدا ثابت کردیا۔ اس کا خدا اس کی عمر لمبی کرے۔ دُنیا کے حق میں اس نے کوتاہی نہیں کی۔ اے مردوے! خدا ثابت ہے۔ اسے ثابت کرنے کے لیے دلیل نہیں چاہیے۔ اگر تو کوئی کام کرتا ہے، تو اپنے آپ کو مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے اس کے سامنے ثابت کر، ورنہ وہ تو بغیر دلیل ہی کے ثابت ہے:

ان من شيءٍ الا يسبّح بحمدهٖ.

کوئی چیز نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ فقیہ زیرک ہیں، اور اپنے فن میں مہارت رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے اور اس عالم کے درمیان انہوں نے جائز اور ناجائز نظام کے لیے دیوار کھینچ دی ہے۔ اگر ان کے حجاب کی یہ دیوار درمیان میں نہ ہو تو انہیں کوئی نہ پوچھے اور وہ کام معطل ہوجائے۔ اور اس کی مثال بڑے عالم لوگوں نے فرمائی ہے کہ وہ عالم ایک دریا کی طرح ہے اور یہ عالمِ مثال جھاگ ہے۔ خدا عزّ وجل نے چاہا کہ جھاگ کو آباد

Marfat.com

کرے۔ اگر وہ اس میں مشغول نہ رہے تو مخلوق ایک دوسرے کو فنا کر دے۔ اور اس سے جہاگ کی خرابی لازم آئے۔ پس یہ ایک خیمہ ہے جو انہوں نے بادشاہ کے لیے نصب کر رکھا ہے۔ اور قوم کو اس خیمہ کی تعمیر میں مشغول کر دیا ہے۔ ایک کہتا ہے اگر میں رسی نہ بناؤں تو خیمہ کیسے سیدھا رہے۔ اور دوسرا کہتا ہے اگر میں میخ نہ بناؤں تو رسی کو کہاں باندھیں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ سارے کے سارے اس بادشاہ کے بندے ہیں، جو اس خیمہ میں بیٹھے گا اور تفرج محسوس کرے گا۔ پس اگر جولاہا وزارت کی خواہش میں بافندگی ترک کر دے تو ساری دُنیا ننگی اور برہنہ رہے۔ پس اسے بافندگی ہی کا ذوق بخشا۔ اور وہ اس میں خوش ہے۔ پس اس قوم کو جہاگ کے نظامِ عالم کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور عالم کو اس ولی کے نظام کے لیے۔ مبارک ہے وہ کہ جس کے نظام کے لیے عالم کو پیدا کیا گیا، نہ کہ اسے نظامِ عالم کے لیے۔ پس خدائے عزّ وجل اس کام میں ہر کسی کو خوشی اور مسرت بخشتا ہے۔ اگر اس کی عمر سو ہزار سال ہو تو بھی وہ یہی کام کرتا ہے۔ اور ہر روز اس کام سے اس کی محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور اس پیشہ میں اسے دقتِ نظر حاصل ہوتی جاتی ہے۔ اور اس سے وہ لذت اور خوشی پاتا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (سورۂ بنی اسرائیل:۴۴)

کوئی شے ایسی نہیں جو حمدِ خداوندی کی تسبیح میں نہ لگی رہتی ہو۔

رسّی بنانے والے کا وظیفہ جدا ہے۔ اور بڑھئی جو خیمہ کے ستون بناتا ہے، اس کا وظیفہ جدا ہے۔

اب یہ قوم جو ہمارے پاس آتی ہے، اگر ہم اس کے سامنے خاموش رہیں تو وہ ملول اور رنجیدہ ہوتی ہے۔ اگر ہم ایسی بات کہیں جو اس کے لائق ہو تو اس سے ہم خود رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اس پر وہ چلی جاتی ہے اور ہمیں طعن دیتی ہے کہ یہ ہم سے رنجیدہ ہے اور گریز کرتا ہے۔ سوکھی لکڑی کب دیگ سے گریزاں ہوتی ہے۔ البتہ دیگ ہی گریز کرتی ہے۔ پس آگ اور سوکھی لکڑی کا گریز نہیں۔ بلکہ جب وہ اسے دیکھتی ہے کہ وہ کمزور ہے تو اس سے دور ہو جاتی ہے۔ پس ہر حال میں دیگ ہی گریز کرتی ہے۔ پس ہمارا گریز درحقیقت ان کا گریز ہے۔ ہم آئینہ ہیں۔ اگر ان میں گریز ہے، تو وہ ہم میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہم ان سے گریز کرنے لگتے ہیں۔ آئینہ وہ ہے جس میں اپنے آپ کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں ملول دیکھتے ہیں، تو یہ ملال ان کا ہے۔ اس لیے کہ ملال کمزوری کی صفت ہے۔ یہاں ملال کے لیے گنجائش نہیں۔ ملال کا یہاں کیا کام؟

☆☆☆

فرمایا کہ توقات کی طرف جانا چاہیے۔ ادھر آب و ہوا گرم ہے۔ اگرچہ انطا کیہ گرم مقام ہے، لیکن وہاں زیادہ تر رومی ہیں۔ وہ ہماری بات نہیں سمجھتے۔ اگرچہ رومیوں میں بھی بعض لوگ ایسے ہیں، جو ہماری زبان سمجھتے ہیں۔ ایک دن میں نے ایک جماعت سے بات کی۔ ان میں کافروں کا ایک گروہ بھی تھا۔ بات کے دوران میں وہ رونے لگے۔ اور ذوق میں آ گئے اور حال ان پر طاری ہو گیا۔ سوال کیا کہ یہ کیا سمجھے۔ اور انہوں نے کیا جانا۔ چیدہ مسلمانوں میں سے بھی ہزار میں سے ایک آدمی یہ باتیں سمجھتا ہے۔ یہ کافر کیا سمجھے کہ رونے

Marfat.com

لگے۔ فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ نفسِ مضمون کو سمجھیں۔ اس بات کی جو اصل ہے وہ اسے سمجھے ہیں۔ آخر سب ہی خدا کی وحدت کے قائل ہیں۔ اور مانتے ہیں کہ خدا خالق ہے اور رازق ہے۔ اور ہر تصرف اور رجوع اسی کی طرف ہے۔ عذاب اور عفو اسی سے ہے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی، اور یہ بات خدا کی تعریف ہے اور اسی کا ذکر ہے تو ان سب کو اضطراب، شوق اور ذوق حاصل ہوا۔ اس بات سے ان کے معشوق اور مطلوب کی خوشبو آتی ہے۔ اگرچہ راستے مختلف ہیں۔ بعض روم کے راستہ سے جاتے ہیں۔ بعض چین کے راستہ سے۔ بعض دریا کے راستہ ہندوستان اور یمن سے۔ پس اگر تو راستوں پر نظر کرے تو اختلاف بہت بڑا اور بُعد حد سے زیادہ ہے۔ لیکن مقصود پر تو نظر کرے تو سب متفق ہیں۔ اور سب ایک ہیں۔ اندر سے سب کعبہ پر متفق ہیں۔ باطنوں کو کعبہ سے بے حد ارتباط، محبت اور عشق ہے۔ وہاں کسی اختلاف کے لیے گنجائش نہیں۔ وہ تعلق نہ کفر سے ہے اور نہ ایمان سے۔ یعنی وہ تعلق ان مختلف راستوں سے مخلوق نہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ جب وہاں پہنچ گئے تو وہ مباحثہ، جنگ اور اختلاف جو انہوں نے راستہ میں کیا کہ اس نے اس سے کہا تو جھوٹا اور کافر ہے۔ اور اس دوسرے نے اس کو ایسا ظاہر کیا، بے حقیقت نکلا۔ جب کعبہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ جن راستوں میں تھے۔ مقصود ان سب کا ایک تھا۔ مثلاً اگر پیالے میں جان ہوتی تو وہ کاسہ گر کا غلام ہوتا اور اس سے عشق کرتا۔ اب یہ جو پیالہ بنایا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اسے ایسے ہی دسترخوان پر رکھنا چاہیے۔ اور بعض کہتے ہیں، اسے اندر سے دھو لینا چاہیے۔ اور بعض کہتے ہیں، اسے دھونے کی حاجت نہیں۔ اختلاف ان چیزوں میں ہے۔ لیکن یہ کہ پیالے کا کوئی خالق اور بنانے والا ہے اور وہ خود بخود نہیں بن گیا، اس پر سب متفق ہیں۔ اور اس پر کسی کو اختلاف نہیں۔ آمدم برسرِ مطلب اب سب انسان دل کے اندر سے از روئے باطن خدا کے محب ہیں۔ اور اس کے طالب ہیں۔ اسی سے عاجزی کرتے ہیں۔ ہر بات میں اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور کسی جزو کو اپنے آپ پر متصرف اور قادر نہیں سمجھتے۔ یہ نہ کفر ہے اور نہ ایمان۔ اور باطن میں اس کا کوئی نام نہیں۔ لیکن جب باطن کی طرف سے حقیقت کا پانی زبان کے پرنالہ سے رواں ہوتا ہے اور جم جاتا ہے تو وہ نقش و عبارت بن جاتا ہے۔ یہاں اس کا نام کفر اور ایمان اور نیک اور بد ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے نباتات جب زمین سے اُگتی ہے تو ابتداء میں اس کی اپنی کوئی خاصی شکل نہیں ہوتی۔ اور جب وہ اس دُنیا میں رونما ہوتی ہے تو ابتدائے کار میں لطیف و نازک اُگتی ہے اور اس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ جوں جوں وہ اس دُنیا میں قدم بڑھاتی ہے، غلیظ اور کثیف ہوتی جاتی ہے اور دوسرا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن جب مومن اور کافر اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ جب تک وہ کچھ کہتے نہیں، سب یگانہ ہیں۔ خیال کا مواخذہ نہیں۔ درونِ عالم آزادی ہے۔ اس واسطے کہ خیالات لطیف ہیں۔ ان پر حکم نہیں چلایا جا سکتا کہ:

نحنُ نحکم بالظاھر واللّٰہ یتولّی السرائر.

ہم ظاہر سے حکم لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھیدوں کو پسند کرتا ہے۔

Marfat.com

تیرے اندر ان خیالات کو خدا پیدا کرتا ہے۔ سو ہزار جدوجہد اور لاحول سے تو انہیں اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتا۔ پس وہ جو کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو آلہ کی ضرورت نہیں۔ تُو نہیں دیکھتا کہ ان تصورات اور خیالات کو وہ بغیر کسی آلہ، کسی قسم اور کسی رنگ کے تیرے اندر پیدا کر دیتا ہے۔ وہ خیالات مرغانِ باد اور آہوانِ وحشی کی طرح ہیں کہ پیشتر اس کے کہ تُو انہیں پکڑے اور قفس میں قید کرے، شریعت کی رو سے انہیں فروخت کرنا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ تجھے یہ مقدور نہیں کہ مرغ باد کو فروخت کرے۔ کیونکہ خریداری میں تسلیم شرط ہے۔ اور جب تجھے مقدور ہی نہیں تو تسلیم کیا کرے گا؟ پس خیالات جب تک باطن میں ہیں، بے نام ونشان ہیں۔ ان پر حکم نہیں لگایا جا سکتا، نہ کفر سے نہ اسلام سے۔ کوئی قاضی یہ پوچھتا ہے کہ کیا تو نے اپنے اندر ایسا اقرار کیا؟ یا ایسی فروخت کی یا قسم کھا کہ تُو نے اپنے اندر ایسا خیال تو نہیں کیا؟ وہ ایسا نہیں کہتا۔ اس واسطے کہ باطن میں کسی کا حکم نہیں۔ خیالات مرغانِ باد ہیں۔ اب جب خیال عبارت میں آ گیا، تو اس گھڑی اس وقت اس پر کفر اور اسلام، نیک اور بد کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ جیسا اجسام کے لیے ایک عالم ہے، اس طرح تصورات کا عالم ہے، تخیلات کا عالم ہے۔ توہمات کا عالم ہے اور خداوند تعالیٰ سب عالموں سے دور ہے۔ وہ نہ داخل ہے، نہ خارج۔ اب ان تصورات میں خداوند تعالیٰ کے تصرفات پر غور کر کہ وہ بے چوں و چگونہ اور بغیر قلم اور بغیر آلہ کے ان کی مصوری کرتا ہے۔ آخر اگر یہ خیال یا تصور سینہ کو پھاڑ دے اور ریزہ ریزہ کر دے تو وہ خیال تجھے اس میں نہیں ملے گا۔ خون میں نہیں ملے گا، رگ میں نہیں ملے گا، اوپر نہیں ملے گا۔ نیچے نہیں ملے گا۔ کسی حصہ میں نہیں ملے گا۔ بغیر جہت کے اور بے چون و چگونہ۔ اور اسی طرح وہ باہر بھی نہیں ملے گا۔ پس جب اس کے تصرفات، ان تصورات میں اتنے لطیف ہیں کہ بے نشان ہیں۔ تو وہ خود کہ ان سب کو پیدا کرنے والا ہے، دیکھ تو سہی کتنا بے نشان اور کتنا لطیف ہے۔ کیونکہ یہ ڈھانچے انسانوں کی معنویت کی نسبت زیادہ کثیف ہیں۔ یہ معانی جو بے چون و چگونہ لطیف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی لطافت کے مقابلہ میں وہ جسم اور صورتیں ہیں جو کثیف ہیں۔

اگر پردوں سے اس پاک روح کو دکھا دیتا تو انسانوں کی جان اور عقل اس کے مقابل میں بدن ہی شمار ہوتی۔

شیخ الاسلام ترمذی کہتے تھے کہ سیّد برہان الدین، اللہ تعالیٰ ان کے بڑے بڑے رازوں کو پاک رکھے، تحقیق کی ہوئی باتیں خوب کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشائخ کی کتابوں اور ان کے اسرار و مقالات کا مطالعہ اچھی طرح کرتے تھے۔ ایک آدمی نے کہا، آخر تُو بھی مطالعہ کرتا ہے۔ کیا سبب ہے تو ایسی باتیں نہیں کہتا۔ کہا اس کا سبب اس کا درد ہے۔ اس نے مجاہدہ کیا ہوا ہے۔ اور اس کا بھی اثر ہے۔ کہا تو اس کا ذکر کیوں نہیں کرتا۔ اور اسے یاد نہیں لاتا تو صرف مطالعہ کی بات کرتا ہے۔ حالانکہ اصل وہ ہے۔ ہم اس کا ذکر کرتے ہیں تُو بھی اسی کی بات کر۔ اسے اس جہان کا درد نہ تھا۔ وہ کلی طور پر دل اس جہان سے لگائے ہوئے تھا۔ بعض لوگ روٹی کھانے کے لیے آتے ہیں اور بعض روٹی کا تماشا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اس

Marfat.com

کو سیکھیں اور بیچیں۔ یہ بات ایک دلہن کی طرح ہے، اور ایک معشوق کی طرح ہے۔ جس معشوقہ کنیز کو محض بیچنے کے لیے خریدیں، وہ کیا محبت کرے گی اور کیا دل لگائے گی۔ اس تاجر کو مزا اسے فروخت کرنے میں آتا ہے، تو وہ نامرد ہے۔ وہ کنیز کو بیچنے کے لیے خریدتا ہے۔ اس میں رجولیت اور مردمی نہیں کہ کنیز کو محض اپنے لیے خرید لے۔ خالص ہندوستانی تلوار اگر ایک مخنث کے ہاتھ آ جائے تو وہ اس کے دام ہی کھرے کرے گا۔ یا کسی پہلوان کے ہاتھ کمان آ جائے، تو وہ اسے بیچ ہی ڈالے گا۔ کیونکہ اس کے بازو اس قابل نہیں کہ کمان کھینچ سکیں اور اگر اس کمان کو چلّہ کی وجہ سے خریدتا ہے تو چلّہ چڑھانے کی اس میں استعداد نہیں۔ وہ صرف چلّہ کا عاشق ہے۔ جب وہ اسے بیچتا ہے تو مخنث اس کے بدلے غازہ اور وسمہ لیتا ہے۔ وہ اور کیا کرے گا۔ بات یہ ہے کہ جب وہ اسے ہی فروخت کر رہا ہے تو اس سے بہتر وہ کیا خریدے گا؟ یوں سمجھو کہ یہ بات سریانی زباں میں ہے۔ یہ ہرگز نہ کہیے کہ میں نے اسے سمجھ لیا ہے۔ تو نے اسے خواہ کتنا ہی سمجھ لیا ہوگا۔ پھر بھی یہ فہم سے بہت دور ہوگی۔ اس کا فہم بے فہمی ہے۔ خود تیری بلا، مصیبت، محرومی اس فہم کی وجہ سے ہے۔ یہ فہم ایک بند ہے۔ اس بند سے رہائی پانا چاہیے، تا کہ تو کوئی چیز بنے۔

☆☆☆

تو کہتا ہے کہ میں نے دریا سے مشک بھر لی ہے اور دریا میری مشک میں سما جاتا ہے۔ یہ بات محال ہے۔ ہاں اگر تو یہ کہے کہ میری مشک دریا میں گم ہوگئی ہے تو بات ٹھیک ہوگی اور اصلیت یہی ہے۔ عقل اتنی حسین اور مطلوب ہے کہ وہ تجھے بادشاہ کے دروازہ تک لے آئی جب تو بادشاہ کے دروازہ پر پہنچ گیا، تو اب اگر عقل کو طلاق دے دے کہ اب عقل تیرے لیے نقصان کا باعث ہوگی اور راہزن ثابت ہوگی۔ جب تو اس کے پاس پہنچ گیا تو اپنے کو اس بادشاہ کے سپرد کر دے۔ اگر مگر کرنا تیرا کام نہیں ہے۔ مثلاً اگر ایسا کپڑا تیرے پاس ہے جو کٹا ہوا نہیں اور تو اس کی قباء بنانی چاہتا ہے تو عقل تجھے درزی کے پاس لے جاتی ہے۔ اس گھڑی تک عقل اچھی تھی کہ کپڑے کو درزی کے پاس لے آئی لیکن اب اس وقت عقل کو طلاق دے دینی چاہیے۔ اسی طرح عقل، اس وقت تک اچھی ہے کہ بیمار کو طبیب کے پاس لے آئے۔ جب وہ اسے طبیب کے پاس لے آئی، تو اس کے بعد عقل کسی کام کی نہیں۔ اور اب اپنے آپ کو طبیب کے سپرد کر دینا چاہیے۔ دوستوں کے کان تیرے نعرہ ہائے پنہائی کو سنتے ہیں۔ آخر جس شخص کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے یا جو شخص اپنے اندر کوئی خوبی رکھتا ہے، وہ ظاہر ہوتی ہے۔ اونٹوں کی قطار میں سے جو اونٹ مست ہوتا ہے، وہ اپنی آنکھ، رفتار اور حال ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (فتح:۲۹)

ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔

اب درخت کی جڑ جو کچھ کھاتی ہے، وہ درخت پر شاخ، پتے اور پھل سے ظاہر ہو جاتا ہے اور جو جڑ

Marfat.com

کچھ نہیں کھاتی، اس کا درخت پژمردہ ہوتا ہے اور یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ یہ ہاؤ ہو بلند کرتے ہیں۔ اس کا راز یہ ہے کہ ایک بات سے کئی باتیں سمجھ لیتے ہیں اور ایک حرف سے کئی اشارے معلوم کر لیتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کسی نے وسط اور مطوّل کتابیں پڑھی ہوں، وہ تنبیہ میں سے ایک کلمہ سن لے، تو چونکہ اس نے اس کی شرح پڑھی ہوئی ہے، ایک اصل مسئلہ سے کئی مسئلے سمجھ جاتا ہے اور اس ایک حرف پر کئی تمہیں کرتا ہے، یعنی کہ میں اُن کی گہرائی کو سمجھتا ہوں، اور میں دیکھتا ہوں اور یہ وہ ہے جس جگہ میں نے دُکھ اٹھائے ہیں اور راتوں کو میں نے دن بنایا ہے اور میں نے خزانے حاصل کیے ہیں:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (سورۂ انشرح:۱)

کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کھول دیا۔

شرحِ دل کی کوئی انتہا نہیں۔ جب وہ شرح پڑھی ہوئی ہو۔ ایک رمز سے بہت کچھ سمجھ میں آ جاتا ہے اسے کیا خبر، اور ہائے ہائے کیسا۔ بات سننے والے کے ظرف کے مطابق ہوتی ہے۔ جب وہ اسے نہیں کھینچتا تو حکمت بھی باہر نہیں آتی۔ جتنی وہ کھینچتا ہے، وہ غذا بنتی ہے اور اتنی ہی حکمت نیچے اترتی ہے۔ ورنہ وہ کہہ اٹھتا ہے کہ تعجب ہے۔ بات کیوں نہیں آتی۔ اس کا جواب کہتا ہے تعجب ہے کہ تو کھینچتا کیوں نہیں۔ جو تجھے سننے کی طاقت نہیں دیتا۔ وہ کہنے والے کو بھی گفتگو کی خواہش نہیں دیتا۔

مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ میں ایک کافر کا ایک مسلمان غلام تھا۔ اس غلام میں بڑی خوبیاں تھیں۔ ایک صبح اس کے آقا نے کہا، طشت اٹھا تاکہ حمام چلیں۔ راستہ میں محمد ﷺ مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ وہاں پہنچ کر غلام نے کہا۔ اے آقا خدا کے لیے ایک لحہ بھر کے لیے اس طشت کو تھام تاکہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ اس کے بعد حاضر ہو جاؤں گا۔ غلام مسجد کے اندر گیا اور نماز پڑھی۔ نماز کے خاتمہ پر مصطفیٰ ﷺ باہر تشریف لے آئے، اور صحابہ بھی باہر آ گئے۔ غلام اکیلا مسجد کے اندر رہا۔ اس کا آقا پہر دن چڑھے تک منتظر رہا۔ اب اس نے آواز دی کہ اے غلام! باہر آ۔ غلام بولا، مجھے نہیں چھوڑتے۔ جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو آقا نے سر مسجد کے اندر کیا کہ دیکھے کون ہے جو غلام کو نہیں چھوڑتا۔ جوتے اور کسی کے سایہ کے سوا اسے کچھ نظر نہ آیا اور نہ کسی نے جنبش کی۔ بولا وہ کون ہے جو تجھے نہیں چھوڑتا تاکہ تو باہر آ سکے؟

جواب دیا، وہی جو تجھے نہیں چھوڑتا کہ تو اندر آ سکے۔ وہ وہ ہے جو تجھے نظر نہیں آتا۔

☆☆☆

ایک صاحب مصطفیٰ ﷺ کے پاس آئے۔ اور بولے، انی احبک (میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔) فرمایا ہوش کر تو کیا کہتا ہے! اس نے دہرایا کہ انی احبک (میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔) فرمایا ہوش کر تو کیا کہتا ہے۔ وہ تیسری بار بولا، انی احبک۔ فرمایا، اب تو سنبھل جا۔ میں خود اپنے ہاتھ سے تجھے قتل کروں گا۔ افسوس ہے تجھ پر۔

Marfat.com

مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے کہا، میں یہ تیرا دین نہیں چاہتا۔ خدا کی قسم میں نہیں چاہتا۔ اپنے اس دین کو مجھ سے واپس لے لے۔ جب سے میں تیرے دین میں آیا ہوں، ایک دن آرام نہیں ملا۔ مال گیا، عورت گئی، بیٹا نہ رہا، عزت نہ رہی، شہوت نہ رہی۔ فرمایا کہ میرا دین جہاں بھی جاتا، واپس نہیں آتا، جب تک کہ اسے بیخ و بن سے نہ اکھاڑ دے اور اس کے گھر میں جھاڑو نہ پھیر دے اور پاک نہ کر دے۔

لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (سورۂ واقعہ:۷۹)

پاک لوگوں کے سوا اس تک اور کسی کی دسترس نہیں۔

کیسا معشوق ہے! جب تک تجھ میں بال برابر بھی اپنی محبت باقی رہے، وہ اپنا چہرہ تجھے نہیں دکھاتا اور تو اس کے وصل کے قابل نہیں ہوتا۔ اپنے آپ تک وہ کلی طور پر راہ نہیں دیتا۔ اپنے آپ سے اور دنیا سے بیزار ہو جانا چاہئے اور اپنا دشمن آپ بن جانا چاہیے تاکہ دوست چہرہ دکھائے۔ اب ہمارا دین جس دل میں جاگزیں ہو جائے، جب تک اسے خدا تک نہ پہنچا دے اور اس میں جو نہیں ہونا چاہیے، اسے اس سے جدا نہ کر دے، اس سے ہاتھ نہیں کھینچتا۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا تو اس لیے آرام نہیں کرتا اور غم کھاتا ہے کہ غم کھانا پہلی خوشیوں کی قے ہے۔ جب تک تیرے معدہ میں اس چیز سے کچھ باقی ہو، تجھے کوئی چیز نہیں دیتے کہ تو کھائے۔ قے کے وقت کوئی شخص کچھ نہیں کھاتا اور جب قے سے فارغ ہو جائے تو اس وقت کھانا کھاتا ہے۔ تو بھی صبر کر اور غم نہ کھا۔ کیونکہ غم کھانا قے ہے۔ استفراغ کے بعد خوشی میسر آتی ہے جس کے بعد غم نہیں ہوتا۔ وہ پھول پھول نہیں جس کے ساتھ کانٹا نہ ہو اور وہ شراب، شراب نہیں جس میں خمار نہیں۔ آخر تُو دنیا میں رات دن فراغت اور آسائش چاہتا ہے۔ اور ان کا حصول دُنیا میں ممکن نہیں۔ اس لیے تو ایک لمحہ بھی بغیر طلب کے نہیں ہے۔ دُنیا میں تجھے جو راحت حاصل بھی ہوتی ہے، وہ ایک بجلی کی رو ہے، جو گزر جاتی ہے اور برقرار نہیں رہتی۔ اور بجلی بھی کیسی بجلی کہ اس کے ساتھ اولے بھی برستے ہیں اور موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور برف بھی گرتی ہے جو بڑی تکلیف دیتی ہے۔

مثلاً کسی نے انطاکیہ جانے کا عزم کیا ہوا ہے، مگر وہ جاتا قیصریہ کو ہے۔ اب وہ امید رکھتا ہے کہ انطاکیہ پہنچ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی کوشش کو نہیں چھوڑتا۔ اب یہ ممکن نہیں کہ اس راستہ سے وہ انطاکیہ پہنچ جائے۔ وہ انطاکیہ اسی راستے سے پہنچے گا جو انطاکیہ کو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ لنگڑا ہو اور ضعیف ہو پھر بھی وہ انطاکیہ پہنچ جائے گا۔ کیونکہ اس راستہ کا ملتہا یہی ہے جب دُنیا کا کوئی کام بغیر مصیبت اٹھائے نہیں ہوتا تو آخرت کا کام بھی ایسا ہی ہے۔ اس مصیبت کو تو ایک مرتبہ آخرت پر صرف کرتا تاکہ وہ ضائع نہ ہو۔ تو کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ تو اپنا دین لے جا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے میری آسائش مفقود ہے۔ ہمارا دین کب کسی کو چھوڑتا ہے، جب تک اسے مقصود تک نہ پہنچا دے۔

کہتے ہیں ایک معلم نے بے سامانی کی وجہ سے سردی کے موسم میں کتان کا کرتہ پہن رکھا تھا۔ شاید

Marfat.com

پہاڑ پر سے سیلاب ایک ریچھ کو بہا لایا تھا۔ وہ اس طرح گزرا کہ اس کا سر پانی میں چھپا ہوا تھا۔ لڑکوں نے اس کی پیٹھ کو دیکھا اور بولے۔ استاد! ندی میں یہ کوئی پوستین بہتی آ رہی ہے۔ تجھے جاڑا لگتا ہے، اسے پکڑ لے۔ استاد نے انتہائی ضرورت اور جاڑے کی وجہ سے ندی میں چھلانگ ماردی تا کہ پوستین کو پکڑ لے۔ ریچھ نے اس پر تیز پنجہ مارا اور استاد پانی میں ریچھ کا اسیر ہو گیا۔ ادھر لڑکوں نے دیکھا کہ استاد کو ندی میں اترے دیر ہو گئی ہے، تو انہوں نے آوازیں دینی شروع کر دیں کہ اے استاد! پوستین لے آ اور اگر نہیں لا سکتا تو اسے چھوڑ کر تو خود باہر آ جا۔ استاد نے جواب دیا میں تو پوستین کو چھوڑتا ہوں، پوستین مجھے نہیں چھوڑتا، کیا چارہ کروں۔ خدا کا شوق تجھے کب چھوڑتا ہے۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ ہم خود اپنے ہاتھوں میں نہیں۔ ہم خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ بچہ طفولیت میں دودھ اور ماں کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ خداوند تعالیٰ نے اسے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ مگر اس سے پہلے روٹی، کھانا، کھیلنا اور اس قسم کی اور چیزیں اس کے لیے مہیا کر دیں۔ یہاں تک کہ اسی طرح اسے عقل کے مقام تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح جس حالت میں کہ یہ بچہ ہے، اس عالم کی نسبت، ایک دوسرا پستان بھی ہے۔ خدا نہیں چھوڑتا اور اس تک پہنچا دیتا ہے۔ اب تو سمجھتا ہے کہ وہ طفلی تھی اور کچھ بات نہ تھی۔

فعجبت من قوم یجبّرون الی الجنة بالسلاسل الاغلال. خذوه فغلوه ثم النعیم صلوه ثم الوصال صلوٰة ثم الجمال صلوٰة ثم الکمال صلوٰة.

میں حیرت میں ہوں، ان لوگوں سے جو جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں، اغلال و سلاسل کے ذریعے۔ ان کو پکڑ کر بیڑیاں ڈالو۔ اس کے بعد اسے جنت نعیم کی طرف لے جاؤ۔ پھر وصال کی طرف لے جاؤ پھر جمال میں جھونک دو۔ پھر کمال میں جھونک دو۔

مچھلی کے حلق میں جب کانٹا پھنس جائے تو شکاری مچھلی کو ایک ہی بار نہیں کھینچ لیتے۔ تھوڑا سا کھینچتے ہیں، تا کہ اس کا خون بہ جائے اور وہ سست اور کمزور ہو جائے۔ عشق کا کانٹا جب آدمی کے منہ میں پھنستا ہے، تو خداوند تعالیٰ اسے بتدریج کھینچتا ہے، تا کہ اس میں باطل کی جو طاقت اور خون ہے، وہ تھوڑا تھوڑا کر کے نکلے۔

وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ (سورۂ بقرہ)

خدا ہی تنگی اور فراخی پیدا کرتا ہے۔

لا الٰہ الا اللہ (نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے) ایمان عام ہے۔ ایمانِ خاص وہ ہے کہ لا ھو الا ھو (اس کے سوا کچھ موجود ہی نہیں)۔ اسی طرح کوئی شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ بادشاہ بن گیا ہے، اور تخت پر بیٹھا ہے۔ غلام، حاجب اور امیر اس کے اردگرد کھڑے ہیں۔ وہ کہتا ہے مجھے چاہیے کہ میں بادشاہ بنوں، اور میرے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ وہ یہ خواب میں کہتا ہے۔ جب وہ بیدار ہوتا ہے اور اپنے علاوہ کسی کو گھر میں نہیں دیکھتا تو اب وہ کہتا ہے کہ میں ہوں اور میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ اب اس کے لیے چشم بیدار ہونی چاہیے۔ خواب ناک آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی۔ یہ اس کا وظیفہ نہیں۔ ہر گروہ دوسرے گروہ کی نفی کرتا ہے۔ یہ کہتے

Marfat.com

ہیں کہ ہم سچے ہیں اور وحی ہمارے لیے ہے، اور وہ جھوٹے ہیں۔ اسی طرح وہ انہیں کہتے ہیں۔ اسی طرح بہتر فرقے ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ وہ بالاتفاق کہتے ہیں، وحی کسی کے لیے نہیں۔ پس وحی کی نیستی پر وہ متفق ہوتے ہیں۔ اس جملہ کا ایک ہی مطلب ہے اور اس مطلب پر وہ سب متفق ہیں۔ اب امتیاز کر سکنے والا ایک دانا مومن چاہیے، جو یہ جانتا ہو کہ وہ ایک کون ہے۔

کیس ممیّز فطن عاقل.

صاحب فراست وتمیز و فطانت وعقل اور ایمان وہ تمیز اور ادراک ہی ہے۔

☆☆☆

خدا تعالیٰ نے ایسی مسافت کو تیرے لیے نزدیک کر دیا، جن منزلوں اور راستوں سے تو آیا۔ تیرے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ تو ان سے آئے گا۔ اور تو کون سے راستہ سے آیا اور کیسے آیا۔ تجھے لے آئے اور مکرر تو دیکھتا ہے کہ تو آ گیا۔ اسی طرح وہ تجھے سو دوسرے گوناگوں عالم میں لے جانا چاہتے ہیں، منکر نہ بن۔ اگر اس سے تجھے آگاہ کریں تو قبول کر لے۔ حضرت عمرؓ کے پاس زہر سے بھرا ہوا ایک پیالہ ایک تحفہ کے ساتھ لائے۔ آپ نے پوچھا یہ کس کام آتا ہے؟ بولے یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اگر کسی کے متعلق آپ یہ مصلحت سمجھیں کہ اسے ظاہر طور پر نہ مارا جائے تو اس میں سے ذرّہ بھر زہر اسے دے دیجیے، وہ خفیہ طور پر مر جائے گا۔ اور اگر ایسا دشمن ہو جسے تلوار سے نہ مارا جا سکے، تو اسے یہ ذرّہ بھر چھپا کر دے دیتے ہیں، وہ مر جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم بہت ہی اچھی چیز لائے ہو۔ یہ مجھے دے دو کہ میں اسے کھاؤں۔ کیونکہ میرے اندر ایک بہت بڑا دشمن ہے۔ تلوار اس تک نہیں پہنچتی۔ اور دُنیا میں اس سے بڑھ کر میرا کوئی دشمن نہیں۔ زہر لانے والے کہنے لگے، اس کی بھی حاجت نہیں کہ یہ سب ایک ہی بار کھا لیا جائے۔ اس کا ایک ذرّہ ہی کافی ہے۔ یہ سارا پیالہ سو ہزار کے لیے کافی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، وہ دشمن بھی ایک نہیں ہے، وہ ہزار مردوں کو مار چکا ہے۔ اور ہزار آدمیوں کو نگوں سار کر چکا ہے۔ آپؓ نے وہ پیالہ اٹھایا اور ایک ہی بار پی لیا۔ جتنے آدمیوں کا گروہ وہاں موجود تھا، وہ سارا کا سارا وہیں مسلمان ہو گیا۔ وہ بیک زبان بولے، آپ ہی کا دین سچا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم سب مسلمان ہو گئے اور وہ کافر ابھی تک مسلمان نہیں ہوا۔ اب اس ایمان سے حضرت عمرؓ کی مراد عام ایمان نہ تھا۔ ان کا وہ ایمان تھا اور اس سے زیادہ بلکہ وہ صدیقوں کا ایمان رکھتے تھے۔ ان کا مطلب انبیاء اور خواص کے ایمان سے اور عین الیقین سے تھا اور وہ یہی توقع رکھتے تھے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شیر کی شہرت اطراف واکناف عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک شخص از راہِ تعجب دور دراز کی مسافت طے کر کے اس جنگل تک پہنچا اور شیر کو دور سے دیکھا اور وہیں ٹھٹک گیا۔ آگے نہ بڑھ سکا۔ لوگوں نے کہا، شیر کے عشق میں تو نے اتنا راستہ طے کیا ہے اور اس شیر کی خصوصیت یہ ہے کہ جو شخص بڑی دلیری سے اس کے پاس چلا جائے، اور محبت سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ وہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتا اور کوئی اس سے ڈرے

Marfat.com

اور ہراس کھا جائے تو شیر اس پر خشمگیں ہوتا ہے۔ بلکہ بعض پر وہ حملہ کر دیتا ہے۔تو سال بھر چلتا رہا۔اب تو شیر کے نزدیک پہنچا ہے۔ یہ ٹھٹک جانا کیسا؟ قدم آگے بڑھا، کسی کا یہ جگر نہ تھا کہ ایک قدم آگے بڑھاتا۔ بولے اتنے قدم چل کر ہم بھی آئے ہیں، وہ سب سہل تھے۔ یہاں سے آگے ایک قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔اب اس ایمان سے حضرت عمرؓ کی مراد وہ قدم تھا کہ شیر کی حضوری میں ایک قدم شیر کی طرف اٹھایا جائے۔اور وہ قدم بہت ہی نادر ہے۔خواص اور مقربوں کے سوا یہ کسی کا کام نہیں اور خود قدم یہی ہے۔ باقی تو قدموں کے نشان ہیں۔وہ ایمان سوائے انبیاء کے کسی کو نہیں ملتا۔کیونکہ انہوں نے اپنی جان سے ہاتھ دھو رکھے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

فقیر کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ سوال نہ کرے۔کیونکہ یہ ایسا ہے کہ تو اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے۔اور اس راہ پر لاتا ہے کہ وہ جھوٹ ایجاد کرے۔کیونکہ جس وقت اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا گیا۔ یہ جواب میں سچ نہیں کہہ سکتا۔ چونکہ وہ ایسے جواب کے قابل نہیں ہے اور یہ لقمہ اس کے کام و دہن کے قابل نہیں۔وہ اپنی ہمت اور طالع کے مطابق جھوٹ اختراع کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ سوال دور ہو جائے اور اگرچہ جو کچھ فقیر کہتا ہے وہ سچ ہوتا ہے اور جھوٹ نہیں ہوتا لیکن جو اصل حقیقت اور اصل جواب ہے اس کے مقابلہ میں وہ جھوٹ ہی ہوتا ہے البتہ سننے والے کے نزدیک وہ سچ بلکہ سچ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

ایک درویش کا ایک شاگرد تھا۔اس کے لیے وہ بھیک مانگتا۔ایک دن بھیک سے جو کچھ حاصل ہوا اس سے وہ کھانا لایا اور اس درویش نے کھایا۔رات کو احتلام ہو گیا۔پوچھا یہ کھانا کس کے پاس سے لایا تھا؟ کہا ایک معشوقہ لڑکی نے مجھے دیا تھا۔کہا خدا کی قسم بیس سال سے مجھے احتلام نہ ہوا تھا۔ یہ اسی لقمہ کا اثر ہے۔پس درویش کو احتراز کرنا چاہیے اور اسے ہر کسی کا لقمہ نہیں کھا لینا چاہیے۔کیونکہ درویش لطیف ہے اور اس پر چیزوں کا اثر ہوتا ہے۔اور وہ اثر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ سفید اور پاک کپڑے پر تھوڑی سی سیاہی کا نشان بھی معلوم ہو جاتا ہے لیکن جس سیاہ کپڑے پر سالہا سال میل جمتی رہی ہو اور سفید رنگ اس میں نام کو باقی نہ رہا ہو۔ اس پر کتنی ہی میل اور چکنائی کیوں نہ جم جائے، خلقت کو اور اس کو معلوم نہیں ہوتی۔ پس جب یہ بات ہے تو درویش کو ظالموں، حرام خوروں اور جسمانیوں کا لقمہ نہیں کھانا چاہیے۔کیونکہ ان کا لقمہ درویش پر اثر کرتا ہے۔ اور اس لقمۂ بیگانہ کی تاثیر سے فاسد خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔اسی طرح درویش کو اس لڑکی کے طعام سے احتلام ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

طالبوں اور سالکوں کے اور دو وظائف یہ ہیں کہ وہ اجتہاد اور عبادت میں مصروف رہیں اور وقت کو جس طرح انہوں نے ہر کام پر تقسیم کیا ہوا ہے، اس کے پابند رہیں۔اور تقسیم اوقات اس طرح ہے کہ زمانہ ان پر نگران کی طرح مسلط ہو گیا ہے۔

Marfat.com

مثلاً جب وہ صبح کو اٹھتا ہے، اس گھڑی کی عبادت بہترین عبادت ہے۔ کیونکہ اس وقت نفس کو بہت سکون اور صفائی حاصل ہوتی ہے۔ ہر شخص اس طرح کی عبادت کہ جو اس کے قابل ہو، اور جس کا اندازہ اس کا شریف نفس کرے بجالاتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (سورۂ صافات: ۱۶۵، ۱۶۶)

ہم ہر وقت صف بستہ ہیں۔ ہم ہر وقت تسبیح کرنے والے ہیں۔

سو ہزار حیف ہے کہ جتنا کوئی زیادہ پاک ہوتا ہی اسے آگے لاتے ہیں اور جو کم تر ہو اسے پیچھے کی صف میں لے جاتے ہیں۔

اخرّ و ھن من حیث اخرّو ھن اللّٰہ.

ان میں اسی طرح تاخیر کرو جس طرح اللہ نے ان میں تاخیر کی ہے۔

یہ کہانی لمبی ہے۔ اور اس کی درازی سے مفر نہیں۔ جس کسی نے اس کہانی کو مختصر کیا اس نے اپنی جان کو مختصر کر لیا۔

الا من عصم اللّٰہ.

سوائے اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے۔

میں واصل لوگوں کے اوراد و وظائف ان کی سمجھ کے مطابق بیان کرتا ہوں کہ صبح کو ان کی زیارت کے لیے مقدس ارواح اور پاک ملائکہ بھی آتے ہیں اور وہ مخلوق بھی جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ نے ان کے نام کو بھی غایت غیرت کی وجہ سے لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں اور ملائکہ ان پر ہر دروازہ سے نازل ہو رہے ہیں۔

تو ان کے پہلو میں بیٹھا ہے اور تو نہیں دیکھتا اور ان کی باتوں اور سلام اور ہنسی کو نہیں سنتا اور یہ کیا تعجب ہوتا ہے کہ موت کے نزدیک پہنچی ہوئی حالت میں بیمار ایسے حالات کو دیکھ لیتا ہے جس کی اس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو خبر نہیں ہوتی۔ اور وہ نہیں سنتے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ وہ حقائق ان خیالات سے ہزار مرتبہ لطیف تر ہیں۔ جب تک کوئی بیمار نہ ہو وہ نہ ان کو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے۔ جب تک وہ مرے نہیں، ان حقائق کو نہیں دیکھتا۔ اور وہ زائر جو اولیاء کے نازک احوال ان کی عظمت اور جو کچھ ان کی خدمت میں ہے کو جانتا ہے، وہ اوّل اوّل ملائکہ اور پاک ارواح کی مدد ہی سے ان تک آیا ہے۔ اب وہ ان کے پاس آتے ہوئے بہت توقف کرتا ہے کہ کہیں وہ ان کے ورد و وظائف کے دوران میں نہ آئے۔ اس سے شیخ کو زحمت ہوتی ہے۔ جیسے بادشاہ کے محل کے دروازہ پر غلام حاضر ہوتے ہیں۔ ہر صبح ان کا وظیفہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کا مقام مقرر ہوتا ہے۔ خدمت مقرر ہوتی ہے اور عبادت مقرر ہوتی ہے۔ بعض دور رہ کر بادشاہ کی خدمت کرتے ہیں۔ انہیں بادشاہ نہیں دیکھتا۔ وہ اس کے سامنے آتے نہیں ہیں۔ البتہ بادشاہ کے دوسرے غلام انہیں دیکھتے ہیں کہ فلاں

Marfat.com

نے فلاں خدمت کی ہے۔ جب وہ بادشاہ بن جاتا ہے تو اس کا وظیفہ یہ ہوتا ہے کہ ہر طرف سے اس کی خدمت میں غلام آئیں۔ اس لیے کہ اب وہ غلام نہیں رہتا۔

تخلقوا باخلاق الله.

اپنے اخلاق کو خدائی اخلاق سے متصف کرو۔

حاصل ہوا:

کنت له سمعًا و بصراً.

میں اس بندے کا کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔

حاصل ہوا اور یہ مقام سخت عظیم ہے۔ اس کا کہنا بھی حیف ہے کیونکہ اس کی عظمت عین، ظا، میم اور تاء سے فہم میں نہیں آتی اور اگر اس میں سے تھوڑی سی عظمت اسے مل جائے تو نہ عین باقی رہتا ہے اور نہ عین کا مخرج۔ نہ ہاتھ باقی رہتا ہے اور نہ ہمت ہی باقی رہتی ہے۔ انوار کے لشکروں سے وجود کا شہر تباہ ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا (سورۂ نمل:۳۴)

بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے ویران کر ڈالتے ہیں۔

؎ اونٹ اگر چھوٹے مکان میں گھس آئے تو مکان تباہ ہو جاتا ہے لیکن اس تباہی میں ہزار خزانے ہیں۔

؎ خزانہ بے آباد جگہ پر ہوتا ہے اور آباد جگہ پر کتے ہی کتے ہوتے ہیں۔

اور جب سالکوں کے مقام کی شرح ہم نے طویل کر دی، تو واصلوں کی شرح احوال میں ہم کیا کہیں، سوائے اس کے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں اور اس کی انتہا ہے۔ سالکوں کی انتہا وصال ہے تو واصلوں کی انتہا کیا ہوگی۔ وہ وصل کہ جس کو فراق نہیں ہو سکتا۔ کوئی انگور دوبارہ غورہ نہیں بنتا۔ اور کوئی پختہ پھل دوبارہ کچا نہیں ہوتا۔

؎ میں لوگوں سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں۔ مگر جب تمہاری بات چھڑ جائے تو بات کو بڑی طوالت دیتا ہوں۔

خدا کی قسم میں بات کو لمبی نہیں کرتا ہوں، مختصر کرتا ہوں۔

؎ میں خون پیتا ہوں اور تو اسے شراب سمجھتا ہے، تو جان نکال کر لیے جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جان دے رہا ہے۔

جس کسی نے اسے مختصر کیا تو یوں ہوا کہ اس نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور ہلاک کر دینے والے بیاباں کا راستہ اختیار کیا کہ فلاں درخت قریب ہے۔

☆☆☆

مسیحی جراح نے کہا کہ شیخ صدرالدین کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے میرے پاس شراب پی اور

Marfat.com

کہا عیسیٰ ابن مریم وہ خدا ہے جیسا کہ تم خیال کرتے ہو اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یہی حق ہے۔ لیکن ہم قصداً اور ملت کی محافظت کے پیشِ نظر اسے پوشیدہ رکھتے اور اس سے انکار کرتے ہیں۔

مولانا نے کہا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔ حاشالِلّٰہ یہ اس شخص کا کلام ہے، جسے شیطانی شراب نے بدمست کر دیا ہو۔ وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ خود ذلیل ہے اور دوسروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔ وہ راندۂ درگاہِ حق ہے۔ یہ کیسے جائز ہے کہ یہود کے مکر سے ایک کمزور شخص ایک میدان سے دوسرے میدان میں بھاگ جائے اور صورت دو گز سے بھی کم ہو۔ سات آسمانوں کی حفاظت کے لیے ہر آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہو اور ہر زمین سے دوسری زمین پانچ سو سال کی مسافت پر ہو اور عرش کے نیچے ایک سمندر ہو، جس کی گہرائی اسی طرح پانچ سو سال کی مسافت ہو اور اللہ تعالیٰ اس سمندر کا مالک ہو۔ پھر تیری عقل کیونکر مان لے گی کہ ان کا مصرّف اور مدبّر ایک بہت ہی ضعیف صورت ہے۔ پھر عیسیٰ سے پہلے زمینوں اور آسمانوں کا خالق کون تھا؟ جو کچھ یہ ظالم لوگ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔ مسیحی نے کہا، مٹی میں مل گئی اور پاک چیز پاک چیز میں۔ کہا کہ اگر عیسیٰؑ کی روح اللہ تھی تو اس کی روح کہاں گئی؟ روح تو اپنے اصل کی طرف لوٹتی اور اپنے خالق کے پاس چلی جاتی ہے اور اگر وہ یعنی عیسیٰؑ اصل ہیں تو خالق کہاں جائے گا؟

مسیحی نے کہا، ہم نے ایسا ہی پایا اور اسے ملت بنا لیا۔ کہا اگر تو اپنے باپ کے ترکہ میں کھوٹا سیاہ اور کاسد سونا پائے تو کیا تو کھرے سونے سے جو کھوٹ سے پاک ہو، اس کا تبادلہ نہیں کر لے گا؟ یا اگر تیرا ہاتھ شل اور بے حس و حرکت ہو اور تجھے اس کی دوا اور طبیب مل جائے جو تیرے شل ہاتھ کو درست کر دے۔ تو کیا تو اسے قبول نہ کرے گا؟ اور کیا تو کہے گا کہ میں اپنے ہاتھ کی تبدیلی پر رضامند نہیں ہوں؟ یا اگر تو نے کسی ایسے مقام پر پرورش پائی ہو جہاں تیرا باپ فوت ہو گیا ہو اور جس کا پانی کھاری ہو، اس کے بدلے تجھے دوسری وادی یا مقام مل جائے، جس کا پانی شیریں ہو، سبزیاں میٹھی ہوں اور باشندے صحت مند ہوں، تو کیا تو اس وادی میں منتقل ہو جانے پر راغب نہ ہو گا؟ اور اس کا شیریں پانی پینا نہ چاہے گا، جس سے تمام امراض دور ہو جائیں؟ اور کیا تو یہ نہ کہے گا کہ ہم نے اپنی موروثی کھاری پانی والی وادی کے بدلے، جو بیماریوں کا گھر تھی، یہ اچھی وادی پا لی ہے اور اسے ہم نہیں چھوڑیں گے، ہرگز نہیں۔ کوئی عقلمند آدمی ایسا موقع نہیں جانے دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے باپ سے علیحدہ عقل اور تمیز عطا فرمائی ہے۔ اس لیے تو اپنی عقل اور نظر کو معطل نہ کر۔ جو عقل تجھے دی گئی ہے، اس کی پیروی کر۔ اس کے سوا تجھے ہدایت نہیں ملے گی۔ کسی شخص کا باپ موچی ہو اور بادشاہ کے دربار میں پہنچ جائے۔ بادشاہ اسے آدابِ ملوک سکھا دے اور اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دے۔ تو وہ ہرگز یہ نہیں کہے گا کہ میرے آباء واجداد تو موچی تھے، ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے مرتبہ میں اضافہ ہو بلکہ اے بادشاہ ہمیں تُو موچیوں کی ایک دکان بنا دے۔ ایک کتا جو خوبصورت ہو، بادشاہ اگر اسے شکار کھیلنا سکھا دے اور وہ شکاری کتا بن جائے۔ تو وہ

Marfat.com

اپنی اصلیت کو بھول جائے گا۔ اسی طرح باز ہے، جب بادشاہ اس کی تادیب کرے گا تو باز ہرگز یہ نہیں کہے گا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا سے یہ بات ورثہ میں پائی ہے کہ پہاڑ کی چٹانوں پر رہیں اور مردہ جانوں کو کھائیں۔ اس لیے ہم طبلِ سلطانی اور شکار کی طرف التفات نہیں کرتے۔ پس جب عقلِ حیوانی میں یہ بات آجاتی ہے کہ اگر باپ کے ورثہ سے بہتر چیز مل جائے تو اسے نہ چھوڑنا چاہیے، تو انسان جسے عقل اور تمیز میں تمام اہلِ زمین پر فضیلت حاصل ہے، کی سمجھ میں کیوں یہ بات نہ آئے۔ کیا اس کی عقل اور تمیز حیوان کی عقل اور تمیز سے بھی کم ہے؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ کہا جائے: عیسیٰؑ کے رب نے عیسیٰؑ کو عزت دی اور اپنے قرب عطا کیا۔ پس جس شخص نے عیسیٰؑ کی خدمت کی، اس نے خدا کی خدمت کی۔ اور جس نے اس کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ سے بہت زیادہ فضیلت رکھنے والے نبی کو بھیجا۔ اور اس کے ہاتھوں اس سے زیادہ کچھ ظاہر ہوا، جو عیسیٰؑ کے ہاتھوں ظاہر ہوا تھا تو اس نبی کی اطاعت ہم پر واجب ہوگئی۔ اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے نبی ہونے کی وجہ سے۔ ذات کی وجہ سے صرف اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے اور نہ کسی سے محبت کی جاتی ہے، سوائے اللہ کے، اور غیر اللہ سے محبت کی جاتی ہے تو اللہ ہی کے لیے۔ تیرے رب ہی کی طرف آخری منتہا ہے۔ یعنی تو کسی شے سے محبت کرے، تو اس شے کی وجہ سے نہ کرے۔ اور اس کی طلب کرے تو اس کے لیے نہ کرے۔ یہاں تک کہ اللہ پر جا کر منتہی ہو جائے اور تو اس سے اسی کے لیے محبت کرے۔

کعبے پر غلاف چڑھانا محض ایک خواہش کی تکمیل ہے۔ کعبے کا حسن یہی ہے کہ وہ اللہ کا گھر ہے۔ آنکھوں میں سرمہ لگانا، سرمہ کی مانند نہیں۔ جس طرح پھٹا پرانا لباس دولتمندی اور شان و شوکت کو پوشیدہ رکھتا ہے، اسی طرح عمدہ لباس اور اس کی پوشش فقراء کے جمال و کمال اور ان کی نورانیت کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ جب فقیر کا لباس پھٹا پرانا ہو تو اس کا دل کھل جاتا ہے۔

☆☆☆

کوتوال چوروں کو لگاتار ڈھونڈتا ہے تاکہ انہیں پکڑے اور چور اس سے گریز کرتے ہیں۔ یہ دوطرفہ تماشا ہے کہ ایک چور کوتوال کو ڈھونڈتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوتوال پکڑے اور خوش کرے۔ خداوند تعالیٰ نے بایزید سے کہا کہ اے بایزید! تو کیا چاہتا ہے؟ کہا میں چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔

ارید ان لا ارید.

میں چاہتا ہوں کہ نہ چاہوں۔

اب آدمی کی حالتیں دو سے زیادہ نہیں۔ یا چاہتا ہے یا نہیں چاہتا۔ یہ کہ وہ کچھ بھی نہ چاہے، یہ آدمی کی صفت نہیں ہے۔ کچھ بھی نہ چاہیے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے تہی ہوگیا ہے اور کلی طور پر باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اگر وہ باقی رہے تو آدمیت کی یہ صفت اس میں ضرور ہوگی کہ وہ چاہے اور نہ چاہے۔ اب خداوند

Marfat.com

تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے کامل بنائے اور مکمل شیخ بنادے تاکہ اس کے بعد سے اسے وہ حالت حاصل ہو جائے۔ جس میں دوئی اور فراق کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کلی وصل ہوتا ہے اور اتحاد۔ کیونکہ سب تکلیفیں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ تو کوئی چیز جانتا ہے اور وہ میسر نہیں آتی۔ جب تو نہیں ''چاہتا'' تو تکلیف باقی نہیں رہتی۔ انسان منقسم ہیں اور ان کی تقسیم مرتبوں کے اعتبار سے ہے۔ بعض آدمی جدوجہد اور کوشش سے کسی جگہ پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ جو کچھ وہ دل سے چاہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں، اسے فعل کی صورت دے لیتے ہیں۔ یہ بشر کے مقدور میں ہے لیکن جس کے دل میں تشویش تو پیدا ہوتی ہے مگر دھن پیدا نہیں ہوتی، ان کے مقدور میں یہ نہیں کہ کسی جگہ پہنچ جائیں۔ انہیں خداوند تعالیٰ کے جذبہ کے سوا کوئی نہیں وہاں تک پہنچاتا۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (سورۂ بنی اسرائیل: ۸۱)

کہہ دے اے پیغمبر کہ حق آیا اور باطل ہلاک ہو گیا۔

ادخل یا مومن فان نورک اطفاء ناری.

اے مومن داخل ہو جا کہ تیرا نور میری آگ کو بجھا دیتا ہے۔

جب مومن کا ایمان حقیقی ہو وہ سب ایسے فعل کرتا ہے جو مبنی برحق ہوں، یہ خواہ اس کے اپنے جذبہ سے۔ یہ جو کہتے ہیں مصطفیٰ ﷺ اور پیغمبران علیہم السلام کے بعد دوسروں پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ کیوں نازل نہیں ہوتی؟ نازل ہوتی ہے مگر اسے وحی نہیں کہتے۔ معنی یہ ہیں کہ وہ کہتا ہے:

المؤمن ینظر بنور اللہ

مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔

جب وہ نورِ خدا سے نظر ڈالتا ہے تو سب کو دیکھتا ہے۔ اوّل کو اور آخر کو، غائب کو اور حاضر کو۔ اس لیے نورِ خدا سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ اگر کوئی چیز پوشیدہ رہ جاتی ہے تو وہ نورِ خدا نہیں۔ پس وحی کا معنی ہے اگرچہ اسے وحی نہیں کہتے۔

☆☆☆

حضرت عثمانؓ جب بطور خلیفہ منبر پر چڑھے، خلقت منتظر تھی کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ جھک گئے اور کچھ نہ کہا اور خلقت پر نظر ڈالی تو ان پر وجد طاری کر دیا۔ ان لوگوں کو اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ باہر جائیں اور کسی کو خبر نہ تھی کہ کہاں بیٹھا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ سو تذکرہ، وعظ اور خطبہ سے بھی ان پر یہ اچھی حالت طاری نہ ہوتی۔ انہیں فائدے حاصل ہوئے اور ان پر ایسے اسرار منکشف ہوئے جو کتنے ہی عمل اور وعظ سے نہ ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مجلس کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک یونہی نظر کی اور کوئی بات نہ فرمائی۔ جب منبر سے اترنا چاہا تو فرمایا:

ان لکم امام فعال خیراً لکم من امام قوّال.

Marfat.com

زیادہ بولنے والے امام سے زیادہ کرنے والا امام تمہارے لیے بہتر ہے۔

سچ فرمایا۔ جب قول کا مطلب فائدہ اور نرمی ہے اور اخلاق کی تبدیلی بات نہ کرنے پر اس سے کئی گنا ہوگئی، جو بات کرنے سے ہوتی، تو آپ نے جو کچھ فرمایا بالکل ٹھیک فرمایا۔ آمدم برسرِ مطلب کہ اپنے آپ کو انہوں نے فعاّل کہا اور اس حالت میں کہ آپ منبر پر تھے کوئی فعل نہ کیا جو نظر سے دیکھا جا سکتا۔ نماز نہ پڑھی۔ حج کو نہ گئے۔ صدقہ نہ دیا۔ ذکر نہ کیا۔ خود خطبہ تک نہ پڑھا۔ پس سمجھ گئے کہ عمل اور فعل تنہا ظاہرا طور پر ہی نہیں، بلکہ یہ ظاہر پن اس عمل کی صورت ہے اور وہ عمل جان ہے۔ یہ جو مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم.

میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جس ستارہ کی بھی پیروی کرو گے راہ پاؤ گے۔

یہ کہ کوئی شخص ستارے پر نظر ڈالتا ہے اور راستہ پکڑتا ہے۔ کیا اس سے ستارہ کوئی بات کرتا ہے؟ نہیں۔ صرف یہ بات ہے کہ وہ ستارہ کو دیکھتا ہے اور راستہ کو بغیر راہ کے جان لیتا ہے اور منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح تو اولیائے حق پر نظر کرے تو وہ تجھ پر تصرف کر لیتے ہیں۔ گفتگو، بحث اور قیل و قال کے بغیر تجھے مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور تجھے وہ وصل کی منزل پر پہنچا دیتے ہیں۔

ے جس کا دل چاہے وہ مجھے دیکھ لے۔ اس لیے کہ مجھے دیکھنا اس کے لے ایک انتباہ ہے جو عشق کو بہت آسان سمجھتا ہے۔

☆☆☆

یقین کی صفت شیخِ کامل ہے۔ نیک ظن اس کے سچے مرید ہیں۔ ان ظنوں میں تفاوت ہے۔ ظن، اغلب ظن، اغلب اغلب ظن، وقس علی ھذا۔ اسی طرح ہر ظن جو افزوں تر ہے، وہ یقین کے نزدیک تر ہے۔ انکار سے دور تر ہے۔

لو وزن ایمان ابوبکر.

اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان تولا جائے......الخ

سب سچے ظن، یقین کا دودھ پیتے ہیں اور بڑھتے ہیں۔ یہ دودھ پینا اور بڑھنا ظن کے علم و عمل کی زیادتی تحصیل کی نشانی ہے۔ یہاں تک کہ ہر ظن یقین بن جاتا ہے اور سب ظن کلی طور پر یقین میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جب یہ یقین بن جاتے ہیں تو ظن نہیں رہتے۔ یہ ظاہراً شیخ اور مریدانِ شیخ عالم اجسام میں اس شیخ کے یقین اور اس کے مریدوں کے نقوش ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ نقوش دوراً بعد دور اور قرناً بعد قرن متبدل ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ شیخ یقین اور اس کے فرزند یعنی سچے ظن دُنیا میں برقرار رہتے ہیں۔ مرورِ زمانہ اور صدیوں کا امتداد بھی انہیں تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ ظن جو مٹانے والے، گمراہ کرنے والے اور انکار کرنے والے ہیں، سب کے سب شیخ یقین کے راندے ہوئے ہیں۔ یہ ظنون ہر روز اس سے دور تر ہوتے جاتے ہیں

Marfat.com

اور پیچھے رہتے جاتے ہیں اور اس تحصیل میں ہر روز ترقی کرتے ہیں، جو ان برے ظنوں کو بڑھاتی ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (سورۂ بقرہ:۱۰)

ان کے دلوں میں بیماری تھی، خدا نے ان کی بیماریاں بڑھا دیں۔

قال اللہ تعالیٰ: افلا ینظرون الی الابل

کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے؟

الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً O

البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور ایمان لائے

فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (سورۂ فرقان:۷۰)

اور نیک عمل کیے۔ پس خدا ان کی بدیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

ظن کے فساد میں جو تحصیل ہوئی، وہ اس گھڑی اصلاحِ ظن کے لیے قوت بن جاتی ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ کسی دانا چور نے توبہ کر لی، اور کوتوال بن گیا۔ چوری کی جن عیاریوں پر وہ عمل پیرا رہا تھا، وہ اس گھڑی احسان اور عدل میں اس کی قوت بن گئیں اور اسے ان کوتوالوں پر فضیلت حاصل ہوگئی جو کبھی چور نہیں رہے تھے۔ اس لیے کہ یہ کوتوال جو چوریاں کرتا رہا تھا، چوروں کے طریقے جانتا ہے۔ چوروں کے احوال اس سے پوشیدہ نہیں رہتے اور ایسا آدمی اگر شیخ بنے تو کامل ہو جاتا ہے، وہ بہت بڑا عالم اور مہدیٔ زماں بنتا ہے۔

☆☆☆

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب ان حافظوں نے احوالِ عارفاں کے راستہ پر سفر نہیں کیا، تو جو یہ شرح فرماتے ہیں کہ:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ (قلم:۱۰)

کہنا نہ ماننا، قسمیں کھانے والے کا۔

یہ شرح خاص ان کی اپنی غماز ہے کہ فلاں آدمی جو بات کہتا ہے، نہ سن۔ کیونکہ مجھ سے وہ ایسا ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ (سورۂ قلم:۱۱،۱۲)

طعنہ دینے والا، چغلیاں کھاتے پھرنے والا، نیک کام سے روکنے والا۔

قرآن عجیب جادو ہے۔ وہ غیور انسان کو اس طرح باندھتا ہے کہ ظاہر طور پر دشمن کے کان میں بھی اثر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اسے سمجھ لیتا ہے۔ مگر اسے کچھ خبر نہیں ہوتی اور وہ اس کی لذت سے بے خبر رہتا ہے۔ یا وہ آپ ہی دوبارہ چھین لیتا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ (سورۂ بقرہ:۷)

خدا نے مہر لگا دی۔

Marfat.com

عجب لطف رکھتا ہے کہ وہ مہر لگا دیتا ہے۔ جس سے وہ سنتا تو ہے مگر سمجھتا نہیں۔ اور وہ بحث کرتا ہے مگر اس کے فہم میں نہیں آتا۔ اللہ لطیف ہے اور اس کا قہر لطیف ہے۔ اور اس کا قفل لطیف ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ قفل کھل جائے۔ کیونکہ اس کا لطف بیان میں نہیں سماتا۔ اگر میں اپنے اجزاء کو اس کے بے انتہا لطف اور ارادت سے کھولوں تو قفل کھل جائے اور وہ اس کا بے مثال کھولنے والا بن جائے گا۔ اور بیماری اور موت کو میرے حق میں مہتم نہ کیجیے۔ کیونکہ اس میں مجھے مارنے والا چھپا ہوا ہے۔ یہ اس کا لطف اور بے مثالی ہوگی۔ وہ تلوار یا چھری جو سامنے آتی ہے، وہ اغیار کی نظروں سے بچنے کے لیے ہے۔ تا کہ نجس، ناپاک اور بیگانہ آنکھیں اس مقتل کا ادراک نہ کرنے پائیں۔

☆☆☆

صورت عشق کی فرع بن گئی۔ کیونکہ عشق کے بغیر اس صورت کی قدر نہ تھی۔ فرع وہ ہوتی ہے جو اصل کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ کو صورت نہیں کہتے۔ جب صورت فرع ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو فرع نہیں کہہ سکتے۔ کہا کہ عشق بھی صورت کے بغیر متصور نہیں ہے۔ صورت کے بغیر عشق کا انعقاد نہیں۔ پس فرع صورت ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں، صورت کے بغیر عشق متصور کیوں نہیں؟ عشق تو صورت انگیز ہے۔ عشق سے سو ہزار صورت انگیختہ ہوتی ہے۔ ممثل بھی اور محقق بھی۔ اگر چہ نقش بغیر نقاش کے نہیں اور نقاش بغیر نقش کے نہیں ہوتا۔ لیکن نقش فرع ہے۔ اور نقاش اصل:

کحر کة الاصبع مع حر کة الخاتم.

جس طرح انگلی کے ہلانے سے انگوٹھی ہلتی ہے۔

جب تک عشق خانہ نہ ہو، کوئی انجینئر خانہ کی صورت کا تصور نہیں کرتا۔ یہ اسی طرح ہے کہ ایک سال گندم سونے کے بھاؤ ہے اور ایک سال مٹی کے بھاؤ۔ گندم کی صورت ہی ہے، پس صورت گندم کی قدر و قیمت عشق ہوتی ہے۔ اور اسی طرح وہ ہنر کہ جس کا تو طالب و عاشق ہوا ہوگا، تیرے نزدیک قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور اس دور میں جبکہ ہنر کی مانگ نہ ہو کوئی شخص اس ہنر کو نہیں سیکھتا اور اسے عمل میں نہیں ملاتا۔ کہتے ہیں کہ عشق آخر کسی چیز کی افلاس ہے، اور احتیاج ہے۔ پس احتیاج اصل ہوتی ہے۔ اور احتیاج الہیہ اس کی فرع۔ میں نے کہا کہ تو جو یہ بات کہتا ہے، حاجت ہی سے کہتا ہے۔ آخر یہ بات تیری حاجت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تجھے اس بات کا میلان ہوا تو بات پیدا ہوگئی۔ پس احتیاج مقدم ہوگی اور یہ بات اس سے پیدا شدہ ہے۔ پس اس کے بغیر احتیاج کا وجود تھا۔ پس عشق اور احتیاج اس کی فروغ نہ ہوئے۔ کہا آخر اس احتیاج کا مقصد یہ بات تھی۔ پس مقصود کے لیے فروغ ہوا۔ میں نے کہا فرع ہمیشہ مقصود ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصود درخت کے بیج سے ہے اور فرع درخت ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

جو ہر خادمِ سلطان نے سوال کیا کہ زندگی میں ایک آدمی کو پانچ بار تلقین کرتے ہیں، وہ نہ بات کو سمجھتا ہے، اور نہ ضبط کرتا ہے۔ مرنے کے بعد اس سے سوال کریں گے؟ کیونکہ وہ یاد کیے ہوئے سوال اپنی موت کے بعد بھول جاتا ہے۔ میں نے کہا جب یاد کیا ہوا بھول جاتا ہے تو ضرور صاف اور شائستہ ہوجاتا ہے۔ خاص کرنا آموختہ سال سے۔ اس گھڑی سے لے کر اب تک تو میرے کلمات سنتا ہے، ان میں سے بعض کلمات کو تُو قبول کرتا ہے کیونکہ اس قسم کے کلمات تُو سن چکا ہے اور قبول کر چکا ہے۔ بعض کلمات کو تو نیم قبول کرتا ہے اور تُو بعض پر توقف کرتا ہے۔ تیرے اس اندرونی ردّ و قبول اور بحث کو کوئی نہیں سنتا۔ اسے معلوم کرنے کے لیے کوئی آلہ موجود نہیں۔ ہر چند کہ تو کان رکھتا ہے، اندر سے تیرے کان میں کوئی آواز نہیں آتی۔ اگر تو اپنے اندر تلاش کرے تو کسی بات کرنے والے کو اپنے اندر نہیں پائے گا۔ زیارت کے لیے تیرا یہ آنا عین سوال ہے۔ بغیر منہ اور زبان کے کہ ہمیں راہ دکھاؤ اور ہماری راہ کو روشن سے روشن تر کرو۔ ہم خاموش رہیں یا باتیں کریں۔ ہمارا آپ کے پاس بیٹھنا ہی آپ کے سوال ہائے پنہاں کا جواب ہے۔ یہاں سے اٹھ کر تُو پھر بادشاہ کے حضور میں جاتا ہے۔ تو تیرا اس کے حضور میں جانا ہی بادشاہ سے سوال و جواب ہے اور بادشاہ کا اپنے غلاموں کے سامنے سارا دن خاموش رہنا سوال ہے کہ وہ کس طرح اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور دیکھتے ہیں۔ اگر باطن میں کسی کی نظر کج ہو تو اس کا جواب اسے ٹیڑھا ہی ملتا ہے۔ وہ خود سمجھتا ہے کہ اسے اندر سے جواب سچا نہیں مل رہا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کسی کی زبان میں لکنت ہو تو وہ خواہ کتنا ہی چاہے کہ ہر بات ٹھیک طرح سے کرے، مگر نہیں کرسکتا۔ زرگر سونے کو پتھر سے پیٹتا ہے، تو یہ سوال ہے۔ سونا جواب دیتا ہے کہ میں خالص ہوں یا مجھ میں آمیزش ہے۔

جب تو صاف ہو تو کٹھالی تجھے خود بتائے گی کہ تو خالص سونا ہے یا سونے میں تانبا ملا ہوا ہے۔

بھوک طبیعت کی طرف سے سوال ہے کہ جسم کے گھر میں خلل ہے۔ اینٹ دے، مٹی دے۔ کھانا جواب ہے کہ پکڑ۔ کھانا جواب ہے کہ ابھی حاجت نہیں۔ وہ مہرہ ابھی خشک نہیں ہوا۔ اس مہرہ کے سر کو پیٹنا نہیں چاہیے۔ طبیب آتا ہے۔ نبض پکڑتا ہے، وہ سوال ہے۔ رگ کا ہلنا جواب ہے۔ قارورہ پر نظر ڈالنا سوال ہے۔ اور لاف زنی کے بغیر بات کرنا جواب ہے۔ دانہ زمین میں ڈالنا سوال ہے کہ مجھے فلاں پھل چاہیے۔ درخت کا اگنا جواب ہے، زبان کی لاف زنی کے بغیر۔ چونکہ جواب بغیر حرف کے ہے، سوال بھی بے حرف ہی ہونا چاہیے۔ اب دانہ بہت پرانا ہو تو درخت پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بھی سوال و جواب ہے:

اما علمت ان ترک الجواب جواب.

کیا تو نہیں سمجھا کہ جواب نہ دینا جواب ہے۔

ایک بادشاہ نے کسی کا رقعہ تین مرتبہ پڑھا، جواب نہ لکھا۔ اس نے شکایت کی کہ میں نے تین مرتبہ خدمت میں عرض کی ہے۔ آپ اسے قبول فرمائیں یا ردّ فرمائیں۔ بادشاہ نے رقعہ کی پشت پر لکھا۔

Marfat.com

اما علمت ان ترک الجواب جواب.

کیا تو نہیں سمجھا کہ جواب نہ دینا جواب ہے۔

وجواب الاحمق سکوت.

اور احمق کا جواب خاموشی ہے۔

درخت کا نہ اگنا ترکِ جواب ہے، لازمی طور پر یہ جواب ہے۔ ہر حرکت جو آدمی سے سرزد ہوتی ہے، ایک سوال ہے اور اس کے سامنے خوشی یا غم جو کچھ آتا ہے، وہ جواب ہے۔ اگر جواب اچھا سنے تو چاہیے کہ شکر کرے اور شکر یہ ہوتا ہے کہ ویسا ہی سوال کرے۔ اس سوال پر جواب ملے اور اگر جواب برا سنے تو جلد استغفار کرے اور ویسا دوسرا سوال نہ کرے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (سورۂ انعام: ۴۳)

جب ہمارا عذاب آ پہنچا تو انہوں نے تضرع اور عاجزی سے کیوں نہ کام لیا۔ نہیں بلکہ ان کے دل تو سخت ہو چکے تھے۔

یعنی وہ نہ سمجھے کہ جواب ان کے سوال کے مطابق ہے:

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۂ انعام: ۴۳)

شیطان نے ان کے کرتوت خوشنما کر دکھائے۔

یعنی وہ اپنے سوال کو جواب دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ زشت جواب اس سوال کے لائق نہیں ہے اور وہ نہیں جانتے کہ دھواں ایندھن سے تھا، نہ کہ آگ سے۔ ایندھن جتنا زیادہ خشک ہوگا، دھواں اتنا ہی کم ہوگا۔ تو نے ایک باغ کسی باغبان کے سپرد کیا۔ اب اگر اس میں اچھی خوشبو نہ آئے تو الزام باغبان پر ہے، باغ پر نہیں۔

کہا ماں کو کیوں قتل کیا؟ میں نے ایک بات دیکھی تھی جو اس کے لائق نہ تھی۔ کہا اس بیگانے مرد کو قتل کرنا چاہیے تھا۔ بولا کیا میں ہر روز ایک مرد کو قتل کرتا؟

اب جو کچھ پیش آئے۔ اپنے نفس کی تادیب کرتا کہ ہر روز کسی سے تجھے جنگ نہ کرنی پڑے۔

کُل من عند الله (سورۂ نساء)

ہر شے خدا ہی کی جانب سے ہے۔

ہم کہتے ہیں، اپنے نفس کا عتاب کرنا اور ایک دنیا کو رہا کرنا بھی خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص زرد آلو کے درخت سے پھل گراتا ہے اور کھاتا ہے۔ باغ کا مالک آ جاتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے تو خدا سے کیوں نہیں ڈرتا کہ چوری کر رہا ہے۔ وہ شخص جواب دیتا ہے۔ کیوں ڈروں؟ پھل خدا کا ہے اور میں جو کھا رہا ہوں خدا کا بندہ ہوں۔ خدا کے مال سے کھا رہا ہوں۔ باغ کا مالک

Marfat.com

دوسروں سے کہتا ہے، مجھے ایک رسّی لا دو تا کہ میں اسے جواب دوں۔ وہ اس شخص کو درخت سے باندھ دیتا ہے اور مارتا ہے تا کہ اسے جواب معلوم ہو۔ وہ فریاد اور آہ و زاری کرتا ہے کہ تو خدا سے کیوں نہیں ڈرتا؟ باغ کا مالک کہتا ہے کیوں ڈروں؟ تو خدا کا بندہ ہے اور میں تجھ بندۂ خدا کو خدا کی اس لکڑی سے پیٹتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ اس دنیا کی مثال پہاڑ کی سی ہے۔ تُو اچھا یا برا جو کہے گا پہاڑ سے ہی سنے گا اور اگر تو خیال کرے کہ میں نے اچھی بات کی اور پہاڑ نے برا جواب دیا تو یہ ناممکن ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ پہاڑ میں بلبل چہکے تو وہاں سے آواز کوّے کی آئے یا آدمی کی آواز یا گدھے کی آواز آئے۔ اگر پہاڑ سے گدھے کی آواز آتی ہے تو یقین کر کہ تُو نے گدھے کی آواز ہی نکالی ہوگی۔

جس وقت تو پہاڑ میں آئے تو آواز کو خوش الحان رکھ۔ پہاڑ میں کھڑا ہو کر گدھے کی طرح کیوں ہینگتا ہے؟ اس آسمان کے گنبد کی صدا بھی ایسی اچھی ہے جیسی کہ تیری آواز ہے۔

☆☆☆

ہم پانی پر پیالے کی طرح ہیں۔ پیالے کا پانی پر چلنا پیالے کے حکم سے نہیں ہے، یہ پانی کے حکم سے ہے۔ کہا یہ عام ہے۔ لیکن بعض جانتے ہیں کہ وہ پانی پر ہیں اور بعض نہیں جانتے۔ فرمایا اگر عام ہوتا تو اس کی تخصیص درست نہ ہوتی کہ:

قلب المومن بين اصبعين. من اصابع الرحمٰن.

مؤمن کا قلب خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

اور نیز فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (سورۂ رحمٰن:۱،۲)

وہ رحمٰن جس نے قرآن کی تعلیم دی۔

اور نہیں کہہ سکتے کہ یہ عام ہے۔ تمام علوم اسی نے سکھائے۔ قرآن کی کیا تخصیص ہے اور اسی طرح:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (سورۂ ہود:۷)

زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔

آسمان اور زمین کی کیا تخصیص ہے۔ جب تمام اشیاء کو علی العموم اس نے پیدا کیا تو بے شک پانی پر سب پیالے اسی کی قدرت اور مشیّت سے ہیں لیکن زشت چیزوں کو اس سے منسوب کریں تو یہ بے ادب ہوتی ہے جیسا کہ:

يا خالق السرقين والضراط والفسا يا خالق السموٰات و يا خالق العقول.

اے گوبر اور بے آواز اور آواز دار یادوں کے خالق۔ اے آسمانوں کے خالق۔ اے آسمانوں کے خالق اور عقلوں کے خالق۔

Marfat.com

پس اس تخصیص کا فائدہ ہے اگرچہ عام ہے۔ پس کسی چیز کی تخصیص اس چیز کو کاٹنے پر دلالت کرتی ہے۔ پیالہ پانی پر چلتا ہے اور پانی اس لیے لے جاتا ہے کہ سب لوگ اس پیالہ کا نظارہ کریں اور پانی کو پانی اس وجہ سے لے جاتا ہے کہ سب لوگ طبعاً اس سے گریز کرتے ہیں اور باعثِ ننگ کہتے ہیں اور پانی انہیں گریز کا کام کرتا ہے اور گریز کرنے کی طاقت دیتا ہے اور ان کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ:

اللّٰھم زدنا منه بُعداً.

اے خدا اس سے ہمارا بُعد زیادہ کر۔

اور اس سے پہلے سے:

اللّٰھم زدنا منه قرباً.

اے خدا اس سے ہمارا قُرب زیادہ کر۔

اب وہ شخص جو عام دیکھتا ہے کہ تسخیر کے اعتبار سے دونوں ہی پانی کے مسخر ہیں۔ ایک ہے جو جواب دیتا ہے کہ اگر تُو نے پانی پر پیالہ کے گھومنے کی خوبی، وصف اور حسن کو دیکھا ہوتا تو تجھے اس صفتِ عام کی پروانہ ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے معشوق میں گوہ اور پلیدی بھی شامل ہوتی ہے۔ عاشق اس بات کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا کہ میرے معشوق میں گندگی اور پلیدی بھی ہے۔ اور یہ کہ میرا معشوق اور پلیدی دونوں کی جسامت ہے، دونوں مکانی ہیں، شش جہت کے اندر ہیں، حادث ہیں اور خالی ہیں۔ اس کے نزدیک کچھ معنی نہیں رکھتے۔

من الا و صاف العامة.

عام اوصاف میں سے۔

یہ اس میں ہرگز نہیں سماتا اور جو شخص اسے یہ صفتِ عام یاد دلاتا ہے، اسے وہ دشمن سمجھتا ہے اور اپنا ابلیس خیال کرتا ہے۔ پس جب تجھ میں یہ گنجائش ہے کہ تو اس جہت عام میں نظر کرتا ہے تو میرے حسنِ خاص کے نظارہ کا تُو اہل نہیں ہے۔ اسے مناظرہ کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ ہمارے مناظرہ میں حسن ملا ہوا ہے اور حسن کا اظہار اس پر کرنا جو اس کا اہل نہ ہو ظلم ہوتا ہے۔

لا تعطوا الحکمة غیر اھلھا فتظلموھا. ولا تمنعوھا عن اھلھا فتظلموھا.

حکمت نااہل لوگوں کو نہ دو ورنہ حکمت پر ظلم کرو گے نہ اس کے لائق لوگوں سے حکمت کو روکو ورنہ حکمت پر ظلم کرو گے۔

یہ علم نظر ہے، علمِ مناظرہ نہیں ہے۔ خزاں سے پھول شگفتہ نہیں ہوتے اور پھل نہیں پکتے کیونکہ یہ مناظرہ رہتا ہے۔ یعنی مخالفت خزاں سے مقابلہ اور مقاومت کرتی ہے اور پھول کی یہ فطرت نہیں کہ وہ خزاں کا مقابلہ کرے۔ اگر آفتاب کی نظر عمل کرے تو پھل معتدل ہوا میں باہر آ جاتا ہے ورنہ وہ کنارہ کش رہتا ہے اور

Marfat.com

اپنے اصل کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ خزاں اس سے کہتی ہے اگر تو خشک شاخ نہیں تو میرے سامنے باہر آ۔ اگر وہ مرد ہو تو کہتا ہے تیرے سامنے میں ایک خشک شاخ ہوں۔ میں نامرد ہوں۔ تو جو چاہے کہہ۔

اے صادقوں کے بادشاہ! کیا تُو نے مجھ جیسا منافق دیکھا ہے؟ تیرے زندوں کے ساتھ میں زندہ ہوں۔ تیرے مردوں کے ساتھ میں مردہ ہوں۔

تو جو بہاء الدین ہے، ایک کم رُو بوڑھی عورت جس کے منہ میں دانت نہ ہوں جس کا چہرہ سوسمار کی پیٹھ کی طرح ہو، جھریوں پر جھریاں پڑی ہوں۔ اگر تجھ سے کہے کہ اگر تو جوان ہے اور مرد ہے تو اپنی مردی دکھا۔ یہ گھوڑا ہے، یہ معشوق ہے اور یہ میدان۔ تو یہی کہے گا کہ معاذ اللہ میں مرد نہیں ہوں۔ اگر لوگوں نے مجھے نوجوان اور مرد مشہور کر رکھا ہے تو یہ جھوٹ ہے۔ اگر تم ہمارا جوڑا بنو تو اس سے نامردی بہتر ہے۔ ایک بچھو ڈنک اٹھائے ہوئے یہ کہتا ہوا تیرے عضو پر سے گزرتا ہے کہ میں نے سنا ہے تو مرد ہے۔ بڑا ہنس مکھ ہے۔ ذرا ہنس کہ میں بھی تیری ہنسی دیکھوں۔ تُو اس کے جواب میں یہی کہے گا کہ تمہارے آنے کے بعد ہمیں کوئی ہنسی نہیں آ سکتی اور نہ کوئی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ لوگوں نے جو کچھ بھی کہا ہے، جھوٹ کہا ہے۔ میری ہنسی اس بات پر موقوف ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ، دور ہو جاؤ۔ کہا تو نے آہ کی، اور میرا ذوق جاتا رہا۔ آہ نہ کرتا کہ ذوق نہ جائے۔ فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر آہ نہ کرو تو ذوق چلا جاتا ہے۔ یہ مختلف موقعے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یوں نہ فرمایا جاتا کہ حضرت ابراہیمؑ بڑے آہ کرنے والے اور حلیم تھے۔ اپنی کسی طاعت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ بھی ذوق کا اظہار ہے۔ اور یہ بات بھی جو تُو کہتا ہے، اس لیے کہتا ہے کہ ذوق آئے۔ اس کی یہ مثال ہے کہ سوئے ہوئے آدمی کو آواز دیتے ہیں کہ اُٹھ بیٹھ، دن چڑھ آیا، قافلہ روانہ ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں، اسے آواز نہ دو کہ وہ ذوق میں ہے۔ اس کا ذوق جاتا رہے گا۔ کہتا ہے وہ ذوق ہلاکت ہے، اور یہ ذوق ہلاکت سے مخلصی ہے۔ کہتے ہیں اسے فکر میں نہ ڈال۔ کیونکہ یہ آواز فکر کے مانع ہے۔ کہتا ہے اس آواز سے سونے والے کو فکر ہوتا ہے، ورنہ اسے نیند کی حالت میں کیا فکر ہے۔ ہاں جب نیند سے بیدار ہوگا تو فکر کرے گا۔ آواز دو قسم کی ہوتی ہے۔ اگر آواز دینے والا اس سے علم میں بلند ہے، تو یہ آواز زیادتی فکر کا باعث ہوگی۔ اس لیے کہ اسے تنبیہ کرنے والا صاحبِ علم ہے اور بیدار ہے۔ تو خدا جب اسے خوابِ غفلت سے آگاہ کرتا ہے، اسے اپنے عالم سے آگاہ کرتا ہے اور اسے اس جگہ کھینچتا ہے، تو اس کا فکر بلند ہوتا ہے۔ بات یہ تھی کہ اس نے بلندی پر سے آواز دی تھی۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، یعنی بیدار کرنے والا عقل میں اس سے نیچے ہو تو جب وہ اسے بیدار کرتا ہے، بیدار ہونے والے کی نظر نیچے پڑتی ہے۔ چونکہ اس کا بیدار کنندہ اسفل ہے، اس کی نظر بھی اسفل ہی پڑتی ہے، اور اس کا فکر عالمِ سفلی کی راہ لیتا ہے۔

☆☆☆

یہ لوگ جنہوں نے علم حاصل کیا اور کر رہے ہیں، خیال کرتے ہیں کہ اگر وہ یہاں حاضر ہوں تو علم کو

Marfat.com

بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب وہ یہاں آتے ہیں تو ان کے علم میں جان پڑ جاتی ہے۔ سب علم نقش ہیں۔ جب ان میں جان آتی ہے تو یوں ہوتا ہے گویا قالب بے جان میں جان آ گئی۔ ان سب علوم کی اصل وہیں سے ہے۔ عالم بے حرف وصوت سے اس نے انہیں عالمِ حرف وصوت میں منتقل کیا ہے۔ اس عالم میں گفتگو بے حرف وصوت ہے کہ

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (نساء:۱۶۴)

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔

خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی۔ بات آخر حرف اور صوت میں نہیں کی، اور منہ اور زبان سے نہیں کی۔ اس لیے کہ حرف کے لیے منہ اور ہونٹ چاہئیں تاکہ حرف ظاہر ہو۔ خدا کی برتری اور تقدس، ہونٹ اور کام و دہن سے منزہ ہے۔ پس خدا سے انبیاء کی گفت وشنید عالمِ بے حرف وصوت میں ہوتی ہے کیونکہ ان جزوی عقول کے وہم اس تک نہیں پہنچتے، اور اس راستہ میں نہیں لے جاتے۔ لیکن انبیاء عالم بے حرف سے عالم حرف میں آ جاتے ہیں۔ اور طفل بن جاتے ہیں، ان اطفال کے لیے کہ

بُعثت معلماً.

میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اب اگرچہ یہ جماعت جو حرف وصوت میں رہی ہے، اس کے احوال تک نہیں پہنچتی لیکن اس سے طاقت حاصل کرتی ہے اور نشوونما پاتی ہے اور اس سے آرام پاتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ بچہ ماں کو تفصیل کے ساتھ نہ جانتا ہے، نہ پہچانتا ہے لیکن اس سے آرام پاتا ہے اور طاقت حاصل کرتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پھل شاخ پر آرام کرتا ہے اور شیریں ہو جاتا ہے اور پک جاتا ہے، اور درخت کی اسے خبر نہیں ہوتی۔ یہی مثال اس بزرگ اور اس کے حرف وصوت کی ہے کہ اگرچہ وہ اسے نہیں جانتے اور اس حد تک نہیں پہنچتے لیکن وہ اس سے طاقت حاصل کرتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ ان جملہ نفوس میں ایک ایسی بات ہے جو عقل، حرف اور صوت سے ماورا ہے، اور یہ ایک عالم عظیم ہے۔ تو نے نہیں دیکھا کہ تمام خلقت دیوانوں کی طرح ان کی طرف مائل ہوتی ہے اور ان کی زیارت کو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ وہی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ ایسی ہی بات ہے لیکن اس کا محل انہوں نے غلط سمجھا ہے۔ وہ بات عقل میں نہیں سماتی لیکن یہ نہیں کہ ہر وہ چیز جو عقل میں سمائے، وہ وہی ہے۔

کُل جوز مدور ولیس کل مدور جوز.

ہر اخروٹ گول ہوتا ہے لیکن ہر گول چیز اخروٹ نہیں ہوتی۔

اس کی نشانی یہ ہوتی ہے جو ہم نے کہا کہ اگرچہ اس کی ایک حالت ہوتی ہے جو گفتگو اور ضبط میں نہیں لیکن اس سے عقل اور جان قوت پاتی ہے اور ان کی پرورش ہوتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

جن دیوانوں کے گرد خلقت گھومتی ہے، ان میں یہ نہیں ہے اور دیوانے اپنے حال سے واپس نہیں لوٹتے اور اس سے آرام نہیں پاتے اور اگرچہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے آرام پالیا ہے، ہم اسے آرام نہیں کہتے۔ یہ ایسا ہے کہ ایک بچہ اپنی ماں سے الگ ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحہ اسے چین آ گیا۔ ہم اسے چین نہیں کہتے، اس لیے کہ یہ غلط بات ہے۔ طبیب کہتے ہیں کہ جو چیز مزاج کو اچھی لگے وہ مٹھی بھر ہی انسان کو طاقت دیتی ہے اور اس کے خون کو صاف کرتی ہے لیکن اس وقت پسند آئے جب بیماری نہ ہو۔ اگر مٹی کھانے والے کو مٹی پسند آجائے تو ہم اسے یہ نہیں کہیں گے کہ مصلحِ مزاج ہے اگرچہ وہ اسے اچھی لگتی ہے۔ اسی طرح صفرائی طبیعت کو ترشی اچھی لگتی ہے اور شکر اچھی نہیں لگتی۔ اس ''اچھا لگنے'' کا اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد بیماری پر ہے۔ اچھا لگنا یہ ہے کہ بیماری سے پہلے وہ چیز اچھی لگے۔ مثلاً لوگوں نے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا ہے اور توڑ دیا ہے اور وہ ٹیڑھا ہو کر لٹک رہا ہے۔ جراح اسے ٹھیک کرتا ہے اور پہلی حالت پر بٹھا دیتا ہے۔ اسے وہ اچھا نہیں لگتا اور درد کرتا ہے۔ اسے وہ ٹیڑھا پن ہی اچھا لگتا ہے۔ جراح کہتا ہے۔ تجھے پہلے یہ اچھا لگتا تھا کہ تیرا ہاتھ تو سیدھا ہے اور تجھے اس سے آرام تھا۔ جب انہوں نے اسے ٹیڑھا کر دیا تو اس سے تو متالم ہوا اور تجھے دکھ ہوا۔ اس گھڑی اگر تجھے وہ ٹیڑھا پن اچھا لگتا ہے تو یہ اچھا لگنا جھوٹی بات ہے۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ عالمِ قدس میں ارواح کو ملائکہ کی طرح استغراق اور ذکرِ حق بہت اچھا لگتا تھا۔ اجسام کے واسطہ سے یہ دکھی اور بیمار ہوگئے اور مٹی کھانا انہیں اچھا لگنے لگا۔ نبی اور ولی جو طبیب ہیں کہتے ہیں۔ یہ تجھے اچھا نہیں لگتا۔ تجھے اس کا اچھا لگنا جھوٹی بات ہے۔ تجھے دراصل کوئی اور چیز اچھی لگتی ہے۔ اسے تو نے بھلا دیا ہے۔ تیرے اصلی مزاج کو صحیح طور پر وہ چیز اچھی لگتی ہے جو تجھے سب سے پہلے اچھی لگتی تھی جو چیز اب اچھی لگ رہی ہے وہ بیماری ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ تجھے یہ اچھی لگتی ہے اور تو اب اس بات کا یقین نہیں کرتا۔

☆☆☆

ایک عارف ایک نحوی کے پاس بیٹھا تھا۔ نحوی نے کہا سخن ان تین سے باہر نہیں۔ یا اسم ہوتا ہے یا فعل یا حرف۔ عارف نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے کہ افسوس میری بیس سال عمر اور میری جستجو اور کوشش ضائع ہوگئی۔ کیونکہ میں اس کی امید پر مجاہدہ کرتا رہا ہوں، جو اس سخن سے باہر ہے۔ تو نے میری امید کھو دی۔ ہر چند کہ عارف اس سخن اور مقصود کو پہنچا ہوا تھا، اس طریق پر اس نے نحوی کو تنبیہ کر دی۔

کہتے ہیں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے طفلی کے عالم میں دیکھا کہ ایک شخص غلط اور غیر شرعی طریق پر وضو کر رہا ہے۔ انہوں نے چاہا کہ اسے بطریقِ احسن وضو کرنے کی تعلیم دیں۔ چنانچہ وہ اس کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا، یہ میرا ساتھی مجھے کہتا ہے، تُو غلط طریق پر وضو کرتا ہے۔ ہم دونوں آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں۔ آپ دیکھیے کہ ہم میں سے کس کا وضو شرع کے مطابق ہے۔ دونوں نے اس کے سامنے وضو کیا۔ وہ شخص بولا۔ بیٹو! تمہارا وضو بالکل شرع کے مطابق اور درست ہے۔ میرا

Marfat.com

وضو نہ ہونے کے برابر اور غلط ہوا ہے۔

☆☆☆

کوئی شخص جب کسی جگہ کا عزم کرتا ہے اور سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اس کے دل میں معقول خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب میں وہاں جاؤں گا تو بہت سی نیک صلاحیں اور کام میسر آ جائیں گے، اور میرے حالات میں ایک نظام پیدا ہو جائے گا۔ دوست خوش ہو جائیں گے اور میں دشمنوں پر غالب آ جاؤں گا۔ اس کا دلی ارادہ یہ ہوتا ہے اور مقصود حق کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ جتنے دلی ارادے باندھتا ہے اور جتنے خیالات دل میں لاتا ہے، اس کی مراد کے مطابق ان میں سے ایک بھی اسے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود وہ اپنی تدبیر اور اپنی طاقت پر اعتماد کرتا ہے۔

بندہ تدبیر کرتا ہے۔ وہ تقدیر کو نہیں جانتا۔ خدا کی تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں ٹھہرتی۔

اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ کسی اجنبی شہر میں جا پڑا ہے اور وہاں اس کا کوئی آشنا نہیں۔ نہ اسے کوئی پہچانتا ہے اور نہ وہ کسی کو پہچانتا ہے۔ وہ سرگرداں پھرتا ہے۔ یہ شخص پشیمان ہوتا ہے۔ اسے غصہ اور افسوس آتا ہے کہ میں اس شہر میں کیوں آیا۔ یہاں نہ کوئی میرا آشنا ہے اور نہ دوست۔ وہ ہاتھ ملتا ہے اور ہونٹ چباتا ہے۔ جب بیدار ہوتا ہے تو وہ نہ اس شہر کو دیکھتا ہے اور نہ آدمیوں کو۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا غصہ کھانا اور تاسف اور افسوس کرنا بے فائدہ تھا۔ اپنی اس حالت پر وہ پشیمان ہوتا ہے اور اسے ضائع شدہ خیال کرتا ہے پھر دوسری مرتبہ جب وہ سوتا ہے تو خواب میں اپنے آپ کو اتفاقاً پھر اسی شہر میں دیکھتا ہے اور وہ غصہ اور غم کھانا اور افسوس کرنا شروع کر دیتا ہے اور ایسے شہر میں آنے پر پشیمان ہوتا ہے۔ اسے کچھ خیال نہیں آتا اور یاد نہیں رہتا کہ میں یہ غم کھانے سے بیداری میں پشیمان ہو چکا ہوں اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ضائع ہو گیا اور وہ محض ایک خواب تھا اور بے فائدہ تھا۔ اب پھر اسی طرح ہے۔

خلقت نے سو ہزار مرتبہ دیکھا ہے کہ ان کے عزائم اور تدابیر باطل ہوئیں اور ان کی وجہ سے ان کی کوئی مراد بر نہیں آئی۔ البتہ خداوند تعالیٰ ان پر نسیان طاری کر دیتا ہے اور وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں اور اپنے خیال اور اختیار کے تابع ہو جاتے ہیں۔ انّ اللّٰہ یحول بین المرء و قلبہ. اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قلب کے درمیان میں حائل رہتا ہے۔

ابراہیم ادھمؒ اپنی بادشاہی کے زمانہ میں شکار کو گیا ہوا تھا۔ ایک ہرن کے پیچھے اس نے گھوڑا دوڑایا، یہاں تک کہ وہ لشکر سے بالکل جدا ہو گیا اور دور نکل گیا۔ اس کا گھوڑا خستگی سے پسینہ میں غرق ہو رہا تھا۔ وہ اسے برابر دوڑاتا اور آہو کا تعاقب کرتا رہا۔ اس بیابان میں جب وہ حد سے گزر گیا تو ہرن بولنے لگا۔ اس نے پیچھے کو منہ موڑ کر کہا۔ ما خُلقت لھذا۔ تجھے اس لیے نہیں پیدا کیا گیا، تجھے انہوں نے اس لیے پیدا نہیں کیا اور عدم سے تجھے عالمِ وجود میں اس لیے نہیں لائے کہ تو مجھے شکار کرتا پھرے۔ اگر تو مجھے شکار کیا ہوا سمجھ لے تو کیا

Marfat.com

ہو جائے گا۔ ابراہیم ادھم نے جب یہ سنا تو ایک نعرہ مارا اور اپنے آپ کو گھوڑے پر سے گرا دیا۔ اس صحرا میں ایک گڈریا کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس کی خوشامد کی اور اس سے کہا تو میرا جواہرات سے مرصّع شاہانہ لباس اور گھوڑا مجھ سے لے لے اور اس کا نمدہ پہن لیا اور راہ لی۔

اب دیکھو کہ ابراہیم بن ادھمؒ کی غرض کیا تھی اور خدا کا مقصود کیا تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ آہو کو شکار کرے اور خداوند تعالیٰ نے آہو کے ذریعے اسے شکار کر لیا۔ اس سے تُو سمجھ لے کہ دنیا میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور مراد اس کی ملکیت ہے اور مقصود اس کے تابع ہے۔

اسلام لانے سے پہلے حضرت عمرؓ اپنی ہمشیرہ کے گھر آئے۔ آپ کی ہمشیرہ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہی تھیں ما انزلنا ...... (ہم نے نہیں اتارا ..... الخ) جونہی بھائی کو دیکھا قرآن کو چھپا دیا اور خاموش ہو گئیں۔ عمرؓ نے تلوار نیام سے نکال لی اور کہا۔ جلد بتا تو کیا پڑھ رہی تھی؟ اور اسے چھپا کیوں دیا؟ بتا ورنہ میں تلوار سے ابھی تیری گردن کاٹتا ہوں۔ تجھے کوئی امان نہیں ملے گی۔ ان کی ہمشیرہ بہت ڈریں۔ وہ ان کے غصہ اور ہیبت کو جانتی تھیں۔ جان کے ڈر سے انہوں نے اقرار کر لیا اور بولیں "میں اس کلام میں سے پڑھ رہی تھی جو خداوند تعالیٰ نے حضرت محمدؐ پر نازل فرمایا۔" عمرؓ بولے "پڑھ تاکہ میں بھی سنوں۔" انہوں نے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کی۔ عمرؓ سخت برہم ہوئے۔ ان کا غیض سو گنا ہو گیا۔ بولے "اب اگر میں تجھے اسی گھڑی قتل کروں تو یہ قتل اچھا نہ ہو گا۔ میں جاتا ہوں اور پہلے اس (حضور سرورِ کائناتؐ) کا سر قلم کرتا ہوں۔ اس کے بعد تیرا کام تمام کر دوں گا"۔ عمرؓ اسی طرح انتہائی غصے کی حالت میں شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر مسجد نبوی کی طرف لپکے۔ راستہ میں قریش سرداروں نے انہیں دیکھا تو بولے "بہت خوب عمرؓ (حضرت) محمدؐ کے قتل کو نکلا ہے (نعوذ باللہ)۔ بے شک اگر یہ کام سرانجام ہو گا تو اسی سے ہو گا۔" اس لیے کہ عمرؓ قوت اور مردانگی میں بہت بڑی شخصیت تھے۔ جس لشکر کی طرف وہ رخ کرتے، غالب آتے، اور ان کے سر کاٹ کر نشانی کے طور پر لاتے۔ اس حد تک کہ مصطفےٰؐ ہمیشہ فرمایا کرتے کہ اے خدا میرے دین کو عمرؓ کے ذریعے مدد دے یا ابو جہل کے ذریعے۔ اس لیے کہ آپ کے زمانہ میں قوت اور مردانگی کے لیے یہ دونوں مشہور تھے۔ آخر جب عمرؓ مسلمان ہو گئے تو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر روتے۔ "یا رسولؐ اللہ مجھے کتنا افسوس ہوتا، اگر ابو جہل کو حضورؐ مجھ پر مقدم رکھتے اور فرمادیتے کہ اے خدا میرے دین کو ابو جہل کے ذریعے مدد دے، یا عمرؓ کے ذریعے سے۔ میرا کیا حال ہوتا۔ میں گمراہی میں رہتا۔"

حاصل کلام یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے رسولؐ اللہ کی مسجد کی طرف بڑھے۔ اس اثنا میں جبرائیلؑ مصطفیٰؐ کے پاس خدا کا پیغام لائے کہ یا رسولؐ اللہ اب عمر رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں تاکہ اسلام لے آئیں۔ انہیں گلے سے لگائیے۔ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ نور کا ایک تیر مصطفےٰؐ کے وجود سے پرّاں ہوا اور عمرؓ کے دل میں جا پیوست ہوا۔ عمرؓ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ محبت اور عشق ان کی جان میں ظاہر ہو گئے۔ انہوں نے چاہا کہ وہ انتہائی عشق سے مصطفےٰؐ میں گداز ہو جائیں اور آپؐ میں محو

Marfat.com

ہو جائیں۔ بولے اے اللہ کے نبیؐ! ایمان ظاہر فرمایئے اور وہ کلمہ مُبارک ارشاد کیجیے تا کہ میں سنوں۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو بولے ''میں شمشیر برہنہ لے کر آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا تھا۔ اب میں شکرانہ اور کفارہ کے طور پر یہ کروں گا کہ جس کسی کے متعلق میں سنوں گا کہ وہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اسے امان نہیں دوں گا، اور اسی کی تلوار سے اس کا سرتن سے جدا کر دوں گا۔'' عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر آئے۔ اتفاقاً ان کا باپ سامنے آ گیا۔ باپ بولا۔ ''تو اپنے دین سے پھر گیا؟'' عمرؓ نے اسی وقت اس کا سرتن سے جدا کر دیا اور خون آلود تلوار ہاتھ میں لیے روانہ ہوئے۔ قریش سرداروں نے خون آلود تلوار دیکھی تو بولے۔ ''تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ میں کاٹ کر سر لاؤں گا۔ سر کہاں ہے؟'' عمرؓ بولے۔ ''یہ ہے'' سردار بولے۔ ''یہ سر تو یہیں کا ٹا ہے۔ یہ وہ سر نہیں ہے۔'' عمرؓ نے جواب دیا۔ ''نہیں۔ یہ وہ سر نہیں۔''

اب دیکھو کہ عمرؓ کا کیا ارادہ تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا تھی۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ تو سمجھ لے کہ سب کام جس طرح وہ چاہے، ہوتے ہیں۔

شمشیر بکف عمر رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کو قتل کرنے آتا ہے (نعوذ باللہ)، خدا کے دام میں پڑ جاتا ہے اور مقدر سے فیض یاب ہوتا ہے۔

☆☆☆

جو کچھ میں کہتا ہوں مثال ہے، مثل نہیں۔ مثال اور چیز ہے اور مثل اور چیز ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مثال کے طور پر اپنے نور کو مصباح (چراغ) سے تشبیہ دی ہے اور اولیاء کے وجود کو زجاجہ (شیشہ کی قندیل) سے۔ اس جہت سے یہ نور کی مثال ہے۔ نور تو کون و مکان میں نہیں سماتا، وہ زجاجہ اور مصباح میں کیا سمائے گا؟ خداوند تعالیٰ کے مشارقِ انوار دل میں کیسے سمائیں؟ وہاں جب تو اس کا طالب ہو تو اسے اپنے دل میں پاتا ہے۔ از رُوئے ظرفیت نہیں کہ وہ نور وہاں ہے، بلکہ وہ تجھے وہاں ملتا ہے۔ اسی طرح جیسے تو اپنا نقش آئینے میں پاتا ہے اور اس کے باوجود تیرا نقش آئینے میں نہیں ہے۔ ہاں جب تو آئینے میں نظر کرتا ہے تو خود کو دیکھتا ہے۔ عقل میں نہ آنے والی چیزیں ظاہر ہوں تو انہیں جب مثال دے کر بیان کیا جائے، وہ عقل میں آ جاتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں۔ اسی طرح تو کہتا ہے کہ جب تو آنکھ جھپکتا ہے، عجیب وغریب چیزیں دیکھتا ہے اور محسوس صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور جب آنکھ کھولتا ہے تو کچھ نہیں دیکھتا۔ یہ کسی شخص کی عقل میں نہیں آتا اور کوئی یقین نہیں کرتا۔ مگر جب تو مثال سے بیان کرے تو معلوم ہو جاتا ہے اور یہ ایسے ہوتا ہے جیسے کوئی شخص خواب میں سو ہزار ایسی چیزیں دیکھتا ہے بیداری میں جن میں سے ایک بھی ممکن نہیں ہے اور کاریگر کی طرح کہ وہ اپنے باطن نہیں آتا۔ لیکن تصوّر کی حالت سے نکل کر جب وہ اس گھر کا خاکہ کاغذ پر بناتا ہے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے، اور جب وہ اسے معیّن کرتا ہے اس کی کیفیت عقل میں آ جاتی ہے اور اس کے بعد جب وہ پوری طرح عقل میں آ جاتی ہے تو اس ترتیب سے مکان بن جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عقل میں نہ آنے والی

Marfat.com

تمام باتیں مثال کے ذریعہ معقول اور محسوس بن جاتی ہیں۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ اس عالم میں نام پرواز کرتے ہیں۔ بعض دائیں ہاتھ کو اور بعض بائیں ہاتھ کو اور وہ ملائکہ، عرش، آگ اور جنت بن جاتے ہیں۔ اور میزان اور حساب و کتاب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جب تک مثال نہ دی جائے، ان میں سے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اگرچہ یہ باتیں عالمِ مثل (اس دنیا) میں نہیں ہوتیں لیکن مثال سے وہ معین ہو جاتی ہیں اور اس کی مثال اس دنیا میں یہ ہے کہ رات کو تمام خلقت، موچی، بادشاہ، قاضی، درزی وغیرہ سب سوتے ہیں۔ ان میں سے تمام خیالات اُڑ جاتے ہیں اور کسی کو کوئی خیال نہیں رہتا۔ جب سپیدۂ صبح صورِ اسرافیل کی طرح بروئے کار آتا ہے تو ان کے ذراتِ اجسام کو زندہ کر دیتا ہے۔ ہر شخص کا خیال اڑتے ہوئے نامہ کی طرح اس کی طرف آتا ہے۔ اس میں کچھ غلطی نہیں ہوتی۔ درزی کا خیال درزی کی طرف، فقیہ کا خیال فقیہ کی طرف، لوہار کا خیال لوہار کی طرف، ظالم کا خیال ظلم کی طرف اور عدل کا خیال عادل کی طرف بھاگتا ہے۔ کیا یہ کبھی ہوا ہے کہ رات کو کوئی درزی سویا اور صبح کو وہ اٹھا تو وہ موچی تھا؟ نہیں۔ اس لیے کہ اس کا عمل اور شغل وہ تھا۔ اسی میں وہ پھر مشغول ہو جاتا ہے۔ تاکہ تو سمجھ لے کہ اس دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ محال نہیں ہے اور اس دنیا میں واقع ہے۔ پس اگر کوئی شخص اس مثال کو سامنے رکھے اور کسی نتیجہ پر پہنچ جائے تو وہ اس عالم کے تمام حالات کا مشاہدہ اس دنیا میں کر لیتا ہے اور اس تک لے جاتا ہے اور اس پر منکشف ہو جاتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ خدا کی قدرت میں سب کے لیے گنجائش ہے۔ قبر میں تُو بے شمار بوسیدہ ہڈیاں دیکھتا ہے۔ وہ راحت میں ہیں، وہ خوش ہیں اور سرمست سوئے ہوئے ہیں اور اس لذّت اور مستی سے باخبر ہیں۔ آخر یہ کوئی لاف نہیں ہے جو کہہ دیتے ہیں: ''اس پر مٹی خوش ہوئی!'' مٹی کو اگر خوشی کی خبر نہ ہوتی تو یہ کیوں کہتے۔

؎ اس چاند جیسے معشوق کو سو سال بقا ہو۔ اس کے تیرِ غم کے لیے میرا دل ترکش بنا رہے!

؎ اس کی خاکِ دل پر میرا دل خوشی سے مر گیا۔ اے خدا کس نے دعا کی کہ اس کی مٹی خوش رہے۔

اور اس کی مثال عام محسوسات میں حقیقت ہے۔ یہ ایسا ہے کہ دو آدمی ایک بستر میں سوئے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک آدمی خواب میں اپنے آپ کو بہترین حسینوں میں باغ اور بہشت کے درمیان دیکھتا ہے اور ایک اپنے آپ کو سانپوں، دوزخ کے شعلوں اور بچھوؤں کے درمیان دیکھتا ہے۔ اور اگر تُو تحقیق کرے تو ان کے درمیان نہ اسے دیکھے گا اور نہ اسے۔ پس کیا تعجب ہے کہ بعض لوگوں کے اجزا قبر میں بھی راحت و مستی کے مزے لے رہے ہوں اور بعض عذاب، غم اور دکھ میں ہیں، اور کوئی نہ یہ دیکھتا ہو اور نہ وہ۔ پس معلوم ہوا کہ عقل میں آنے والی بات مثال کے ذریعہ، عقل میں آجاتی ہے اور مثال مثل سے نہیں رہتی۔ اسی طرح عارف نے کشادہ اور خوشی اور فراخی کا نام بہار رکھا ہے اور قبض اور غم کو وہ خزاں کہتا ہے۔ از روئے صورت بہار سے خوشی اور خزاں سے غم۔ کیا بات ہوئی؟ ہاں یہ مثال ہے کہ اس کے بغیر عقل اس معنی کا تصور اور ادراک نہیں کر سکتی۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ

Marfat.com

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ

(سورۂ فاطر: ۱۹، ۲۰، ۲۱)

نہ اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں، نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور آفتاب۔

ایمان کو نور سے نسبت دی اور کفر کو ظلمت سے۔ ایمان کو اچھے سایہ سے اور کفر کو آفتاب سے جس سے کہ امان نہیں، اور جو مغز تک کو ابال دیتا ہے۔ ان دو چیزوں میں سے کونسی چیز باقی رہتی ہے؟ اس جہان کے نور سے روشنی اور لطف یا اس جہان کی تاریکی سے زشت روئی اور کفر کی ظلمت؟

☆☆☆

اگر میری گفتگو کے دوران میں کوئی سو جائے تو وہ نیند غفلت نہیں ہوتی بلکہ امن سے ہوتی ہے، جیسے اندھیری رات میں قافلہ دشوار راستہ پر ڈرتے ڈرتے جا رہا ہو اور اہلِ قافلہ کے کان میں کتے یا مرغ کی آواز آ جائے اور وہ گاؤں میں پہنچ کر آسودہ ہو جائیں اور پاؤں پھیلا کر خوشی خوشی سو جائیں۔ راستہ میں جہاں کوئی آواز اور شور نہ تھا، انہیں خوف کے مارے نیند نہ آئی اور گاؤں میں جہاں امن نہ تھا کتوں کے شور اور مرغوں کے خروش کے باوجود انہیں آسودگی اور خوشی سے نیند آ گئی۔ ہمارا سخن بھی امن اور آبادی کے مترادف ہے اور ہم انبیاء اور اولیاء ہی کی بات کرتے ہیں۔ روحیں جب اپنے آشناؤں کی بات سنتی ہیں تو امن پاتی ہیں اور خوف سے ان کی خلاصی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس سخن سے امید اور اقبال کی بو آتی ہے جیسے کوئی شخص تاریک رات میں کسی قافلہ کے ہمراہ ہو۔ انتہائی خوف کی وجہ سے وہ ہر لحہ خیال کرتا ہو کہ راہزن قافلہ میں شامل ہیں۔ وہ چاہتا ہو کہ ہمراہیوں کی باتیں سنیں اور انہیں باتوں سے پہچانتا ہو۔ چنانچہ جب وہ ان کی باتیں سنے تو اسے چین آ جائے۔ قل یا محمد اقرأ (کہا اے محمدؐ پڑھ) کیونکہ تیری ذات لطیف ہے اس لیے اس تک نظریں نہیں پہنچتیں۔ جب تو بات کرتا ہے تو ارواح معلوم کر لیتی ہیں کہ تو آشنا ہے۔ انہیں چین آ جاتا ہے اور وہ آرام کرتی ہیں۔

میرے جسم کو بیمار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ اگر میرا اتخاطب تجھ سے نہ ہوتا تو تُو مجھے نہ دیکھتا۔

☆☆☆

کھیت میں کون سا جانور ہے جو انتہائی طور پر چھوٹا ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ جب وہ آواز نکالتا ہے تو اسے دیکھتے ہیں، آواز کے ذریعے سے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ دنیا کے کھیت میں خلقت مستغرق ہے، اور تیری ذات انتہائی لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ بات کرتا کہ تجھے پہچانیں۔ جب تُو چاہتا ہے کہ کسی جگہ جائے تو پہلے تیرا دل وہاں جاتا ہے، دیکھتا ہے اور وہاں کے حال پر مطلع ہوتا ہے۔ پھر دل واپس آتا ہے اور جسم کو کھینچتا ہے۔ اب یہ ساری خلقت انبیاء اور اولیاء کی نسبت سے جسم ہیں۔ انبیاء اور اولیاء دنیا کا دل ہیں۔ پہلے یہ اس عالم کی سیر کرتے ہیں اور بشریت، گوشت پوست سے باہر آ جاتے ہیں۔ اس دنیا کے نیچے اور اوپر کا

Marfat.com

مطالعہ کرتے ہیں اور منزلیں قطع کرتے ہیں تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ راہ کیسی ہے۔ پھر واپس آتے ہیں اور خلقت کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ اس عالم اصلی کو کیونکہ یہ عالم خراب ہے اور سرائے فانی ہے، اور ہم تمہیں خبر دیتے ہیں کہ ہم نے اچھی جگہ حاصل کر لی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ میرا دل تمام حالات میں دلدار کی حضوری میں ہے اور اسے قطع منازل، خوف، رہزن، پالان اور خچر کی حاجت نہیں ہے۔ جسم مسکین ہے جوان کا مقید ہے۔

میں نے اپنے دل سے کہا اے دل تو اپنی نادانی سے کس کی خدمت سے محروم ہو رہا ہے؟

دل نے کہا تو نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں تو خدمت کو لازم سمجھتا ہوں، تُو ہی سرگرداں ہے۔

☆☆☆

تو جس جگہ ہو اور جس حال میں ہو، کوشش کرتا کہ تو محب بن جائے اور عاشق بن جائے اور جب محبت تیری ملکیت بن گئی تو ہمیشہ کے لیے محبؔ بن گیا۔ قبر میں، حشر میں اور بہشت میں۔ جب تُو نے گندم بوئی تو قطعی طور پر گندم ہی اُگے گی اور ڈھیر میں گندم ہی ہوگی اور تنور میں بھی گندم ہی ہوگی۔

مجنوں نے چاہا کہ لیلیٰ کو خط لکھے۔ قلم ہاتھ میں لیا اور یہ شعر کہا: (ترجمہ) ''تیرا خیال آنکھ میں مقیم ہے اور تیرا نام میری زبان پر ہے اور تیری یاد میرے دل میں ہے۔ پس جب ان مقامات میں تو ہی تو ہے تو میں خط کس کو لکھوں؟'' مجنوں نے قلم توڑ ڈالا اور کاغذ پھاڑ دیا۔

کئی شخص ہیں جن کے دل ان باتوں سے پُر ہیں لیکن عبارت اور الفاظ میں وہ انہیں نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ اس کے عاشق، طالب اور نیاز مند ہیں۔ اس میں تعجب نہیں اور یہ بات عشق میں مانع نہیں ہوتی۔ بلکہ خود اصل دل ہے اور نیاز مندی اور عشق اور محبت۔ بچہ دودھ کا عاشق ہوتا ہے اور وہ اس سے مدد حاصل کرتا ہے اور قوت پاتا ہے اور اس کے باوجود وہ دودھ کی شرح نہیں کر سکتا کہ دودھ پینے سے مجھے کیا لذت ملتی ہے اور اس کے نہ پینے سے کس طرح کمزور اور رنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ اگرچہ وہ دل و جان سے دودھ کا عاشق ہے اور بالغ آدمی دودھ کی خواہ کتنی ہی شرح کرے اور تعریف کرے، لیکن دودھ کچھ مزا نہیں دیتا اور اس سے لذت نہیں ملتی۔

☆☆☆

اس نوجوان کا کیا نام ہے؟ سیف الدین۔ فرمایا کہ سیف غلاف میں ہے، اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ سیف الدین وہ ہوتا ہے جو دین کے لیے جنگ کرے اور کلّی طور پر اس کی کوشش حق کے لیے ہو۔ وہ خطا سے ثواب پیدا کرے اور باطل سے حق کی تمیز کرے۔ بے شک وہ پہلے اپنے آپ سے جنگ کرتا ہے اور اپنے اخلاق کو مہذب بناتا ہے۔ اُبدأ بنفسک (ابتدا کر اپنے نفس سے) اور سب نصیحتیں وہ اپنے آپ کو کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے کہتا ہے آخر تُو بھی آدمی ہے۔ تُو ہاتھ پاؤں، گوش ہوش، آنکھیں اور منہ رکھتا ہے۔ اور انبیاء اور اولیاء جنہوں نے دولتیں پائیں اور مقصود کو پہنچے، وہ بھی بشر ہی تھے۔ میری طرح ان کے بھی کان، عقل،

Marfat.com

زبان، ہاتھ اور پاؤں تھے۔ اس کا کیا مطلب کہ انہیں اجازت مل گئی اور ان کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ مگر میرے لیے ایسا نہیں ہوا۔ وہ اپنے آپ کو سزا دیتا ہے اور دن رات اپنے آپ سے جنگ کرتا ہے۔ تُو نے کیا کیا اور تجھ سے کیا حرکت سرزد ہوگئی کہ تو مقبول نہیں ہوا۔ اگر تو مقبول ہوتا تو خدا کی تلوار اور خدا کی زبان بن جاتا۔ مثلاً دس آدمی چاہتے ہیں کہ ایک گھر میں داخل ہوں۔ ان سے نو آدمیوں کو راستہ مل جاتا ہے اور ایک باہر رہتا ہے۔ اسے اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ یہ شخص اپنے آپ میں سوچتا ہے اور روتا ہے کہ میں عجیب ہوں۔ میں کیا کر بیٹھا کہ مجھے اندر نہیں جانے دیتے اور مجھ سے کیا بے ادبی ہوگئی۔ چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو گناہ کا ذمہ دار ٹھہرائے اور اپنے آپ کو قصوروار اور بے ادب گردانے۔ نہ یہ کہ وہ یہ کہے کہ گناہ مجھ سے خدا نے کرایا ہے۔ میں کیا کروں۔ خدا ہی ایسا چاہتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے نیکی کی اجازت دے دیتا۔ ایسی بات سے خدا کو گالی دینے کا پہلو نکلتا ہے۔ اور یہ خدا کو تلوار مارنے کے مترادف ہے۔ پس ان معنوں میں وہ ''خدا پر تلوار'' ہوا نہ کہ ''خدا کی تلوار''۔ خداوند تعالیٰ خویش واقربا سے منزہ ہے۔ (سورۂ اخلاص) نہ کوئی اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ بندگی کے ذریعہ کے بغیر اس تک کسی کو راہ نہیں ملتی۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (سورۂ محمد: ۳۸)

اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو۔ ممکن نہیں کہ تُو یہ کہہ سکے کہ جس شخص نے خدا کا راستہ پالیا وہ خدا کا زیادہ اپنا اور زیادہ آشنا تھا اور خدا کا زیادہ تعلق دار تھا۔ اس کا قرب حاصل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ بندگی کو ذریعہ بنایا جائے۔ وہ معطی ہے علی الاطلاق۔ اس نے دریا کا دامن موتیوں سے بھر دیا۔ کانٹے کو پھول کی خلعت پہنا دی اور مشتِ خاک کو بغیر کسی غرض کے زندگی اور روح بخشی۔ عالم کے تمام اجزاء اس سے نصیب یافتہ ہیں۔ جب کوئی سنتا ہے کہ فلاں شہر میں ایک سخی ہے جو بہت بڑی بخشش اور احسان کرتا ہے تو وہ بے شک اس امید پر وہاں جاتا ہے کہ اس سے بہرہ مند ہو۔ پس جب خدا کا انعام اتنا مشہور ہے اور سارا عالم اس کے لطف سے باخبر ہے تو کیوں اس کی گدائی نہیں کرتا؟ اور تو خلعت اور صلہ کی طمع کیوں نہیں رکھتا؟ تو کاہلوں کی طرح بیٹھا ہے کہ اگر وہ چاہے تو مجھے دے گا اور تو خود کوئی تقاضا نہیں کرتا۔ کتا جس میں عقل اور ادراک نہیں ہے، اسے بھی جب بھوک لگتی ہے اور روٹی نہیں ملتی تو تیرے سامنے آتا ہے اور اپنی دُم ہلاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے روٹی دے۔ میرے پاس روٹی نہیں۔ تیرے پاس ہے۔ اسے اتنی تمیز ہوتی ہے۔ آخر تو کتے سے کم نہیں ہے۔ کتا اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ مٹی میں سویا رہے اور کہے کہ تم چاہو گے تو مجھے روٹی دے دو گے۔ وہ خوشامد کرتا ہے اور دُم ہلاتا ہے تو بھی دُم ہلا اور خدا سے مانگ اور گدائی کر۔ ایسے عطا کرنے والے کے سامنے گدائی کرنا بہت ہی مطلوب ہے۔ جب تیرے پاس نصیب نہیں ہے تو وہ کسی سے مانگ کیونکہ وہ بخیل نہیں ہے۔ وہ صاحب دولت ہے۔ خدا تیرے بہت ہی قریب ہے۔ ہر فکر اور تصور جو تو امکانی طور پر کرسکتا ہے وہ اس میں موجود ہے۔ اس لیے کہ ہر تصور اور ہر فکر کو وہی ہستی بخشتا ہے۔ البتہ انتہائی طور پر نزدیک ہونے

Marfat.com

کی وجہ سے تو اسے دیکھ نہیں سکتا۔ اس کے اثر سے تو اسے دیکھتا ہے۔ بے شک اس کی ذات کو تو نہیں دیکھ سکتا۔ مثلاً کوئی شخص حمام میں جائے تو گرم ہو جاتا ہے۔ حمام میں وہ جدھر بھی پھرے آگ اس کے ساتھ ہے۔ تابِ آتش کی تاثیر سے وہ گرمی حاصل کرتا ہے۔ لیکن وہ آگ نہیں دیکھتا۔ جب وہ حمام سے باہر آتا ہے تو اسے لازماً دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے آگ سے گرم کرتے ہیں۔ وہ جان لیتا ہے کہ حمام کی وہ گرمی بھی آگ ہی سے تھی۔ آدمی کا وجود بھی ایک عجیب حمام ہے۔ اس میں عقل، روح اور نفس سب کی گرمی ہے۔ لیکن جب تو وجود کے حمام سے باہر آتا ہے اور اس جہان کو جاتا ہے تو بے شک بے شک تو عقل کی ذات کو دیکھتا ہے اور ذاتِ نفس اور ذاتِ روح کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اب تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ زیرکی عقل کی گرمی سے تھی اور وہ مکرو فریب اور حیلے نفس کے تھے۔ اور زندگی، روح کا اثر تھی۔ بے شک تو ہر ایک کی ذات کو دیکھتا ہے۔ ہاں جب تک تو حمام میں ہے آگ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسے صرف اس کے اثر کی وجہ سے محسوس کرتا ہے۔ اگر کسی کی آنکھیں بند کر کے اسے بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ آبِ رواں کو نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی تر اور نرم چیز اس کے جسم پر پڑتی ہے مگر وہ نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔ اگر اس کی آنکھیں کھول دی جائیں تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ بے شک وہ پانی تھا۔ پہلے اس نے پانی کو اس کے اثر سے سمجھا تھا۔ اب اس کی ذات کو دیکھا۔ پس خدا کی گدائی کر اور اس سے حاجت طلب کر۔ کیونکہ کوئی ضائع نہیں ہوتا۔

اُدعونی استجب لکم (سورۂ مومن)

ہم سے دعا مانگتے رہو۔ ہم قبول کرتے رہیں گے۔

☆☆☆

ہم سمرقند میں تھے اور خوارزم شاہ سمرقند کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ لشکر کو صف آرا کیے وہ جنگ کر رہا تھا۔ اس مقام پر ایک بہت ہی بہتر صاحبِ جمال لڑکی تھی۔ ایسی حسین کہ شہر بھر میں اس کی نظیر نہ تھی۔ میں نے سنا کہ وہ ہر لحہ کہتی تھی۔ اے خدا تو کیونکر روا رکھے گا کہ مجھے ظالموں کے ہاتھ میں دے دے اور میں جانتی ہوں کہ تو ہرگز یہ روا نہیں رکھتا۔ اور میں تجھ پر اعتماد رکھتی ہوں اور اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ جب شہر کو حملہ آوروں نے تباہ کر دیا اور وہاں کی ساری آبادی کو اسیر کر کے لے گئے۔ تو اس عورت کی لونڈیاں بھی قیدی بنالی گئیں۔ مگر اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور اس کے انتہائی حسین ہونے کی وجہ سے کسی نے اس پر نظر نہ کی۔ یہ اس لیے ہوا کہ تو سمجھ لے جو شخص اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔ وہ تمام آفتوں سے امن پاتا ہے اور سلامت رہتا ہے اور اس کے حضور میں کسی کی حاجت ضائع نہیں جاتی۔

ایک درویش نے اپنے بیٹے کو سکھا رکھا تھا کہ وہ جو چیز باپ سے مانگتا وہ کہتا خدا سے مانگ۔ جب وہ روتا اور کوئی چیز خدا سے مانگتا تو باپ اسی وقت وہ چیز حاضر کر دیتا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ ایک دن وہ لڑکا گھر میں تنہا رہ گیا تھا۔ اسے ہریسہ (حلیم) کھانے کی خواہش ہوئی۔ عادت معہودہ کے مطابق اس نے کہا

Marfat.com

مجھے ہریسہ چاہیے۔ اسی وقت غیب سے ہریسہ حاضر ہوگیا۔ لڑکے نے پیٹ بھر کر کھایا۔ جب اس کے ماں باپ آئے تو پوچھنے لگے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ بولا مجھے ہریسہ چاہیے تھا۔ وہ میں نے کھالیا ہے۔ باپ نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو اس مقام پر پہنچ گیا اور خدا پر تیرا اعتماد اور بھروسہ قوی ہوگیا۔

حضرت مریمؑ کی ماں نے جب مریم علیہا السلام کو جنا تو اس نے خدا کی منت مان رکھی تھی کہ وہ اسے خانۂ خدا کے لیے وقف کر دے گی، اور اس سے کچھ تعلق نہیں رکھے گی اور وہ مسجد کے ایک گوشہ میں جا پڑی۔ زکریاؑ نے چاہا کہ اس کی تیمارداری کرے اور ہر کوئی یہی چاہتا تھا۔ چنانچہ سب میں اس بات پر جھگڑا ہوگیا۔ اور اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ کسی چیز پر جھگڑے کی صورت میں پانی میں لکڑی ڈالتے جس کی لکڑی پانی کی سطح پر رہتی وہ چیز اس کی ملکیت ہوجاتی۔ اتفاق سے اس پر زکریا علیہ السلام کی فال درست ہوئی۔ اب سب نے اتفاق کرلیا کہ یہ زکریاؑ کا حق ہے۔ زکریاؑ ہر روز اس کے لیے کھانا لاتے۔ وہ جو بھی کھانا لاتے مسجد کے ایک گوشہ میں وہی پہلے سے موجود ہوتا۔ بولا، اے مریمؑ! آخر میں تیرا وصی ہوں۔ مجھے بتا تو سہی یہ کھانا تو کہاں سے لاتی ہے؟ بولی جب مجھے کھانے کی حاجت ہو تو میں جو مانگوں خداوند بھیج دیتا ہے۔ اس کے کرم اور رحمت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جس کسی نے اس پر اعتماد کیا ضائع نہ ہوا۔ زکریاؑ نے کہا، اے خدا سب کی حاجت تو ہی پوری کرتا ہے۔ تو میں بھی ایک آرزو رکھتا ہوں۔ اسے پوری فرما، مجھے ایک بیٹا دے جو تیرا دوست ہو۔ میری طرف سے اس کو رغبت دلائے بغیر ہی اسے تجھ سے موانست ہو اور وہ تیری بندگی میں مشغول رہے۔ خداوند تعالیٰ حضرت یحییٰؑ کو وجود میں لے آیا۔ اس وقت بڑھاپے سے یحییٰؑ کے باپ کی کمر دوہری ہوچکی تھی۔ وہ بے حد ضعیف ہو چکا تھے۔ اس کی ماں بانجھ تھی اور بوڑھی ہوچکی تھی۔ اسے بہت حیض آیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے تاکہ تو سمجھ لے کہ خدا کی قدرت کے سامنے یہ سب ایک بہانہ ہے اور سب کچھ اسی سے ہے اور اشیاء کا حاکم مطلق وہی ہے۔ مومن وہ ہے جو سمجھ لے کہ اس کے پیچھے کوئی ہے اور ہمارے حالات سے ہر لحاظ سے مطلع ہے اور دیکھتا ہے۔ اگرچہ ہم اسے نہیں دیکھتے اور اس کا اسے یقین ہوتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو کہتا ہے، نہیں یہ سب افسانہ ہے اور یقین نہیں کرتا۔ ایک وقت آتا ہے جب اسے سزا ملتی ہے۔ پھر وہ کہتا ہے۔ آہ میں نے برا کیا اور خطا کی۔ سب کچھ وہی تھا۔ میں نے خواہ مخواہ اس کی نفی کی۔ مثال کے طور پر تو جانتا ہے کہ میں دیوار کے پیچھے ہوں۔ تو رباب بجاتا ہے اور پوری توجہ سے بجاتا ہے اور اس کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نماز کی ربابیت اس لیے نہیں ہے کہ تو سارا دن قیام، رکوع اور سجدہ کرتا رہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ جو حالت نماز میں طاری ہوتی ہے وہ تجھ سے پیوست رہے۔ خواہ تو سویا ہوا ہو، خواہ بیدار ہو، خواہ لکھ رہا ہو اور خواہ پڑھ رہا ہو۔ کسی حال میں تو یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ تاکہ تو

عَلٰی صَلَاتِہِمْ دَآئِمُوْنَ (سورۂ معارج:۲۳)

وہ نماز میں ہمیشہ رہتے ہیں۔

Marfat.com

کے مصداق ہو، پس گفتگو، خاموشی، کھانا، سونا، غصہ، عفو، یہ سب اوصاف چکی کی گردش کے ہیں کہ وہ گھومتی رہتی ہے۔ چکی کی گردش پانی کے واسطہ سے ہے۔ اس نے اپنے آپ کو پانی کے بغیر بھی آزما دیکھا ہے۔ پس اگر چکی اس گردش کو سمجھے کہ یہ از خود ہے۔ تو یہ اس کی جہالت اور بے خبری ہے۔ پس اگر گردش کے لیے میدان تنگ ہے۔ کیونکہ دُنیا کا یہی حال ہے۔ تو خداوند تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کر کہ اے خدا! مجھے اس نظارہ اور اس گردش کے بغیر ایک دوسری روحانی گردش عطا فرما۔ جب تمام حاجتیں تجھ ہی سے پوری ہوتی ہیں اور تمام موجودات پر تیرا کرم اور تیری رحمت عام ہے تو میری حاجت بھی تو ہی پوری کر۔ پس اپنی حاجتیں ہر لحظہ عرض کیے جا اور اس کی یاد کے بغیر نہ رہ۔ کیونکہ اس کی یاد مرغِ روح کے لیے پروبال کی قوت ہے۔ اگر وہ مقصود بکلی تجھے حاصل ہو جائے تو نورٌ علیٰ نور۔ ایک دفعہ خدا کو یاد کرنے سے باطن تھوڑا تھوڑا منور ہوتا ہے اور دنیا سے تیرا انقطاع ہونے لگتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک پرندہ چاہتا کہ وہ آسمان پر اڑے اگرچہ وہ آسمان پر نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن لحظہ بہ لحظہ زمین سے دور ہوتا جاتا ہے اور دوسرے پرندوں سے بلند ہو جاتا ہے۔ یا مثلاً ایک ڈبیہ میں مشک ہو۔ اس ڈبیہ کا منہ تنگ ہو تو اس میں ہاتھ ڈال کر مشک باہر نہیں نکال سکتا۔ لیکن اس کے باوجود تیرا ہاتھ معطر ہو جاتا ہے اور مشام کو اچھا لگتا ہے۔ پس خدا کی یاد ایسی ہی ہے۔ اگرچہ تو اس ذات تک نہیں پہنچتا اس کی یاد بڑا اثر کرتی ہے۔ اور تجھے اس کی یاد سے بہت بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ مگر وہ پسند خیر ہی کو کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے کہا ہے:

کنت کنزاً مخفیاً فاحببتُ بان اعرف.

میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ مگر میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ امر اور نہی کا ارادہ رکھتا ہے اور "امر" صحیح طور پر وقوع پذیر نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ ماموروہ کام کرنے کو مکروہ جانے، جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ بھوکے آدمی کو یہ نہیں کہا جاتا کہ مٹھائی اور شکر کھالو اور اگر ایسا کہا جائے تو اس کا نام "امر" نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا نام تو "کرم" ہوگا۔ اسی طرح جس چیز سے انسان کو پہلے ہی بے رغبتی ہو، اس سے نہی وقوع نہیں ہوتی۔ یہ درست نہیں کہ کسی سے کہا جائے تو پتھر نہ کھا۔ تو کانٹے نہ کھا اور ایسا کہا جائے تو اس کا نام نہی نہیں ہوگا۔ اس لیے امر بالخیر اور نہی عن الشر صحیح معنوں میں اس وقت وقوع پذیر ہوگی، جب کوئی شخص شر کی طرف راغب ہو اور فعل شر کی رغبت اور فعل خیر سے بے رغبتی رکھنے والا ہو۔ لیکن شر کو پسند نہ کرتا ہو۔ مگر اس کا ایسا ظاہر کرنا محض اس ارادہ سے ہو کہ وہ متکلم کو اس کی جہالت کی وجہ سے امر بالخیر اور نہی عن الشر کا سبق پڑھانا چاہتا ہے کیونکہ سبق دینا اس صورت میں ممکن ہے کہ متعلم جاہل ہو۔ اور کسی چیز کے متعلق ارادہ کرنے سے مراد اس چیز کے لوازم کا ارادہ کرنا ہے لیکن ارادہ کرنے والا اس کی جہالت کو پسند نہیں کرے گا۔ اسی طرح طبیب لوگوں کے مرض کا ارادہ کرے گا جبکہ وہ

Marfat.com

تشخیص اور علاج کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرے۔ مگر علاج اور مرض کی تشخیص اسی وقت ممکن ہے جبکہ لوگ بیمار ہوں لیکن وہ ان کے مرض کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک نانبائی لوگوں کی بھوک کا ارادہ رکھتا ہے، محض اپنے کسب اور حصول معاش کے لیے۔ لیکن ان کی بھوک کو پسند نہیں کرے گا۔ وہ اسے پسند کرتا ہے محض اپنی روٹی فروخت کرنے کے لیے، اور اسی طرح امرا اور بڑے بڑے لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے بادشاہ کا کوئی نہ کوئی مخالف اور دشمن ضرور ہو، تاکہ وہ اپنی بہادری اور بادشاہ سے اپنی محبت کا اظہار کرسکیں اور بادشاہ بھی انہیں اس لیے جمع نہیں کرتا کہ اسے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ بادشاہ کے مخالف کو پسند نہیں کرتے۔ وہ اسے محض اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اس سے جنگ کریں اور اسی طرح انسان اپنے دل میں خواہشاتِ شر کا ارادہ رکھتا ہے کیونکہ وہ یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ شاکر، مطیع، متقی ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کے دل میں شکر، اطاعت اور تقویٰ کو ترک کرنے کی خواہشات موجود ہوں اور ہر چیز کے متعلق ارادہ دراصل اس چیز کے لوازمات کے متعلق ارادہ ہے لیکن انسان ان لوازمات کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ مجاہدہ کرنے والا ہے کہ ایسی اشیا (خواہشاتِ بد) کا اس کے نفس سے ازالہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا شر کے متعلق ارادہ رکھنا کسی ایک وجہ سے ہے، اور شر کے متعلق ارادہ نہ رکھنا بھی کسی دوسری وجہ سے ہے اور مخالف کہتا ہے کہ اگر وہ شر کا ارادہ نہیں رکھتا تو اس کی کوئی ایک خاص وجہ ہے جس سے اس کا کسی چیز کے متعلق ارادہ رکھنا ہی محال ہو جاتا ہے اور جب انسان اس چیز کے لوازم اور اس منکر نفس کے امر و نہی کے لوازم کا ارادہ رکھے گا جو شر سے رغبت رکھنے والا اور خیر سے طبعًا متنفر ہے اور چونکہ دنیا کی تمام برائیاں اس نفس کے لوازم ہیں تو وہ ان برائیوں کا ارادہ نہیں رکھے گا اور نفس کا مرید نہیں ہوگا اور جب وہ نفس کا مرید نہ ہوگا تو وہ نفس کے لوازم امر و نہی کا ارادہ بھی نہ رکھے گا اور نہ انہیں پسند ہی کرے گا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ شر دوسروں کی نسبت شر ہوتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ جب وہ ہر خیر کا ارادہ رکھنے والا ہو اور خیرات سے برائیاں دور ہو جاتی ہیں تو وہ دفعِ شر کا ارادہ رکھنے والا ہوا اور ایمان کفر کے بعد ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے ایمان کفر کے لوازم میں سے ہے۔ مختصر یہ کہ شر کا ارادہ ایک قبیح چیز ہے جبکہ وہ عین شر کے لیے ہو لیکن اس کا ارادہ غیر شر کے لیے ہو تو وہ قبیح چیز نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (سورۃ بقر: ۱۷۹)

قتل کے بدلے میں قتل کرنے سے تمہاری زندگی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قصاص بری چیز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بنیاد کو گرانے کے مترادف ہے لیکن یہ ایک جزوی شر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو قتل سے بچانا خیر کلّی ہے اور شر جزوی کا ارادہ ترک کر کے شر کلّی پر رضا مند ہوتا تو قبیح ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ماں بچے کو جھڑکنے کا ارادہ نہیں رکھتی کیونکہ وہ شر جزوی ہی کو دیکھ رہی ہوتی ہے اور باپ اسے جھڑکنے کا ارادہ رکھتا ہے کیونکہ جزوِ آ کلہ (شر) کو قطع کرنے کی خاطر باپ کی نظر شرِ کلّی پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا، سخت سزا دینے والا ہے۔ پس کیا وہ ارادہ رکھتا ہے

Marfat.com

یا نہیں کہ اس پر یہ تمام گناہ صادق آئیں تو اس صورت میں ابتلا ضروری ہوا اور وہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا نہ ہوگا مگر گناہوں کے وجود کے بعد اور کسی چیز کے متعلق ارادہ گویا اس چیز کے لازم کے متعلق ارادہ ہوتا ہے اور اس طرح معافی، صلح اور اصلاح کے حکم کی صورت میں یہ امر جبھی مفید ہوگا کہ خصومت کا وجود ہو۔ اس کی مثال ہی ہے جو صدر الاسلام نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسب اور تحصیل مال کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (سورۂ بقرہ: ۱۹۵)

اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔

اور مال کا خرچ کرنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ مال موجود ہو۔ گویا کہ اس نے تحصیل مال کا حکم صادر فرما دیا اور جو شخص کسی دوسرے آدمی سے کہے ''اٹھ نماز پڑھ'' اس نے کیا، اسے وضو کرنے، پانی حاصل کرنے غرضیکہ اس کے تمام لوازمات کے متعلق حکم دیا۔

☆☆☆

شکر بجا لانا گویا نعمتوں کو شکار کر لینا اور انہیں اپنے قبضے میں کر لینا ہے۔ جب شکر کی آواز سنائی دیتی ہے تو مزید نعمت کی تیاری ہونے لگتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب جانتا ہے تو وہ اسے ابتلا میں ڈال دیتا ہے۔ اگر وہ بندہ صبر کرے تو اسے برگزیدہ بنا لیتا ہے اور اگر وہ شکر کرے تو اسے چن لیتا ہے۔ بعض لوگ اللہ کا شکر اس کے قہر کی وجہ سے کرتے ہیں اور بعض اس کے لطف اور مہربانی کی بنا پر اس کا شکریہ بجا لاتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ ہی اچھے ہیں کیونکہ شکر ایک تریاق ہے جو قہر کو لطف سے بدل دیتا ہے۔ کامل عاقل وہی ہوتا ہے جو جفا پر بھی حضور وخفا میں شکر بجا لائے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ برگزیدہ کر لیتا ہے۔ اگر اس کی مراد حصولِ دوزخ ہو تو شکوہ کے ساتھ اس کا مقصود جلدی حاصل ہوگا کیونکہ ظاہری شکوہ سے باطنی شکوہ کی تنقیص ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں ضحوک وقتول ہوں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گنہگار کے سامنے میرا ہنسنا اس کا قتل ہے اور ہنسنے سے مراد شکوہ کی بجائے شکر کرنا ہے۔ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک کا ہمسایہ تھا۔ یہودی اوپر کی منزل میں رہتا تھا اور صحابی مکان کے نچلے حصہ میں تھا۔ یہودی اوپر سے ناپاک پانی اور بچوں کا پیشاب اور پاخانہ اور کپڑوں کی دھلائی کا پانی نیچے پھینکتا تھا۔ صحابی خود اس یہودی کا شکریہ ادا کرتا اور اپنے اہل وعیال کو بھی شکریہ ادا کرنے کا حکم دیتا۔ اس حالت میں آٹھ برس گزر گئے۔ یہاں تک کہ صحابی وفات پا گیا اور یہودی اس کی تعزیت کے لیے اس کے گھر گیا۔ اس نے بالا خانہ کی موری میں سے وہ نجاستیں خارج ہوتی دیکھیں، تو اسے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں کیا ہوتا رہا تھا۔ وہ سخت شرمندہ ہوا اور صحابی کی بیوی سے کہا بہت افسوس ہے تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ بلکہ تم ہمیشہ میرا شکریہ ادا کرتے رہے۔ اس نے جواب دیا وہ ہمیں حکم دیا کرتا تھا کہ ہم شکریہ ادا کریں اور ہمیں ہدایت کرتا تھا کہ ہم ترکِ شکریہ نہ کریں۔ اس پر یہودی ایمان لے آیا۔

Marfat.com

نیکوں کا ذکر نیکی پر ابھارتا ہے جس طرح مطرب کا گانا شراب پینے پر ابھارتا ہے۔

شکر پستانِ نعمت کو چوسنا ہے۔ پستان اگرچہ بھرے ہوئے ہوں، جب تک تو چوسے نہیں دودھ نہیں آتا۔

☆☆☆

ایک شخص امامت کر رہا تھا۔ اس نے پڑھا:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا (سورۂ توبہ: ۹۷)

عرب کے دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بڑے ہی سخت ہیں۔

شاید رؤسائے عرب میں سے ایک رئیس موجود تھا۔ اس نے اسے ایک بھرپور تھپڑ مارا۔ دوسری رکعت میں اس نے پڑھا:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورۂ توبہ: ۹۸)

عرب کے دیہاتیوں میں سے ایسے ہیں جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس عرب نے کہا:

الصفعُ اصلحک.

تھپڑ نے تجھے درست کر دیا۔

ہم ہر وقت غیب سے تھپڑ کھاتے ہیں اور جو کچھ پیش آتا ہے اس کو تھپڑ ہی سے دور کر دیا جاتا ہے۔ پھر دوسری چیز پیش آتی ہے اور پھر یہی ہوتا ہے۔

قیل ما طاقة لنا هو الخسف والقذف وقیل وطع الوصال مالا طاقة لنا به

کا مطلب زمین میں دھنسنا اور پتھراؤ کا ہونا بیان کیا جاتا ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ جوڑ جوڑ کاٹ ڈالنا وصال کا سلسلہ ٹوٹ جانے سے زیادہ آسان ہے۔

جیسے کوئی شخص کھانا کھاتا ہے تو وہ اس کے معدے میں جا کر ترشہ بن جاتا ہے۔ وہ اسے قے کر دیتا ہے۔ اگر وہ کھانا گڑبڑ نہ کرتا اور قے نہ ہوتی تو اسے آدمی کا جزوِ بدن بنانا مقصد ہوتا۔ اب مرید بھی خوشامد اور خدمت کرتا ہے تاکہ شیخ کے دل میں اس کے لیے گنجائش پیدا ہو۔ خدا کی پناہ! مرید سے کوئی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جو شیخ کو پسند نہیں آتی اور وہ اسے دل سے اتار دیتا ہے۔ یہ اس کھانے کی طرح ہے جسے کسی نے کھایا اور قے کر دیا۔ اس کھانے کو آدمی کا جزوِ بدن بنانا مقصود تھا۔ مگر گڑبڑ کی وجہ سے قے کر دی اور اسے باہر پھینک دیا۔ وہ مرید بھی مرورِ زمانہ سے شیخ بنا چاہتا تھا۔ اس کی ناپسندیدہ حرکت کی بنا پر اسے شیخ نے اپنے دل سے نکال پھینکا۔

؎ تیرے عشق نے دنیا بھر میں تیری منادی کر دی۔ یہاں تک کہ اس نے دلوں کو شور و شر میں

Marfat.com

مبتلا کر دیا۔

اس کے بعد اس نے سب کو جلایا اور راکھ کر دیا۔ پھر انہیں لایا اور بے نیازی کی ہوا کے سپرد کر دیا۔

بے نیازی کی اس ہوا میں ان کے دلوں کی خاکستر کے ذرے رقص کرتے ہیں اور نعرے مارتے ہیں اور اگر وہ ایسے نہیں ہیں تو یہ خبر کون لاتا ہے اور اس خبر کو کون ہر وقت تازہ کرتا ہے اور اگر دل اس جلنے میں اور برباد ہونے میں اپنی زندگی نہیں دیکھتے تو وہ ان دلوں کے جلنے کی طرف اتنی رغبت کیسے کرتے ہیں جو دنیا کی خواہشات میں جل کر خاکستر ہو گئے ہیں۔ کیا تو ان کی کوئی آواز سنتا ہے اور ان کی رونق دیکھتا ہے؟

مجھے یقین ہے اور اسراف میری فطرت میں نہیں کہ جو میری روزی ہے وہ مجھے پہنچ کر رہے گی۔

میں اس کے لیے کوشش کرتا ہوں اور اس کی جستجو مجھے مشقت میں ڈالتی ہے۔ اگر میں بیٹھ جاؤں تو وہ بلا مشقت میرے پاس آئے گی۔

☆☆☆

کیا ہم آدمی کی حالت یک بیک سمجھ لیتے ہیں اور اس کا مزاج اور طبعیت اور گرمی اور سردی ذرہ بھر ہم سے مخفی نہیں رہتے۔ کچھ معلوم نہ ہوا کہ اس میں جو باقی رہ جاتا ہے وہ کیا ہے۔ فرمایا اگر اس کا سمجھنا صرف بات ہی پر منحصر ہوتا تو کوئی شخص قسم قسم کی کوشش اور مجاہدہ کا محتاج نہ ہوتا اور کوئی شخص اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالتا اور اپنے آپ کو فدا نہ کرتا۔ مثلاً کوئی شخص سمندر پر آئے تو اسے کھاری پانی، مگرمچھ اور مچھلیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ پوچھتا ہے موتی کہاں ہے؟ شاید یہاں موتی نہیں ہے۔ محض سمندر کو دیکھنے سے موتی کیسے حاصل ہو؟ اب اگر کوئی شخص دریا کا طاس ہزار مرتبہ بھی ناپ ڈالے تو موتی اسے نہیں ملے گا۔ اس کے لیے غوطہ خور ہونا چاہیے۔ تاکہ موتی نکال سکے اور پھر ہر غوطہ خور بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ صرف وہ غوطہ خور موتی نکالتا ہے جو نیک بخت اور چالاک ہو۔ یہ علوم اور ہنر دریا کے طاس میں پانی ناپنے کے مترادف ہیں۔ موتی حاصل کرنے کا طریقہ جدا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو تمام ہنروں سے آراستہ ہوتے ہیں اور صاحب جمال ہوتے ہیں۔ مگر ان میں وہ معنی نہیں ہوتا اور کئی لوگ جن کا ظاہر خراب ہوتا ہے۔ حسنِ صورت، فصاحت اور بلاغت ان میں نہیں ہوتی۔ مگر وہ معنی جسے بقا حاصل ہے ان میں ہوتا ہے اور یہ وہ جوہر ہے جس سے آدمی تمام مخلوق پر شرف رکھتا ہے اور مکرم ٹھہرتا ہے اور تمام مخلوقات پر فوقیت رکھتا ہے۔ چیتے، مگرمچھ، شیر اور دوسری مخلوق میں ہنر ہوتے ہیں اور خصوصیتیں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ معنی جو باقی رہنے والا ہے، ان میں نہیں ہے۔ اگر آدمی ان معنوں میں راہ پر چلے تو وہ فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ مگر اس سے اسے اس فضیلت کا کچھ حصہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ سب ہنر اور آرائش ایسے ہیں جیسے موتی کو آئینے کی پشت پر رکھ دیا جائے۔ آئینے کو اس کی ضرورت نہیں، اسے صفائی چاہیے۔ جس شخص کا چہرہ بدصورت ہو وہ لالچ سے آئینے کی پشت کی طرف دیکھتا ہے کیونکہ آئینہ غماز ہے اس کی زشت روئی کا اور جو شخص خوبصورت ہے وہ سو جان سے آئینہ طلب کرتا ہے

Marfat.com

کیونکہ آئینہ اس کے حسن کا مظہر ہے۔

یوسفؑ مصری کا ایک دوست سفر سے واپس آیا۔ پوچھا میرے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ جواب دیا کون سی چیز ہے جو تیرے پاس نہیں ہے اور تو اس کا محتاج ہے؟ البتہ اس لیے کہ تجھ سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں ہے میں تیرے لیے ایک آئینہ لایا ہوں تا کہ تو ہر لحظہ اس میں اپنا چہرہ دیکھتا رہے۔ کون سی چیز ہے جو خداوند تعالیٰ کے پاس نہیں اور جس کی اسے احتیاج ہے۔ خدا کے سامنے روشن دل لے جانا چاہیے تا کہ اس میں وہ اپنا چہرہ دیکھے۔

ان اللہ لا ینظر الی صور کم ولا الی اعمال کم وانما ینظر الی قلو بکم.

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا۔ وہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔

یہ ایسا شعر ہے جو تجھے بلا ارادہ مل گیا لیکن اچھے لوگ ہی اس سے پرہیز کرتے ہیں۔

ایک شہر ہے کہ جس میں تو چاہے مل جاتا ہے۔ خوبصورت چہروں والے معشوق، لذتیں، وہ چیزیں طبیعت کو جس کی اشتہا رہتی ہے، آرائش کے سامان لیکن اس میں تو ایک عقلمند آدمی نہیں پائے گا۔ کاش کہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔ وہ شہر آدمی کا وجود ہے۔ اگر اس میں سو ہزار ہنر ہوں اور یہ بات نہ ہو تو اس شہر کا برباد ہو جانا ہی بہتر ہے اور اگر وہ بات ہے مگر ظاہری آرائش نہیں ہے۔ اس صورت میں چاہیے کہ شہر آباد رہے۔ آدمی جس حالت میں بھی ہو اس کا دل خدا میں مشغول ہوتا ہے اور اس کے وہ ظاہری اشغال اس کے باطن میں مشغول ہونے کے مانع نہیں ہیں۔ یہ ایسا ہے کہ ایک حاملہ عورت خواہ کسی حالت میں ہو۔ وہ صلح میں، جنگ میں، کھانے میں یا سونے میں مصروف ہو اس کے پیٹ میں بچہ بڑھتا رہتا ہے اور قوت وحواس حاصل کرتا جاتا ہے۔ لیکن ماں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ آدمی بھی اس ستر کا حامل ہے اور

حَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (سورۂ احزاب:۷۲)

انسان نے (وہ بوجھ جس کے اٹھانے سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا) اسے اٹھا لیا۔ بیشک وہ اپنے حق میں ظالم اور جاہل تھا۔

بے شک خداوند تعالیٰ اسے ظلم اور جہالت میں نہیں چھوڑتا۔ آدمی کی شکل وصورت پر گمان کرتے ہوئے رفاقت، موافقت اور ہزار آشنائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ سِر جس کا انسان حامل ہے کچھ تعجب نہیں کہ اس سے کئی دوست اور آشنا پیدا ہوں تا کہ ان کی موت کے بعد اس سے کچھ کا کچھ ہو جائے۔ سِر کو چاہیے کہ وہ آباد ہو اس لیے کہ سِر درخت کی جڑ کی طرح ہے اگرچہ جڑ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا اثر شاخسار پر نمایاں ہوتا ہے۔ اگر شاخ ٹوٹ جائے تو جڑ چونکہ مستحکم ہے۔ وہ دوبارہ اُگ آتی ہے۔ ہاں جڑ میں خلل آ جائے تو نہ شاخ باقی رہتی ہے اور نہ پتے۔

Marfat.com

خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

اسلام علیک ایھا النبی.

اے نبی تجھ پر سلام۔

یعنی کہ تجھ پر اور ہر کسی پر جو تیری جنس سے ہے، سلامتی ہو اور اگر خداوند تعالیٰ کی غرض یہ نہ ہوتی تو مصطفیٰؐ مخالفت نہ کرتے اور نہ فرماتے کہ

علینا و علی عباد اللہ الصالحین.

ہم پر اور اللہ کے صالح بندوں پر سلام۔

اس لیے کہ اگر سلام مخصوص ہوتا تو اس پر صالح بندوں کا اضافہ نہ کرتے۔ یعنی جو سلام تو نے مجھ پر بھیجا وہ مجھ پر اور میری جنس پر، جو صالح بندے ہیں، ہوا اسی طرح۔ مصطفیٰ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے فرمایا اس وضو کے بغیر نماز صحیح نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ کسی کی نماز صحیح نہیں۔ کیونکہ صحت نماز کے لیے حضورؐ کا وضو شرط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس قسم کا وضو نہیں کرتا اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اسی طرح کہہ دیتے ہیں کہ یہ تختہ گلنار ہے۔ اس کے کیا معنی؟ یعنی کہ گلنار صرف یہی ہے؟ نہیں۔ بلکہ یہ کہ تختہ گلنار کی قسم میں سے ہے۔

ایک دہقان شہر میں آیا اور ایک شہری کا مہمان ہوا۔ شہری اس کے لیے حلوا لایا۔ دہقان بھوکا تھا، خوب کھایا۔ بولا اے شہری! میں نے رات دن گاجر کھانا سیکھا تھا۔ اس گھڑی میں نے حلوے کا لقمہ کھایا تو گاجر کا مزا نظر سے گر گیا۔ وہاں مجھے حلوا نہیں ملا کرے گا اور جو کچھ مجھے میسر تھا، اس سے میرا دل سرد ہو گیا۔ کیا علاج کروں! دہقان نے جب ایک دفعہ حلوا چکھ لیا تو شہر میں ہی رہ پڑا۔ اس لیے کہ شہری نے اس کا دل موہ لیا تھا۔ ناچار اس نے دل کی پیروی کی۔

بعض لوگ ہیں کہ جب وہ سلام کرتے ہیں تو ان کے سلام سے دھوئیں کی بو آتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ وہ سلام کرتے ہیں تو اس سے بوئے مشک آتی ہے۔ یہ جسے ملیں اس کے مشام ہونے چاہئیں۔ دوست کا امتحان کرنا چاہیے تاکہ بعد میں پشیمانی نہ ہو۔ خدا کی سنت یہ ہے:

اَبْتَدِ بنفسک.

اپنے نفس (کی اصلاح) سے ابتدا کر

نفس بھی اگر بندگی کا دعویٰ کرے تو اس کا امتحان لیے بغیر اس کا دعویٰ تسلیم نہ کر۔ وضو کرتے وقت ناک میں پانی ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد چکھتے ہیں۔ صرف دیکھنے پر ہی قناعت نہیں کرتے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ ظاہرا طور پر پانی ٹھیک ہو مگر اس کی لذت اور بو متغیر ہو گئی ہو۔ یہ امتحان ہے پانی کی صحت کا۔ اس امتحان کے بعد پانی منہ پر ڈالتے ہیں۔ تیرے دل میں جو نیک اور بد چھپا ہوا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے

Marfat.com

اسے تیری صورت پر نمایاں کر دیتا ہے۔ درخت کی جڑ چھپ کر جو کچھ کھاتی ہے اس کا اثر شاخوں اور پتوں پر نمایاں ہو جاتا ہے:

سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سورۂ فتح:۲۹)

ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے نشان سے گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔

اور خداوند تعالیٰ کا قول ہے:

سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ (سورۂ قلم:۱۶)

ہم اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔

اگر ہر کسی کو تیرے چہرہ ہی سے تیرے ضمیر کا پتہ نہیں لگ جاتا تو اپنے چہرے کے رنگ کو کیا کرے گا۔

☆☆☆

ایک آدمی نے کہا کہ عاشق کو ذلیل و خوار اور متحمل ہونا چاہیے، اور اس کے یہی اوصاف شمار ہوتے ہیں۔ فرمایا عاشق کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ خواہ اسے معشوق چاہے یا نہ چاہے۔ اگر وہ معشوق کی مراد کے خلاف ہے تو وہ عاشق نہیں ہے۔ وہ اپنی مراد کے پیچھے ہے۔ اور اگر وہ معشوق کی مراد چاہتا ہے اور معشوق نہ چاہے کہ وہ ذلیل و خوار ہو تو وہ کیونکر ذلیل و خوار ہوگا؟ پس معلوم ہوا کہ عاشق کی حالت معلوم نہیں ہوتی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا معشوق اس کے لیے کیا چاہتا ہے۔ عیسیٰؑ نے فرمایا کہ:

عجبت من الحیوان کیف یا کل الحیوان

مجھے حیوان پر تعجب آتا ہے کہ وہ حیوان کو کیسے کھالیتا ہے!

اہلِ ظاہر کہتے ہیں کہ آدمی حیوان کا گوشت کھاتا ہے اور یہ دونوں حیوان ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ آدمی گوشت کھاتا ہے اور گوشت حیوان نہیں ہے، جمادات ہے۔ جب حیوان کو مار دیا گیا تو اس میں حیوانیت نہ رہی۔ البتہ اس سے غرض یہ ہے کہ شیخ مرید کو نگل جائے۔ یہ ایک بے مثال کی بات ہے۔ ایسی عجیب کام پر مجھے تعجب ہے۔

☆☆☆

اس شعر کے معنی پوچھے گئے۔

اے برادر تو ہماں اندیشۂ
ما بقی تو استخوان و ریشۂ

فرمایا تو اس معنی پر نظر کر کہ سب اندیشے اس مخصوص فکر کا اشارہ ہیں اور ہم نے اس کو وسعت کی خاطر تعبیر کیا ہے۔ ورنہ درحقیقت وہ اندیشہ نہیں ہے۔ لفظ ''اندیشہ'' سے ہماری مراد یہ معنی تھا اور اگر کوئی شخص عوام کو

Marfat.com

سمجھانے کے لیے اس معنی کی تاویل کرنی چاہے تو کہہ دے:

الانسان حیوان ناطق.

انسان حیوان ناطق ہے۔

اور نطق اندیشہ ہے۔ خواہ وہ چھپا ہوا اور خواہ ظاہر ہو اور اس کے بغیر وہ حیوان ہوتا ہے۔ پس یہ صحیح ہے کہ انسان عبارت ہے اندیشہ سے، باقی ہڈی اور پٹھا ہے۔ کلام آفتاب کی طرح ہے۔ تمام انسان اس سے گرم اور زندہ ہیں اور آفتاب دائمی ہے اور موجود ہے اور حاضر ہے اور سب اس سے ہمیشہ گرم ہیں۔ لیکن جب لفظ اور عبارت کے ذریعہ سے شکریہ ادا کیا جائے، شکایت کی جائے، یا خیر اور شر کا اظہار کیا جائے تو آفتاب نظر آ جاتا ہے۔ جس طرح آفتاب فلکی ہے کہ ہمیشہ روشن ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ جب تک اس کی شعاع دیوار کو روشن نہیں کر دیتی۔ اسی طرح جب تک حرف اور آواز کا ذریعہ نہ ہو، آفتابِ سخن کی شعاع پیدا نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ دائماً موجود ہے۔ اس لیے کہ آفتاب لطیف ہے۔

ھوا لطیف.

وہ لطیف ہے۔

کثافت چاہیے تاکہ اس کثافت کے ذریعہ سے وہ نظر آئے اور ظاہر ہو۔ ایک شخص نے کہا۔ خدا نے اسے کوئی معنی نہیں دکھائے اور خیرہ اور افسردہ رہا۔ جیسا کہتے ہیں خدا نے ایسا کیا اور ایسے فرمایا اور یوں منع کیا، گرم ہوا اور دیکھا۔ پس لطافتِ حق اگرچہ موجود تھی اور اس پر تاباں ہوئی مگر نظر نہ آئی۔ جب تک اس کے امر، نہی، خلق، قدرت سے اس کی شرح نہ کریں، اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ بعض لوگ ہیں جن کے پاس ضعف کی وجہ سے شہد کی طاقت نہیں، تاکہ اس کے ریعہ کھانا مثلاً زردہ، حلوہ وغیرہ کھا سکیں، تاکہ قوت ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ شہد کو بلا واسطہ کھا سکیں۔ پس ہم نے سمجھ لیا کہ نطق ایک آفتاب ہے جو لطیف ہے اور ہمیشہ روشن ہے۔ اس کی روشنی کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ البتہ تو کثیف ذریعہ کا محتاج ہے، تاکہ آفتاب کی شعاع کو دیکھ سکے اور اس کا مزا اٹھا سکے۔ جب تو اس مقام پر پہنچ جائے کہ لطفات کو کثافت کے بغیر دیکھ لے اور تو اس کا عادی ہو جائے اور اس کے دیکھنے میں دلیر ہو جائے اور تُو قوت پکڑ لے، تو اس وقت تو اس دریا کے عین درمیان میں ہوگا اور عجیب رنگ اور عجیب تماشے دیکھے گا۔ اور تجھے تعجب ہوگا کہ وہ نطق تجھ میں ہمیشہ کے لیے ہے، خواہ تو بولے اور خواہ نہ بولے اور اگرچہ تیرے اندیشہ میں بھی نطق نہ ہو۔ اس گھڑی ہم کہتے ہیں کہ نطق ہمیشہ کے لیے ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں:

"الانسان حیوان ناطق".

یہ حیوانیت تجھ میں دائمی ہے۔ جب تک زندہ حیوانیت تجھ میں ہے، اسی طرح لازم آتا ہے کہ نطق بھی تیرے ساتھ دائمی ہو۔ اسی طرح چبانا ظہور انسانیت کا موجب ہے۔ انسانیت کی شرط نہیں۔ پھر اسی طرح بات

Marfat.com

کرنا اور شور مچانا نطق کا موجب ہے۔ نطق کی شرط نہیں۔

☆☆☆

جو شخص ہمیں نیکی سے یاد کرتا ہے، دنیا میں اس کی یاد نیکی کے ساتھ رہے!

اگر کوئی شخص کسی کے حق میں نیک بات کہتا ہے تو خیر اور نیکی اسی پر لوٹ کر آتی ہے اور درحقیقت وہ مدح اور تعریف اپنے لیے ہی کرتا ہے۔ اس کی نظیر یوں ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر میں پھول اور سبزہ بیجے۔ ہر بار جب وہ نظر اٹھائے گا گل و ریحان دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ بہشت میں ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے لوگوں کو نیکی سے یاد کرنے کی عادت ہو جائے۔ جب کوئی شخص کسی کی بھلائی میں مصروف ہوا تو وہ اس کا محبوب بن گیا اور جب اسے اس کی یاد آئی تو اس نے محبوب کو یاد کیا اور محبوب کو یاد میں لانا گل و گلستان ہے اور روح و راحت ہے اور جب کسی نے دوسرے کی برائی کی تو وہ اس کی نظر میں مبغوض ہوا۔ جب وہ اس کو یاد کرتا ہے اور اس کا خیال سامنے لاتا ہے تو ایسا ہے گویا سانپ، یا بچھو یا خار و خاک اس کی نظر کے سامنے آگئے۔ اب جبکہ تُو رات دن گل و گلستان اور ارضِ ارم دیکھ سکتا ہے تو خارستان اور مارستان میں کیوں سرگرداں ہے؟ سب سے دوستی رکھ تاکہ ہمیشہ گل و گلستان میں رہے۔ جب تو سب سے دشمنی رکھتا ہے تو دشمنوں کا خیال نظر میں رہتا ہے۔ یہ ایسا ہے کہ تُو رات دن خارستان اور مارستان میں سرگرداں رہتا ہے۔ پس اولیاء جو سب سے دوستی رکھتے ہیں اور سب میں اچھائی دیکھتے ہیں، وہ کسی غیر کے لیے نہیں کرتے۔ وہ یہ کام خود اپنے لیے کرتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کوئی مکروہ اور مبغوض خیال ان کی نظر میں آئے۔ جب اس دنیا میں دوسرے لوگوں کا ذکر اور خیال آنا ناگزیر ہے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی یاد اور ان کے ذکر میں محبوب اور مطلوب بات ہی آئے تاکہ کراہت مبغوض ان کے راستہ کو مشوش نہ کر دے۔ پس تو خلقت کے لیے جو کچھ کرتا ہے اور خلقت کا ذکر کرتا ہے، اس کا خیر اور شر تیری ہی طرف لوٹتا ہے۔ اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (جاثیہ:۱۵)

جس نے نیک عمل کیا اس نے اپنے لیے کیا، اور جس نے بدی کی اس نے بھی اپنے ہی حق میں کی۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ (زلزال:۷)

جس نے رائی کے دانہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔ جس نے رائی کے دانہ کے برابر بدی کی ہے وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

☆☆☆

فرمایا کہ تیرا دل خوش ہے، اور یہ کیسے ہے؟ اس لیے کہ تیرا عزیز دل دام کی طرح ہے۔ دام کے لیے ضروری ہے کہ وہ درست ہو تاکہ شکار کو پکڑے۔ اگر طبیعت ناخوش ہو تو دام پھٹا ہوا ہے، وہ کام کا نہیں۔ پس چاہیے کہ کسی سے دوستی میں افراط نہ ہو اور نہ دشمنی میں افراط ہو۔ کیونکہ ان دونوں سے دام پھٹ جاتا ہے۔

Marfat.com

میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ یہ دوستی جس کی افراط نہیں ہونی چاہیے۔ ماسوا سے دوستی ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ کے بارے میں کوئی افراط صورت پذیر نہیں ہوتی۔ اس جہت میں محبت جتنی زیادہ اچھی ہے۔ اس لیے کہ ماسوا سے محبت جب افراط اختیار کرتی ہے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خلقت گردش کرنے والے آسمان کے تابع ہے اور گھومنے والا آسمان پھرتا رہتا ہے اور خلقت کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ پس جب کسی سے دوستی میں افرط ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ اس کے لیے نیکی اور بڑائی چاہتا ہے اور یہ دشوار ہے۔ پس طبیعت مشوش ہو جاتی ہے اور جب دشمنی افراط میں ہوتی ہے تو ہمیشہ اس کی بدبختی اور نکبت چاہتا ہے، اور گھومنے والا آسمان گردش کرتا ہے اور اس کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت یہ حالات مسعود ہوتے ہیں اور کسی وقت منحوس۔ یہ کہ وہ ہمیشہ منحوس رہیں ایسا نہیں ہوتا۔ پس طبیعت مشوش ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ سے محبت تمام دنیا میں اور تمام خلق میں آتش پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور جملہ موجودات سے چھپی ہوئی ہے۔ کوئی اپنے موجد کو اس طرح دوست نہیں رکھتا۔ اس میں دوستی چھپی ہوئی ہے۔ موانع اسے حجاب میں رکھتے ہیں۔ جب موانع اٹھ جاتے ہیں تو محبت ظاہر ہو جاتی ہے۔ موجودات کا تو کیا کہنا۔ عدم بھی اس توقع پر جوش میں رہتا ہے کہ اسے عدم سے موجود کیا جائے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ چار آدمی ایک بادشاہ کے حضور میں صف باندھے کھڑے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے اور انتظار میں ہے کہ بادشاہ منصب کو اس سے مخصوص کردے۔ اور ان میں سے ہر آدمی دوسرے سے شرمندہ ہے کیونکہ اس کی توقع دوسرے کے منافی ہے۔ پس عدم صف بستہ خدا کے حضور میں کھڑے ہیں کہ ہمیں ہست کیجیے اور خدا سے اپنے ایجاد کا سبق پڑھتے ہیں۔ پس وہ ایک دوسرے سے شرمندہ ہیں۔ اب جبکہ عدم کی یہ حالت ہے تو موجودات کی کیا کیفیت ہوگی۔

وان من شیءٍ الا یسبّح بحمدہٖ.
ہر شے خدا کی تسبیح اور حمد کرتی ہے۔
اس میں تعجب نہیں۔ تعجب اس میں ہے کہ
وان من شیءٍ الا یسبّح بحمدہٖ.
ہر شے خدا کی تسبیح اور حمد کرتی ہے۔

☆☆☆

ایک معشوقہ رقاصہ نے خلیفہ کے سامنے چارتارہ بجایا۔ خلیفہ نے کہا:
اے عورت تیرے ہاتھ میں تیرا ہنر ہے۔ عورت نے کہا، میرے پاؤں میں ہے اے خلیفہ!

ہمارے ہاتھوں میں خوشی اس لیے ہے کہ اس میں پاؤں کی خوشی مضمر ہے۔ پس اگرچہ مزید تفصیل کے ساتھ آخرت کو یاد نہیں کرتا۔ لیکن شیخ کو دیکھنے اور فراق شیخ سے ڈرنے میں اسے جو لذت آتی ہے، یہ اس

Marfat.com

ساری تفصیل کی ضامن ہے۔ اور وہ سب اس میں مضمر ہے۔ جیسے کوئی بیٹے کو یا بھائی کو نوازتا ہے، اور دوست رکھتا ہے تو اگرچہ فرزندی، اخوت، امید، وفا، رحم وشفقت اور محبت اور دوسرے نفع جن کی امید خویش واقارب کو ایک دوسرے سے ہوتی ہے، اس کے خیال میں نہیں آتے۔ لیکن یہ سب تفصیل ان کے باہمی تعلق میں مضمر ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے لکڑی میں ہوا مضمر ہے، لکڑی خواہ مٹی میں ہو یا پانی میں۔ کیونکہ اگر اس میں ہوا نہ ہو تو آگ کو اس سے کوئی کام نہ ہو۔ اس لیے کہ ہوا آگ کا چارہ ہے اور آگ کی زندگی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ نفخ سے زندہ ہوتی ہے۔

لکڑی خواہ پانی اور مٹی ہی میں ہو، ہوا اس میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ اگر اس میں ہوا چھپی نہ ہو تو لکڑی پانی کی سطح پر نہ آئے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے تو بات کرتا ہے۔ اس بات کے لوازم کئی ہیں۔ عقل اور دماغ اور لب و دہن اور کام و زبان اور جسم کے تمام اجزاء جو اعضائے رئیسہ ہیں، اور افلاک کے ارکان و طبائع اور سو ہزار اسباب جن سے یہ دنیا قائم ہے، تاکہ تو عالم صفات تک پہنچے اور پھر اس کے بعد اس ذات تک بایں ہمہ یہ معانی بات سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے، یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ سب چیزیں سخن میں پوشیدہ ہیں۔

بہت سے لوگ ہیں جنہیں حضوری کی طاقت نہیں ہوتی۔ غیبت میں ان کا حال اچھا رہتا ہے۔ جیسے دن کی تمام روشنی آفتاب سے ہے۔ اگر کوئی آدمی سارا دن قُرصِ آفتاب ہی پر نظر رکھے تو اس سے کوئی کام نہ ہو، اور اس کی آنکھ خیرہ ہو جائے۔ اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ کسی کام میں لگا رہے اور یہ نظر سے قرصِ آفتاب کی غیبت ہے اور اسی طرح بیمار کے سامنے اچھے کھانوں کا ذکر اس کے حصولِ قوت واشتہا کے لیے ہیجان آور ہے۔ البتہ ان کھانوں کی موجودگی سے اس کا نقصان ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کی طلب میں لرزہ اور عشق چاہیے۔ جس کسی کو لرزہ نہ ہو اس پر لرزنے والوں کی خدمت کرنا واجب ہے۔ کوئی پھل درخت کے تنے پر نہیں لگتا، اس لیے کہ تنا لرزتا نہیں۔ شاخوں کے سرے لرزاں ہیں، اس لیے انہیں پھل لگتے ہیں۔ تنا شاخوں کے سروں کو تقویت دیتا ہے اور پھل کی وجہ سے وہ کلہاڑے کے زخم سے خود بھی محفوظ رہتا ہے۔ اور جب درخت کے تنے کا لرزہ کلہاڑے کی وجہ سے ہوگا تو اس کا نہ لرزنا اور سکون پذیر رہنا ہی بہتر ہے، تاکہ وہ لرزنے والوں کی خدمت کرتا رہے۔

☆☆☆

الزیادة علی الکمال نقصان.

کمال پر زیادتی نقصان ہے۔

میم کی وہ زیادتی نقصان ہے۔ جس طرح چھ انگلیاں ہیں۔ اگرچہ یہ زیادہ ہیں، مگر نقصان ہوتا ہے۔ احد کمال ہے اور احمد ابھی مقامِ کمال پر نہیں ہے۔ جب میم اٹھ جائے تو وہ بکل کمال ہو جاتا ہے، یعنی خدا سب

Marfat.com

پر محیط ہے۔ اس پر تُو جو بھی زیادتی کرے گا نقصان ہوگا۔ یہ ایک کا عدد تمام اعداد کے ساتھ ہے اور اس کے بغیر کوئی عدد ممکن نہیں ہے۔

سید برہان الدین نے ایک بڑے فائدہ کی بات فرمائی۔ ان کی بات کے درمیان ہی میں ایک بے وقوف نے کہا کہ ہمیں ایسی بات چاہیے جو بے مثال ہو۔ فرمایا تو بے مثال ہے، آ تا کہ تو بے مثال بات سنے۔ آخر تو خود بھی تو ایک مثال ہے۔ تو یہ نہیں ہے۔ یہ تیرا جسم تیرا سایہ ہے۔ جب کوئی مر جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں گزر گیا۔ اگر وہ یہ تھا تو کہاں گیا؟ پس معلوم ہوا کہ تیرا ظاہر تیرے باطن کی مثال ہے، تاکہ تیرے ظاہر سے باطن پر استدلال کریں۔ ہر چیز جو نظر آتی ہے، کثافت ہے۔ جیسے سانس گرما میں محسوس نہیں ہوتا، البتہ جب سرما ہو کثافت سے سانس نظر آتا ہے۔ نبی علیہ السلام پر واجب ہے کہ وہ قوتِ حق کا اظہار کرے اور دعوت سے تنبیہ کرے۔ البتہ اس پر واجب نہیں کہ وہ کسی کو استعداد کے مقام تک پہنچائے۔ اس لیے کہ یہ خدا کا کام ہے۔ اور خدا کی دو صفتیں ہیں: قہر اور لطف۔ انبیاء ان دونوں کے مظہر ہیں۔ جو قائل ہو جاتے ہیں، اپنے آپ کو انبیاء میں دیکھتے ہیں اور اپنی آواز اس سے سنتے ہیں۔ اور اپنی بُو اس سے پاتے ہیں۔ کوئی شخص اپنے آپ کا منکر نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے انبیاء امت سے کہتے ہیں کہ ہم تم ہیں اور تم ہم ہو۔ ہم میں بیگانگی نہیں ہے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ یہ میرا ہاتھ ہے تو اس سے کوئی گواہ نہیں مانگتے، اس لیے کہ وہ جڑا ہوا جزو ہے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ فلاں میرا بیٹا ہے، تو اس سے گواہ مانگتے ہیں، اس لیے کہ وہ جزوِ منفعل ہے۔

☆☆☆

وہ امیر آیا۔ اس نے ہمیں جمع کیا اور خود چلا گیا۔ جیسے زنبور نے شہد سے موم اکٹھی کی اور خود اڑ گئی۔ اس لیے کہ اس کا وجود شرط تھا۔ اس کی بقا شرط نہیں ہے۔ ہماری مائیں اور ہمارے باپ زنبور کی مثل ہیں کہ طالب کو مطلوب سے ملا دیتے ہیں اور عاشق اور معشوق کو اکٹھے کر دیتے ہیں اور خود اچانک پرواز کر جاتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ انہیں موم اور شہد جمع کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ یہ خود اڑ جاتے ہیں اور موم اور شہد باقی رہ جاتے ہیں اور باغبان رہ جاتا ہے۔ یہ خود باغ سے باہر نہیں جاتے۔ یہ ایسا باغ نہیں ہے، جس سے باہر جایا جاسکے۔ ہاں باغ کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں چلے جاتے ہیں۔ ہمارا جسم ایک مٹھور کی طرح ہے۔ اس میں خدا کے عشق کا موم اور شہد زنبور یعنی مائیں اور باپ اگرچہ ذریعہ ہیں، لیکن وہ تربیت بھی باغبان ہی سے پاتے ہیں۔ اور مٹھور کو باغبان بناتا ہے۔ ان زنبوروں کو خدا تعالیٰ نے دوسری صورت دی ہے۔ اس وقت جب کہ یہ کام کرتے ہیں، ان کا لباس دوسرا ہوتا ہے۔ اس کام کے مطابق جب اس عالم میں جاتے ہیں، تو لباس تبدیل کر لیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہاں انہیں دوسرا کام کرنا ہوتا ہے۔ لیکن دراصل وہ شخص وہی ہے جو پہلے تھا۔ جیسا مثلاً کوئی شخص جنگ پر جائے تو وہ جنگی لباس پہن لیتا ہے۔ ہتھیار باندھتا ہے اور خود سر پر رکھتا ہے، اس لیے کہ جنگ کا وقت ہے۔ لیکن جب وہ محفل میں آتا ہے تو اس کو باہر ہی چھوڑ آتا ہے۔

Marfat.com

کیونکہ اب وہ دوسرے کام میں مشغول ہوگا۔ لیکن شخص وہی ہوتا ہے۔ چونکہ تو نے اسے اس لباس میں دیکھا ہوگا، جب تو اسے یاد کرے گا تو وہ اسی شکل اور اسی لباس میں تیرے تصور میں آئے گا۔ خواہ اس نے سینکڑوں لباس تبدیل کر لیے ہوں۔

☆☆☆

ایک شخص کی انگوٹھی ایک جگہ گم ہوگئی۔ اگرچہ انگوٹھی کو وہاں سے چور لے گئے، وہ شخص اسی جگہ کے گرد گھومتا رہا کہ میں نے یہاں انگوٹھی گم کی ہے۔ اسی طرح صاحب تعزیت قبر کے گرد گھومتا ہے۔ وہ بے خبر ہو کر مٹی کے ڈھیر کا طواف کرتا اور اسے چومتا ہے۔ یعنی کہ وہ انگوٹھی میں نے یہیں گم کی ہے۔ اسے یہاں کیسے چھوڑ دوں! خداوند تعالیٰ نے اتنی کاریگری کی اور اظہارِ قدرت فرمایا تاکہ اس نے ایک دن دو روحوں ایک قالب میں حکمت الٰہی کے لیے ایک جگہ کر دیا۔ آدمی اگر جسم کے ساتھ لحد میں ایک لحد بھی پہنچے تو خوف یہ ہے کہ وہ دیوانہ ہو جائے۔ پس وہ کس طرح صورت کے دام اور قالب کی خندق سے کودے۔ وہاں کیسے رہے؟ خداوند تعالیٰ نے انہیں دلوں کی تخویف اور تخویف کی تجدید کے لیے ایک نشان بنایا ہے، تاکہ قبر کی وحشت اور خاکِ تیرہ سے انسان کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ جیسے راستہ میں جب قافلہ کو کسی جگہ لوٹ لیتے ہیں تو لٹنے والے نشان کے لیے دو تین پتھر اوپر تلے وہاں رکھ دیتے ہیں کہ یہ خطرہ کا مقام ہے۔ یہ قبریں بھی اسی طرح خطرہ کی جگہ کے لیے نشاناتِ محسوس ہیں۔ وہ خوف ان میں اثر کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ عمل میں آئے۔ مثلاً اگر کہیں کہ فلاں آدمی تجھ سے ڈرتا ہے تو بغیر اس کے کہ اس سے کوئی فعل صادر ہو، تجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور اگر اس کے برعکس کہہ دیں کہ فلاں آدمی تجھ سے بالکل نہیں ڈرتا اور اس کے دل میں تیری ہیبت نہیں۔ تو تنہا یہی بات تیرے دل میں اس کے متعلق غصہ پیدا کر دیتی ہے۔

یہ بھاگنا خوف کا اثر ہے۔ تمام عالم بھاگتا ہے۔ البتہ ہر کسی کا بھاگنا اس کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان کے لیے اور قسم کا، نباتات کے لیے اور قسم کا اور روح کے لیے اور قسم کا۔ روح کا دوڑنا بغیر قدم اور نقصان کے ہے۔ کچے انگور کو دیکھو کہ اس نے کتنی تگ و دو کی جب کہیں جا کر وہ پختہ انگور کے مقام تک پہنچا، اور اس میں مٹھاس پیدا ہوئی۔ فی الحال اس کی پہلی منزل تھی۔ وہاں تک پہنچ گیا۔ البتہ وہ دوڑتا نظر نہیں آتا اور محسوس نہیں ہوتا۔ ہاں جب وہ اس مقام تک پہنچ جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ بہت دوڑا ہے، جب جا کر وہاں پہنچتا ہے۔ جیسے کوئی شخص پانی میں اترا اور کسی نے اس کا اترنا نہ دیکھا۔ جب اس نے اچانک پانی سے سر باہر نکالا تو معلوم ہوا کہ وہ پانی میں اترا تھا کہ وہ یہاں پہنچ گیا۔

☆☆☆

دوستوں کے دل کو دکھ ہے جو کسی دوائی سے دور نہیں ہوتا۔ نہ سونے سے نہ چلنے پھرنے سے اور نہ کھانے سے۔ اس کا علاج صرف دیدارِ دوست ہے:

Marfat.com

لقاء الخلیل شفاء العلیل.

دوست کا دیدار بیماری سے شفا ہے۔

یہ اس حد تک درست ہے کہ اگر کوئی منافق مومنوں میں آ بیٹھے تو ان کی تاثیر صحبت سے اسی لحظہ مومن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کا قول ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا (سورۂ بقرہ:۱۴)

یہ منافقین جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں، 'ہم مومن ہیں'۔

جب منافق پر یہ عمل ہوتا ہے تو غور کر کہ جب مومن کے پاس بیٹھتا ہے تو مومن کو کیا کیا فائدہ ہوتا ہے۔ بساط کیا ہے؟ وہ پشم ہی سے بنی ہے۔ پشم ایک عقلمند کے قرب سے ایسی منقش بساط بن گئی اور یہ مکان دراصل کیا ہے؟ یہ محض خاک ہے۔ خاک عقلمند کے قرب سے ایسا اچھا مکان بن گئی۔ عقلمند کی صحبت نے جمادات پر ایسا اثر کیا تو ایک مومن کی صحبت مومن پر کیا کیا کرے گی! نفس جزوی اور عقل مختصر کی صحبت سے جمادات اس مرتبہ کو پہنچ گئی اور یہ سب عقل جزوی کا سایہ ہے۔ سایہ سے جسم قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اب یہیں سے قیاس کر، کتنی عقل اور دانش چاہیے کہ اس سے یہ آسمان، چاند، سورج اور زمین کے سات طبقے پیدا ہوں اور زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے، یہ سب موجوداتِ عقلِ کل کا سایہ ہے۔ عقلِ جزوی کا سایہ اس کے سایۂ جسم سے مناسبت رکھتا ہے اور عقلِ کلی کا سایہ جو موجودات ہے، اس سے مناسبت رکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے اولیاء نے ان آسمانوں کے علاوہ دوسرے آسمانوں کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ آسمان ان کی نظر میں نہیں جچتے اور ان کے سامنے یہ حقیر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ انہیں پاؤں تلے روند کر گزر جاتے ہیں۔

؎ جان کی ولایت میں ایسے آسمان ہیں، جو دنیا والے آسمان کے کارفرما ہیں۔

☆☆☆

اور کیا ہی تعجب ہوتا ہے کہ انسانوں میں سے ایک انسان یہ خصوصیت حاصل کر لیتا ہے کہ اس کے پاؤں ساتویں آسمان پر پڑتے ہیں۔ کیا ہم سب کے سب خاک کی صنف سے نہیں ہیں؟ خداوند تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسی قوت رکھ دی ہے، جس کی بدولت ہم اپنی نوع سے ممتاز ہو گئے ہیں اور ہم اس کے متصرف ہو گئے ہیں اور وہ ہماری متصرف ہو گئی ہے۔ تاکہ ہم جس طرح چاہیں، اس میں تصرف کر لیں۔ کبھی ہم اسے اوپر لے جاتے ہیں، اور کبھی نیچے رکھتے ہیں۔ کبھی ہم اس سے گھر بناتے ہیں۔ کبھی کاسہ اور کبھی کوزہ بنا لیتے ہیں۔ کبھی اسے ہم لمبا کرتے ہیں۔ کبھی ہم اسے چھوٹا کرتے ہیں۔ اگرچہ پہلے ہم وہی خاک تھے اور خاک کی نوع سے تھے، لیکن خداوند تعالیٰ نے ہمیں اس قوت سے ممتاز کر دیا۔ اسی طرح ہم سب ایک جنس ہیں۔ ہم میں سے اگر بعض کو ممتاز کر دیا تو اس میں تعجب کیا۔ کیونکہ ان سے ہماری وہی نسبت ہے، جو جمادات کی ہے۔ وہ ہم پر

Marfat.com

تصرف رکھتے ہیں اور ہم ان کے تصرف سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اور وہ ہم سے باخبر ہوتے ہیں۔ یہ جو ہم بے خبر کہتے ہیں۔ ہم بے خبری محض نہیں چاہتے، بلکہ ایک چیز کے متعلق خبر، دوسری چیز کے متعلق بے خبری ہے۔ خاک بھی اس جمادیت سے باخبر ہے، جو خدا نے اسے دی ہے۔ کیونکہ اگر وہ بے خبر ہوتی تو پانی کو کیوں قبول کرتی؟ اور ہر دانہ کی دایہ گری اور پرورش کیسے کرتی؟ کوئی شخص جب کسی کام میں جدوجہد کر رہا ہو اور ہر وقت اسی خدمت پر ہو، اس کام میں اس کی بیداری اس کے علاوہ دوسرے ہر کام سے اس کی بے خبری ہوتی ہے۔ ہم اس غفلت سے غفلت کلی نہیں چاہتے۔ چاہتے تھے کہ بلی کو پکڑیں۔ اسے پکڑ سکنا کسی طرح ممکن نہ ہوا۔ ایک دن وہ بلی کسی مرغ کے شکار میں مصروف تھی۔ مرغ کے شکار میں وہ باقی دنیا سے غافل ہوگئی اور انہوں نے اسے پکڑلیا۔ پس دنیا کے کام میں کلی طور پر مصروف نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا کے کاموں کو سہل خیال کرنا چاہیے اور ان کا قیدی نہیں ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ رنجیدہ ہوجائے اور وہ ناراض ہوجائے۔ چاہیے کہ گنج خراب نہ ہو۔ اگر یہ ناراض ہو جائے تو وہ انہیں لوٹا دیتا ہے، لیکن اگر وہ ناراض ہو جائے تو خدا بچائے، اسے کون لوٹائے گا؟ مثلاً اگر تیرے پاس ہر قسم کا سامان ہو اور تو غرق ہونے لگے تو غرقاب ہوتے وقت تو کس چیز پر ہاتھ مارے گا؟ اگرچہ تو سب موتی ہی قبضہ میں کرنا چاہے گا۔ لیکن یقینی بات یہی ہے کہ تو سب سے قیمتی خزانہ ہاتھ میں رکھے گا، تاکہ ایک ہی موتی اور لعل کے ایک ہی ٹکڑے سے ہزار آرائش کی جا سکے۔

ایک درخت کو شیریں پھل لگتا ہے۔ اگرچہ وہ پھل اس درخت کا حصہ ہوتا ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ اس جزو کو کُل سے برگزیدہ بنا کر ممتاز کر دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے پھل میں حلاوت ڈال دی جو باقی درخت کو نصیب نہ ہوئی۔ اس حلاوت کی وجہ سے اس جزو نے اس کُل پر فوقیت پائی۔ اور درخت کا مغز اور مقصود ٹھہرا۔ خداوند تعالیٰ کا قول ہے کہ:

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَ هُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (سورۂ ق:۲)

ان منکروں کو اس میں حیرانی ہے کہ انہیں میں سے ایک شخص ڈرانے والا ان کے پاس آیا۔

☆☆☆

خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

السّلام علیک ایّھا النبی ُ ورحمۃُ اللہِ و بَرکا تہٗ.

اے پیغمبر! تجھ پر خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔

ہر وہ چیز جو نثار ہونے کے قابل ہے، میں نے تجھ پر نچھاور کر دی۔ اس نے کہا:

و علی عبادِ اللہ الصّالحین.

اور خدا کے نیک بندوں پر۔

خدا کا راستہ ڈرانے والا اور بند تھا، اور یخ بستہ تھا۔ پہلے محمد ﷺ جان پر کھیلے۔ انہوں نے گھوڑا اس

Marfat.com

راہ پر ڈالا، اس میں در آئے اور راستہ کے بند میں شگاف ڈالا۔ اب جو کوئی اس راستہ پر چلتا ہے، انہی کی ہدایت اور مہربانی سے گامزن ہوتا ہے۔ یہ راستہ پہلے انہوں نے ظاہر کیا اور اس میں جگہ جگہ نشان لگائے اور لکڑیاں گاڑیں کہ تم ادھر نہ جاؤ اور اُدھر نہ جاؤ اور اگر اس طرف جاؤ تو ثمود اور عاد قوم کی طرح ہلاک ہو جاؤ گے اور اگر اس طرف چلو گے تو مومنوں کی طرح مخلصی پاؤ گے۔ تمام قرآن میں یہی بیان ہے کہ:

فِیۡهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ (سورۂ آل عمران:۹۷)

اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔

یعنی ان راستوں پر ہم نے نشان لگا دیے ہیں اور اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ ان لکڑیوں میں سے کسی ایک لکڑی کو توڑ ڈالے تو سب اس کی مخالفت کریں کہ تو ہمارا راستہ کیوں ویران کرتا ہے؟ اور ہماری ہلاکت کے لیے کیوں کوشاں ہے؟ شاید تو کوئی ڈاکو ہے۔ اب سمجھ لے کہ پیش رو محمد ﷺ ہیں، جب تک کوئی پہلے محمد ﷺ تک نہ پہنچے ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ تو کسی جگہ جانا چاہے تو پہلے عقل رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے بعد اپنے مراتب سے اعضاء حرکت میں آتے ہیں۔ اگرچہ اعضاء کو آنکھ کی خبر نہیں، اور آنکھ کو عقل کا پتہ نہیں۔

☆☆☆

قرآن ایک دلہن کی طرح ہے۔ جب تو اس کی چادر کا گوشہ سرکا دے تو وہ اپنا چہرہ تجھے دکھا دیتا ہے۔ جب تو اس سے تکرار کرتا ہے اور تجھے خوشی اور شرح صدر نہیں ہوتی تو یہ ایسا ہے کہ اس نے تیرے چادر کا گوشہ سرکانے کو رد کر دیا اور تجھ سے بہانہ کیا اور اس نے تیرے سامنے اپنے آپ کو زشت رو ظاہر کیا۔ یعنی کہ میں وہ معشوق نہیں ہوں۔ وہ قادر ہے۔ جس شکل میں چاہتا ہے اپنے آپ کو دکھاتا ہے لیکن اگر تو اس کی چادر کا گوشہ نہ سرکائے، اس کی رضا طلب کرے، اس کی کھیتی کو پانی دے، دور رہ کر اس کی خدمتیں کرے جس میں اس کی رضا ہو، اس کے لیے کوشاں رہے، تو باوجود اس کے کہ تو نے اس کی چادر کا گوشہ نہیں سرکایا، وہ تجھے اپنا چہرہ دکھا دیتا ہے۔ اہلِ حق کی طلب کہ:

فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ (سورۂ فجر:۲۹،۳۰)

میرے بندوں میں داخل ہو، پھر میری جنت میں داخل ہو جا۔

اللہ تعالیٰ ہر کسی سے بات نہیں کرتا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ دنیا کے بادشاہ ہر جولاہے موچی سے بات نہیں کرتے۔ انہوں نے وزیر اور نائب مقرر کر رکھے ہیں، ان کے توسط سے بادشاہ تک راستہ ملتا ہے۔ خداوند تعالیٰ بھی ایک بندے کو چن لیتا ہے تاکہ جس کسی کو خدا کی طلب ہو، وہ اس کے پاس آئے اور تمام انبیاء اسی لیے آئے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

خلق آدم علی صورتہ.

آدمؑ کو خدا نے اپنی صورت پر بنایا ہے۔

بہت عورتیں ہوتی ہیں جو پردہ میں رہتی ہیں، لیکن وہ اپنا چہرہ کھول دیتی ہیں تا کہ کوئی مطلوب اپنے آپ کو آزمائے، جس طرح تو استرے کو آزماتا ہے اور عاشق معشوق سے کہتا ہے، میں نہ سویا ہوں، نہ میں نے کچھ کھایا ہے اور میں تیرے بغیر ایسے ہو گیا اور ویسے ہو گیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تجھے ظاہر کرنے والے کی طلب ہے۔ تجھے ظاہر کرنے والا میں ہوں، تا کہ تو دو معشوقوں کے پاس اپنے آپ کو فروخت کرے اور اسی طرح سب علماء اور ہنرمند ظاہر کرنے والے کو طلب کرتے ہیں۔

کُنت کنزاً مخفیاً فَا حببتُ ان اعرف.

میں چُھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔

اُس نے خلق کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی اپنے احکام کی صورت پر۔ اس کے احکام سب خلق میں ظاہر ہوئے۔ اس لیے کہ سب ہی خدا کا سایہ ہیں اور سایہ جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ اگر پانچ انگلیاں کھول دی جائیں تو ان کا سایہ بھی کھل جاتا ہے۔ اگر کوئی رکوع میں جائے تو سایہ بھی رکوع میں جاتا ہے اور اگر وہ دراز ہو تو سایہ بھی دراز ہوتا ہے۔ پس خلق ایک مطلوب ہے اور محبوب کی طالب ہے۔ کیونکہ وہ سب چاہتے ہیں کہ اس کے محب بنیں اور اس کے سامنے عاجزی کرنے والے بنیں اور اس کے دشمنوں کے دشمن اور دوستوں کے دوست بنیں۔ یہ سب خدا کے احکام اور صفات ہیں جو وہ سایہ میں ظاہر کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارا سایہ ہم سے بے خبر ہے لیکن ہم باخبر ہیں۔ تاہم ہماری یہ بے خبری خدا کے علم کی نسبت سے بے خبری کا حکم رکھتی ہے۔ جو کچھ جسم میں ہوتا ہے، وہ سب کا سب سایہ میں ظاہر نہیں ہوتا۔ صرف بعض چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ خدا کی ساری صفات ہمارے اس سایہ میں ظاہر نہیں۔ صرف بعض صفات ظاہر ہیں، کیونکہ:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً (سورۂ بنی اسرائیل:۸۵)

ہم نے تم کو بہت ہی تھوڑا علم دیا ہے۔

☆☆☆

عیسیٰؑ سے سوال کیا گیا کہ روح اللہ! دنیا میں کون سی بات سب سے زیادہ مشکل ہے؟ کہا خدا کا غصہ۔ بولے اور کون سی بات اس سے نجات دلاتی ہے؟ کہا کہ تو اپنے غصے کو مارے اور پی جائے۔

اس کا یہ طریق ہوتا ہے کہ جب نفس چاہے کہ شکایت کرے، تو آدمی اس کے خلاف کرے اور شکریہ ادا کرے اور اس کی تعریف میں اتنا مبالغہ کرے کہ اس کی محبت اپنے اندر پیدا کر لے۔ اس لیے کہ جھوٹ موٹ شکریہ ادا کرنا خدا سے محبت کی جستجو کرنا ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے:

Marfat.com

الشکایۃُ عنِ المخلوق شکایۃعنِ الخالق.

مخلوق سے شکایت گویا خدا سے شکایت ہے۔

اور فرمایا تیری عدم موجودگی میں دشمنی اور غصہ تجھ سے پنہاں ہے، جیسے آگ۔ جب تو دیکھے کہ ایک چنگاری نے جست کی ہے تو اسے وہیں بجھادے، تاکہ وہ عدم کو لوٹ جائے، جہاں سے کہ وہ آئی ہے اور اگر تو جوابی آگ سے اس کی مدد کرے تو اس کو ایک دوسرے عدم سے راہ مل جائے گی اور اس کو پھر عدم میں بھیجنا دشوار ہوگا۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (حم سجدہ:۳۴)

اس کو بہتر طریق سے دور کر۔

تاکہ دشمن کو دو طریق سے مغلوب کرے۔ ایک یوں کہ دشمن گوشت پوست نہیں ہے، بلکہ ایک خراب جذبے کا نام ہے۔ جب کثرتِ شکر سے وہ دُور ہو جائے گا تو اس دشمن سے بھی دُور ہو جائے گا۔ اس لیے ایک تو طبعًا ایسا ہوتا ہے کہ:

الانسان عبید الاحسان.

انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔

اور دوسرے جب وہ فائدہ نہیں دیکھتا، جیسے لڑکے کسی پر آوازہ کستے ہیں تو وہ گالی دیتا ہے۔ لڑکوں کی رغبت اور بڑھ جاتی ہے کہ ہماری بات اپنا کام کر گئی، اور اگر تغیر نہیں دیکھتا اور فائدہ نہیں دیکھتا تو اس کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ جب عفو کی یہ صفت تجھ میں ظاہر ہوتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی مذمت جھوٹ ہے، غلط بینی ہے۔ اس نے تجھے جیسا کہ تو ہے نہیں دیکھا۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مذموم وہ ہے، تُو نہیں اور کوئی دلیل دشمن کو اس سے زیادہ شرمندہ نہیں کرتی کہ اس کا کوئی جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ پس تو اس کا شکریہ ادا کر کے یا تعریف کی صورت میں اسے زہر دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ تیرے نقصان کا اظہار کرتا ہے۔ تو نے اپنا کمال ظاہر کر دیا کیونکہ تو خدا کا محبوب ہے کہ:

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (سورۂ آل عمران:۱۳۴)

لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

خدا کا محبوب ناقص نہیں ہوتا۔ اس کی اتنی تعریف کر کہ اس کے دوستوں کو یہ گمان ہو جائے کہ شاید اسے ہم سے اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ تجھ سے اس کا اتنا اتفاق ہے۔

ان کی مونچھیں نرمی سے اکھاڑ ڈال، اگرچہ وہ دولت مند ہیں۔

حکمت سے ان کی گردن توڑ دے۔ اگرچہ وہ کتنے ہی زبردست پہلوان کیوں نہ ہوں۔

Marfat.com

وفقنا اللہ بھذا.
اس کی خدا ہمیں توفیق دے۔

☆☆☆

آدمی کے نفس میں ایک شر ہے جو حیوانات اور درندوں میں نہیں ہے۔ یہ اس لحاظ سے نہیں ہے کہ آدمی ان سے بدتر ہے۔ یہ اس لحاظ سے ہے کہ خوئے بد، سرنفس اور نحوستیں جو آدمی میں ہیں، اس گوہر مخفی کے مطابق ہیں جو اس میں ہے۔ کیونکہ یہ اخلاقِ بد، نحوستیں اور شر اس گوہر کا حجاب بن گئے ہیں۔ یہ گوہر جتنا زیادہ نفیس، زیادہ بڑا اور زیادہ قدر و قیمت کا ہوتا اتنا ہی اس کا حجاب بڑا ہوتا ہے۔ پس نحوست، شر اور اخلقِ بد اس گوہر کے حجاب کا موجب بن گئے ہیں اور اس حجاب کو دور کر سکنا ممکن نہیں ہوتا۔ بغیر بہت مجاہدات کے، اور مجاہدات کی قسمیں ہیں۔ ان مجاہدات میں سے سب سے بڑا مجاہدہ ان دوستوں میں گھل مل جانا ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور اس دنیا سے منہ موڑ چکے ہیں۔ اس سے بڑا مجاہدہ کوئی نہیں کہ انسان صرف صالح دوستوں میں بیٹھے۔ کیونکہ صالح دوستوں کا دیکھنا، اس نفس کا گداز ہونا اور کرنا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ سانپ جب چالیس سال تک انسان کی شکل نہیں دیکھتا تو اژدہا بن جاتا ہے۔ یعنی اس نے کسی کو نہیں دیکھا جو اس کے شر اور نحوست کے گداز کا سبب ہو سکے۔

جس جگہ پر بھی بہت بڑا تالا لگا ہو، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہاں کوئی بڑی ہی نفیس اور قیمتی چیز ہے۔ اس طرح یہ کہ جہاں حجاب بڑا ہو، وہاں گوہر بھی بڑا ہی ہوتا ہے۔ جیسے سانپ خزانے پر ہوتا ہے۔ تُو سانپ کی بدصورتی کو نہ دیکھ، خزانے کی نفیس چیزوں کو دیکھ۔

☆☆☆

کمال کا اقتضا اس کی طرف غیر کا میلان ہے اور میلان ہمیشہ کمال کی طرف ہوتا ہے، نہ کہ کمال کا میلان نقصان کی طرف ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کمال سب ہستیوں کا کمال ہے۔ اس کے لیے نقصان جائز قرار دینا گویا کمال اور دُنیا کے مصالح کو سلب کرنا اور جہان کو بیکار ٹھہرانا ہے اور اللہ تعالیٰ کو معدوم تجویز کرنا، دنیا کا ابطال ہے۔ تو خاص کر اللہ کی صورت گری کرتا ہے اور اس کی کیفیت اور حدود طلب کرتا ہے۔ اس سے مزہ جاتا رہتا ہے۔ پس تو نے اللہ کے فعل اور کیفیت کا تصور کیا اور اللہ کا تصور کیا۔ تو نہیں جانتا کہ تجھے مزا حاصل نہیں ہوتا اور اللہ کی وہ صورت اور وہ خیال نہیں ہے۔ یعنی تو طالب اور عاشق بن۔ تخیل، تصور، حدود اور کیفیت کو ترک کر اور خدا کی طرف منہ پھیر تا کہ تجھے کمال حاصل ہو۔

☆☆☆

آدمی ایک بہت بڑے پیالے کی طرح ہے، یا ایک برتن کی طرح۔ اس کو باہر سے غسل دینا لازم اور اندر سے غسل دینا لازم تر ہے۔ اس کے ظاہر کا غسل فرض اور باطن کا غسل فرض تر

Marfat.com

ہے۔ کیونکہ اللہ شراب پاک برتن کے سوا کہیں نہیں ڈالتے۔ پس اس نے برتن کی تطہیر کا حکم دیا۔ کیونکہ محلِ شراب اس کا باطن ہے نہ کہ ظاہر۔ ہر وہ شخص جس کا نفس مر گیا اور جو اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو گیا۔ اللہ سے جا ملا، بخدا ہرگز نہیں۔ وہ اللہ کے راستہ سے واصل ہو گیا۔ جب اسے یہ کہہ کر پہچانتے ہیں کہ یہ وہ ہے جو اللہ سے جا ملا تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے راستہ سے واصل ہو گیا۔ اس کے سوا اگر ہے تو وہ اللہ کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ وہ لوگوں کا اندازہ کرتا ہے خطرات میں۔ اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے کا کلام سن کر خود اپنے ہاتھوں میں نہ پڑ۔ جبکہ اس نے یہ جائز قرار نہیں دیا کہ تو اپنے مرشد کے علاوہ کسی کا کلام سنے تو وسوسۂ باطلہ میں پڑنا انسان کو زیادہ رسواء فصیح اور باطل کر دیتا ہے۔

معرفت جواں مردی کے مطابق ہے۔ جو زیادہ جواں مرد ہے، زیادہ عارف ہے۔ بات اس کے لیے جان ہے۔ اگرچہ وہ بات سچی کہتا ہے۔ جب کسی جان میں کجی ہو تو وہ کجی سے پیش آتا ہے۔ اور اگر بات کج مج ہو، مگر جان راست ہو تو وہ راستی سے پیش آتا ہے۔ اور اگر کوئی بے قول ہو تو وہ بھی اس سے بے قول ہو جاتا ہے۔

⁂

Marfat.com

کتابیات

- سوانح مولانا رومؒ مولانا شبلی نعمانیؒ
- مولانا جلال الدین رومیؒ حیات وافکار مرتبہ محمد اکرم چغتائی
- شمس المعارف شمس تبریز رستم علی جمشید حق پبلی کیشنز
- مناقب العارفین
- نفحات الانس
- رسالہ سپہ سالار
- کشف الظنون
- سفرنامہ ابن بطوطہ
- جواہر مفیہ
- سوانح حیات شمس المعارف شمس تبریزؒ مرتب راجہ طارق محمود نعمانی
- ملفوظات رومی ترجمہ فیہ مافیہ از ادارہ ثقافت اسلامیہ
- Me And Rumi By William C. Chittak
- The Sufi Path of Love (W.C. Chittak)
- Diwan-i-Kabir
- Maqalat-i-Shamas-i-Tabrizi Edited By Muhammad Ali Movahhed
- The (40) Forty Rules of Love By Elif Shafak

*

Marfat.com

میں خام تھا
مجھے پختہ کیا گیا
مجھے خاکستر کر دیا گیا

چاہے ہزاروں سال بیت جائے
یہ الفاظ ان لوگوں تک ضرور پہنچیں گے
جو ان کے متلاشی ہیں

مجھے پختہ کیا گیا

آں روح ہمچو عشق دریں خاکدان غریب
مانندہ مسیح بگفتار آمدہ

Marfat.com

ہر کرا من درست ست ومعد

آں، نثارِ دل بر آنکس میرسد

Marfat.com

ساتویں صدی ہجری کا سیاسی، علمی و ثقافتی منظرنامہ

حضرت شمس تبریزؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے حالات و واقعات کو سمجھنے کے لیے اس وقت کے سیاسی، جغرافیائی، ثقافتی و علمی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے کیوں کہ قاری کو معلوم ہو کہ اس وقت دنیا خصوصاً عالم اسلام کا ماحول کیا تھا۔ لین پول نے اس وقت کے حالات کے بارے میں لکھا:

''غزنین کے سلطان بلکاتگین کا ایک غلام انشگین سلجوقی سلطان ملک شاہ کا ساتھی تھا جس کو اس نے خوارزم کا گورنر بنا دیا۔ اس کا بیٹا ''آتسیز'' خوارزم شاہ کے لقب سے اس کا جانشین ہوا۔ ''آتسیز'' خوارزم شاہی خاندان کا پہلا شخص تھا جس نے خودمختاری کی کوشش کی۔

لیکن سلطان سنجر نے اس کی بغاوت ۱۱۳۸ء (۵۳۳ھ) کو کچل کر اس کو خوارزم سے نکال دیا۔ تھوڑے ہی دن بعد ''آتسیز'' خوارزم کو واپس آیا اور پھر خوارزم کے شاہ خودمختار بن گئے۔ آتسیز نے اپنی حکومت کو دریائے سیحون کے شہر جند تک وسعت دی۔ اس کے بعد تکش نے خراسان، رے اور اصفہان پر قبضہ کر لیا۔

۱۱۹۳ء میں اس کے بیٹے علاء الدین محمد نے خراسان میں غزنوی سلاطین کے خلاف سخت جنگ کر کے ۱۲۱۰ء تک ایران کا بیش تر حصہ فتح کر لیا اور بخارا اور سمرقند بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ پھر گورخاں کے ملک ''قراخطائے'' پر حملہ آور ہو کر اس کے پایہ تخت ''اترار'' پر قبضہ کر لیا۔

۱۲۱۴ء میں اس نے شیعی مذہب اختیار کر کے عباسی سلطنت کو ختم کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ چنگیز خاں کی مغل تاتاری افواج نے اس کی شمالی سرحد پر تاخت کر کے علاء الدین محمد کی ساری فتوحات پر پانی پھیر دیا۔ اس کو تاتاریوں کے آگے بے تحاشا بھاگنا پڑا اور وہ حالت یاس میں بحراوقیانوس کے ایک جزیرہ میں جا چھپا اور وہیں وفات پائی۔

۱۲۲۰ء میں اس کے تین بیٹے کچھ مدت ایران کے صوبہ جات میں بھٹکتے پھرے۔ ان میں سے ایک جلال الدین نے دو برس کے لیے ہندوستان میں بھی پناہ لی۔ مگر دس برس کی

Marfat.com

کشمکش کے بعد مغلوں نے بالآخر ۱۲۳۱ء میں اس کو وہاں سے نکال دیا۔ خوارزم شاہیوں کی حکومت ایک زمانہ میں سلجوقیوں کی سرحد کے قریب تک پھیلی ہوئی تھی لیکن یہ وسعت بمشکل بارہ برس تک قائم رہ سکی۔"

"علاء الدین محمد کے علاوہ تکش کے تین بیٹے تھے، (۱) ناصر الدین ملک شاہ حاکم خراسان، (۲) یونس خان حاکم رے، (۳) تاج الدین علی شاہ حاکم کردستان۔"

خوارزم شاہی سلاطین کا دور درج ذیل خلفائے بنو عباسی کا دور خلافت تھا:

۱۔	خلیفہ مستظہر باللہ بن مقتدی	زمانہ خلافت:	۱۰۹۴ء تا ۱۱۱۸ء
۲۔	خلیفہ مسترشد باللہ بن مستظہر	زمانہ خلافت:	۱۱۱۸ء تا ۱۱۳۴ء
۳۔	خلیفہ راشد باللہ بن مسترشد باللہ	زمانہ خلافت:	۱۱۳۵ء
۴۔	خلیفہ مقتفی لامر اللہ بن مستظہر	زمانہ خلافت:	۱۱۳۵ء تا ۱۱۶۰ء
۵۔	خلیفہ مستنجد بن مکتفی	زمانہ خلافت:	۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۰ء
۶۔	خلیفہ مستضی بامر اللہ بن مستنجد	زمانہ خلافت:	۱۱۷۰ء تا ۱۱۷۹ء
۷۔	خلیفہ ناصر الدین اللہ بن مستضی	زمانہ خلافت:	۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء
۸۔	خلیفہ ظاہر بامر اللہ	زمانہ خلافت:	۱۲۲۵ء
۹۔	خلیفہ مستنصر باللہ	زمانہ خلافت:	۱۲۲۶ء تا ۱۲۴۳ء

گویا کہ خوارزم شاہی کا زمانہ سلطنت نو عباسی خلفاء کا دور خلافت بنتا ہے۔

علامہ عبدالرحمن ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

"تاتاری، ترکوں میں سے ہیں۔ ۶۱۶ھ میں اس گروہ نے بلاد اسلامیہ کی جانب سے خروج کیا۔ سرزمین چین میں طمغاج کے پہاڑوں پر یہ گروہ رہتا تھا جو بلاد ترکستان سے چھ مہینے کی مسافت پر واقع ہے۔ اس کے بادشاہ کا نام چنگیز خان تھا۔ جو ترکوں کے قبیلہ تمرجی سے تھا۔ اس نے بلاد ترکستان اور ماوراء النہر پر فوج کشی کی اور اس کو "خطا" کے قبضہ سے نکال کر خود اس پر قابض و متصرف ہو گیا۔ بعد ازاں خوارزم شاہ سے جا بھڑا تا آنکہ اس کو زیر کر کے اس کے مقبوضہ شہروں صوبہ خراسان اور بلاد جبل پر قبضہ حاصل کر لیا۔

بعدۂ "ارانیہ" کی جانب بڑھا اور اس پر قبضہ کر کے شروان، لان اور لکنر کے شہروں کی جانب رخ کیا اور مختلف گروہوں پر مستولی ہو کر بلاد قفچاق کو بھی لے لیا۔

انہیں تاتاریوں کا ایک گروہ غزنی اور ان شہروں کی طرف نکل گیا جو ہندوستان، بجستان

Marfat.com

اور کرمان سے ملحق و متصل تھے۔ چنانچہ ایک ہی سال میں یا کچھ زاید زمانہ میں تا تاری، دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک اس کے مالک بن بیٹھے۔ خون ریزی، لوٹ مار اور غارت گری کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ ظلم و ستم ان کے ہاتھوں سے وقوع میں آئے کہ جن سے عالم کے کان، سلف سے اس وقت آشنا نہیں ہوئے تھے۔"

(تاریخ ابن خلدون، حصہ دوم، ص ۶۴۰)

"خوارزم شاہ نے ان تا تاریوں سے شکست کھا کر طبرستان کے جزیرہ میں جا کر دم لیا اور وہیں ۶۱۷ھ میں اپنی حکومت کے اکیسویں برس جاں بحق تسلیم ہوا۔ خوارزم شاہ کی شکست کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین کو تا تاریوں نے غزنی میں شکست دی۔"

"چنگیز خاں، دریائے سندھ تک تعاقب کرتا چلا گیا۔ جلال الدین، دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہو گیا اور بہ ہزار خرابی ان کے پنجہ غضب سے بچ گیا۔ ایک مدت تک ہندوستان میں ٹھہرا رہا۔ بعد ازاں ۶۲۲ھ میں خراسان اور عراق کی جانب معاودت کی۔ آذربائیجان اور آرمینیہ پر قابض ہو گیا تا آنکہ اس کو مظفر نے قتل کر ڈالا۔"

(تاریخ ابن خلدون، حصہ دوم، ص ۶۴۰)

بہر کیف خوارزم شاہی سلاطین کی تا تاریوں کے ساتھ ان بن نے بالآخر مشرقی خلافت بغداد کو بھی ایسے الم ناک انجام سے دوچار کر دیا کہ مہذب دنیائے انسانیت آج بھی اس پر ماتم کناں ہے۔ جسٹس سید امیر علی حیدر لکھتے ہیں کہ:

"بغداد کی تباہی و بربادی کا خاکہ کھینچنے کے لیے "گبن" جیسے جید عالم کا قلم درکار ہے۔ عورتیں اور بچے جو پناہ مانگنے کے لیے ہاتھوں میں قرآن لے کر نکلے، موت کی آغوش میں دھکیل دیے گئے۔ ناز پروردہ خواتین جنہوں نے کبھی غیر مردوں کی صورتیں تک نہ دیکھی تھیں، مکانوں سے کشاں کشاں باہر لائی گئیں اور ان کی سخت بے حرمتی و پردہ دری کی گئی۔ علم و ہنر کے خزانے جو بادشاہوں نے سخت جاں فشانی سے جمع کیے تھے اور جن میں قدیم ایران کی ترقی کے بچے کھچے گوہر چن چن کر رکھے گئے تھے، چند گھنٹوں میں ضائع و برباد ہو گئے۔ تین دن تک گلیوں میں خون کی ندیاں بہتی رہیں اور دریائے دجلہ کا پانی میلوں تک ارغوانی ہو گیا۔ لوٹ مار، قتل و غارت اور کشت و خون کا بازار چھ ہفتوں تک گرم رہا۔

وحشیوں نے محلات، مساجد اور مزارات آگ کی نذر کر دیے یا ان کے سنہرے کلس اتار

Marfat.com

کر انہیں کھنڈر بنا دیا۔ ہسپتالوں میں بیمار اور مریض، کالجوں میں طلبا اور پروفیسر تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ مزاروں میں شیخوں اور مقدس اماموں کی غیر فانی یادگاریں، کتب خانوں میں عالموں اور فاضلوں کے نہ مٹنے والے کارنامے خاک کا ڈھیر ہو گئے یا جہاں کہیں دریا نزدیک تھا، پانی کی آغوش میں غرق کر دیے گئے۔ پانچ صدیوں کی محنت شاقہ سے جمع کیے ہوئے خزانے جہالت پر قربان ہو گئے۔قوم کا چمنستانِ علم و ہنر، ہمیشہ کے لیے اجڑ گیا اور ایوانِ ترقی منہدم ہو گیا۔

چار دن کے کشت وخون کے بعد ۱۰ محرم ۶۵۶ھ کو خلیفہ مستعصم باللہ مع اپنے بیٹوں اور خاندان کے سربرآوردہ افراد کے ذبح کر دیا گیا اور خاندان عباسیہ کے صرف چند نونہال جانیں سلامت لے کر نکل سکے۔ بغداد میں قتل و غارت سے قبل بیس لاکھ نفوس کی آبادی تھی۔ ابن خلدون کے قول کے مطابق سولہ لاکھ جانیں تلف ہوئیں اور اس کی تباہی کے ساتھ مغربی ایشیا پر جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔''

جسٹس امیر علی حیدر تاریخ اسلام میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''تیسری صدی عیسوی میں وحشی مشرکوں کی بدولت جو بربادی اسلامی دنیا پر وارد ہوئی، عرب اور ایرانی مورخ اس کا بیان بڑے درد انگیز لہجہ میں کرتے ہیں اور کوئی شخص سوائے جاہل اور سیہ باطن کے بنی نوع انسان کے اس قدر جانی اتلاف اور تمدنی نقصان پر چار آنسو بہائے بغیر نہ رہے گا۔ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ:

مغلوں کا حملہ سخت مصیبت اور خوف ناک تباہ کاری تھی جو دنیا پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً نازل ہوئی اور جس کی مثال شائد مستقبل میں بھی ڈھونڈنے سے نہ ملے گی۔ اگر کوئی کہے کہ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک ایسا قہر الٰہی نازل نہ ہوا تھا تو وہ بالکل سچ کہتا ہے کیوں کہ تاریخ میں اس قسم کا واقعہ نہیں ملتا۔''

عبداللطیف مغلوں کے حملوں کی نسبت تحریر کرتا ہے ''یہ ایسی مصیبت تھی جس کے سامنے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔'' جوینی مصنف ''جہاں کشا'' جو چنگیز خاں کا ملازم تھا لکھتا ہے

''وہ انقلاب جس نے دنیا کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا، علم کو تباہ اور عالموں کو فنا کر دیا، خراسان کو جو روشنی کا مرکز اور علما کا مامن تھا، کالعدم کر دیا، علم و ہنر کے وارث تلوار کی نذر ہو گئے اور زمانہ میں سائنس اور علوم کا قحط پڑ گیا۔''

بریگیڈیر جنرل سر پرسی سائیکس اپنی تاریخ ''اے ہسٹری آف پرشیا'' میں لکھتا ہے کہ:

''چنگیز خاں کے تعلقات خوارزم شاہوں کے ساتھ دوستانہ تھے۔ منگول سردار نے ایک

Marfat.com

دستہ خوارزم شاہ کے لیے بہت سے تحائف دے کر روانہ کیا اور ساتھ یہ کہلا بھیجا کہ منگول سردار شہزادہ محمد کو اپنے بیٹے ہی کی طرح سمجھیں گے۔ خوارزم شاہ نے اس دستے کی آمد سے یوں سمجھا کہ شاید چنگیز خاں ان سفیروں کو بھیج کر اور شہزادہ محمد کو بیٹا کہہ کر اپنی حکومت تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ چنانچہ خوارزم شاہ نے ان سے چنگیز خاں کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کر کے ایک دوستانہ جواب دے کر واپس کر دیا۔

اس کے بعد چنگیز خاں نے اپنے کچھ تاجروں کو بھیج کر ایرانی مال خریدنے کا سودا کیا۔ جب منگول اس سارے مال تجارت کو ساتھ لے کر ایران سے جا رہے تھے تو سرحد کے قریب ایک گاؤں اترار میں اس علاقے کے گورنر کے حکم سے اس بڑے قافلے کو روک لیا گیا۔ مال بحق سرکار ضبط کر کے تمام اراکین قافلہ کو جاسوس قرار دے کر گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا گیا اور بادشاہ کو اطلاع دی کہ:

ایک کاررواں جو ایرانی مال ناجائز طور پر لے جا رہا تھا پکڑ لیا گیا ہے۔ اب اس کاررواں کے تمام افراد کو پھانسی کی سزا دینے کا حکم دیا جائے۔ بادشاہ نے تفصیل میں جانے کے بغیر ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنگیز خاں کو جب تجارت کرنے والے اس قافلے کے اس حشر کا پتہ چلا تو اس نے ایک اور ایلچی شاہ کے دربار میں اس مطالبہ کے ساتھ بھیجا کہ وہ اترار کے گورنر کو بدلہ لینے کے لیے ان کے حوالہ کر دے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ اس سفیر کو بھی قتل کر دیا گیا۔

اس قتل کا لازمی نتیجہ جنگ تھا۔ ۶۱۶ھ میں خوارزم شاہ نے نتائج سے بے خبر ہو کر اور اپنی طاقت کے نشہ میں چور ہو کر چنگیز خاں سے مقابلے کا اعلان کر دیا اور اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو چار لاکھ ایرانی سپاہیوں کی فوج دے کر چنگیز خاں کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ شہزادہ محمد کا مقابلہ کرنے کے لیے چنگیز خاں کا بیٹا جوجی ایک جرار لشکر لے کر آگے بڑھا۔ ایرانی لشکر، منگولوں کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور شہزادہ محمد یہ تصور کر کے بھاگ نکلا کہ چنگیزی فوج ایران کے تھوڑے سے علاقے پر قبضہ کر کے خود بہ خود رک جائے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن چنگیزی فوج کی اس فتح نے ان کے عزائم میں مضبوطی اور جذباتِ تسخیر میں وسعت پیدا کر دی۔ چنگیز خاں نے اب یہ ضروری تصور کیا کہ اب ایران کے جس قدر زیادہ علاقے ہاتھ لگ سکیں ہتھیا لینے چاہئیں۔ چنانچہ اس کے باقی تین بیٹے اپنی فوج کے تھوڑے تھوڑے حصوں کے ساتھ ایران کے مختلف علاقوں پر حملہ آور ہو گئے اور بڑھتے گئے۔

Marfat.com

چنگیز خاں خود بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ بخارا پر حملہ کرنے کے لیے اس نے اپنی فوج کی وافر تعداد کو ساتھ لیا۔ اس حملہ کے دوران اس نے قلعہ اترار کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ آخر کار اترار کے گورنر کو مناسب کمک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہتھیار ڈالنا پڑے۔ چنگیز خاں نے گورنر کو زندہ گرفتار کرلیا اور منگول تاجروں کی ہلاکت کی پاداش میں اس گورنر کی آنکھوں اور کانوں میں گرم گرم پگھلی ہوئی چاندی انڈیل کر ہلاک کر دیا۔ ادھر جوجی نے جند کے علاقے کو بھی فتح کرلیا۔ چنگیز خان نے بخارا کا چند دن محاصرہ کیا اور بالآخر کامیابی سے اس شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی حفاظت کے لیے اس وقت بیس ہزار سپاہی جان کی بازی لگائے کھڑے تھے۔ قلعہ تسخیر ہونے کے فوراً بعد ایرانی سپاہی بھاگنے لگے لیکن منگولوں نے ان سب بھگوڑوں کو چن چن کر ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ چنگیز خاں کی آنکھوں میں اس وقت اس قدر خون اتر آیا کہ اس کے دماغ میں سوائے قتل و غارت اور تاخت و تاراج کے اور کوئی بات ہی نہ سمائی تھی۔''

(تاریخ ایران: ابتدا سے عصر حاضر تک از سید اصغر علی شاہ جعفری ص ۶-۶۰۵)

آگے رقم طراز ہیں کہ:

''چنگیز خان نے بغداد کی مسجدوں کی بے حرمتی کی اور اپنی فتح کے جشن منانے کے لیے اس نے مساجد کے صحنوں کو اپنا مرکز بنایا جبکہ ایرانی عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا۔ شراب کے مٹکے انڈیل دیے اور ہر قسم کے تعیش کو روا رکھا۔ بخارا میں جشن فتح منانے کے بعد سارے شہر کو آگ لگا دی گئی۔ وہاں کے باشندوں کو غلام بنایا گیا۔ عورتوں کو جنسی ہوس کا نشانہ بنایا گیا اور اہل بخارا کو کھائیاں کھودنے میں مصروف کر دیا۔ جب وہ خندقیں گہری کھد گئیں تو بے شمار بخاریوں کو ان خندقوں میں زندہ دفن کر دیا گیا۔'' (ایضاً ص ۶۰۸)

بہرکیف چنگیز خاں کی صورت میں تاتاریوں کا یہ طوفانِ بدتمیزی چنگیز خان کی موت ۱۲۲۷ء پر ختم ہوا۔ وہ ۱۲۲۵ء میں اپنے ملک کو واپس لوٹ گیا تھا۔ چنگیز خاں کی صورت میں یہ تاتاریوں کی پہلی یلغار تھی۔

☆☆☆

اسلامی دنیا میں بازنطینی سلطنت کے صوبہ جات مجموعی طور پر بلادِ روم (یونانیوں کی سرزمین) کہلائے جاتے تھے۔ روم سے مراد روما ادائی یعنی رومن لوگ تھے۔ ابتدائے اسلام میں ''رومن'' کا لفظ عیسائی کے مترادف تھا یہ عیسائی خواہ یونانی ہو یا لاطینی ہو۔

بحر متوسط کو بھی عام طور پر بحیرۂ روم (رومیوں کا سمندر) کہتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ بلادِ روم صرف روم

Marfat.com

میں مختصر ہو کر ان ملکوں کا خصوصیت کے ساتھ نام ہو گیا جو مسلمانوں کی سرحد سے قریب ترین تھے۔ اس طریقے سے ایشیائے کوچک کے صوبے کا عربی نام ''روم'' ہو گیا اور آخر کار پانچویں صدی ہجری میں جب اس وسیع صوبے کو سلجوقیوں نے فتح کر لیا تو اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہو گیا۔

مشہور انگریز مستشرق جی۔ بی۔ اسٹرینج آذربائیجان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جھیل ارمیہ، تبریز، سراؤ، مراغہ اور اس کے دریا پسوا اور اشنہ، شہر ارمیہ اور سلماس، خوئی اور مرند، نخچوان، دریائے ارس کے پل کوہِ سبلان، اردبیل اور آہنر، سفید رود اور اس کے معاون، میانج، خلخال اور فیروز آباد، دریائے شال اور شاہ رود کا علاقہ۔''

(جغرافیہ خلافت مشرقی از جی۔ لی۔ اسٹرینج: اردو ترجمہ، ص ۲۰۶)

آذربائیجان کا کوہستانی علاقہ جس کا تلفظ موجودہ فارسی میں آذربائیجان ہے، دورِ خلافت میں اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا جتنی کہ مغلوں کی یورش کے بعد زمانہ وسطیٰ کے آخری حصہ میں اسے حاصل ہو گئی۔

ابتدا میں یہ صوبہ تجارت کے اس کاروبار سے دور پڑتا تھا جس کا سلسلہ خراسان کی سڑک سے جو صوبہ جبال سے ہو کر گزرتی تھی، برابر جاری تھا۔ مقدسی لکھتا ہے:

''یہ دور افتادگی اس وجہ سے اور زیادہ ہو گئی تھی کہ آذربائیجان کے پہاڑوں اور مرتفع میدانوں میں ستر سے زیادہ زبانیں بولی جاتی تھیں اور اس کے علاوہ صوبہ کے شہروں میں کوئی بڑا شہر نہ تھا۔''

(ایضاً، ص ۲۰۶)

آذربائیجان کے بارے میں جی۔ بی۔ اسٹرینج مزید لکھتے ہیں کہ:

''اس صوبہ کا قدیم ایرانی نام ''آذربادگان'' تھا۔ جسے یونانیوں نے بگاڑ کر اترو پاتینی کر لیا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ آذربائیجان، اران اور آرمینیہ ایک ہی صوبے کے مختلف حصے ہیں اور اس صوبے کو اس نے اقلیم رحاب (مرتفع میدانوں کا علاقہ) لکھا ہے اور اس طرح اسے صوبہ جبال کے کوہستانی علاقے میسو پوٹیمیا کی نشیبی سرزمین سے ممتاز کر دیا ہے۔''

(ایضاً، ص ۲۰۶)

آذربائیجان کے صوبہ کا سب سے زیادہ مخصوص طبعی منظر جھیل ارمیہ ہے۔ یہ جھیل شمال سے جنوب کی طرف اسی میل سے زیادہ لمبی ہے اور جہاں زیادہ سے زیادہ چوڑی ہے وہاں اس کا عرض اپنے طول کا ایک ثلث ہے۔ یہ تبریز کے مغرب میں واقع ہے اور شہر ارمیہ کے نام پر جو اس کے مغربی کنارے پر ہے، اس کا یہ نام ہوا ہے۔ اس کا نام مختلف کتابوں میں مختلف طور پر آیا ہے۔ زند اوستا میں چائی چاستا لکھا اور یہی قدیم ایرانی نام چی

Marfat.com

چست میں موجود ہے جو فردوسی نے شاہ نامہ میں استعمال کیا ہے۔

مستوفی کے زمانے تک یہی نام مروج تھا۔ چوتھی صدی میں مسعودی اور ابن حوقل نے بحیرہ کبوذان لکھا ہے۔ یہ نام ایک ارمنی لفظ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی نیلی جھیل کے ہیں کیوں کہ گیابیڈ اس زبان میں نیلے کو کہتے ہیں۔ اصطخری نے اسے جھیل ارمیہ لکھا ہے۔

مقدسی نے اس کی پیروی کی ہے بعض جگہ اصطخری نے اسے بحیرہ الشراث (خارجیوں کا سمندر) لکھا ہے کیوں کہ بہت سی مختلف قومیں جو اس کے کنارے آباد تھیں ان کے عقائد عام مسلمانوں سے مختلف تھے۔

اصطخری نے اس جھیل کے پانی کو سخت کھاری لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں یہ جھیل کشتیوں سے پٹی رہتی تھی۔ ان سے ارمیہ اور مراغتہ کے شہروں میں مال تجارت کی آمد و رفت رہتی تھی۔ جھیل کے وسط میں ایک جزیرہ تھا جس کا نام ابن سراپیون نے کبوذان لکھا ہے۔ اس میں چھوٹا سا شہر تھا جس میں ملاح آباد تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل میں مچھلیاں بکثرت تھیں اور ایک عجیب و غریب مچھلی تھی جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے تھے اور ابنِ حوقل لکھتا ہے کہ اس میں مچھلیاں بالکل نہ تھیں۔ سردی کے موسم میں طوفان سے بڑی بڑی موجیں اٹھتی تھیں اور کشتیاں چلانی خطرناک ہو جاتی تھیں۔ ابوالفداء نے اس جھیل کو ''بحیرہ تلا'' لکھا ہے لیکن اس نام کے معنی معلوم نہیں لیکن قزوینی لکھتا ہے کہ نمک اور توتیا اس جھیل میں بہت پیدا ہوتا تھا اور ان کا دساور بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔

مستوفی نے اس جھیل کو چی چست اور دریائے شور لکھا ہے۔ کہیں کہیں اسے بحیرہ طروج یا طسوج بھی کہا ہے۔ طروج یا طسوج اس جھیل کے شمالی کنارے پر ایک شہر تھا اور اسی شہر کے نام پر اس جھیل کا یہ نام لیا گیا ہے۔ مستوفی اور حافظ ابرو دونوں نے اس جھیل میں ایک جزیرہ کا ذکر کیا ہے جس کا نام شاعٔ تھا۔ اس میں ایک بڑا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ یہ محل ہلاکو اور دوسرے مغل شاہزادوں کا مدفن تھا۔ شاھا کے قلعے کا ذکر تیسری صدی کی تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ابن مسکویہ نے جہاں ہارون الرشید کے پوتے متوکل علی اللہ کی خلافت کا حال لکھا ہے وہاں شاھا اور یکدر کے دو قلعوں کا بھی ذکر کیا ہے جو اس زمانے میں یہاں کے باغی سرداروں کے قبضے میں تھے۔ ساتویں صدی میں ہلاکو خاں نے شاھا کو دوبارہ تعمیر کرایا اور اس میں اپنا تمام خزانہ جو بغداد اور خلافت کے صوبوں سے لوٹا تھا، جمع کیا۔ چونکہ یہ مقام بعد میں ہلاکو خاں کا مدفن بنا اس لیے فارسی میں اسے گور قلعہ (قبر والا قلعہ) کہا جانے لگا۔ تیمور کے عہد میں جب حافظ ابرو نے اپنی کتاب لکھی، وہ بالکل غیر آباد تھا۔ (ایضاً، ص ۲۰۸)

شمس المعارف حضرت شمس تبریزی نے تبریز میں جنم لیا تھا۔ یہ صوبہ آذربائیجان کا مشہور شہر ہے اور اس کا مختصر تاریخی جغرافیہ یہ ہے۔

Marfat.com

''تبریز کا شہر اس جھیل کے کنارے سے تقریباً بتیس میل کے فاصلے پر ایک دریا پر واقع ہے اور یہ دریا ''شاھا'' کے جزیرہ یا جزیرہ نما کے قریب سے نکلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی تک تبریز محض ایک گاؤں تھا۔ خلیفہ متوکل علی اللہ کے عہد میں ایک شخص ''ابن الرواد'' وہاں آ کر بسا۔ اس نے اور اس کے بھائی اور بیٹے نے اپنے اپنے لیے محل تیار کرا لیے اور آخر اس تمام آبادی کو جو ان محلوں کے گرد پیدا ہو گئی تھی ایک فصیل سے گھیر دیا۔ بعد کی ایک روایت یہ مشہور ہے کہ اس شہر کو ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے بسایا تھا۔'' (ایضاً ص ۲۰۹)

مشہور اور قدیم عرب مسلم مورخ علامہ احمد بن یحیٰی بن جابر الشہیر البلاذری ''تبریز'' کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:

''تبریز میں الرود الاذری فروکش ہوا، پھر الوجناء بن الرواد اور اس کے بھائیوں نے مکانات بنائے۔ گرداگرد دیوار بنوائی اور اس کو محفوظ کیا۔ اس کے بعد لوگ یہاں اس کے ساتھ آباد ہو گئے۔''

(فتوح البلدان از البلاذری، اردو ترجمہ، حصہ دوم ص ۴۸۶)

بہرکیف صوبہ آذربائیجان کی تسخیر بشمول تبریز خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق کے عہد میں ۲۱ھ یا ۲۲ھ کو ہوئی تھی۔ جی۔ بی۔ اسٹرینج رقم طراز ہیں:

''ایک روایت یہ مشہور ہے کہ اس شہر کو ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے بسایا تھا لیکن پرانے مورخوں سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہیں پتہ نہیں چلتا کہ زبیدہ کبھی آذربائیجان آئی تھی۔ مقدسی نے چوتھی صدی میں تبریز کو ایک خوب صورت شہر بتلایا ہے جس میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر کے گرد میووں کے بار آور باغ تھے اور شہر میں پانی کی بہتات تھی۔ یاقوت جو ۶۱۰ھ میں آیا تھا تبریز کو آذربائیجان کا سب سے بڑا شہر بتلاتا ہے اور قزوینی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ تبریز کا عتابی (جو ایک ریشمی کپڑا تھا)، یہاں کی مخملیں اور دیگر قسم کے کپڑے مشہور تھے۔

جب ۸۱۶ھ میں مغلوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اہل شہر نے فوراً فدیہ دے کر اس کو گویا خرید لیا۔ بعد کو ایلخانیوں کے عہد میں تبریز اس نواح کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ یہ شہر دو مرتبہ زلزلوں سے برباد ہوا اور دونوں مرتبہ پھر تعمیر کیا گیا۔ پہلا زلزلہ ۲۴۴ھ میں آیا اور دوسرا ۴۳۴ھ میں۔ اس زلزلہ میں چالیس ہزار باشندے مارے گئے۔

جب آخری مرتبہ اس کو تعمیر کیا گیا ہے تو اس کے گرد ایک فصیل بنائی گئی جو اس دور میں

Marfat.com

چھ ہزار قدم تھی اور اس میں دس دروازے تھے۔ یہ شکل میں آٹھویں صدی تک قائم رہی جب کہ غازان خان نے پرانی فصیل کے باہر ایک نئے شہر کی عمارتیں بنوانی شروع کیں اور ان عمارتوں کے گرد ایک نئی فصیل بنوادی۔ اس نئی فصیل میں چھ دروازے تھے اور اس کے دور میں ولیان کی پہاڑی بھی آ گئی تھی۔ اس فصیل کا دور پچیس ہزار قدم تھا۔ مستوفی نے تبریز کی اندر والی اور باہر والی فصیلوں کے دروازوں کے نام لکھے ہیں۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غازان خان ۷۰۳ھ میں اپنے ہی تعمیر کیے ہوئے نئے شہر کے محلہ یا ربض شام میں دفن کیا گیا تھا۔

اس کے جانشینوں نے شہر کے اندر اور شہر کے باہر ربض رشیدی میں جو ولیان کی پہاڑی کی ڈھال پر واقع تھا متعدد مسجدیں اور دیگر عمارات عامہ تعمیر کرائیں۔ تبریز کے باغ مہران رود کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ دریا کوہِ سہند سے جو شہر کے جنوب میں تھا نکلتا تھا۔ تبریز کے گرد سات اضلاع اور تھے جن کے نام اکثر ان دریاؤں کے ناموں پر تھے جو ان میں بہتے تھے۔ مستوفی نے ان اضلاع اور ان کے قرب و جوار کے قریوں کے نام تفصیل سے نقل کیے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نام ایسے ہیں جن کے پڑھنے میں شبہ رہ جاتا ہے۔

ابن بطوطہ ۷۳۳ھ میں تبریز میں آیا تھا۔ وہ اس شہر کے شام کے محلہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ شہر سے باہر تھا اور اس میں غازان کا بنایا ہوا ایک عالی شان مدرسہ اور خانقاہ تھی۔ ابن بطوطہ شہر تبریز میں باب بغداد سے داخل ہوا تھا اور اس نے قازان کے بازار، اور جوہریوں کے بازار کا جہاں ہر قسم کے جواہرات بکثرت فروخت کے لیے موجود رہتے تھے، ذکر کیا ہے۔ اسی کے قریب مشک و عنبر کا بازار تھا۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد غازان کے وزیر علی شاہ جیلانی نے تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کا فرش سنگ مرمر کا تھا، اس کے حوض کے لیے ایک نہر سے پانی آتا تھا۔ دیواروں پر روغنی یعنی قاشانی کام کیا گیا تھا اور مسجد کے دائیں طرف خانقاہ اور بائیں طرف مدرسہ تھا۔

مہران رود جو تبریز کی بیرونِ شہر بستیوں میں سے گزرتا تھا اور سرد رود کے جنوب مغرب میں بہتا تھا، دونوں کوہِ سہند جو تبریز کے جنوب میں تھا، سے نکلتے تھے اور دونوں دریائے سراؤ میں مل جاتے تھے جو شہر کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر تھا۔

سراؤ رود جس کا دوسرا نام دریائے سرخاب تھا، سبلان کوہ سے نکلتا تھا جو تبریز سے ۲۰۰ میل

Marfat.com

کی مسافت پر شہر اردبیل کے سر پر کھڑا تھا۔ یہ دریا بہت طویل چکر کاٹتے، بہت سی شور مردابوں میں سے گزرنے اور بہت سے معاون دریاؤں کو ساتھ لینے کے بعد ایک مقام پر جو تبریز سے چالیس میل مغرب میں تھا، جھیل ارمیہ میں گر جاتا تھا۔ کوہِ سبلان اور ان دونوں پہاڑوں میں سے نکلنے والے دریاؤں کا حال مستوفی نے خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ سراؤ یا سراب کا شہر جس کے نام پر سراؤ رود کا نام مشہور ہوا تھا، تبریز سے اردبیل جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ شہر سراؤ یا سراب کے گرد ''ورزند''، درند، برغوش اور تھیر کے چار اضلاع تھے۔

ابتدائی عرب جغرافیہ نویس، سراب کو سرات لکھتے ہیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ ایک خوب صورت مقام تھا جس میں بہت سی چکیاں تھیں اور شہر کے گرد میووں کے باغ اور کھیت تھے جن میں غلہ اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سرات میں بہت سی سرائیں اور عمدہ بازار تھے۔ یاقوت نے، جو اس شہر کا نام سراؤ یا سرو لکھتا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ شہر ۶۱۷ھ کی تاتاری یورش میں برباد ہو گیا تھا اور اس کے اکثر باشندے قتل کر دیے گئے تھے لیکن آئندہ صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو پھر بارونق ہو گیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ شہر تبریز سے تین دن اور اردبیل سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا۔

سراؤ رود کے بائیں کنارے پر اوجان کا شہر تبریز سے دس فرسخ کے فاصلے پر اس سڑک پر واقع تھا جو تبریز سے میانہ کو جاتی تھی لیکن اس کو مغلوں نے برباد کر دیا تھا اور مستوفی کی زندگی میں غازان خان نے، جو چند روز یہاں رہا تھا، اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ اس کا نام بدل کر اس نے شہر اسلام رکھا اور اس کے گرد چونے گچ کی ایک سنگین فصیل جو اس دور میں تین ہزار قدم تھی تعمیر کرائی۔ اس کے نواح کی زمینیں زرخیز تھیں اور ان میں غلہ، روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس کا دریا آب اوجان، کوہِ سہند کی ایک مشرقی شاخ سے نکلا تھا۔ اس پہاڑ کے جنوب مغرب میں تبریز سے تقریباً ساٹھ میل اور جھیل ارمیہ کے ساحل سے چار فرسخ کے فاصلے پر داخرقان کا بڑا گاؤں تھا۔

ابن حوقل اور دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس نام کو اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن اہل ایران اسے ''دہ خوارقان'' لکھتے ہیں۔ یاقوت نے ''داخرقان'' کا دوسرا نام دہ نخیر جان لکھا ہے اور بتلایا ہے کہ اس کے معنی نخیر جان کا گاؤں ہیں۔ نخیر جان ساسانی بادشاہ

Marfat.com

خسرو کا خزانچی تھا۔ مستوفی نے اس کو چھوٹا سا قصبہ بتایا ہے۔ جس کے گرد ملحقات اور گاؤں تھے جہاں میوہ اور غلہ بہت پیدا ہوتا تھا۔''

(جغرافیہ خلافت مشرقی از جی۔ بی اسٹرینج، اردو ترجمہ ص ۲۱۱ تا ۲۱۳)

جی۔ بی۔ اسٹرینج ''تبریز'' کی تاریخی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:
''زمانہ مابعد کے مختلف عہدوں میں متعدد شہر یکے بعد دیگرے صوبے کے صدر مقام تھے۔ پہلے شروع کے عباسی خلفا کے عہد میں اردبیل صدر مقام تھا۔ پھر بعد کے خلفاء کے زمانے میں تبریز کو یہ شرف حاصل ہوا۔ لیکن تاتاریوں کی یورش کے بعد کچھ مدت کے لیے یہ درجہ مراغہ کو مل گیا۔ ایل خانیوں کے عہد میں تبریز نے پھر اپنا پہلا عروج حاصل کر لیا۔
لیکن خاندان صفوی کے ابتدائی بادشاہوں کے زمانے میں اردبیل کے سامنے کچھ نہ رہا۔
اس کے بعد جب گیارہویں صدی میں شاہ عباس صفوی نے اصفہان کو تمام ایران کا دارالسلطنت قرار دیا اور اردبیل ویران ہو گیا۔ تو تبریز ایک مرتبہ پھر آذربائیجان کا صدر مقام ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت تک اس کی یہ حیثیت قائم ہے اور وہ ایران کے شمال مغربی حصے کا بڑا شہر ہے۔''

(جغرافیہ خلافت مشرقی از جی۔ بی۔ اسٹرینج، اردو ترجمہ، ص ۲۰۷)

شام کا شہر دمشق اس وقت دنیائے اسلام میں عروس البلاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ بالخصوص تعلیمی و دینی و علمی نقطہ نظر سے اس وقت دنیائے اسلام میں وہ اپنی مثال آپ تھا۔
چنانچہ اندلس کا مشہور مسلم سیاح محمد ابن جبیر اندلسی جو چھٹی صدی میں ہو گزرا ہے، دمشق کی سیاحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ماہ ربیع الآخر ۵۸۰ھ ۱۱ جولائی کو بدھ کی شب چاند دکھائی دیا۔ آج کل ہم دمشق میں جامع مسجد کے پیچھے دارالحدیث میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔
یہ شہر مطلع حسن اور ممالک شرقی کی جنت ہے۔ ہماری سیاحت میں اسلامی مقاموں میں سے یہ آخری شہر، ہماری دیکھی ہوئی آبادیوں میں گویا یہ ایک دلہن ہے۔ ریاحین کی کثرت نے اس عروس کو پھولوں کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ باغوں کے احاطے نے گویا سبز ریشم کا لباس پہنایا ہے۔ یہ بستی اپنی خوبی کے اعتبار سے نہایت موزوں ہوئی ہے اور اپنی مسند عروسی پر خوش نما جلوہ دکھا رہی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے قدم پاک سے مشرف فرمایا ہے۔ آپ کی پیدائش کا ٹیلہ اور پانی کا چشمہ اسی جگہ ہے۔

Marfat.com

درختوں کا سایہ گنجان اور پانی خوش گوار ہے۔ ہر طرف پانی کی نہریں سفید سانپ کی سی لہریں لے رہی ہیں۔ باغوں کی ہوا بیماروں کو تندرست کرتی ہے۔ مشتاقوں کو اپنی خوبی اور صفائی دکھا کر زبانِ حال سے اس طرح پکارتی ہے۔

''آرام گاہِ حسن میں آیئے۔'' پانی کی یہ کثرت ہے کہ زمین شادابی سے تنگ آ کر تشنہ کاموں کی مشتاق ہے۔ سخت سے سخت پتھر کا یہ کلام ہے۔

ارکض برجلک ھذا مغتسل بارد و شراب

''اپنے پاؤں سے زمین کو ٹھکرا دو۔ تمہارے نہانے اور پینے کے لیے یہ ٹھنڈا پانی حاضر ہے۔'' آبادی کے چاروں طرف باغات کا حلقہ ہے جیسے ماہتاب کے گرد ہالہ یا پھول کے گرد شگوفہ اس کے مشرق میں غوطہ دمشق حد نظر تک سرسبز و شاداب ہے۔ جس طرف نظر جاتی ہے سبزہ زاروں میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ اس کی تعریف میں لوگوں نے سچ کہا ہے کہ:

''جنت اگر زمین پر ہے تو دمشق ہے اور اگر آسمان پر ہے تو اس کے مقابل ہے۔''

(سفرنامہ ابن جبیر اندلسی از محمد ابن جبیر اندلسی، اردو ترجمہ، ص ۲۱۷ تا ۲۱۸)

محمد ابن جبیر اندلسی شہر دمشق کے شفاخانوں اور مدارس کا ذکر بدیں الفاظ کرتے ہیں:

''شہر میں ۲۰ مدرسے اور دو شفاخانے ہیں۔ ایک شفاخانہ پرانا اور ایک نیا بنا ہوا ہے۔ نیا شفاخانہ پرانے سے بڑا ہے اور خوش قطع ہے۔ اس شفاخانے کے مصارف کے واسطے پندرہ لاکھ دینار مقرر ہیں اور اس کے بہت سے نگہبان ہیں۔ جن کے پاس بیماروں کے نام اور ان کی دوا و غذا وغیرہ کے مصارف کی فہرستیں رہتی ہیں۔ یہ شفاخانے اور مدرسے اہل اسلام کی حکومت کے سامانِ تفاخر میں داخل ہیں۔ سب سے خوش قطع اور نفیس عمارت نورالدین کے مدرسے کی ہے۔ اس مدرسے میں اس کی قبر ہے۔ یہ عمارت قصر کی طرح نہایت خوش منظر اور بارونق ہے۔ اس عمارت میں ایک نہر ہے اور اس میں آبشار کے ذریعے سے پانی آتا ہے۔ آبشار کا پانی حوض میں جمع ہو کر ایک گول کے ذریعہ سے بڑی نہر میں، جو وسط مکان میں واقع ہے، جاتا ہے۔ اس دل فریب منظر کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے اور نورالدین کے حق میں دعائے خیر نکلتی ہے۔ مدرسہ میں بہت سے مکان اہل تصوف کے رہنے کے واسطے بنے ہوئے ہیں۔ ان مکانوں کو خانقاہ کہتے ہیں۔ یہ مکانات بہت خوش قطع ہیں اور ہر مکان میں بڑے لطف سے پانی جاری ہے۔

ان مکانوں کے رہنے والے گویا اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے

Marfat.com

ایسے مکانات، جن کو دیکھ کر قصرِ جنان یاد آتے ہیں، عطا کیے ہیں۔ ان میں سے وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جن کو فضلِ خدا سے دنیا و آخرت دونوں کی نعمتیں میسر ہیں۔ ان کا طریقِ عبادت، طرزِ معاشرت اور پابندیٔ اوقات نہایت عمدہ اور بہتر ہے۔ ان کی سماع کی مجلس بہت موثر اور مودب ہوتی ہے۔

کبھی کبھی سماع میں ان لوگوں پر رقت اور شوق کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ دنیا سے انتقال کر جاتے ہیں۔ غرض کہ ان لوگوں کا طریقہ نہایت پاکیزہ ہے اور انہیں عشرتِ جاوید کی امید ہے۔''

اندلسی سیاح محمد بن جبیر اندلسی کے ایک قریب العہد مسلم مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی دمشق کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا ہے اور دمشق کو ''جنت الشرق'' کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

''دمشق میں میرا داخلہ ۹ رمضان المعظم ۷۲۶ھ کو ہوا۔ یہاں کے ایک مدرسہ مالکیہ جوشرا لشبیہ کے نام سے عام طور پر معروف ہے میں مقیم ہوا۔

دمشق کو بلا مبالغہ کے بالکل بجا طور پر حسن و جمال، رعنائی و زیبائی و دلکشی اور سحر طرازی کے باعث دنیا کے تمام شہروں پر تفوق اور برتری حاصل ہے۔ زیادہ سے زیادہ تطویل اور تفصیل کے ساتھ بھی اگر اس کے محاسن بیان کیے جائیں اور جو بظاہر یکسر غلط معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ درحقیقت اصل خوبیوں سے کم ہی ہوں گے، کون سی زبان ہے جو اس کی تعریف کر سکتی ہے؟ اور کون سا قلم ہے جو اس کی مدح سرائی کا حق ادا کر سکتا ہے؟ مشہور سیاح عالم ابن جبیر نے دمشق کے محاسن کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ حرفِ آخر ہے۔ میں کہنا چاہوں تو بھی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔''

(سفرنامہ ابن بطوطہ)

ابن بطوطہ نے دمشق کے حالات میں اپنی کتاب الرحلۃ میں مبسوط طور پر بیان کیے ہیں۔ انہوں نے درج ذیل مدارس کا بھی ذکر کیا ہے:

۱۔ مدرسہ شافعیہ

۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مسجد کے تیرہ امام تھے۔

۳۔ مدرسین و معلمین اور انداز و اصولِ تعلیم و تدریس کا بھی مفصل ذکر کیا ہے۔

۴۔ دمشق کے مدارس شافعیہ جو کہ تعداد میں بہت سے تھے۔

۵۔ دمشق میں مدارس احناف کہ جو تعداد میں بہت سے تھے ان کا سب سے بڑا مدرسہ سلطان نورالدین کا تھا۔

Marfat.com

مشہور مستشرق جی۔بی۔اسٹرینج قونیہ کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

''سلجوقی سلاطین قونیہ کا خاندان دوصدی سے زیادہ عرصہ تک یعنی ۴۷۰ھ سے ۷۰۰ھ تک قائم رہا لیکن حقیقت میں ان کی اصلی طاقت کا خاتمہ اس وقت ہو گیا تھا جب مغلوں نے سقوطِ بغداد سے ایک سال قبل ۶۵۵ھ میں قونیہ فتح کر لیا۔ ایشیائے کوچک کی سطح مرتفع میں سلجوقی سلطنت کی ابتدا اور طارس کے کوہستانی علاقے میں آرمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا قائم ہونا یہ دونوں واقعے ہم زمانہ ہیں۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد سیس کو جس کو سیسیہ بھی لکھا جاتا ہے روپن کا، جو نئے شاہی خاندان کا بانی ہوا، پایۂ تخت ہو گیا۔

ایک صدی بعد یعنی ۵۹۴ھ میں 'لیو' نے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ آرمینیہ خورد کے بادشاہ مغلوں کے طوفان کو جھیلنے کے بعد آخرکار ۷۴۳ھ میں خاتمے کو پہنچ گئے۔ سیس سے شروع کر کے اس سلطنت نے اس قدر ترقی کی کہ وہ تمام کوہستانی ملک جسے دریائے سیحان وجیحان سیراب کرتے تھے۔ بحیرہ روم تک مع مصیصہ اذنہ اور طرطوس کے شہروں کے اور طرطوس کے مغرب میں دور تک ساحل سمند کے سب شہر اسی میں شامل ہو گئے۔

سیس یا سیسیہ یعنی شہر فلاویوپولس عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں عین زربہ کے علاقے کا بیرونی قلعہ سمجھا جاتا تھا اور اس کی فصیل خلیفہ ہارون الرشید کے پوتے خلیفہ متوکل نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی۔ بعد میں سیس کو بازنطینیوں نے فتح کر لیا اور ابوالفداء بیان کرتا ہے کہ اس کی فصیل آرمینیہ خورد کے بادشاہ لیو ثانی الملقب بہ اعظم نے حال ہی میں دوبارہ تعمیر کرائی ہے۔

اس کا محل جس کے گرد تری دیواریں تھیں، پہاڑی کی ایک چوٹی پر واقع تھا اور اس کے باغات درجہ بہ درجہ نیچے ہو کر دریا کے کنارے تک پہنچتے تھے۔ یہ دریائے جیحون کا معاون تھا۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں یہ شہر عام طور پر سے سیس کہلاتا تھا۔ سلطنت آرمینیہ خورد کے مغرب اور شمال کی طرف سلجوقی سلاطین کی عمل داری تھی۔ ایشیائے کوچک کی سطحات مرتفع پر ان سلجوقی سلاطین کی حکومت کے ابتدائی سو سال کے اندر تین مرتبہ صلیبی مجاہدوں کی فوجیں ان قطعات پر سے گزریں۔

پہلی صلیبی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۹۰ھ میں قلیج ارسلان اول کو جو اس سلطنت کے

Marfat.com

بانی سلطان سلیمان کا بیٹا تھا نعیہ چھوڑنا پڑا اور صلیبی مجاہدوں کا جمِ غفیر قونیہ کے پاس سے گزرتا ہوا طرسوس پہنچ کر سمندر کے کنارے آ گیا اور یہاں سے سوار ہو کر فلسطین چلا گیا۔

دوسری صلیبی جنگ میں قلیج ارسلان کے بیٹے سلطان مسعود کو دریائے میاندر کے کنارے لوئی ہفتم شاہ فرانس نے ۵۴۲ھ میں شکست دی۔ اس کے بعد فرینک قوم کی فوجوں کو انطا کیہ کی بندرگاہ تک پہنچنے میں کوہستانی زمین پر شدید نقصان اٹھانے پڑے۔

تیسری صلیبی جنگ میں قیصر فریڈرک باربروسا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ۵۸۶ھ میں سلجوقیوں کے دارالسلطنت قونیہ کو سلطان مسعود کے بیٹے قلیج ارسلان ثانی سے فتح کر لیا تھا لیکن آگے بڑھ کر فریڈرک سلوقیہ کے قریب نہر لس میں اتفاقاً ڈوب کر مر گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں شروع کے خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں مسلمان اور عیسائی قیدیوں کا تبادلہ ہوتا تھا یا فدیہ وصول ہونے پر آزاد کر دیے جاتے تھے۔

سلجوق سلاطین روم جس ملک پر حکومت کرتے تھے اس کی وسعت کبھی کم اور کبھی زیادہ ہونا تین باتوں پر منحصر تھا۔

۱۔ ایک یہ کہ آیا بازنطینی سلطنت کو انحطاط ہوا یا اس نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو پھر حاصل کر لیا۔

۲۔ دوسرے آرمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا نمو۔

۳۔ اور تیسرے اس کے قرب و جوار کی ایسی سلطنتوں کی حالت جن کو صلیبی مجاہدوں نے جزواً مغلوب کر لیا تھا اور جہاں فرنگی شہزادے مسلمان رعایا پر حکومت کرتے تھے۔

روم میں سلجوقی سلطنت کی جو حیثیت کہ وہ ۵۸۷ھ میں رکھتی تھی اور اس کے بڑے شہروں کے نام اس ملکی تقسیم سے دریافت ہو جاتے ہیں جو اسی سنہ میں سلطان قلیج ارسلان ثانی سے اپنے گیارہ بیٹوں کے لیے عمل میں آئی تھی۔

قونیہ دارالسلطنت تھا اور دوسرے درجے کا شہر قیصریہ تھا۔ ملطیہ دریائے فرات کی سرحد پر مشرقی صوبے کا صدر مقام تھا۔ شمال میں سیواس، نکیسار، قدیم تاقوت اور اماسیہ کے شہر ایک ایک شہزادے کے حصے میں آئے تھے۔ شمال مغرب میں انگوریہ اور مغربی سرحد برغلو جو غالباً آج کل کے شہر الوبرلو سے مطابق ہوتا ہے اور جو جھیل ''اِگردُور'' کے مشرق میں واقع ہے۔ ایک ایک شہزادے کو ملا۔ جنوبی سرحد پر قونیہ سے مغرب کی طرف بڑے بڑے شہر حسب ذیل تھے:

ارا کلیہ، نکیدہ یا نکدہ، ابلستان جو بعد میں کوالیستان ہو گیا اور دراصل یونانی میں ارابیسس

Marfat.com

تھا۔ قلیج ارسلان دوم کا پوتا سلطان علاؤ الدین ۶۱۶ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو شمالاً جنوباً بحیرہ اسود کے ساحل سے لے کر بحیرہ روم تک وسیع کیا۔ بحیرہ اسود کے ساحل پر اس نے سینوب کو فتح کیا اور جنوبی ساحل پر علایا کی ایک بڑی بندرگاہ اپنے نام پر قائم کی۔ یہاں جہاز بنانے کے سامان اور اسی قسم کی دیگر مصنوعات کے نشانات جن کا تعلق سلجوقیوں کی عظیم الشان قوت تھا اب تک نظر آتے ہیں۔

سلطان علاؤ الدین نے شمال مغرب میں اپنی سلطنت کو صاری بولی کے شہر تک بڑھایا۔ اسی سلطان کے دورِ حکومت میں حضرت مولانا جلال الدین رومی کی تصانیف سے شہرت ہوئی۔ قونیہ میں ان کی زندگی بسر ہوئی اور اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔

سلطان علاؤ الدین نے ۶۳۴ھ میں وفات پائی اور اس کے بیس برس بعد مغلوں کی فوجوں نے سلجوقیوں کی قوت توڑ دی۔ سلاطین سلجوق کے سلسلہ کے آخری چار آدمی بادشاہ نہ تھے بلکہ ایران کے ایل خانیوں کے ماتحت صوبہ داروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آخرکار ۷۰۰ھ میں روم کا صوبہ دس ترکمان امیروں میں جو کسی زمانہ میں سلجوقیوں کے باج گذار تھے، تقسیم ہو گیا۔"

(جغرافیہ خلافت مشرقی از جی۔ بی۔ اسٹرینج)

چھٹی صدی ہجری کے مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ بعنوان شہر قونیہ بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"پھر ہم قونیہ میں وارد ہوئے۔ یہ شہر بڑا ہے یہاں کی عمارتیں خوب صورت، پانی وافر، نہروں، باغات اور پھلوں کی پیداوار بکثرت ہے۔ یہاں ایک قسم کی کشمش ہوتی ہے۔ قمرالدین کہتے ہیں اس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے اور یہاں سے دیارِ مصر و شام دساور بھیجی جاتی ہے۔

اس کے راستے چوڑے اور بازار نادرالترتیب ہیں جس میں ہر پیشہ کے لوگ علیحدہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کی بنیاد سکندر نے ڈالی تھی۔ ہم یہاں قاضی کے زاویہ میں اترے جسے ابن قلم شاہ کہتے ہیں۔ یہ الفتیان میں سے ایک ہے اور اس کی خانقاہ تمام خانقاہوں میں بہت بڑی ہے۔ اس کے شاگردوں کا بہت بڑا گروہ ہے۔ الفتوۃ میں ان کی سند کا سلسلہ امیر المومنین علی بن ابی طالب تک پہنچتا ہے۔ ان کے پاس جو لباس رہتا ہے وہ ایسے پاجامے ہیں جیسے صوفیہ خرقہ پہنتے ہیں۔ اسی شہر میں الشیخ الامام الصالح القطب جلال الدین المعروف بہ مولانا کا مزار مبارک ہے۔ آپ بہت مرتبہ والے شخص تھے۔ سرزمین روم میں ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو آپ کی طرف منسوب کرتا ہے اور

Marfat.com

آپ ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انہیں الجلالیہ کہتے ہیں۔ جس طرح الاحمد یہ عراق میں اور الحید ریہ خراسان میں مانا جاتا ہے آپ کے مزارِ مبارک پر ایک بہت بڑا زاویہ ہے جہاں سے ہر وارد و صادر کو کھانا ملتا ہے۔''

(سفرنامہ ابن بطوطہ)

☆☆☆

اسلام کو آج تیرہ سو برس ہوئے اور اس مدت میں اس نے بار ہا بڑے بڑے صدمات اٹھائے، لیکن ساتویں صدی ہجری میں جس زور کی اس کو ٹکر لگی، کسی اور قوم یا مذہب کو لگی ہوتی تو پاش پاش ہو کر رہ جاتا۔ یہی زمانہ ہے جس میں تاتاریوں کا سیلاب اٹھا اور دفعتہً اس سرے سے اُس سرے تک پھیل گیا۔ سینکڑوں ہزاروں شہر اجڑ گئے، کم از کم نوے لاکھ آدمی قتل کر دیے گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بغداد جو سلطنتِ اسلام کا تاج تھا، اس طرح برباد ہوا کہ آج تک سنبھل نہ سکا۔ یہ سیلاب ۶۱۵ھ میں تاتار سے اٹھا اور ساتویں صدی کے اخیر تک برابر بڑھتا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا، لیکن اسلام کا علمی دربار اسی اوج و شان کے ساتھ قائم رہا۔ محقق طوسی، شیخ سعدی، خواجہ فرید الدین عطار، عراقی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ محی الدین عربی، صدر الدین قونوی، یاقوت حموی، شاذلی، ابن الاثیر مورخ، ابن الفارض، عبداللطیف بغدادی، نجم الدین رازی، سکاکی، سیف الدین آمدی، شمس الائمہ کردری، محدث ابن الصلاح، ابن النجار، مورخ بغداد، ضیا بن بیطار، ابن حاجب، ابن القفطی صاحب تاریخ الحکماء، خونجی منطقی، شاہ بوعلی قلندر، زملکانی وغیرہ اسی پُرآشوب عہد کے یادگار ہیں۔

سلطنتیں اور حکومتیں مٹی جاتی تھیں لیکن علم وفن کے حدود وسیع ہوتے جاتے تھے۔ اسی زمانے میں محقق طوسی نے ریاضیات کو نئے سرے سے ترتیب دیا، یاقوت حموی نے ''قاموس الجغرافیہ'' لکھی۔ ضیا بن بیطار نے بہت سی نئی دوائیں دریافت کیں۔ شیخ سعدی نے غزل کو معراج پر پہنچایا۔ ابن الصلاح نے اصولِ حدیث کو مستقل فن بنا دیا۔ سکاکی نے فنِ بلاغت کی تکمیل کی۔

اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ مولانا اپنے زمانے کے ان مشاہیر میں سے اکثر سے ملے ہیں لیکن تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ جس قدر پتہ لگتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔ شیخ محی الدین اکبر سے دمشق میں ملاقات ہوئی اور یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا تحصیلِ علم میں مصروف تھے اور ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ سپہ سالار لکھتے ہیں کہ مولانا جس زمانے میں دمشق میں تھے، محی الدین، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی سے اکثر صحبتیں رہیں۔ جو حقائق و اسرار ان صحبتوں میں بیان کیے گئے، ان کی تفصیل میں طول ہے۔

صدر الدین قونوی، شیخ محی الدین اکبر کے مرید خاص اور اُن کی تصنیفات کے مفسر تھے۔ وہ قونیہ میں

Marfat.com

رہتے تھے اور مولانا سے بڑا اخلاص تھا۔ نجم الدین رازی مشائخ کبار میں تھے۔ ایک دفعہ وہ اور مولانا شیخ صدرالدین شریک صحبت تھے۔ نماز کا وقت آیا تو انہی نے امامت کی اور دونوں رکعتوں میں "قل یاایھا الکافرون" پڑھی۔ چونکہ دونوں میں ایک ہی سورۃ پڑھنا غیر معمولی بات تھی، مولانا نے شیخ صدرالدین کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ایک دفعہ میرے لیے پڑھی اور ایک دفعہ آپ کے لیے۔

شاہ بوعلی قلندر پانی پتیؒ جن کو تمام ہندوستان جانتا ہے، مدت تک مولانا کی صحبت میں رہے اور ان سے مستفید ہوئے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی جو شیخ سعدی کے پیر تھے، ان سے بھی مولانا کی صحبتیں رہیں۔ شیخ سعدی کا گزر اکثر بلادِ روم میں ہوا ہے۔ "بوستان" میں ایک درویش کی ملاقات کی غرض سے روم کے سفر کا ذکر خود کیا ہے۔ اس سے اگرچہ قیاس ہوتا ہے کہ ضرور مولانا سے ملے ہوں گے، لیکن روایتوں سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔ "مناقب العارفین" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ولی شیراز شمس الدین نے شیخ سعدی کو ایک رقعہ لکھا کہ ایک صوفیانہ غزل بھیج دیجیے تاکہ میں اس سے غذائے روحانی حاصل کروں۔ یہ بھی لکھا کہ کسی خاص شاعر کی قید نہیں، چاہے کسی کی ہو۔ اسی زمانہ میں مولانا روم کی ایک نئی غزل قوالوں کے ذریعہ سے پہنچی تھی۔ شیخ نے وہی غزل بھیج دی، اس کے چند شعر یہ ہیں:

ہر نفس آوازِ عشق میرسد از چپ و راست
ما بہ فلک میرویم، عزم تماشا کراست
ما بہ فلک بودہ ایم، یار ملک بودہ ایم
باز ہماں جارویم جملہ کہ آں شہر ماست
خود فلک برتریم، و ز ملک افزوں تریم
زیں دو چرا نگذریم، منزل ما کبریا است

شیخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بلادِ روم میں ایک صاحب حال پیدا ہوا ہے۔ یہ غزل اسی کے ترانۂ حقیقت کا نغمہ ہے۔ شمس الدین نے غزل دیکھی تو عجب حالت طاری ہوئی۔ خاص اسی غزل کے لیے سماع کی مجلسیں منعقد کیں اور بہت سے ہدیے اور تحفے دے کر شیخ سعدیؒ کو مولانا کی خدمت میں بھیجا، چنانچہ شیخ قونیہ میں آئے اور مولاناؒ سے ملے۔

علامہ قطب الدین شیرازی محقق طوسی کے شاگرد رشید تھے۔ "درۃ التاج" ان کی مشہور کتاب ہے جس میں انہوں نے فلسفہ کے کل اجزاء فارسی میں نہایت جامعیت سے لکھے ہیں۔ وہ مولانا کی خدمت میں امتحان لینے کی غرض سے آئے اور حلقہ بگوش ہو کر گئے۔ ان کی ملاقات کی روایتیں مختلف ہیں۔

"جواہر مضیہ" میں لکھا ہے کہ وہ مولانا کے پاس گئے تو مولانا نے ایک حکایت بیان کی، جس سے

Marfat.com

اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ تم امتحان لینے آئے ہو۔ چونکہ وہ درحقیقت اسی نیت سے آئے تھے، شرمندہ ہو کر چلے گئے۔

ارنیقی نے ''مدینۃ العلوم'' میں لکھا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی نصیحت سے برکت حاصل کی۔ ''مناقب العارفین'' میں خود قطب الدین شیرازی کی زبان سے نقل کیا ہے کہ وہ دس بارہ مستعد علماء کے ساتھ مولانا کے پاس گئے۔ سب نے آپس کے مشورے سے چند نہایت معرکتہ الآراء مسائل ٹھہرا لیے تھے کہ مولانا سے پوچھیں گے۔ جونہی مولانا کے چہرے پر نگاہ پڑی یوں معلوم ہوا کہ گویا کبھی کچھ پڑھا ہی نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے خود حقائق اور اسرار پر تقریر شروع کی، جس کے ضمن میں وہ تمام مسائل بھی آ گئے جو امتحان کی غرض سے یہ لوگ یاد کر کے گئے تھے۔ بالآخر سب کے سب مولانا کے مرید ہو گئے۔

واقعہ کی یہ تفصیل صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ علامہ قطب الدین شیرازی بھی مولانا کی زیارت کرنے والوں میں ہیں اور اس سے مولانا کے رتبہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(سوانح مولانا رومؒ از مولانا شبلی نعمانی)

حضرت شمس تبریزؒ اور مولانا رومیؒ کا دور اسلامی تاریخ کا نازک ترین دور تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ملت اسلامیہ شدید قسم کے سیاسی، علمی، ثقافتی اور نظریاتی، جغرافیائی بحران کا شکار تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دور میں مولانا جلال الدین رومیؒ کی صورت میں ایک ایسی شخصیت پیدا کی جس نے ملت اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونکی اور ان کی تحریک سے ملت اسلامیہ ایک بار پھر بلندیوں کی طرف گامزن ہوئی۔ حضرت شمس تبریزؒ کا ملت اسلامیہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی صورت مولانا جلال الدین رومیؒ کی روحانی تربیت کی اور ان کو وہ سب منتقل کیا جو رب العالمین منتقل کر کے انسانیت تک اپنا پیغام تازہ کرنا چاہتا تھا۔

مثنوی شریف کو قرآن کا پہلوی ترجمہ یوں ہی نہیں کہا گیا۔ مولانا رومؒ کی صورت اللہ نے ملت اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونکی جس نے آنے والی صدیوں میں نہ صرف اس پیغامِ ہدایت کو عام کیا بلکہ سات سو سال کے عرصے میں پڑی ہوئی گرد کو صاف کر کے ملت اسلامیہ کو ایک بار پھر تازہ دم کر دیا۔

مولانا رومیؒ کی اس کاوش عظیم نے عہد بہ عہد اور نسل بہ نسل دلوں اور ذہنوں میں انقلاب کی صد رنگ قندیلیں منور کیں۔ ان کا کلام اسرار و رموز کا ایک خزینہ اور معرفت و عرفان کا ایک گنجینہ ہے۔ وہ شاعر کی صورت حکیم و مفکر ہیں۔ انہوں نے اپنی فکر اور دانش اور شعر و فن کو بنی نوع انسان کی تعلیم و تربیت میں صرف کیا۔ اس مقصد کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا۔ انہوں نے اپنے عہد میں بے عملی، مصلحت کوشی، کج روی، مادہ پرستی اور ظاہر داری کے بتوں کو پاش پاش کیا۔ یونانی فلاسفہ اور اپنے زمانے کے متکلمین

Marfat.com

کے تعقل و تفلسف کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور فقہی جزئیات کی موشگافیاں اور منطقی نکتہ آرائیاں ختم کیں۔ اُن کے کلام سے ملائیت، منافقت اور مادیت کے اجارہ داروں کے چہرے بے نقاب ہوئے۔ انہوں نے معاشرے کی جمودی کیفیت اور بے حسی اور بے عملی کے سکوت کو توڑ کر تشکیک و تردد کا قلع قمع کیا اور خالص دین و عرفان کی روح پرور خوشبو بکھیر دی۔

حضرت شمس تبریزؒ نے ان کی جو روحانی تربیت کی اس نے ملت اسلامیہ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ اس وقت ملت اسلامیہ کس حالت میں تھی اس دور کی حالت کو سمجھے بغیر مولانا جلال الدین رومیؒ اور ان کے پیر کامل حضرت شمس تبریزؒ کی شخصیت اور کردار کو سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''مولانا رومی: حیات و افکار'' میں اس کی جو تحقیق پیش کی ہے وہ قابل ستائش ہے اور اس وقت کی صورت حال کو واضح کرتی ہے۔

✵

Marfat.com

کتابیات

- تاریخ ابن خلدون حصہ دوم
- تاریخ اسلام از جسٹس امیر علی حیدر
- اے ہسٹری آف پرشیا از بریگیڈیئر جنرل سر پرسی سائیکس
- تاریخ ایران، ابتدا سے عصر حاضر تک از سید اصغر علی شاہ جعفری
- جغرافیہ خلافت مشرقی از جی۔ لی۔ اسٹرینج
- فتوح البلدان از البلاذری
- سفر نامہ ابن جبیر اندلسی از محمد ابن جبیر اندلسی
- سفر نامہ ابن بطوطہ
- سوانح مولانا روم از مولانا شبلی نعمانی
- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
- ME AND RUMI By William C. Chittak
- THE SUFI Path of Love: The Spiritual Teachings of Rami (W.C.Ckittick, Albany: State University of New York Press -1983)
- Shams-i-Tabrizi by ST. Mohammad Ali Movahhed
- Sultan Walad, Walad-nama edited by J.Huma-I (Tehran)
- The Mathnawi of Jalaluddin, edited and translated by R.A. Nicholson, 8 Vol.
- Muslim Saints and Mystics, Translated by A.J. Arberry
- Diwan of Rumi, Published as Kulliyyat-i-Shams
- Dawan-i-Kabir Edited by B. Furuzanfar
- Maqalat-i-Shamas-i-Tabrizi edited by Mohammad Ali Movahhed.

Marfat.com

رومی رحمۃ اللہ علیہ اور شمس رحمۃ اللہ علیہ کا عہد

عیسوی سن کی تیرھویں صدی اسلام کی ساتویں صدی تھی۔ اسلامی سلطنت نے اپنی پہلی صدی ہی میں مکمل سیاسی بلوغت حاصل کر لی تھی اور اپنے قیام کے پہلے سات سو سالہ دور میں اپنی تمام تر جغرافیائی وسعتیں پا لی تھیں۔ مکہ سے طلوع ہو کر اس نے شام کو اپنی روشنی سے منور کیا۔ شمالی افریقہ کے سب علاقے اس کے دامن میں سمٹ آئے اور پھر وہ آبنائے جبرالٹر کو پھاند کر یورپ کے دروازوں پر دستک دینے لگا۔ اسلام نے سسلی میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے اور ادھر جنوب میں کمپانیا اور ابروزی تک جا پہنچا۔ اسپین ایک ایسا زینہ ثابت ہوا جس سے جست لگا کر اسلام پرونس، شمالی اطالیہ حتیٰ کہ سوئٹزر لینڈ میں داخل ہو گیا۔ اسپین اور سسلی نے اس کے لیے ایک حصار کا کام دیا۔ جہاں سے اس کے مستحکم ثقافتی اثرات سارے یورپ میں پھیل گئے۔

تاہم تیرھویں صدی میں اسلام کا معاشرتی نظام ان بہترین روایات کا مظہر نہ رہا تھا جنھیں وہ دنیا میں پیش کرنے آیا تھا۔ صدیاں گزر جانے پر اب وہ نورِ بصیرت دھندلا چکا تھا جس کا فیضان کبھی دنیا میں جاری و ساری تھا۔ اس کے نظام میں انحطاط کے جو عناصر نفوذ کر گئے تھے، چپکے چپکے اپنا کام کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آن پہنچا جب یہ بات آئینہ ہو گئی کہ وہ عظیم الشان تعمیر جو تیرھویں صدی تک اسلام کی علامت بن چکی تھی، اب کسی طور بھی ایک آہنی تعمیر کہلانے کی حق دار نہ رہی تھی۔ لیکن اسے محض کاغذ کی ناؤ بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ بلاشبہ یہ عمارت شکستہ ہو چکی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ اگر زوال کے بڑھتے ہوئے قدم روکے نہ جا سکے تو لامحالہ خطرات بڑے آفت انگیز ثابت ہوں گے۔

اسلام کے انحطاط کے اسباب اُسی وقت بخوبی سمجھ میں آ سکتے ہیں جب اُن کا مطالعہ اس کی کامرانی کے اسباب کے حوالے سے کیا جائے۔ ہمارے خیال میں اسلام کی عالی شان کامرانی تمام تر قرآنی تعلیمات اور حضور اکرم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثالی زندگی کی مرہونِ منت ہے۔ اسلامی دنیا نے وہ عروج حاصل کیا اور ترقی کی ایسی منزلیں طے کر ڈالیں جس کی کوئی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی، اس نے جو تہذیب پیش کی وہ بیک وقت شائستہ بھی تھی اور ترقی پذیر بھی۔ اُس زمانے میں یورپ ابھی توہم، جمود اور رجعت کی پستیوں میں کھویا ہوا تھا اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ مغرب اپنے احیا کے لیے بڑی حد تک اسلام کی فطری قوتِ استعداد کا منت دار ہے۔ مغرب میں احیا کا یہ دور بجا طور پر نشاۃِ ثانیہ کہلاتا ہے، اس کا مطلب ہے حیاتِ نو......اور یورپ کی جامد تہذیب کے لیے یہ دور بلاشبہ حیاتِ نو ہی ثابت ہوا۔

مسلمانوں کو یہ کامیابیاں صرف قرآنی تعلیمات اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثالی زندگی

Marfat.com

کے فیض نے عطا کیں اور ایسی کامیابیاں اُسی وقت تک ممکن ہوسکیں جب تک مسلمان اپنے دینی احکام کی بجاآوری میں پوری طرح مستعد اور سرگرم رہے مگر جوں ہی وہ قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے میں تساہل کا شکار ہوگئے، کامیابیوں کا حصول محال ہوتا چلا گیا۔

اسلام کے اولین پیروکاروں نے قرآن کے احکام کی تعمیل اور اُن کے نفاذ کے بڑی سے بڑی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا تھا لیکن اُن کے وارث اپنے آپ کو اس کام کا اہل ثابت نہ کرسکے۔ اُن پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اِس میراث کا تحفظ کرتے۔ اس کے برعکس انھوں نے اپنے فرض پر اپنی آسائشوں کو ترجیح دی اور اپنے دین کے بنیادی ضابطوں سے غفلت برتتے رہے۔ چنانچہ انھوں نے سہولت کو تو گلے لگالیا اور جس امر کو دشوار و گراں سمجھا اُسے نظرانداز کردیا۔ وہ زبانی طور پر تو قرآن کے بڑے عقیدت مند بنتے تھے مگر اپنے عمل سے اِس عقیدت کی تصدیق نہ کرسکے اور ظاہر ہے کہ اس کے بغیر اسلام محض ایک مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ قرآن کو زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لیے ایک مسلمہ بنیاد کے طور پر تسلیم کرتے، انھوں نے اسے محض عقائد وضوابط کے ایک مقالے کا درجہ دے دیا اور اس طرح اُسے اپنی پست سطح پر اتارنے کا ارتکاب کیا۔ پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ اس طرح اس کے نظام کی فعال قوت اور افادیت بے اثر ہوکر رہ گئی تھی۔

تیرھویں صدی میں سنت کی حیثیت رسمی صوفیوں کے نزدیک صرف ایک تصوری تصویر کی سی تھی جس کی اہمیت محض رمزی ہوتی ہے۔ علمائے دین اور مقلدین اِسے فقط ضوابط کا ایک نظام گردانتے تھے اور عام مسلمانوں کی نظر میں یہ سوائے ایک کھوکھلے خول کے کچھ بھی نہ تھا اور اس کا کوئی توانا اور دیرپا مفہوم نہ رہا تھا۔ اہلِ خرد اپنی دانش کی کوتاہ دستیوں سے ناآشنا تھے، اس لیے متکلمانہ طرزِ فکر پر جان دیتے تھے۔ اور یہ ایسا لطیف زہر تھا جو اُس وقت تک مسلم مملکت کے رگ و پے میں سرایت کرچکا تھا۔ اس زہر کے اثر نے لاکھوں انسانوں کی جرأت مندی کو پامال کردیا تھا، ایمان کی بنیادیں ہلا کے رکھ دی تھیں اور اسلام کی عمارت کو شدید گزند پہنچایا تھا۔

اِس زوال و انحطاط کے متعدد اور گوناگوں اسباب ہیں لیکن اُن کا تجزیہ کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ بہرحال یہاں اس قدر کہہ دینا ہمارے مقصد کے لیے کافی ہوگا کہ تیرھویں صدی میں اسلام ایک خستہ وشکستہ تعمیر کی صورت اختیار کرچکا تھا۔ اس نے اپنی مدتِ حیات کی سات صدیوں میں اگرچہ کئی ایک طوفانوں کا مقابلہ کیا تھا لیکن اب یہ ایک ایسے مرحلے پر آن پہنچا تھا جب کہ اس کی اندرونی قوت کا قلع قمع ہو چکا تھا۔ اُس وقت ہوا کا ایک تیز جھونکا بھی اسے اُس سرزمین سے بیخ وبُن سمیت بآسانی اکھاڑ پھینک سکتا تھا جہاں اس کا وجود اب تشویش ناک حالت میں تھا۔

تاریخ کی یہ ایک متناقض حقیقت ہے کہ جب اسلام کا نور دور دراز خطوں میں روشنی پھیلا رہا تھا، اسلام کے پیروکار خود اسلامی سلطنت کے مرکز میں بیٹھے اپنے عظیم نصب العین سے پہلو تہی کررہے تھے۔ یہ بلاشبہ غداری کے مترادف تھا اور ایسی غداری جو عوام کی طرف سے نہ تھی بلکہ اُن لوگوں کی طرف سے تھی جن کا

Marfat.com

اولین فریضہ ہی یہ تھا کہ وہ اپنے علم اور عمل سے عوام کو راہِ راست پر لگائیں۔ لیکن ایسے محکم کردار والے لوگ نایاب ہو چکے تھے۔ عقیدے کے زبانی جوش و خروش کے ساتھ ساتھ اسلام کے نظام سے کلّی طور پر تغافل کیشی کی مثالیں اب عام ہو چکی تھیں۔

مذہبی فکر اور عمل میں ایک نمایاں فصل تھی اور دونوں کے درمیان ایک گہری خلیج حائل تھی۔ آسائش اور تن آسانی کا دور دورہ تھا۔ بحث مباحثے کے عام رواج نے حق و صداقت کا ذوق غارت کر دیا تھا۔ اسلام مختلف فرقوں میں بٹ چکا تھا اور جزئیات کی دُھن نے بنیادی حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے تھے۔ چنانچہ تیرھویں صدی کا مسلم معاشرہ ایک ایسا انحطاط پذیر نظامِ معاشرت و تمدن پیش کرتا تھا جس میں نہ نشو و ارتقا کی اہلیت باقی تھی اور نہ موثر مزاحمت کی استعداد۔ اِن حالات میں کسی بھی معاشرے کے لیے سنگین بیرونی خطرے کا وار سہہ لینا بڑا محال ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے کے لیے تو یہ اور بھی دشوار تھا کیوں کہ وہ تو اندرونی خطروں سے بھی دو چار تھا۔ پھر یہ کہ اس کی صحت مند بالیدگی کی جبلی قوت اور صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔ اُس زمانے میں اسلامی سلطنت کو دو خطرناک حریفوں کا سامنا تھا۔ ایک تو مغرب کی طرف سے صلیبی یلغار تھی اور دوسرے مشرق کی جانب سے منگولوں کا حملہ۔

صلیبیوں کا کردار دنیائے اسلام کے لیے قریباً دو صدیوں سے ایک جانا پہچانا کردار تھا کیوں کہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ ۱۰۹۶ء سے شروع ہو چکا تھا۔ تاریخ کی یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ یورپ اور اسلام کے مابین پہلا بڑا تصادم یورپی تہذیب کے آغاز ہی میں رونما ہوا۔ یہ تصادم جو گیارھویں صدی میں شروع ہوا تھا، تیرھویں صدی کے آخر تک جاری رہا۔ اِن جنگوں کا مقصد ارضِ مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا بتایا گیا تھا۔ اس نعرے میں عام عیسائیوں کے لیے بے پایاں نفسیاتی کشش تھی۔ چنانچہ اُن کا جوش و جنوں اِس حد تک ابھارا گیا تھا کہ صلیبی جنگوں سے پہلے یا بعد میں کبھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک عام شخص یہ نہیں سمجھتا تھا کہ فلسطین اور ارضِ مقدس کی بازیابی دراصل یورپ اور یورپ کے طاقت ور علاقائی بادشاہوں کے ذاتی عزائم کی تکمیل کا ایک بہانہ تھا۔ اُسے یہ احساس ہی نہ تھا کہ وہ اُن مذہبی اور سیاسی سازشیوں کے ہاتھوں میں محض ایک مہرے کی طرح استعمال ہو رہا ہے جنھیں سیاسی امنگ اور معاشی غارت گری کے جذبے نے مشتعل کر دیا تھا۔ یہ تحریک جو اس طرح کی بنیادوں پر قائم تھی اور جس میں مقصد کی کوئی وحدت اور لگن موجود نہ تھی، حصولِ مقصد میں بھلا کیسے کامیاب ہو سکتی تھی؟ پھر اس تحریک کے پیشِ نظر کوئی واضح نصب العین نہ تھا۔ یہ دراصل اُس نئے اعتماد کا فقط ایک اظہار تھا جو یورپ میں تہذیب کے آغاز کے ساتھ ہی جنم لے چکا تھا۔ صلیبی جنگوں میں سرگرمِ کار مختلف گروہ اپنے اپنے مختلف مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اُن کا ظاہر میں نظر آنے والا باہمی اتحاد درحقیقت مغالطہ انگیز تھا۔ تیرھویں صدی صلیبی جنگوں سے بھرپور ہے۔ اس میں اُن کے داخلی تضادات کا وافر ثبوت مہیا ہو جاتا ہے۔ اعلانات کے مطابق تو اِن جنگوں کا مقصد فلسطین کا حصول تھا لیکن جیسا کسی نے خوب

Marfat.com

کہا ہے کہ یہ جنگیں سوائے فلسطین کے اور ہر جگہ لڑی گئیں۔

زیرِ بحث دور میں یہ بات نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ صلیبی اپنے مدعا و منشا کے بارے میں بے حد متذبذب تھے۔ وہ اپنے نصب العین سے قطعاً بے بہرہ، قسطنطنیہ سے مصر بلکہ تیونس تک مارے مارے پھرتے رہے، تاہم وہ صرف عیسائی شہر قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے اور یہی وہ شہر تھا جس نے ابتداً صلیبی جنگوں کو شہہ دی تھی۔ تیرھویں صدی تک فرانسیسی جاگیرداری نظام جو صلیبیوں کا حقیقی سہارا تھا، اپنا رُخ یونان کی طرف موڑ چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین کو یکسر اغماض کی نذر کر دیا گیا تھا کیوں کہ اس صدی میں مرکزِ ثقل مشرقی سلطنت کے ملبے کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔

صلیبی جنگوں کی تاریخ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عیسائی یورپ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ اس نے اسپین میں مسلم عنصر کو جس سفاکی اور بے دردی سے نیست و نابود کیا، چشمِ فلک نے ایسا نظارہ پہلے بھلا کب کیا ہوگا! جب آٹھویں صدی میں طارق کی آمد کے ساتھ اسلام اسپین میں داخل ہوا تو وہاں کے امراء عیش و نشاط میں ڈوبے ہوئے تھے۔ خدمت گاروں سے نہایت ناگفتہ بہ سلوک کیا جاتا تھا اور ان کی حیثیت محض غلاموں کی سی تھی۔ امیر کبیر پادری اُن کی کیفیت سے قطعاً لاتعلق اور بے پروا تھے۔ غربت، رشوت، جہالت اور تذبذب کا دور دورہ تھا لیکن مسلمانوں نے اُسی صدی کے اندر اندر ایسا شائستہ اور مہذب نظام قائم کر دیا کہ سارا یورپ رطب اللسان ہو گیا۔ مسلمانوں نے اسپین میں ایسے عظیم الشان کتب خانوں اور دار العلوموں کی بنیاد رکھی تھی کہ فرانس اور جرمنی سے طلبہ وہاں ہجوم کرنے لگے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے آج کل مسلمان طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مغربی یونیورسٹیوں میں جاتے ہیں۔ اسپین میں تمام طبقوں کو ایسا کامل اور ہمہ گیر اطمینان حاصل تھا کہ پوری آٹھویں صدی میں عیسائی رعایا کی طرف سے سرکشی یا برگشتگی کا کوئی ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا۔

اِن کارناموں کی بجا آوری براہِ راست اِس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ جن لوگوں نے اسپین میں اسلام پہنچایا تھا، وہ ایک واضح نصب العین لے کر وہاں گئے تھے۔ اس نصب العین نے انھیں ظلم، تعصب اور حرص کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا۔ لیکن جوں ہی ان کے جانشینوں نے یہ سبق فراموش کر دیا، ان کی وحدتِ مقصد گروہی جذبوں میں ڈھل کر رہ گئی جس سے کئی خانگی اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ بارھویں صدی میں ایک موقع ایسا بھی آیا جب اسپین کے مختلف حصوں پر بارہ مسلمان خاندان حکومت کر رہے تھے اور یہ آنے والی بربادی کی ایک نشانی تھی۔ تیرھویں صدی میں اسپین پر مسلمانوں کی حکومت مسلم امیروں کی دغابازی کے سبب تیزی سے اپنا دامن سمیٹ رہی تھی۔ رومی کلیسا ۱۳۶۶ء تک مسلم غرناطہ کے سوا سارا اسپین واپس لے چکا تھا اور بالآخر ۱۴۹۹ء میں غرناطہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ صلیبی جنگیں اپنے اصل مقصد یعنی فلسطین کو مسلمانوں سے چھڑانے میں ناکام رہی تھیں لیکن اسپین میں مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو گئیں۔

Marfat.com

صلیبی جنگوں کا رہنما اصول جس نے اسپین میں نا قابلِ بیان ظلم وستم روا رکھا تھا، اُس مثالی خط سے واضح ہو جاتا ہے جو صلیبیوں نے فلسطین میں اپنی ایک کامیابی کے بعد پوپ کو لکھا تھا:

"ہمارے عجز سے خداوند تعالیٰ راضی ہو گیا اور ہماری ہزیمت کے آٹھویں روز اُس نے شہر اور شہر کے دشمنوں کو ہمارے حوالے کر دیا اور اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ وہاں پر موجود دشمنوں کے ساتھ کیا کیا گیا تو سُن لیجیے کہ حضرت سلیمانؑ کی ڈیوڑھی اور معبد میں ہمارے جوانوں کے گھوڑے گھٹنوں تک مسلمانوں کے خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔

نفرت کی ایسی غضب آلود فضا اسپین میں بھی قائم ہو گئی تھی۔ تشدد کے بے رحم ہاتھوں نے عربی زندگی اور ثقافت کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا تھا۔ خود عیسائی مورخوں کے بیان کے مطابق اسپین میں مسلم تہذیب کی بے دریغ بیخ کنی یورپ کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے کیوں کہ مسلم تہذیب یورپ کی نشاۃِ ثانیہ میں بے حد مددگار ثابت ہوئی تھی۔

۱۲۱۵ء تک سینٹ ڈومینک راہب مبلغوں کا ایک حلقہ قائم کر چکا تھا۔ اس وقت رومی ابھی آٹھ سالہ بچہ ہی تھا۔ مبلغوں کا یہ حلقہ ۱۲۲۰ء تک ایک واضح شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس حلقے کے راہب اپنے سفید لباس کے اوپر ایک سیاہ لبادہ اوڑھا کرتے تھے اور سخت اخلاقی پابندی کی زندگی گزارتے تھے۔ ان کی نہ کوئی جائیداد ہوتی تھی، نہ کوئی مقررہ آمدنی۔ وہ تبلیغ و ارشاد کے جذبے سے سرشار تھے اور ان کا یہی جذبہ انھیں یونان، فلسطین اور وسطی ایشیا تک لے پہنچا۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کی جلد ۷ صفحہ ۵۱۹ پر سینٹ طامس کی ایک دل چسپ تصویر دی گئی ہے جس میں ابن رشد پر اس کی فتح کو پُر فخر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ سینٹ طامس کے ہاتھ میں بائبل ہے اور اس کی چاروں تصانیف اس کی گود میں رکھی ہیں۔ وہ اپنے سر کے اوپر سے حضرت مسیحؑ سے حکمت کی شعاعیں حاصل کر رہا ہے اور حضرت موسیٰؑ، سینٹ پال، ارسطو اور افلاطون دائیں بائیں سے دانش کی ضوفشانی کر رہے ہیں۔ اس کے پاؤں میں ابن رشد کو منہ کے بل پڑے دکھایا گیا ہے اور تردید کی ایک شعاع اس کی "تفسیر" کو چھیدے جا رہی ہے۔ یہ تصویر اُن راہبوں کے تعصب کی مظہر ہے جو تمام ذرائع سے اسلام کو باطل قرار دینے کے لیے بے قرار رہتے تھے۔

جب رومی پیدا ہوئے تو سینٹ فرانسس پہلے ہی سے آسیسی کے غریبوں اور مسکینوں میں تبلیغ کا کام کر رہا تھا۔ جس وقت رومی ایک ممتاز عالم کے طور پر مشہور ہوئے تو سینٹ فرانسس وفات پا چکا تھا (۱۳ اکتوبر ۱۲۲۶ء)۔ وہ اپنی زندگی ہی میں ایک عظیم صوفی کی حیثیت سے قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا۔ ۱۲۱۹ء میں وہ مصر گیا جہاں صلیبیوں نے ڈمیٹا کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ وہاں اسے قیدی بنا لیا گیا اور سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ قبل ازیں وہ اسپین گیا تھا لیکن اپنا مقصد پورا کیے بغیر ہی لوٹ آیا تھا۔

Marfat.com

تیرھویں صدی میں کلیسا کے دستور و رواج کی کڑی پابندی اور بڑی تعداد میں اہلِ کلیسا کی اہانت آمیز زندگی کے خلاف یورپ میں ہمہ گیر ردِ عمل ظاہر ہوا۔ اس صدی کے آغاز میں ڈومینک اور فرانسس کے حلقوں کے قیام نے کشود کی راہ باز کر دی تھی۔ جرمنی میں لاتعداد نئے مذاہب پیدا ہو گئے۔ جرمن ذہن تصوف کے لیے بہت موزوں تھا۔ اس لیے اس زمانے کے قریب قریب خدا رسیدہ عورتوں کی ایک کثیر تعداد ظاہر ہوئی۔ ان میں میگڈ یبرگ کی میک تھیلڈ سب سے زیادہ باثر معلوم ہوتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ۱۲۶۰ء کے سال کے ساتھ ہی روحانی عہد کی ابتدا ہونے والی ہے جب دنیا اور کلیسا کی برائیوں کا علاج اس طرح کیا جا سکے گا کہ مراقبے کی راہبانہ زندگی عمومی طور پر اختیار کر لی جائے گی، بینا کی امالرک کی تعلیم بھی بالکل ایسی ہی تھی، وہ اس سال فوت ہوئی جس سال رومی پیدا ہوئے۔ نظریاتی تصوف کے میدان میں مائسٹر ایکہارٹ (۱۲۶۰ء-۱۳۲۷) جرمن ذہن کا سب سے مشہور شارح ثابت ہوا۔ اس کا متکلمانہ تصوف زیادہ تر عملی تھا اور اپنی خاصیت کے اعتبار سے نفسیاتی۔ جہاں تک اس کے علمی ہونے کا تعلق ہے، یہ دراصل ایک نظریہ تھا، ان صلاحیتوں کے بارے میں جن کے ذریعے خدا سے اتصال قابلِ حصول ہو جاتا ہے۔

اسپین میں کیٹے لان کے مصنف، صوفی اور مبلغ ریمون لل نے اسلام کے خلاف اپنی مہم شروع کی تھی۔ مقامی وطن دوستی اُس کے اوصاف کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے میں بڑی ممد ثابت ہوئی اور جن حالات میں اس کی موت واقع ہوئی، انھوں نے اسے شہید کا درجہ عطا کر دیا۔ ریمون لل اسپین کی خوب صورت تفریح گاہ پالما میں ۱۲۳۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۲۶۶ء تک بد چلنی کی زندگی گزارنے کے بعد اس نے اسلام کی ''غلطیاں'' بیان کرنے کا قصد کیا۔ اس مقصد کے لیے اُس نے نو برس تک عربی کا مطالعہ کیا۔ پھر میرامر کی ایک فرانسیسی خانقاہ میں دس سال تک عربی اور فلاسفی کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا اور کئی نزاعی رسالے تحریر کیے۔ اُس کے عجیب و غریب نظریات کو کیٹے لان میں کئی جوشیلے پیروکار مل گئے اور رفتہ رفتہ اسے پورے اسپین میں ایک بزرگ، مفکر اور شاعر تسلیم کر لیا گیا۔ تاہم کلیسا نے اسے بعد ازاں مردود قرار دے دیا۔

تیرھویں صدی میں منگولوں کے حملے سے ایشیا اور یورپ کو شدید دھچکا لگا۔ یہی عہد اسلام اور مسیحیت میں تصوف کا عظیم عہد ثابت ہوا بلکہ ہندوستان میں بھی ایسی ہی کیفیت تھی، جہاں بھگتی تحریک ترقی کی کئی منزلیں طے کر چکی تھی۔ بارھویں صدی میں جنوبی ہندوستان کا رہنے والا ایک برہمن رامنوجا وشنو کو روحِ اعلیٰ براہما کے مماثل تسلیم کرتا تھا۔ وہ براہما جو مادی دنیا اور اُن انفرادی ارواح کو زندہ کرتا ہے جو اپنے انکار کے سبب خدا سے بُعد اختیار کر چکے ہیں اور ریاضت و محبت یعنی بھگتی کے ذریعے سے اس کے ساتھ دوبارہ شعوری اتصال حاصل کر سکتے ہیں۔ اُس نے پیروکاروں کو ایسا کھانا کھانے کی سختی سے ممانعت کر دی تھی جو کسی اجنبی کے ہاتھوں کا پکا ہو یا کسی اجنبی کی نظر اُس پر پڑی ہو۔ یہ ایک ایسا راہبانہ سلسلہ تھا جس کے متبعین جلد ہی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

رومی کی پیدائش سے ایک سال پہلے ہندوستان کو محمود غوری کے روپ میں اپنا پہلا مسلمان بادشاہ میسر

Marfat.com

آیا تھا۔ اُس نے کسی بیرونی دارالحکومت میں بیٹھ کر حکمرانی نہیں کی بلکہ اسی سرزمین میں نشوونما حاصل کی تھی۔ تیرھویں صدی کے ہندوستان میں بڑی بڑی شخصیتیں گزری ہیں جن کے ناموں کی فہرست نہایت دل فریب اور مرعوب کن ہے۔ خاندان غلاماں کا بانی شمس الدین التمش جب تخت نشین ہوا تو رومی ابھی عہدِ طفولیت میں تھے۔ التمش نے منگول ٹڈی دل کی مزاحمت کی، جس نے ایران کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ چنانچہ اسے ہندوستان کی مسلمہ فرمانروائی کا خلعت پہنانے کے لیے ۱۲۲۹ء میں خلیفۂ بغداد نے ایک سفارت روانہ کی۔ التمش ہی نے سب سے پہلے خالص عربی سکے رائج کیے۔ التمش کی بیٹی سلطانہ رضیہ جو مسلم ہندوستان کی ایک عجیب وغریب شخصیت ہے، اسی دور میں تخت پر جلوہ گر ہوئی اور ۱۲۳۶ء سے ۱۲۴۰ء تک کے مختصر عرصے کے لیے حکمران رہی۔

عجیب اتفاق کی بات ہے کہ تیرھویں صدی میں تین عورتیں ملکہ کی حیثیت سے فرمانروا بنیں اور دنیائے اسلام میں یہی وہ تین خواتین ہیں جنھیں تخت نشینی کا شرف حاصل ہوا:

۱۔ شجرۃ الدر: صلاح الدین کے بھتیجے کے بیٹے کی کنیز بیوی جس نے لوئی نہم کا حملہ پسپا کر دیا۔ وہ ۱۲۵۰ء میں مصر کے مملوک خاندان کی ملکہ تھی۔

۲۔ آبش: وہ سلگھر کے شاہی خاندان کی آخری فرد تھی۔ اس خاندان کے افراد فارسی کے مشہور شاعر سعدی کے مربی تھے۔ اس نے منگول اقتدار کے نازک زمانے میں ربع صدی تک صوبہ فارس کی حکمرانی کی۔

۳۔ رضیہ قریباً ساڑھے تین سال تک تختِ دہلی پر جلوہ افروز رہی۔

بلبن جو ایک غیر معمولی قسم کا غلام تھا اور ایک بادشاہ بن کر ابھرا تھا، ہندوستان میں اس صدی کے بڑے حصے پر چھایا رہا۔ اس نے منگولوں کی پھیلائی ہوئی دہشت کا مقابلہ کیا۔ اس سلسلے میں امیر خسرو کی ایک تحریر کا ذکر دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔ امیر خسرو بلبن کے بیٹے شہزادہ محمد کی زیرِ سرپرستی ایک شاعر کی حیثیت سے دربار میں باریاب تھے۔ انھوں نے منگولوں کی جو عکاسی کی ہے وہ دراصل خوف و ہراس کی آئینہ داری کرتی ہے۔ "وہ اونٹوں پر سوار ہوتے تھے، یوں لگتا تھا کہ ان کے جسم فولاد کی طرح سخت ہیں اور چہرے آگ کی طرح سرخ، آنکھیں برمے کی طرح تیز، چھوٹی گردنیں، شکن دار سخت گال، بال دار پھیلے ہوئے نتھنے اور بڑے بڑے منہ، ان کی کھردری جلد پر کیڑے مکوڑے رینگتے رہتے تھے اور ان کی بدبو نہایت ناگوار گزرتی تھی"۔ خسرو لکھتے ہیں: "اگرچہ ان لوگوں کے قد کاٹھ بڑے ہیں لیکن وہ کتوں کی نسل سے معلوم ہوتے ہیں۔ بادشاہ ان کے بہیمانہ چہروں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ضرور جہنم کی آگ سے بنایا ہوگا۔ انھیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ لاتعداد شیطان ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ ان کی دہشت سے لوگ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے تھے۔"

یہاں ہمیں یہ اہم حقیقت واضح کرنی ہے کہ تیرھویں صدی میں اسلام نفاق کا بری طرح شکار تھا اور کئی فرقوں میں بٹ چکا تھا۔ اس کے مقابلے میں عیسائیت اس وقت زبردست کوشش میں تھی کہ ہر ممکن طریقے

Marfat.com

سے اپنے اختلافات دور کر دے تا کہ مسلمانوں پر غلبہ پایا جا سکے۔ چنانچہ سب جھگڑے طے کر لیے گئے اور تمام تفرقہ بازی ختم کر دی گئی۔ حتیٰ کہ یونانی اور رومی کلیسا، جن میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی تنازع رہتا تھا، اب ایک متحدہ طاقت بن چکے تھے تا کہ باہم مل کر "بے دینوں" کی قوت پر دھاوا بولا جا سکے۔

یہی وہ "مجاہدانہ" پالیسی تھی جو پوپ انوسینٹ سوم نے وضع کی تھی۔ اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی تامل وتر دد نہیں کیا گیا بلکہ ہر جائز ناجائز طریقے سے اپنا مقصد پورا کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ اس سے کچھ سروکار نہ تھا کہ ذرائع کیا اختیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ طرح طرح کے لوگ باہم مل گئے اور انھوں نے ہر محاذ اور ہر سطح پر اسلام کے خلاف ایک وحشیانہ لڑائی کا آغاز کر دیا۔

تیرھویں صدی کے وسط کے لگ بھگ اسلام کے معاملات میں تغیر کی ایک لہر پیدا ہوئی جسے مغرب نے خوش آمدید کہا کہ اس سے بہتری کی توقع وابستہ کی جا سکتی تھی۔ یہ تھا منگول سلطنت کا قیام۔ اس کا بانی چنگیز خان تھا جو نہ اسلام کا دعوے دار تھا نہ مسیحیت کا۔ اہلِ مغرب کو جب مشرق کے میدانِ جنگ میں ناکامی کا سامنا ہوا تو انھوں نے حکمتِ عملی کا حربہ استعمال کیا۔ منگولوں کو مسیحیت کی طرف راغب کرنے کی سرتوڑ کوششیں کی گئیں تا کہ اسلام کی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کے لیے ان کا تعاون حاصل کیا جا سکے لیکن اس صدی کے اختتام کے قریب اس امید کا بھی خاتمہ ہو گیا اور یہ توقع خاک میں مل گئی کہ منگول ایک کثیر تعداد میں عیسائیت قبول کر لیں گے۔ بلکہ حالات نے غیر متوقع طور پر دوسرا ہی رخ اختیار کر لیا اور منگول عیسائی ہونے کی بجائے ۱۳۱۶ء میں حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے تقدار احمد خان (۱۲۸۲ء-۱۲۸۴ء) اور فازن خان (۱۲۹۵ء-۱۳۰۴ء) نے اسلام قبول کیا۔ ایران میں فازن خان کے ورثا بھی اسی دین پر قائم رہے۔ اس طرح صلیبی جنگیں جو سلجوقی ترکوں کے ساتھ شروع ہوئی تھیں جب کہ وہ ایشیا کی سرحد پر نیسے میں مقیم تھے، عثمانی ترکوں کے ساتھ یوں اختتام کو پہنچیں کہ وہ یورپ ہی میں ڈینوب کے کنارے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

یہاں پر ایک معقول سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مسلم ریاست جو داخلی نزاع و نفاق سے کمزور پڑ چکی تھی، ایک عظیم آفت کے شعلوں سے اپنا دامن بچانے میں کیوں کر کامیاب ہو سکی؟ تاریخ کے اس معجزے کی وضاحت کے لیے ہمیں ایک سے زیادہ عوامل کا جائزہ لینا ہو گا۔ سب سے پہلے ہم بنیادی سبب پر غور کرتے ہیں۔ دنیائے اسلام نے مسیحی مغرب سے اپنے دو سو سالہ شدید تصادم سے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ اس کی داخلی قوت اور معاشرتی تنظیم، اس وقت تک انسانی تجربے میں آنے والے ہر قسم کے معاشرتی نظام سے افضل تھی۔ اپنے تنزل اور انحطاط کے باوجود اسلامی معاشرتی نظام کی مزاحمت نہایت دشوار ثابت ہوئی۔ اس قوت کی صرف ایک ہی وجہ بیان کی جا سکتی ہے جسے ہم قرآن کی دینی تعلیمات اور حضور نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ کی مثالی سیرت میں تلاش کر سکتے ہیں۔ یہی وہ سرچشمے ہیں جنھوں نے اسلام کے جسدِ نیم جان کو زندگی اور توانائی کا آبِ حیات بخشا، اسلام کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا دیا اور اس کے معاشرتی ڈھانچے کے گرد آہنی دیوار کا کام

Marfat.com

کیا۔ مسیحی سلطنت کے پاس ایسی کوئی روحانی بنیاد نہیں تھی جو اسے متحد رکھ سکتی۔ دنیائے اسلام کی ترقی اور تہذیب سراسر اپنی دینی تعلیمات کی ممنونِ احسان ہے جب کہ یورپ کے کارنامے مسیحی کلیسا اور اس کے نظریۂ حیات سے طویل کش مکش کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئے۔ مغربی اقوام کبھی بھی اپنے مذہبی دستور سے کنارہ کشی کیے بغیر رواداری کا شرف حاصل نہ کر سکیں لیکن مسلمان جب بھی اپنے دینی اصولوں سے دور ہٹے، ان کی رواداری اور دوسری اعلیٰ تمدنی خصوصیات کی چمک بھی ماند پڑ گئی۔

ہمارے مطالعے کے لیے یہ مناسب موقع نہیں کہ ہم یورپی تہذیب اور مسیحی کلیسا کی باہمی کش مکش کے اسباب پر تحقیق کریں۔ یہاں یہ کہہ دینا ہمارے مقصد کے لیے کافی ہوگا کہ اس کش مکش کی ایک اہم وجہ یہ حقیقت ہے کہ یورپی تہذیب کی بنیاد اصلاً رومی تہذیب کے ورثے پر رکھی گئی تھی۔ اگر انسانی زندگی اور اس کی جبلی اقدار کے حوالے سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس تہذیب کا نقطۂ نظر سراسر مادی ہے۔ دوسری وجہ وہ بغاوت تھی جو انسانی فطرت نے دنیاداری سے مسیحی تنفر اور قطع تعلقی کے خلاف اختیار کر رکھی تھی اور اس قدغن کے خلاف جو انسان کی فطری خواہشوں اور جائز کاوشوں پر لگا دی گئی تھی۔

تیرھویں صدی میں بھی رومی تہذیب کے اثرات ایک ذریعۂ فیضان کے طور پر جاری و ساری تھے۔ بازنطینی سلطنت صرف اس حد تک اس کی جانشین تھی کہ وہ بعض ایسے علاقوں پر حکمران تھی جو کبھی رومی سلطنت کے زیر نگیں تھے۔ رومی تصورات اب بھی عزیز سمجھے جاتے تھے۔ ان ہی تصورات نے ڈینٹے کے تخیل میں آگ سی بھر دی تھی اور وہ تیرھویں صدی کی مسیحی علمی سرگرمی کا بلاشبہ سب سے بڑا ترجمان بن گیا۔ یہ کہنا طوالت کا متقاضی ہوگا کہ ڈینٹے کس طرح کے تصورات سے متاثر ہوا لیکن یہاں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ رومی سلطنت کی تہہ میں یہ خیال کارفرما تھا کہ روم کے مفاد کے لیے طاقت بڑھائی جائے اور دوسری قوموں کا استحصال کیا جائے۔ رومی انصاف رومیوں ہی کے لیے مخصوص تھا۔ اس لیے ایسا نظریۂ حیات اسلامی نظریۂ حیات سے بنیادی طور پر مختلف تھا۔ چنانچہ اس ناموافق صورتِ حال نے اسے خاصا نقصان پہنچایا۔ مسلم سلطنت جس نصب العین کی خاطر قائم کی گئی تھی وہی نصب العین اسے ہزار سال تک سہارا دیے رہا۔ اس کے برعکس رومی سلطنت ایسے نصب العین کی قوت سے محروم تھی، اس وجہ سے ایک ہی صدی کے اندر اندر ملیا میٹ ہو کر رہ گئی۔ اسلامی سلطنت ایک صدی سے کم ہی مدت میں پوری حالتِ تکمیل کو پہنچ چکی تھی جب کہ رومی سلطنت کو پوری بلوغت تک پہنچتے پہنچتے قریباً ایک ہزار سال لگ گئے۔ ان دونوں حکومتوں کے عروج و زوال کا مطالعہ بڑا معنی خیز ہے۔

اسلام کی طویل قوتِ مزاحمت اور رومی حکومت کے اچانک خاتمے میں ایک ایسا نمایاں فرق موجود ہے جس کا صرف یہی سبب بیان کیا جا سکتا ہے کہ اول الذکر نے اپنی قوت قرآن کے بتائے ہوئے واضح اور عالم گیر اصولوں سے حاصل کی لیکن موخر الذکر کے پاس اس قسم کی کوئی روحانی اساس موجود نہ تھی۔ چنانچہ فکر و تامل کا یہی وہ اولین نکتہ ہے جو مسلسل قارئین کے پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھی ایسے متعدد پیچیدہ

Marfat.com

عوامل مجتمع ہو گئے تھے جو تیرھویں صدی میں صلیبیوں کی مزاحمت میں اسلام کی کامیابی کا باعث بنے۔ اُن میں سب سے اہم پوپ انوسینٹ سوم کی ''مجاہدانہ پالیسی'' کی ناکامی تھی۔ اسی پوپ کے عہدِ اقتدار میں قسطنطنیہ میں مغربی کلیسا کا نظام جاری کر دیا گیا تھا اسی نے انگلستان اور فرانس کو مذہبی فرائض کی بجا آوری سے محروم کر دینے کی جسارت کی تھی۔ اسی نے سب سے زیادہ کامیاب ہسپانوی جہاد شروع کیے تھے۔ اسی نے انگلستان، اراگان اور پرتگال کے حکمرانوں سے جبراً اطاعت قبول کرائی کہ ان کے ممالک اسقف اعظم کی عمل داری کی جاگیر تصور کیے جائیں گے اور اس نے پہلے تو بادشاہ جان کو ذات باہر قرار دینے میں کوئی پس و پیش نہ کی اور جب خطا کار نے بڑی عاجزی سے اطاعت قبول کر لی تو میگنا کارٹا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس امیر کا مقاطعہ کرنے میں تامل نہیں کیا جس نے اس کے ساتھ تعاون کیا تھا۔

پوپ کا نظریہ یہ تھا کہ اسے ایک ساتھ مسیحؑ کے نائب شہزادے اور بادشاہ ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور یہ کہ پوری سلطنت کو بلا چون و چرا اس کی اطاعت تسلیم کر لینی چاہیے۔ اسلام کی خوش بختی سے وہ اپنے پیش نظر مقصد کی تکمیل کے لیے حصولِ اتحاد کی آرزو میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے مقاصد یورپی بادشاہوں کے مقاصد سے متصادم تھے۔ وہ تو انھیں اپنے مفادات کی خاطر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ انگلستان کے رچرڈ اول نہ فرانس کے فلپ آگسٹس اور نہ جرمنی کے باہم دست و گریباں گروہوں کو اس بات پر آمادہ کیا جا سکا کہ وہ اپنے داخلی مفادات میں الجھے رہنے کی بجائے پوپ کی شروع کردہ دور دراز کی مہم میں شریک ہو جائیں۔ کیفیت کچھ ایسی خطرناک تھی کہ ۱۲۰۹ء میں فلینڈرز کا ہنری جو مشرق کا دوسرا لاطینی شہنشاہ تھا، نیسے کے یونانیوں کے مقابلے میں روم کے مسلمانوں کا حلیف بن گیا۔ حالات کا رخ صاف طور پر قومی ریاستوں کے قیام کی طرف تھا اور کسی بھی صورت میں پاپائی اقتدارِ اعلیٰ کی قبولیت کا نہیں تھا۔ اگرچہ بظاہر پوپ کا اقتدارِ اعلیٰ قائم تو تھا لیکن اندر ہی اندر شکوہ و شکایت، مبارزت اور بے یقینی کا سلسلہ جاری تھا۔

اہل جرمنی سوال کرتے تھے کہ ان کے معاملات میں پوپ کو دخل اندازی کا آخر کیا حق پہنچتا ہے؟ اس کے باوجود انگریزوں کے باکمال بادشاہ جان کو پوپ کی حمایت حاصل تھی۔ وہ اپنے عظیم منشور کے دفاع پر تلے ہوئے تھے اور پھر فرانسیسی ان کی مدد کے لیے تیار تھے۔ پاپائیت کا اصل مدعا تو مغرب میں اپنا اختیارِ اعلیٰ قائم کرنا تھا جب کہ یورپ میں پہلی بار ابھرتی ہوئی ریاستوں کو یہ منصوبہ ناکام بنائے بغیر اپنے زندہ رہنے کی کوئی توقع نظر نہیں آتی تھی۔ ان داخلی تضادات سے صلیبیوں کے حملے کی گرم جوشی ماند پڑ گئی کیوں کہ اس کے ہدف کا کوئی مرکزی نقطہ باقی نہیں رہا تھا اور پھر اختلافات نے اسے بالکل پژمردہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس طرح اب اعلان کردہ مقصد یعنی فلسطین کی بازیابی میں کامیابی دُور کی بات معلوم ہونے لگی تھی۔ چوتھی صلیبی جنگ کا رخ فتحِ قسطنطنیہ کی جانب موڑ دینے اور یورپی ریاستوں سے متمدن ترین ریاستوں کی لوٹ کھسوٹ ایک ایسی مثال ہے جس سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ کسی مرکزی رہنما قوت کا کس قدر فقدان تھا۔ اس واقعے کو قرونِ

Marfat.com

وسطیٰ کی تاریخ کی شرم ناک کارروائیوں میں سے ایک گردانا گیا ہے اور یہ ایسی ہی ایک کارروائی تھی کیوں کہ اس نے صلیبیوں کے بڑے بڑے تضادات اور اُن کی جبلی ضعیف العقلی کو پوری طرح افشا کر دیا۔

پاپائیت کے دورِ اقتدار اور صلیبی جنگوں کی کارروائی کے ساتھ وابستہ آرزوؤں کی ناکامی کا سبب اس وقت صاف سمجھ میں آنے لگتا ہے جب ہم فرانس کے دو بادشاہوں کی سیرت کا مطالعہ قدرے غور سے کرتے ہیں۔ اس وقت فرانس ہی وہ ملک تھا جو ان جنگوں کے لیے بھرتی کا اہم ترین مرکز بنا ہوا تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ فرانس کا بادشاہ سینٹ لوئی (۱۲۲۶ء-۱۲۷۰ء) اپنے ملک کے فوری اہمیت کے مفادات سے بالکل بے پروا ہو کر پوپ کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن اس کا پوتا فلپ دی فیئر تو خود پوپ پر دست درازی کرنے سے بھی باز نہ رہا تھا۔ سینٹ لوئی کے سامنے تو ذاتی تقدس اور رعایا کی آسودہ حالی کا معیار تھا جب کہ فلپ کے پیشِ نظر اقتدار اور دولت ہی کے دو مسائل موجود رہے، جن کے حصول کے لیے وہ ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ تھا۔ چنانچہ اس معاملے میں وہ یورپی تہذیب کے اصل اصول کی نمائندگی کرتا تھا۔ یہ حقیقت اس زمانے کے رجحان کو بڑی عمدگی سے واضح کرتی ہے کہ فلپ نے تشدد کے ذریعے سے پوپ کو پکڑوا دیا تھا اور اس کی رعایا نے بھی اس پر کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

یورپ میں پوپ کا وقار گر جانے سے صلیبی جنگوں کی بنیادی نامعقولیت واضح ہو گئی۔ یہ جنگیں بظاہر دنیا میں خدا کی بادشاہت قائم کرنے کے لیے لڑی جا رہی تھیں۔ اس مقصد کے لیے لوگوں کا جوش و ولولہ زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رکھا جا سکتا تھا کیوں کہ یہ نام نہاد حکومتِ الٰہیہ خود یورپ میں تفریق و انتشار کا شکار ہو چکی تھی اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ خود پاپائے روم اقتدار کی بھوک اور حرص کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ایسی بے آبروئی کا مسلمانوں پر نفسیاتی ردِعمل ہوا۔

مسلمان تیرھویں صدی کے وسط تک مصر کے مملوک سلاطین کے برسرِ اقتدار آ جانے سے خاصے مضبوط ہو گئے تھے۔ ان میں سب سے بڑے سلطان نے منگولوں کو شام میں قدم نہیں جمانے دیے۔ اس نے انطاکیہ کو اپنے علاقے میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے جانشینوں نے ترپولی پر قبضہ کر لیا اور دیگر کامیابیوں کے علاوہ ایکرے پر بھی تسلط جما لیا جو شامی ساحل پر لاطینیوں کا آخری قلعہ تھا۔ اس طرح عیسائیت جو تیرھویں صدی کے آغاز میں اسلام کی بقا کے لیے خطرہ بنی ہوئی تھی، اسی صدی کے اواخر میں براعظم ایشیا سے بے دخل کی جا چکی تھی۔ منگولوں کا قبولِ اسلام جس طرح اچانک تھا، اسی قدر غیر متوقع بھی تھا کیونکہ عیسائیت نے تو انھیں اپنی طرف مائل کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی لیکن منگول اس سے محض دل لگی کرتے رہے۔ اس صورت حال نے اسلامی حکومت کو زندہ رہنے کا ایک اور موقع عطا کر دیا۔ بہر کیف یہ صورتِ حال بھی اسلام کی فوقیت سے منسوب ہونی چاہیے جو اسے اب تک ہر قسم کے معاشرتی نظام پر حاصل ہے۔ اب یہ اس دین کے نام لیواؤں پر منحصر تھا کہ وہ اس اعتماد پر پورے اترتے جو اُن پر کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آزمائش بڑی کٹھن تھی لیکن

Marfat.com

موقع بھی اُسی قدر شان دار فراہم ہوا تھا۔

صلیبیوں نے اسلام کی فوجوں پر جارحانہ حملہ کیا اور ۱۲۱۸ء میں ڈامائٹا پر قبضہ کر لیا لیکن ایوبیوں کے منظم حملے کی تاب نہ لا سکے اور اس طرح ڈامائٹا اگلے ہی سال پھر آزاد ہو گیا۔ جلد ہی یورپی سیاست کی پرپیچ چال بازیوں نے یروشلم کو قبضے میں لینے کی کش مکش کو ازسرِ نو ہوا دی۔ فریڈرک دوم کو جو پوپ انوسینٹ کی زیرنگرانی تخت نشین ہوا تھا، نہ صرف کلیسائی ریاست جو حکومت کے اخراجات پر پروان چڑھ چکی تھی، کی توسیع کی تصدیق کرنا پڑی اور جرمنی میں اسقفی انتخابات میں کسی اثر ورسوخ کے استعمال سے بھی دست کش ہونا پڑا، بلکہ صلیبی جنگ میں شامل ہونے کا حلف بھی اٹھانا پڑا۔ تاہم وہ اس حلف کی تکمیل کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ سسلی میں نارمنوں کے وارث کی حیثیت سے ایک جدید نظامِ حکومت قائم کرنے کی فکر میں تھا تا کہ اس طرح اٹلی کی بازیافت کا سامان ہو سکے۔ نارمنوں کی طرح اس نے بھی عربی ثقافت کی حمایت لی اور عرب سپاہی ملازم رکھے۔ چونکہ وہ صلیبی جنگ شروع کرنے کی تاریخ ملتوی کرتا چلا جاتا تھا اس لیے گریگوری نہم نے اسے ۱۲۲۷ء میں کلیسائی حقوق سے محروم کر دیا۔ چنانچہ اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے اسے ۱۲۲۸ء میں برنڈزی سے ارضِ مقدس کو روانہ ہونا پڑا۔ اس سے پیش تر سلطان کامل اُس سے گفت وشنید کا آغاز کر چکا تھا کیوں کہ وہ دمشق میں اپنے بھائی معظم کے خلاف اس کی مدد کا طلب گار تھا۔ فریڈرک کے فلسطین میں داخل ہونے سے پہلے ہی معظم کا انتقال ہو چکا تھا اور سلطان کامل میسوپوٹیمیا کے مقبوضات کے علاوہ دمشق کا علاقہ اپنے بھائی کے حوالے کر چکا تھا۔ تاہم مذاکرات جاری رہے اور کامل نے اپنی شامی مقبوضات کے لیے موعودہ ضمانت کے بدلے لڑائی جھگڑے کیے بغیر بیت اللحم اور ناصرہ سمیت یروشلم اور جافہ اور صیدا تک کے راستے چھوڑ دیے۔ ۱۸ر مارچ ۱۲۲۹ء کو فریڈرک اور ارضِ مقدس کی حکمران ازابیل برینی رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ یہ تقریب مقدس مدفن کے کلیسا میں منعقد ہوئی لیکن یہ ظاہری حکمت عملی نہ عیسائیوں نے پسند کی اور نہ مسلمانوں نے۔ بہرحال پوپ نے یروشلم کے بطریق کی حیثیت سے، جب تک فریڈرک شہر میں مقیم رہا، حکم امتناعی جاری کرا دیا۔

لیکن کامل نے فلسطین میں امن کا جو سودا طے کیا تھا، اسے یوں مصرف میں لایا کہ اس نے شمال میں اپنی قوت میں اضافہ کر لیا اور اقونیم کے سلجوقیوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس طرح دمشق میں اس کے بھائی اشرف میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی مگر موت نے کامل کو اس حریف سے چھٹکارا دلا دیا اور اس کے جلد ہی بعد وہ خود بھی وفات پا گیا۔ اس کے صرف دو سال بعد اس کا بیٹا خوارزمی ترکوں کی ایک فوج کی مدد سے یروشلم پر دوبارہ قابض ہو گیا جو چنگیز خان کی یلغار سے بچ نکلے تھے۔ یروشلم کی فتح کے بعد ۱۲۴۵ء میں دمشق بھی صالح کے ہاتھ میں آ گیا اور اس طرح حلب اور شمالی میسوپوٹیمیا تک صلاح الدین کی قریباً ساری مملکت پھر متحد ہو گئی۔ ۱۲۴۸ء میں جب کہ وہ اپنے قیامِ دمشق کو طول دے رہا تھا تا کہ حلب کے یوسف دوم کے خلاف اسلحہ فراہم کر سکے، اسے یہ خبر پہنچی کہ مصر پر فرانکوں نے ایک اور دھاوا بول دیا ہے۔ فرانس کا سینٹ لوئی نہم ڈامائٹا میں داخل ہو کر

Marfat.com

شہر پر پوری طرح تسلط جما چکا تھا کیوں کہ صالح کی بیماری کی اطلاع سے اس کی فوجوں کا نظم ونسق ختم ہو گیا تھا۔ جب ۲۳ نومبر ۱۲۴۹ء کو صالح وفات پا گیا تو اس کی وفات کی خبر اس کی بیوی سابقہ کنیز شجرۃ الدر نے اس وقت تک پوشیدہ رکھی جب تک اس کا بیٹا ملک المعظم توران شاہ میسوپوٹیمیا سے لوٹ نہیں آیا۔ وہ ڈامائٹا کو پھر فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، جہاں لوئی نہم کو قیدی بنالیا گیا تھا۔ اس بندرگاہ پر اکثر اوقات سمندر کی طرف سے حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس لیے یہ راستہ بند کرنے کے لیے شہر مسمار کر دیا گیا اور اس کے باشندوں کو دوسری جگہ آباد کر دیا گیا۔

صلاح الدین کی وفات کے بعد بھی ایوبی دورِ حکومت مصر اور شام کے لیے اقبال مندی کا دور ثابت ہوا۔ اس عہد میں عیسائیوں سے عداوت کے باوجود یورپی ریاستوں کے ساتھ کئی تجارتی معاہدے ہو گئے۔ صلیبی جنگجوؤں سے لگاتار جھڑپوں اور کبھی پر امن مذاکروں کی صورت میں قائم ہونے والے تعلقات سے ہمہ پہلو ثقافتی تبادلوں کی راہ باز ہوئی۔ جاں بازی اور عالی ظرفی کے مختلف طور طریقوں کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ ایوبیوں کا نظامِ خبر رسانی بھی مغرب میں رواج پا گیا تھا۔

اس وقت منگولوں کا طوفان سارے مشرقِ قریب میں پھیل چکا تھا اور مصر کے لیے تباہی کا خطرہ بنا ہوا تھا، ۱۲۶۰ء میں عین جالوت کی لڑائی میں پہلی بار منگولوں کا سیلاب رک گیا اور پھر آہستہ آہستہ سمٹنے لگا۔ تمام ممالک اسلامیہ میں صرف مصر ہی وہ ملک تھا جہاں ثقافتی ارتقا کا پرسکون سلسلہ منگول حملے کی زد سے محفوظ رہا۔

بیبرس نہایت قابل حکمران تھا۔ اس نے غیر معمولی بہادری کے ساتھ اپنے آپ کو دشمنوں سے بچایا۔ اسے فلسطین میں ہنوز فرانکوں کا سامنا تھا لیکن اس نے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک قلعہ حسن الاکراد سینٹ جان کے سرفروشوں سے چھین لیا۔ اسی طرح بانکوں سے شہر سفید چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ اساسینیوں کو مصیاف اور چھوٹے قلعوں کے ایک سلسلے سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لیکن بیبرس نے اپنے عمل کا تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا۔ اس نے شمال میں ایشیائے کوچک کے آرمینی بادشاہوں کو ان ہی کے علاقوں پر بار بار ہلے بول کر روکے رکھا اور جنوب میں نیوبیا کو ایک ماتحت ریاست کے طور پر مصر میں شامل کر لیا۔ عراق میں منگولوں کو ان کی ایشیائی سلطنت کے اندرونی معاملات نے پہلی شکست کا بدلہ لینے سے کئی بار باز رکھا۔ اگر چہ بیبرس کو اب بھی اپنے علاقے سے اکثر اوقات چھوٹے موٹے حملوں کو روکنا پڑتا تھا، مگر وہ بازنطینی بادشاہ مائیکل پیلولوگس سے ایک معاہدے کی بدولت یورپی صلیبی حملوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ دراصل بادشاہ نے اپنی سلطنت کو فرانکی جاں بازوں کے اثر سے پاک رکھا تھا۔

تیرھویں صدی عیسائیت کی اسلام کو ایک مسلسل للکار کے مترادف تھی۔ یہ للکار مشرق سے اٹھی تھی۔ یہاں ذرا رک کر اس دور کے کیتھولک ذہن کی تصویر آنکھوں کے سامنے دوڑا لینا بہت مناسب رہے گا کیوں کہ اس بنیادی مواد کے بغیر اس زمانے کے مسلم ذہن پر مولانا رومی کے اثرات کا صحیح جائزہ لینا اور تبصرہ کرنا ممکن

Marfat.com

نہیں ہوگا۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں مغرب میں عیسائی اعتقادات کا سانچہ وہی تھا جو سینٹ آگسٹائن کے ذہن نے وضع کیا تھا۔ ''خدا کے شہر'' کا تصور انسان کے تصورِ شہر سے بالکل متضاد تھا۔ اسی طرح وقت کے مقابلے میں ابدیت اور کاملیت کے مقابلے میں گناہ کا تصور موجود تھا۔ پادری یہ سمجھتے تھے کہ صرف وہی اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے صدقے فرشتوں کی خیر و برکت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ لیکن جوں جوں یہ صدی گزرتی گئی نئی علمی اور روحانی تحریکیں سامنے آنے لگیں، یہ تحریکیں بنیادی طور پر مغرب سے مسلم رابطے کی مرہونِ منت تھیں۔ مختلف مزاجوں اور ذہنوں کے لوگوں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ رسوم کی پیروی روحانیت سے زیادہ اہم نہیں اور کلیسا کے رسمی آداب و ضوابط عقل کے تقاضوں سے زیادہ ضروری نہیں۔ فلسفی بھی مختلف راستوں کی مسافت طے کر کے ایسے نتائج پر پہنچ رہے تھے جو پروہتانہ یا مشائخانہ نظام کے لیے خطرناک تھے۔ ارسطو مسلم ہسپانیہ کے عربی تراجم کے توسط سے پہلی بار مغرب کے صحیح مطالعے میں آیا اور پوری طرح جانا پہچانا گیا۔ پیرس یونیورسٹی میں اس پر بطورِ خاص توجہ صرف کی گئی۔ ارسطو دائمی وقت اور غیر مخلوق ذہن پر اعتقاد رکھتا تھا۔ چنانچہ سگیر برابان جیسے سرگرم ارسطاطالیسی نمودار ہوئے اور اس طرح ایک مکتبِ فکر قائم ہو گیا جو اس طرح کے بے باک اقوال کا حامی تھا کہ انسانی عقل دائمی ہے اور اُس کاملیت کا اصل سرچشمہ ہے جو انسان کو عطا ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ تصورات یعنی ایک تو انفرادی ایمان کا اور دوسرے انفرادی عقل کا خود کفیل ہونا، ایسے تصورات تھے جنھوں نے پاپائی اقتدار و اختیار پر شدید ضرب لگائی۔

تیرھویں صدی کے کیتھولک ذہن کا ایک بہت بڑا ترجمان ڈینٹے تھا جو الہامی مصنفین کی طویل فہرست میں اولین تو نہیں مگر نمایاں ترین شخص ہے جس نے ایک خیالی سفر یا خواب کی تمثیل کے ذریعے سے روح کے انجام کی عکاسی کی سعی کی ہے۔ یہاں اس کی ''آسمانی طربیہ'' کے ادبی پہلو پر بحث کی گنجائش نہیں۔ اس کا ویسے ہی اپنا ایک حسن ہے جیسے کہ اس میں شدت، فحاشی اور مضحکہ خیزی کے پہلو موجود ہیں۔ لیکن ہمارا تعلق اس کے تصورات سے ہے، جن سے ہمیں اس عہد کے ذہن کے فہم کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ ڈینٹے کا عقیدہ تھا کہ رومی سلطنت اس زمین پر خدا کی قائم کردہ حکومت کی آلہ کار ہے۔ اس کی رائے میں یہ بات دو طرح درست تھی کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ آگسٹس کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے اور اسی زمانے میں بقول ڈینٹے دنیا کو پہلی بار غیر معمولی امن و امان نصیب ہوا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ ایک عالم گیر بادشاہت انسانوں کی ایک ضرورت ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے مقدر کی گئی ہے اور رومی سلطنت اس بادشاہت کو چلانے کے لیے من جانب اللہ مخصوص ہو چکی ہے اور پھر یہ کہ رومی شہنشاہ اپنا استحقاق براہِ راست خدا سے حاصل کرتا ہے اور وہ پوپ کے ماتحت نہیں ہوتا۔ ڈینٹے مزاجاً اشرافی تھا اور اعتقاداً شاہ پسند، اس لیے اس کا معیار رومی سلطنت تھی نہ کہ رومی جمہوریہ۔ اسی طرح وہ آزادی کے مقابلے میں قانون کو معیار ٹھہراتا ہے۔ یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ نہ تو اس کی طربیہ میں اور نہ اُس کی متفرق تحریروں میں کہیں غریب طبقے سے ہمدردی کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے۔

Marfat.com

یہ کیتھولک ذہن کا ایک مختصر سا خاکہ تھا جو تیرھویں صدی میں اس کے سب سے بڑے ترجمان نے پیش کیا اور آگے چل کر جب ہم رومی کی نگارشات کا تجزیہ کریں گے تو اُس کیتھولک ذہن کا موازنہ اُس زمانے کے مسلم ذہن سے کر سکیں گے جس کا سب سے بڑا نمائندہ اُس عہد میں خود رومی تھا۔

☆☆☆

اب تک قارئین کو عیسائی یورپ کی ذہنیت کا کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا۔ مزید برآں اُس انداز کا بھی پتا چل گیا ہو گا جس میں یہ ذہنیت تیرھویں صدی کی مسلم دنیا میں ظہور پذیر ہو رہی تھی۔ مسلم دنیا کو صرف صلیبیوں ہی کی دشمنی کا سامنا نہ تھا بلکہ ایک اور دشمن بھی تھا جو فوری تباہی کے لیے اُن سے بھی زیادہ خوف ناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اور وہ تھے منگول!

صلیبی جنگوں نے رومی کی روحانی نشو و نما میں بالواسطہ مگر اہم اثر مرتب کیا تھا لیکن منگول اُس کی زندگی پر براہِ راست اثر انداز ہوئے۔ اب ہم رومی کو قدرے قریب سے دیکھتے ہیں۔ ایک فاصلے پر بیٹھ کر صلیبی جنگوں کا تماشا کرنے والے کی حیثیت سے نہیں بلکہ منگولوں کے رچائے ہوئے خونیں ناٹک کے ایک زندہ اداکار کی حیثیت سے۔ آیئے! اب ذرا اس اسٹیج پر بھی ایک نظر ڈال لیں اور دیکھیں کہ اس عہد میں ایرانی سلطنت کی کیا کیفیت تھی۔

اس صدی کے آغاز میں ایران کا اہم ترین بادشاہ علاؤالدین محمد خوارزم تھا۔ وہ غزنی کا ایک غلام تھا اور سلجوق ملک شاہ کی خدمت میں ساقی گری کیا کرتا تھا۔ بعد ازاں ملک شاہ نے اسے خوارزم کا گورنر مقرر کیا تھا۔ علاؤالدین اس سلسلہ سلاطین کا بانی تھا جس نے ایک صدی سے زائد عرصے تک مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ میں نمایاں کردار انجام دیا۔ اُس کی سلطنت کوہ یورال سے خلیج فارس تک اور دریائے سندھ سے فرات تک پھیلی ہوئی تھی اور چند صوبوں کو چھوڑ کر قریباً پورا ایران اس میں شامل تھا۔ ۱۲۱۰ء تک اس نے ایران کا بڑا حصہ زیر کر لیا تھا اور بخارا اور سمرقند پر غلبہ پا لیا تھا۔ ۱۲۱۰ء ہی میں وہ افغانستان میں داخل ہوا اور غزنی پر قابض ہو گیا۔ وہ عباسی خلافت کو ختم کرنے کی تیاری میں تھا کہ اس کی فتوحات کی رفتار اچانک رک گئی کیوں کہ اس کی سلطنت کے شمالی حدود پر چنگیز خان کے منگول گروہ نمودار ہو گئے تھے۔ محمد خوارزم اس خوف ناک گروہ کے آگے بے تحاشا بھاگ کھڑا ہوا اور وہ بحیرۂ خضر کے ایک جزیرے میں ۱۲۲۰ء میں بعالم حسرت و یاس راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے تین بیٹے کچھ عرصے تک ایرانی صوبوں میں ادھر اُدھر پھرتے رہے۔ اُن میں سے ایک بیٹا جلال الدین دو سال تک ہندوستان میں بھی مقیم رہا۔ اسے دس سال کی سخت قسمت آزمائی کے بعد بالآخر ۱۲۳۱ء میں جلاوطن کر دیا گیا۔ ایک وقت تو خوارزم شاہ کی حکومت اور سلجوقی سلطنت کی حدیں کم و بیش متصل تھیں لیکن زیادہ سے زیادہ وسعت کی یہ مدت بمشکل تمام بارہ برس پر پھیلی ہوئی ہے۔ عام حالات میں یہ سلطنت سو سال یا شاید اس سے بھی زیادہ عرصے تک قائم رہتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بیس سال کے اندر اندر تہ و بالا ہو کے رہ گئی۔ خوارزم شاہ نے اپنی سلطنت کے

Marfat.com

حدود وسیع کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے کئی ممالک پر قبضہ کر لیا اور اس میں وسعت پر وہ بہت خوش تھا لیکن نادانستہ طور پر وہ خود ہی اپنے زوال کا باعث بنا۔ اُس کی تخت نشینی کے چھ سال کے دوران میں ایک غیر معمولی منگول تموچن اس قدر قوت پکڑ گیا کہ اسے چنگیز خان کا خطاب دیا گیا اور چنگیز کا مطلب ہے عظیم ترین۔

اس خطاب کا دعویٰ مرکزی ایشیا کے حکمرانوں کے لیے ایک چیلنج تھا۔ علاؤ الدین جو معاملہ فہمی میں ہمیشہ سُستی اور عمل میں تیزی دکھاتا تھا، تموچن کے اس غیر معمولی عروج کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہا۔ بیرونی خطرہ بھی داخلی اتحاد و اتفاق پیدا نہ کر سکا، چنانچہ اس سے مزید اختلافات رونما ہو گئے۔ ہمسایہ مسلم ریاستوں میں سے اکثر علاؤ الدین کے ہاتھوں کمزور اور تباہ حال ہو چکی تھیں۔ اس طرح وہ اب عداوت کے تنگ ہوتے ہوئے دائرے میں گھر چکا تھا۔ اس نے حالات کو روبراہ کرنے کی بھی کوئی سعی نہیں کی بلکہ عباسی خلیفہ سے جھگڑ پڑا جس نے منگول طالع آزماؤں کے ساتھ مل کر اس سے انتقام لے لیا۔

منگولوں کے ایرانی حملے کا رخ تو شاید پھیرا نہیں جا سکتا تھا لیکن اس قدر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ علاؤ الدین کی ہوس کاری، غداری اور بے استقلالی نے منگولوں کو اشتعال دلایا اور اس حملے کے لیے موقع فراہم کر دیا۔ ہوس کاری سے اس طرح کہ اُس نے آس پڑوس کی بیش تر مسلم بادشاہتوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور اس خطرے کے وقت کوئی مسلم حکمران اس کی دست گیری کے لیے تیار نہ تھا۔ غداری سے یوں کہ منگول ایلچیوں کے مبینہ قتل سے چنگیز خان کو ایران پر حملے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اور بے استقلالی سے اس طرح کہ وہ پہلی ہی پسپائی پر تحکم و فخر کے انداز میں مقابلہ ترک کر کے ہراس اور تذبذب کا شکار ہو گیا۔

اُس لڑائی کے آغاز کے بارے میں معلومات بڑی دل چسپ ہیں جس نے ایران کی تاریخ کا دھارا بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ ہمارے اپنے زمانے کے ہٹلر کی طرح چنگیز خان نے اس کا منصوبہ غالباً بہت پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ اس کے مطالعے سے یوں لگتا ہے جیسے ہم جرمن "امن مشن" کی روداد پڑھ رہے ہوں جو اندر ہی اندر اپنے کام کی تکمیل میں لگا رہتا ہے اور پھر اچانک کسی سرحد پر ایک "واقعہ" رونما ہوتا ہے اور غازی فوجیں وہاں "انصاف" کے تقاضے پورے کرنے کے لیے گھس جاتی ہیں۔ چنگیز نے ایک اہم سرحدی شہر میں تاجروں کی ایک جماعت روانہ کی، خوارزم شاہ کے صوبائی گورنر نے ان تاجروں کو قتل کرا دیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ منگول جاسوس تھے۔ چنگیز نے فوری کارروائی کی اور بغرا نامی ایک ترک اور دو منگولوں پر مشتمل ایک سفارت روانہ کی تاکہ وہ آداب مہمان داری کی اس خلاف ورزی پر صدائے احتجاج بلند کریں۔ اس سفارت کا مطالبہ تھا کہ اُس گورنر کو فوراً واپس بلا کر اُن کے حوالے کیا جائے۔ خوارزم شاہ نے بھی بلا تاخیر و تامل اس کا جواب دے دیا، اور وہ یوں کہ بغرا کو مروا ڈالا اور منگول ایلچیوں کی ڈاڑھیاں صاف کرا کے انھیں واپس بھیج دیا۔ اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس بات کا قدرتی طور پر یہی نتیجہ نکلا کہ منگول سردار بڑا غضب ناک ہو گیا اور اس کی فوجیں اطرار میں گھس گئیں۔ یہی وہ قصبہ تھا جہاں بغرا مارا گیا تھا۔ اس قصبے کا محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا اور بڑے

Marfat.com

گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ خوارزم کے گورنر کو اپنا خوف ناک انجام سامنے دکھائی دیتا تھا۔ لہٰذا وہ جان کی بازی لگا کر بڑے مشکل حالات میں بھی لڑتا رہا۔ لیکن بعد میں لڑائی بند کر دینے پر بھی اس کو معاف نہیں کیا گیا۔ اس کی آنکھوں اور کانوں میں پگھلی ہوئی چاندی ڈالی گئی اور اس خطا کار قصبے کے باسیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ اس پر بھی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی، منگولوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور بخارا پر دھاوا بول دیا۔ بخارا درس گاہوں، عالموں، دانش وروں، ایوانوں اور باغوں کا شہر تھا۔ یہاں کی محافظ فوج کے بیس ہزار سپاہیوں نے چند روز تک مقابلہ کیا لیکن پھر شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ شہر منگول سپاہیوں سے بھر گیا۔ انھوں نے کتب خانوں کو اصطبلوں اور قرآنِ پاک کے اوراق کو ردّی کے ڈھیروں میں بدل دیا۔ انھوں نے خوب ضیافتیں اڑائیں اور دادِ عیش دی۔ موسیقی کاروں اور مغنیوں کو جمع کیا گیا اور شرفائے شہر گھوڑوں کو کھریرا کرنے پر مجبور کیے گئے۔ مقدس کتابیں جابجا زمین پر بکھیر دی گئیں اور انھیں پاؤں تلے روندا گیا۔

جوینی کے بیان کے مطابق بخارا پر قبضہ ہو جانے کے بعد ایک شخص کسی نہ کسی طرح خراسان پہنچا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ شہر پر کیا گزری تو اس نے کہا کہ وہ آئے، شہر کو جلایا، لوگوں کو قتل کیا، لوٹا اور پھر وہاں سے چل دیے۔ جن باشعور لوگوں نے یہ بیان سنا، اس بات پر متفق تھے کہ فارسی میں اس تقریر سے زیادہ بلیغ بیان اور کیا ہوگا۔

عوام الناس بے حد غمگین تھے۔ داناؤں کا کہنا تھا کہ یہ حادثہ قہرِ خداوندی کی ایک نشانی ہے، اس لیے اسے بے شکوہ و شکایت خاموشی سے برداشت کرنا چاہیے۔ صبح کو جو شہر ایشیا بھر کے حسین ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا، اس منحوس شام کو خاک کا ڈھیر بن چکا تھا۔ علوم وفنون کا وہ مرکز جہاں بوعلی سینا فلسفے کا مطالعہ کیا کرتا تھا، اب غارت گری کی منہ بولتی تصویر بن کے رہ گیا تھا۔ چنگیز نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ میں وہ خدائی تازیانہ ہوں جو لوگوں کے گناہوں کی سزا کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ ابن الاثیر جو ایک معاصر شاہد کی حیثیت رکھتا ہے، ان ہول ناکیوں کے بیان ہی سے کانپ جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے کہ کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔

چنگیز بخارا سے زرافشاں کی زرخیزی وادی سے ہوتا ہوا سمرقند تک جا پہنچا۔ یہاں حفاظتی فوج کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں کے لوگوں میں سے تیس ہزار اہلِ حرفہ منگولوں میں تقسیم کر دیے گئے اور باقی کے اکثر وبیش تر شہریوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ ابوالفدا لکھتا ہے کہ سمرقند میں آسمان ہمیشہ صاف ہوتا ہے۔ یہاں پتھر کی عمدہ عمارات اور بازار ہیں۔ اس شہر کی ہندوستان، ایران وغیرہ کے علاقوں سے خاصی تجارت ہے۔ یہاں سے بہترین تازہ اور خشک میوے ہندوستان بھیجے جاتے ہیں۔ یہاں کا ساختہ چکنا کاغذ دنیا بھر میں سب سے عمدہ کاغذ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں علوم کی ایک اکادمی بھی قائم ہے۔

اس شہر کی قابلِ رشک خوش حالی منگولوں کی آمد سے ایسی رخصت ہوئی کہ پھر کبھی واپس نہ آ سکی۔ لیکن اس سے منگولوں کی تباہ کاری کا جذبہ کم نہ ہوا۔ انھوں نے پیش قدمی جاری رکھی اور خوارزم شاہوں کے

Marfat.com

دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا۔ منگول فوجیں کامیابی کے نشے میں سرشار، فتح یابی کے قدم بڑھاتی رہیں۔ بلخ، نیشاپور، ہرات، مرو، ایک کے بعد دوسری فتح نصیب ہوتی گئی اور ایک شہر کے بعد دوسرا شہر مغلوب ہوتا گیا۔ بعضوں نے بڑی بہادری کے ساتھ مزاحمت کی، بعضوں نے جواں مردی کے جوہر دکھائے، دنیا خوف و ہراس کے سبب منگولوں کو ناقابل شکست فوق الانسان سمجھنے لگی اور وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار انسانی زندگی کو بے حد بے دردی سے پامال کرتے چلے گئے۔ مرو میں، جو گلاب کے باغوں کا شہر تھا، پانچ لاکھ آدمی مارے گئے۔ مشہور دارالسلطنت سنجر کو خاک میں ملا دیا گیا۔ جغرافیائی لغت ''معجم البلدان'' کا مولف یاقوت جو اسی عہد کا مشہور مصنف ہے، اپنے ایک خط میں مرو کے بیش قیمت کتب خانوں کا ذکر بڑے جوش و جذبے سے کرتا ہے کہ میں ان میں ایسا کھو گیا کہ اپنا گھر، اپنے احباب اور اپنا وطن بھی فراموش کر بیٹھا۔ خراسان کی خوش حالی کے بارے میں لکھتا ہے کہ مختصراً اور بلا مبالغہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ جنت کا ایک نمونہ تھا۔

اس شاد اور آباد شہر کو اب سلگتے ہوئے کھنڈرات کی صورت میں چھوڑ کر منگول جتھے نیشاپور تک جا پہنچے۔ یہاں بھی دھاوا بول کر شہر کو قبضے میں لے لیا گیا۔ عمارتیں بڑی سنگ دلی سے زیر و زبر کر دی گئیں اور مکینوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ جس شہر پر بھی ان کا قبضہ ہوا، اس کا یہی حشر ہوا۔ جس وقت یہ شہر اپنے عروج پر تھے، اس وقت کوہ الپس کے شمال کے یورپی شہر ابھی زیادہ تر غیر مہذب ہی تھے۔ خوارزم سلطنت موجودہ افغانستان، بلوچستان، ایران (ماسوائے کچھ شمال مشرقی علاقے کے) اور ترکستان پر مشتمل تھی۔ اور یہ سارا علاقہ مکمل طور پر تاخت و تاراج کر دیا گیا تھا۔ دس سال کے عرصے میں شہروں کو اس طرح اجاڑ دیا گیا تھا کہ وہ پھر کبھی اپنی اصل حالت پر نہ آ سکے۔ جوینی جو یقیناً خوارزم شاہوں کا حمایتی نہ تھا، بات یوں ختم کرتا ہے کہ ''خوارزم جو جنگجو مردوں اور دعوتِ نظارہ دیتی ہوئی عورتوں کا مرکز تھا، جس کے دروازے پر خوش بختی دستک دیتی تھی اور جہاں اقبال مندی نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا، اب گیدڑوں، الوؤں اور چیلوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

وہ جاہل خانہ بدوش جنھیں زندگی بھر دنیا کا کوئی تصور بھی نہ ہو سکتا تھا، اب دنیا کی تسخیر کی راہ پر گامزن تھے۔ علاؤالدین اپنی سلطنت کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ چنگیز خان نے ۱۲۷۰ء میں اس کی قبر تک اس کا تعاقب کیا لیکن ان حریفوں کے اوجھل ہو جانے کے بعد بھی یہ ہیبت ناک خونیں ڈرامہ ختم نہیں ہوا۔ کم ہمت باپ کا باہمت بیٹا جلال الدین سلطنت ہار جانے کے باوجود حوصلہ نہ ہارا۔ مفرور شہزادے نے بڑی مشکلات کا مقابلہ کیا۔ وہ مدد حاصل کرنے کے لیے جگہ جگہ بھاگتا پھرا۔ ہندوستان میں بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ خاندانِ غلاماں کے فرماں روا التمش نے یہ کہہ کر اسے بڑی شائستگی سے رخصت کر دیا کہ دہلی کی آب و ہوا بادشاہ سلامت کو راس نہیں آئے گی۔ قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ بہادر سپاہی جو میدانِ جنگ میں نہ مارا جا سکا، ایک کرد قبائلی کی غداری سے مارا گیا۔ چنانچہ اس طرح ۱۲۳۱ء میں ایک بڑے جاں باز سپاہی کی تابدار زندگی انجام کو پہنچی۔ اپنی ناکامی اور نامرادی کے باوصف شہرت نے اس کا نام عزت و احترام کے

Marfat.com

ساتھ یاد رکھا۔ سر پرسی سائیکس تو کہتا ہے کہ وہ دنیا کے بہادر ترین اور نہایت جاں باز سپاہیوں میں سے ایک تھا۔ ایک درخشاں شہابِ ثاقب، وہ سویڈن کے چارلس دواز دہم ہی کی نظیر معلوم ہوتا ہے۔

منگولوں کی منظم اقلیت فتح یاب رہی تھی۔ منگول فوجوں نے اس سے پہلے کبھی بھی ایسی غارت گری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ نہ منگولیا کی کش مکش میں اور نہ چین کی مہم کے دوران میں۔ بڑے بڑے شہر کھنڈروں کا ڈھیر بن کر رہ گئے تھے اور غیر آباد اور اجاڑ ہو گئے تھے۔ آرال کے سمندر سے لے کر ایرانی صحرا تک ہیبت اور دہشت کا غبار چھایا ہوا تھا۔ پس ماندگان ان ''ملعونوں'' کا تذکرہ کرتے بھی تو صرف سرگوشیوں میں، خوف و ہراس کی یہ کیفیت تھی کہ ایک منگول گھڑ سوار یکا وتنہا اپنا گھوڑا اڑاتا ہوا کسی گاؤں میں جا گھستا، درجنوں آدمیوں کو کاٹ پھینکتا اور مال مویشی ہانک کر لے جاتا۔ کسی کو بڑھ کر روکنے یا انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ دراصل عوام کی قوتِ مدافعت جواب دے چکی تھی۔

منگولِ اعظم کی وفات کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ میسوپوٹیمیا، کردستان، آذربائیجان، آرمینیہ اور جارجیہ کی پامالی سے قطع نظر، اس کی وفات کے بعد ہماری توجہ ہلاکو خان کی طرف مبذول ہو جاتی ہے جو چنگیز خان کے پوتوں میں سے ایک تھا اور ۱۲۵۱ء میں ایران کا گورنر مقرر ہوا۔ اس کے کردار کے بارے میں شاید ہی کوئی اچھی بات کہی جا سکتی ہو۔ وہ عیش و عشرت کا عادی تھا۔ اگر اسے کسی طاقت ور حریف کا مقابلہ کرنا پڑتا تو ایک اچھا سالار نہ ہونے کے باعث عین ممکن ہے کہ اس کا لشکر پٹ جاتا لیکن وہ خوش قسمت تھا کہ اسے کمزور اور نااہل لوگوں کا سامنا تھا۔ چنانچہ زیادہ تر اسی وجہ سے وہ ایران میں ایل خانی سلسلے کا بانی بن گیا اور آئندہ نسلوں میں ایسا فاتح مشہور ہو گیا جو تاریخِ عالم پر بے حد اثر انداز ہوا۔ یہ جرنیل اسلامی علوم کے عظیم مرکز بغداد کو صرف ہفتے بھر میں تہ و بالا کر گیا۔ اس حقیقت سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت کے خلفاء جو وہاں کے حاکم تھے، کس قدر خستہ حال ہو چکے تھے۔ خلافت کے خاتمے میں بیرونی اور اندرونی دونوں عوامل کارفرما تھے لیکن اندرونی عوامل زیادہ اہم تھے۔ حکومت کا نظم و نسق اس کے استحکام و دوام میں مد ثابت نہ ہو سکا کیوں کہ استحصال اور بھاری ٹیکسوں کی پالیسی پر عمل درآمد ہو رہا تھا۔

اس انتشار میں معاشرتی اور اخلاقی قوتوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ فاتح اور مفتوح کے صدیوں کے میل جول کے نتیجے میں فاتح گروہ کا جوش و جذبہ مدھم پڑ چکا تھا اور ان کی حاکمانہ حیثیت اور خصوصیات بڑی متاثر ہوئی تھیں۔ عرب کی قومی زندگی کے انحطاط کے ساتھ ہی عربوں کا دم خم اور اعتمادِ نفس جواب دے گیا۔ بڑی بڑی حرم سرائیں مردوں اور عورتوں کی پستی کا ایک خاص سبب بنیں۔ ان حرم سراؤں میں لاتعداد خواجہ سرا، کنیزیں اور غلمان ہوتے تھے۔ شاہی خاندان میں مدخولاؤں، سوتیلے بھائیوں اور سوتیلی بہنوں کی ایک کثیر تعداد جمع رہتی تھی جن میں حسد اور سازش کی کشاکش ایک ناگزیر امر تھا۔ تعیش کی ایسی زندگی شراب اور سنگیت کی خاص طور پر رسیا ہوتی ہے۔ یہ سب اور ایسے ہی دوسرے عوامل نے گھریلو زندگی کی طمانیت اور گرم جوشی بالکل سلب کر کے رکھ دی تھی۔

Marfat.com

ان حالات کے پیشِ نظر یہ بات زیادہ حیرت انگیز نہیں ہے کہ بغداد کا محاصرہ صرف ایک ہی ہفتے تک جاری رہا۔ دنیائے اسلام اس صدمے سے بے دم ہوگئی اور ہیبت سے چیخ اٹھی۔ کہا جاتا ہے کہ بغداد کی آبادی میں سے دس لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور تہذیب و ثقافت کو جو نقصان پہنچا وہ انتہائی سنگین تھا۔ خلافت کا جو چراغ چھ صدیوں سے روشن چلا آرہا تھا، اس جھونکے سے گُل ہو کے رہ گیا۔ مسلم تہذیب منگولوں کی برپا کی ہوئی تباہی اور بربادی کے بعد پھر بحال نہ ہو سکی۔ ہزار ہا کتابیں تلف کر دی گئیں۔ اصحابِ علم و دانش کی جو کثیر تعداد جاں بحق ہوئی، اس کے سبب صحیح علم و فضل اور طبع زاد تحقیق و تفحص کی وہ روایت قریباً معدوم ہوگئی جو اس دور سے پہلے عربی ادبیات میں نمایاں طور پر ملتی ہے۔ عربی زبان کی اپنی باوقار حیثیت گھٹ گئی اور رفتہ رفتہ اس کی اہمیت ختم ہوگئی۔ اس انقلاب کی وحشت ناک کیفیت کا اندازہ لگانا دشوار ہے جس سے مسلم ریاستوں کی ہر طرح کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی۔

سقوطِ بغداد پر سعدی کا نوحہ فارسی ادب میں کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ شاعر کی تصویر کشی کا اندازہ ان دو شعروں سے ہو سکتا ہے جن میں وہ بھیانک مناظر جھلک رہے ہیں جو اُس نے خود ملاحظہ کیے تھے:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں
اے محمدؐ! گر قیامت سر براں آری ز خاک
سر بروں آرد قیامت درمیانِ خلق بیں

سقوطِ بغداد کے ساتھ ہی ہلاکو کی شہرت اپنے عروج پر جا پہنچی۔ اس نے ایران کی جس منگول سلطنت کی بنیاد رکھی تھی وہ آمو دریا سے شام کی سرحدوں تک اور قفقاز سے بحرِ ہند تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ رومی کی وفات سے آٹھ سال پہلے ۱۲۶۵ء میں انتقال کر گیا تھا۔

منگولوں کی تیز رفتار فتح مندیاں مصر کے مملوک شہزادوں نے روک دیں۔ ستمبر ۱۲۶۰ء میں منگولوں کو شکستِ فاش دی گئی۔ مصریوں کی کامیابی تاریخ عالم کا ایک نقطۂ انقلاب ثابت ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ منگول پوری طرح پسپا کر دیے گئے۔ یہ پسپائی اگرچہ زیادہ تر ان کی تعداد کی کمی کے سبب تھی، تاہم بڑی فیصلہ کن تھی۔ اس سے منگول جارحیت کا بڑھتا ہوا طوفان رک گیا۔ مصر کو بچالینے کا مطلب تھا کہ اس آخری پناہ گاہ کو بچالیا گیا جہاں مسلمانوں کے فنون محفوظ رہ سکتے تھے۔ یہاں مشہور مملوک سلاطین اور پھر خلفاء کے نئے سلسلے کے ماتحت انھیں خاطر خواہ نشوونما ملی تھی۔ اس طرح قاہرہ نہ صرف مشرقی شہروں کا مرجع بن گیا بلکہ منگولی جتھوں میں بھی اپنی ثقافت کے نفوذ کا ذریعہ بن گیا اور پھر بڑی حد تک خود ایل خانی سلطنت میں بھی، منگولوں کی پیش قدمی اور غارت گری روکنے میں مصریوں کے کامیاب اقدام کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مسلمانوں کی سرگرمی کا محور بغداد سے مصر میں منتقل ہوگیا۔

آخر یہ منگول کون تھے جو پوری تیرھویں صدی پر چھائے ہوئے ہیں؟ بقول شمِٹ لفظ منگول کا مادہ

Marfat.com

مونگ ہے جس کا معنی ہے بہادر، جرأت مند، دلیر۔ بطلیموس ان کے آباواجداد کو ۵۰ اور ۶۰ عرض بلد اور ۱۲۰ اور ۱۴۰ طول بلد کے درمیانی علاقے کا بتاتا ہے۔ وہ بڑے زیرک اور جواں مرد بیان کیے گئے ہیں۔ جوینی جو ۱۲۸۴ء میں فوت ہوا کہتا ہے کہ چنگیز خان کا ملک تارتری کے صحرا کی جانب زیادہ تر مشرق اور شمال میں واقع ہے، اور یہ کہ منگول قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور صرف چنگیز خان ہی کا قبیلہ جو نرا کیاں کیاٹ کہلاتا تھا ایک مہذب قبیلہ تھا۔ ان کی پرانی روایات میں کوتولا خان ایک پسندیدہ ہیرو ہے۔ اس کے تذکرے سے ہمیں بآسانی معلوم ہوسکتا ہے کہ منگول کس قسم کے لوگوں میں اپنے ہیرو کا اعلیٰ معیارِ حسن دیکھتے تھے۔

کوتولا خان کی آواز پہاڑوں پر کڑکتی ہوئی بجلی کی مانند تھی۔ اس کے ہاتھ ریچھ کے پنجوں کی طرح مضبوط تھے۔ ان سے وہ اتنی آسانی کے ساتھ انسان کو دولخت کر سکتا تھا جیسے کہ محض ایک تیر کے ٹکڑے اڑا سکتا تھا۔ موسم سرما میں وہ دہکتے ہوئے انگاروں کے ایک بڑے طباق کے قریب برہنہ سو جاتا تھا۔ چنگاریاں اور کوئلے اڑ اڑ کر اس کے جسم پر پڑتے لیکن اسے مطلق خبر نہ ہوتی۔ جاگنے پر وہ یہ سمجھا کرتا کہ یہ داغ شاید کسی کیڑے مکوڑے کے کاٹنے سے ہو گئے ہیں۔ وہ ہر روز ایک بھیڑ کھاتا تھا اور بڑی مقدار میں گھوڑی کا ابلا ہوا دودھ پیتا تھا۔ چنانچہ چنگیز خان اسی قسم کا انسان تھا، جسے خدا کا قہر کہنا چاہیے۔

فاتحین کے طور پر منگولوں کا کردار ایسا ہے کہ ان کے حالات پڑھنے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا ہے کہ جب وہ مغلوب ہوئے تو کسی سے رو رعایت کی التجا نہیں کی اور جب غالب آئے تو کسی پر رحم نہیں کھایا۔

ان کی معرکہ آرائیوں کے بیانات تاریخ کے شاید سب سے گھناؤنے ابواب ہیں۔ انسانی زندگی کی بے انتہا ذلت، بڑے پکے وعدوں سے کھلم کھلا انحراف، اپنی فتح مندیوں کے زمانے میں منگولوں کے یہ اوصاف بڑے نمایاں رہے۔

چنگیز خان کے قوانین نہایت سخت تھے۔ موت ایک معمولی سزا سمجھی جاتی تھی۔ جرائم کے اقبال کے لیے اذیت دینا عام تھا۔ ہوورتھ کے بیان کے مطابق ''اس نے اپنے دستور میں کئی عجیب و غریب توہماتی تصورات کو بھی ایک مقام دیا ہوا تھا جنھیں قبولیتِ عام نے تقدس کا درجہ عطا کر رکھا تھا۔ چنانچہ کسی ندی یا راکھ میں پیشاب کرنا، اپنے ہاں میز یا کرسی رکھنا، بہتے ہوئے پانی میں ہاتھ دھونا ممنوع تھا۔ کپڑے دھونے کی بھی ممانعت تھی بلکہ قاعدہ تھا کہ جب تک کپڑے پھٹ نہ جائیں انھیں پہنے رکھو۔ کھانا پکانے اور گھریلو استعمال کے برتنوں کو دھونے کی اجازت نہیں تھی اور یہ دستور اب تک رائج ہے۔ ان قواعد کی خلاف ورزی کرنا بدقسمتی کو دعوت دینا تھا۔ کسی جانور کو مارنے سے پہلے ضروری تھا کہ اسے پیٹھ کے بل لٹایا جائے اور اس کا پیٹ چاک کیا جائے اور اس کا دل کاٹ کر یا ہاتھ سے کھینچ کر علیحدہ کیا جائے۔ جو لوگ مسلمانوں کے طریقے پر جانوروں کو ذبح کریں انھیں موت کی سزا دی جائے۔

Marfat.com

ان حالات میں مسلمانوں کا متحیر و مخبوط ہو جانا کوئی حیران کن بات نہ تھی۔ مورخ ابن الاثیر چند مثالیں دے کر واضح کرتا ہے کہ وہ کس حد تک درماندہ ہو چکے تھے۔ ایک منگول ایک آباد گاؤں میں داخل ہو جاتا ہے اور گاؤں والوں کو ایک ایک کر کے قتل کرتا جاتا ہے لیکن کسی کا ہاتھ مقابلے کے لیے نہیں اٹھتا۔ ایک اور منگول ایک شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ وہ اس شخص کو زمین پر لیٹ جانے کا حکم دیتا ہے اور خود تلوار لانے روانہ ہو جاتا ہے۔ پھر تلوار لاتا ہے اور اس شخص کو قتل کر دیتا ہے لیکن اس دوران میں اسے وہاں سے کھسک جانے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک افسر کی ایک منگول سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ افسر کے ساتھ ستائیس آدمی تھے۔ منگول گستاخی سے پیش آیا تو افسر نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے قتل کر دو لیکن وہ بولے کہ اس کے لیے ہم کافی نہیں ہیں۔ بالآخر افسر نے خود ہی اس منگول کو قتل کیا۔ جس کے فوراً ہی بعد وہ سب وہاں سے فرار ہو گئے۔ ابن الاثیر منگول حملے کے زمانے کا معاصر شاہد ہے۔ اس حملے کی روداد کے آغاز میں لکھتا ہے کہ وہ کئی سال تک اسے تحریر کرنے سے خائف رہا کہ یہ واقعہ نہایت ہی ہولناک تھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ بنی نوع انسان پر ٹوٹنے والی شاید یہ عظیم ترین آفت تھی۔

جوینی سے ایسے جذبات کے اظہار کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ خود منگولوں کی ملازمت میں تھا لیکن اس نے بھی کم از کم دو بار اپنے وطن خراسان کی بربادی کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ علمی مشاغل پر اس کے اثرات کس درجہ مضرت رساں ثابت ہوئے۔ وہ ایک مزدور کے بیٹے شرف الدین کا ذکر کرتا ہے کہ وہ تنہا کاتب تھا جو چن تیمور کے ساتھ خوارزم سے خراسان جانے پر آمادہ ہو سکا کیوں کہ اس سفر پر کوئی قابل ذکر کاتب چلنے پر تیار نہ ہوتا تھا کہ اس کا مقصد ایک مسلم ملک کو ملیامیٹ کرنا تھا۔

آج جسے ہم بربریت کا نام دیتے ہیں اور غیر انسانی کہتے ہیں، وہ منگولی تصورِ حیات کا اہم جزو تھا۔ ایک بار چنگیز خان نے اپنے جرنیلوں سے پوچھا کہ زندگی کی سب سے بڑی خوشی کس چیز میں ہے؟ ایک جرنیل نے جواب دیا کہ بہار کی کسی صبح کو ایک عمدہ گھوڑے پر شکار کو نکلنا اور اس طرح کہ ایک اعلیٰ باز آپ کے ہاتھ پر بیٹھا ہو اور پھر یہ نظارہ پیش نظر ہو کہ باز اپنے حریفوں پر جھپٹتا کیسے ہے! چنگیز بولا کہ نہیں، سب سے بڑا لطف اس میں ہے کہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کیا جائے، ان کا تعاقب کیا جائے، ان کا مال و متاع لوٹ لیا جائے، ان کے عزیز و اقارب آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے ہوں، ان کے گھوڑوں پر سواری کی جائے اور ان کی بیویوں اور لڑکیوں کو اپنی آغوش کی زینت بنایا جائے۔

ہمیں ایک منگول سردار اگوتائی کا پتا ملتا ہے کہ اس نے ایک قبیلے کی چار ہزار لڑکیوں کو قطار میں کھڑا کیا۔ ان لڑکیوں کی عمریں سات سال سے اوپر تھیں۔ اس نے اپنے اور اپنے نائبوں کے لیے حسین ترین لڑکیاں منتخب کر لیں اور باقی ماندہ کو چکلوں میں بھیج دیا۔ جہاں اس کے سپاہی ان پر پل پڑے۔ ان لڑکیوں کے باپ، شوہر اور بھائی نقش بہ دیوار بنے کھڑے منہ دیکھتے رہ گئے اور کسی کے لبوں کو جنبش تک نہ ہوئی۔

Marfat.com

چنگیز خان نے تیرھویں صدی میں وسطی ایشیا میں ایک عسکری ریاست کا ڈھانچہ قائم کرلیا تھا۔ ہر مرد جنگی امور میں پورے طور پر شریک ہوتا تھا۔ امن کا زمانہ محض جنگی تیاری کا زمانہ ہوتا تھا۔ جنگ اور تعاقب مردوں کے اعلیٰ ترین مشاغل خیال کیے جاتے تھے۔ شکار تو جنگ ہی کی ایک تربیت ہوتی تھی۔ پندرہ سے ستر سال تک کے ہر شخص کے لیے فوجی خدمات ناگزیر تھیں اور جس کسی کو میدانِ جنگ میں طلب نہیں کیا جاتا تھا اسے دوسری خدمات سرانجام دینا ہوتی تھیں۔ عورت کی اہم ترین ذمہ داری یہ ہوتی تھی کہ وہ مرد کو اس امر کے لیے تیار رکھے کہ وہ کسی بھی وقت اپنا چرمی خود پہن کر جنگ پر روانہ ہو سکے۔

چنگیز خان نے اپنا یہ نام قراقرم کی مجلسِ عام میں اختیار کیا تھا۔ یہیں اس نے منگول قوانین کا بھی اعلان کیا: ''زمین و آسمان کے اولین خالق کے نام پر، جو زندگی اور موت، ثروت اور عسرت کا واحد بخشنے والا ہے، وہ جو چاہتا ہے، عطا کرتا ہے، جس سے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے، وہی تمام اشیا کا مختارِ مطلق ہے، حکم دیا جاتا ہے کہ دشمن کا ساز و سامان جرنیل کی اجازت کے بغیر نہ لوٹا جائے۔ معمولی سپاہی کو افسر کے برابر حصہ دیا جائے گا۔ ایک بیل یا بیل کی قیمت کے برابر کوئی چیز چرانے والا سزائے موت پائے گا۔ چھوٹی چوریوں کی سزا سات سے سات سو کوڑے تک ہوگی، یا چرائی ہوئی چیز کا نوگنا ادا کرنا ہوگا، بدکاروں کی گردن ماردی جائے گی۔''

ایران تیرھویں صدی میں اخلاقی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے پوری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ ایرانی رُو بہ انحطاط تھے۔ وہ منگول ٹڈی دل کی مزاحمت نہ کر سکتے تھے اور اب غلامی کی مضبوط گرفت میں تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب چین اور ماوراء النہر میں غریب ترین لوگ بھی ایک طلائی سکہ بطور خراج ادا کر سکتے تھے۔ اس وقت ایران کی یہ حالت تھی کہ یہاں خراج کی شرح گھٹا کر کم سے کم ایک دینار اور زیادہ سے زیادہ سات دینار کرنا پڑی۔ اس صدی کے اختتام تک ملک کی معاشی حیثیت بے حد بگڑ چکی تھی۔ ایران کے منگول ایل خان کے سلسلے ہی کے ایک حکمران گیخاتو خان نے اس حالت کو بہتر بنانے کے لیے بے حساب کاغذی سکے جاری کیے۔ کاغذ کو ردوبدل سے بچانے کے لیے اعلان کیا گیا تھا کہ ایسی حرکت کرنے والا بیوی بچوں سمیت موت کے گھاٹ اتارا جائے گا اور اس کی ساری جائیداد ضبط کرلی جائے گی۔ اس کا جو نتیجہ برآمد ہوا اسے ہوورتھ نے خوب بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ چاؤ (کاغذی نوٹ) سب سے پہلے تبریز میں جاری کیے گئے اور ان کے ساتھ یہ فرمان جاری ہوا کہ جس کسی نے یہ نوٹ لینے سے انکار کیا یا جس کسی نے چاؤ کے علاوہ کسی دوسرے سکے میں لین دین کا معاملہ کیا اور جس کسی نے اپنے سکے کاغذی نوٹوں سے تبدیل کرانے کے لیے خزانے میں جمع نہ کرائے تو اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ منادی کرنے والوں نے چلا چلا کر یہ اعلان کوچہ و بازار میں لوگوں کو سنایا۔ سزا کے خوف سے اس حکم پر آٹھ دن تک عمل درآمد ہوتا رہا لیکن اس کے بعد دکانیں اور بازار ویران ہو گئے۔ شہر میں کچھ دستیاب نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ لوگ وہاں سے نکلنا شروع ہو گئے۔ فاقوں سے مجبور ہو کر لوگ پھلوں کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑنے لگے۔ ایک روز خان بازار میں سے گزرا اور دکانوں کو بے رونق اور خالی پایا تو اس کی وجہ دریافت کی۔ وزیر نے

Marfat.com

بتایا کہ ایک بڑے مجسٹریٹ کا انتقال ہو گیا ہے اور ایسے موقعوں پر بازار خالی کر دینے کا رواج ہے۔

ہمارے خیال میں اب تک یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گئی کہ رومی کا عہد غیر معمولی طور پر پُرآشوب تھا۔ غلامی خواہ چند ہی روز کی ہو، انسان کی بہترین صلاحیتیں سلب کر دیتی ہے اور منگولوں کی غلامی تو یقیناً عذاب کی ایک بدترین صورت تھی۔ اس عہد میں اسلام کو عظیم نقصان پہنچا۔ بغداد مسلم اقوام کا ایک اہم مرکز تھا اور ان کے باہمی اتحاد کا مظہر، بغداد کا سقوط اس مرکزیت اور اتحاد پر کاری ضرب ثابت ہوا۔ اہل علم وفضل گوشہ عافیت کی تلاش میں جگہ جگہ مارے مارے پھرتے رہے۔ ایسے سخت سیاسی دباؤ کے زمانے میں شخصی تحفظ بھلا کہاں میسر تھا اور معاشرتی تحفظ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایران کس مپرسی کی حالت میں تھا۔ اس کی معاشی حیثیت بڑی افسوس ناک تھی۔ پوری قوم ایک آفت کی سنگین چٹان تلے دبی کراہ رہی تھی۔ یہ تاریخ کے متناقض حقائق میں سے ایک ہے کہ جب ایران سیاسی انحطاط میں گرفتار تھا اس وقت ایرانی ادب پورے عروج پر تھا۔ فارسی کے عظیم ترین شعرا میں سے تین یعنی سعدی، عطار اور رومی منگولوں کے حملے کے وقت موجود تھے۔ اسلام نے جس پامردی کے ساتھ اس آفت کا مقابلہ کیا وہ قابلِ تحسین ہے۔ اسلام کو نہ صرف منگولوں اور عیسائی دنیا کا مقابلہ درپیش تھا بلکہ اسے ایک تیسرے عیار دشمن کا بھی سامنا تھا جو مارِ آستین کی طرح اندر ہی اندر زہر گھول رہا تھا۔ اور وہ تھا بدنامِ زمانہ حسن بن صباح۔

حسن بن صباح کے مریدوں کو حشیش کے نشے میں مدہوش کر دیا جاتا تھا۔ جاگنے پر وہ ایسی لذتوں کا مزہ چکھتے تھے جن کے بارے میں وعدہ کیا جاتا تھا کہ اس کی اطاعت گزاری اور احکام کی بلا تامل بجا آوری پر یہ انھیں دوسری دنیا میں بخشی جائیں گی۔ حسین دوشیزائیں اس کے پرستاروں کو اس کی اطاعت کی طلائی زنجیروں میں جکڑ دیتی تھیں۔ اس کے فرستادے مختلف فرائض پر مامور تھے لیکن ایک زبردست قابلِ تعرض قوت کے زیر اثر وسطی اور مغربی ایشیا کے ہر شہر، قصبے اور گاؤں میں موجود رہتے تھے۔ ہر گھرانے میں اس خوف ناک جماعت کا ایک خفیہ رکن ضرور ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں سب سے اعلیٰ اور معزز افراد معاشرے کے ان دشمنوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ مردوں، عورتوں بلکہ بچوں کو ایمان سے برگشتہ کیا جاتا تھا اور یہ لالچ دیا جاتا تھا کہ بہشت سے فوری طور پر انعام بخشا جائے گا۔ اسلام کے ان دشمنوں سے نپٹنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ قدامت پسند عناصر میں زندگی کی نئی لہر دوڑائی جائے۔

گیارھویں صدی میں مسیحی دھاوے کے بعد امام غزالیؒ نے قدامت پسند قوتوں میں ایک ایسی ہی نئی روح پھونکی تھی۔ اس نے جو کام گیارھویں صدی میں کیا تھا وہی کام تیرھویں صدی میں مولانا رومی نے کر دکھایا۔ رومی کے عہد کے حالات ہم قدرے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ غزالی کے زمانے میں بھی حالات اگر بدتر نہیں تو ویسے ہی بگڑے ہوئے ضرور تھے۔ الحرانی جیسے لوگ قرآنِ حکیم کی تفسیریں لکھتے تھے لیکن ذاتی طور پر مے نوشی اور سیہ مستی میں انھیں پس و پیش نہ ہوتا تھا۔ شراب، شاہد اور سنگیت کو نہ صرف مقبولِ عام ادب

Marfat.com

اور شاعری میں خاص درجہ حاصل تھا بلکہ علمائے دین اور فلاسفہ متین کی زبان پر بھی یہی تذکرے رہتے تھے۔

بغداد کا درباری وقائع نگار البیہقی بتاتا ہے کہ ایمان کے جوش و جذبے کے اظہار کے پہلو بہ پہلو اکثر اوقات شراب کے سلسلے میں ضابطہ اسلام سے کھلم کھلا انحراف بھی کیا جاتا تھا۔ نہ صرف سپاہی اور ان کے افسر پی پی کر ہڑبونگ مچایا کرتے تھے بلکہ خود سلطان مسعود شراب نوشی کے باقاعدہ مقابلے منعقد کیا کرتا تھا اور اس کے مے نوش ہم نشین اس کے مقابلے سے عاجز رہ جاتے تھے۔

مسلم معاشرہ جس درماندگی سے دوچار ہوا تھا اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب چنگیز خان رے شہر میں پہنچا تو وہ اس وقت یہ شہر دو فرقوں میں منقسم تھا۔ ایک شافعی اور دوسرے حنفی۔ اول الذکر نے فوراً منگولوں کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر لیا کہ وہ رات کو شہر ان کے حوالے کر دیں گے، بشرطیکہ منگول حنفی فرقے کے افراد کو تہ تیغ کر دیں۔ منگولوں کو خون بہانے میں کبھی بھی تامل نہ ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بخوشی یہ پیش کش قبول کر لی اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو پھر کیا حنفی اور کیا شافعی، سب کو بے دریغ قتل کر دیا گیا۔

یہ بات ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ مذہبی فکر اور مذہبی سرگرمی میں ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ جو لوگ اسلام کی تبلیغ میں بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے، اس پر عمل درآمد کی زیادہ پروا نہیں کرتے تھے۔ عقیدے کے اظہار کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مطابق عمل بھی کیا جائے۔ لیکن لوگ بحث مباحثوں اور محض نظریوں میں الجھے ہوئے تھے۔ عمل کے بغیر محض عقیدے پر انحصار کی وجہ سے انحطاط کی ایسی فضا قائم ہو گئی تھی کہ خود نظریے کی بقا کا سوال پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دین جو ایک شہابِ ثاقب کی طرح بلند ہوا اور اسّی سال کی قلیل مدت میں انتہائی عروج پر پہنچ گیا تھا، اب خود اپنی سلامتی کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ وہ مملکت جس نے اسلام کی پہلی ہی صدی میں بلوغت کی پوری منزل طے کر لی تھی، اب وہم و جہالت، ذہنی عیاشی اور اخلاقی کمزوری کے ہاتھوں فریاد کناں تھی اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے آرام و آسائش کی خاطر دین کو کٹھ ملاؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا جن کی اسلام کے حقیقی تصور میں کوئی گنجائش نہیں۔ تنزل کے عوامل مسلم معاشرت میں شامل ہو کر اس کی بنیادیں ہلا رہے تھے۔

تنفر اور منافقت، خانہ جنگی اور خون ریزی کا یہی ماحول تھا جو امام غزالی کے حصے میں آیا تھا۔ انہوں نے اس انحطاط اور بے عملی کے خاتمے کے لیے اپنے آپ کو کئی سال تک تیار کیا اور جب انہوں نے اپنے معاصر علمائے دین پر حملہ کیا تو وہ طیش میں آ گئے۔ یہ علمائے دین فقہی مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ امام موصوف کی ناقدانہ آواز سے پیچ و تاب کھانے اور چیخنے چلانے لگے۔

ڈوزی کے بیان کے مطابق قرطبہ کے قاضی ابن حمدین نے اعلان کر دیا کہ جو شخص غزالی کی کتاب ''احیاء العلوم'' پڑھے گا، وہ کافر اور ملعون ہے۔ اس نے ایک فتویٰ جاری کیا کہ اس کتاب کی تمام جلدیں نذرِ آتش کر دی جائیں۔ چنانچہ غزالی کی تصنیف قرطبہ اور مملکت کے دوسرے شہروں میں جلائی گئی اور اسے اپنے پاس رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ فتوے میں کہا گیا تھا کہ جس شخص سے یہ کتاب برآمد ہوئی اسے سزائے موت

Marfat.com

دی جائے گی اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ یہ سارا غیظ و غضب صرف اس لیے تھا کہ امام غزالی نے لوگوں کو متکلمانہ اذعانیت سے نکال کر قرآن و سنت کے ساتھ جان دار رابطہ قائم کرنے کا راستہ دکھایا تھا۔ انھوں نے اسلام کو متکلمانہ درماندگی سے نجات دلائی اور صحیح العقیدہ مسلمانوں پر خدا سے تعلق کی زندگی کا امکان روشن کیا۔ پھر بھی مسلمانوں نے انھیں ان کی زندگی ہی میں تعذیب کا نشانہ بنایا، گو اب انھیں دین اسلام کا سب سے بڑا علامہ سمجھا جاتا تھا۔

اسلام کے جوش و جذبے میں امام غزالی نے جو زور پیدا کیا تھا وہ صلیبیوں کے ساتھ موت و حیات کی کش مکش میں ختم ہو گیا اور صلیبی جتھوں سے کش مکش تو قریباً دو صدیوں تک جاری رہی۔ یہ بات مستبعد نہیں کہ ان کی قائم کردہ مثال اور تعلیمات کی قوت ان کی وفات کے تھوڑے ہی عرصے بعد اس عظیم طوفان کی وجہ سے بے اثر ہو گئی جو اسلامی دنیا کو اپنے پاؤں تلے روندرہا تھا۔

اب مسلم معاشرے کے مردہ جسم میں روح پھونکنے کے لیے مولانا رومی کے نام کا قرعہ نکلا۔ چنانچہ یہ احیا بہت حیرت انگیز تھا۔ تیرھویں صدی کے ابتدائی حصے میں اسلام بری طرح محصور ہو چکا تھا۔ مشرق میں وحشی منگولوں کے گھڑسوار، تیرانداز اور مغرب میں زرہ بکتر سے آراستہ صلیبی جاں باز۔ اس گھیراؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب اسلام ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا لیکن قدرت کا تماشا دیکھیے کہ اسی صدی کے آخری حصے میں صورتِ حال بالکل بدل چکی تھی۔ آخری صلیبی سپاہی بھی سمندر میں دھکیل دیا گیا تھا۔ اگرچہ ایل خان کے سلسلے کے کئی حکمران عیسائیت سے آنکھ مچولی کھیلتے رہے تھے لیکن ساتویں حکمران نے بالآخر سرکاری مذہب کے طور پر اسلام قبول کر لیا، اور یہ دینِ محمدیؐ کی نہایت تابندہ فتح تھی۔

اس فتح کے لیے مولانا رومی نے بلاشبہ بہت نمایاں خدمات انجام دیں۔ مایوسی کے اس دور میں وہ ایک بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی کی طرح کھڑے نظر آتے ہیں جب کہ پہلے اور بعد کے بیش تر شعرا ان کے مقابلے میں پہاڑ کے دامن میں فروکش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی قائم کردہ روایت، ان کی فکر اور زبان نے آئندہ صدیوں پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ رومی کے بعد فارسی کی شُدبُد رکھنے والے ہر صوفی نے انہیں اپنا مسلمہ مرشد تسلیم کیا ہے۔

☆☆☆

ہم نے تحقیق و تجسس کا دامن پھیلایا اور دیکھا کہ تیرھویں صدی میں یورپ کی کیا حالت تھی۔ پھر اپنے موضوع کے قریب ہوئے تو مسلم دنیا کا جائزہ لیا۔ ذرا اور قریب ہوئے تو دیکھا کہ اس کے گرد و پیش میں کیا کچھ رونما ہو رہا تھا۔ اس منظر کے تفصیلی مطالعے کے بعد اب ہم رومی کی سرگرمیوں کے بڑے مرکز کی طرف توجہ کرتے ہیں اور قونیہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں کیوں کہ یہی وہ نقطہ ماسکہ ہے جہاں رومی کی زندگی کے اہم واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

Marfat.com

رومی جب پہلی بار قونیہ آئے تو وہ قریباً بائیس سالہ جوان تھے جو سفر انھیں حصولِ علم کی خاطر کرنے پڑے، انھیں چھوڑ کر باقی ساری زندگی انھوں نے یہیں گزار دی۔ اس لیے اس شہر کے بارے میں کچھ ضروری معلومات درج کرنا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے جسے رومی کی زندگی میں بڑا اہم کردار ادا کرنا تھا۔

اس شہر نے مولانا رومی کو اس وقت اپنے دامن میں پناہ دی جس وقت ایک ایسے ملک میں پناہ حاصل کرنا آسان نہیں تھا جو افراتفری کا شکار ہو چکا تھا۔ قونیہ نے ان کا استقبال خندہ پیشانی سے کیا۔ وہاں رومی کو اپنے والد کے لائق وارث کی حیثیت سے باقاعدہ ایک رسم کے مطابق مسند نشین کیا گیا۔ یہیں انھوں نے وعظ کا سلسلہ شروع کیا اور مروجہ اسلام کے خوش بیان شارح کے طور پر شہرت حاصل کر لی۔ خود بادشاہِ وقت ان کے مریدوں کے حلقے میں آ بیٹھتا اور بڑے احترام سے بعض ادق اور پیچیدہ مذہبی مسائل کی صاف اور سیدھی تصریحات سنتا۔

یہ سلسلہ کچھ عرصے تک جاری رہا حتیٰ کہ وہ مرحلہ آن پہنچا جب اس استاد نے رسمی تہذیب و متانت کا لبادہ اتار پھینکا۔ چنانچہ رومی اسی شہر کی گلیوں میں گاتے، ناچتے پھرتے تھے۔ انھیں ظاہری ادب آداب کی مطلق پروا نہ رہی تھی۔ جو لوگ انھیں اسلام کا بہت بڑا ترجمان سمجھتے تھے، انہیں اس کیفیت سے بے حد تعجب ہوا۔ یہیں رومی کی ملاقات شمس تبریز سے ہوئی اور یہیں ان سے مفارقت بھی۔ یہیں انہوں نے اپنے آپ کو پایا۔ قونیہ ہی میں رومی اور شمس کی نہ صرف ملاقات ہوئی بلکہ اس ملاقات کے بعد کے سب واقعات بھی رونما ہوئے۔ یہیں رومی سخت اضطراب اور اذیت میں مبتلا رہے اور کرب و ایذا سے کراہتے رہے۔ قونیہ بڑی دل سوزی سے اس بلند مقام شخصیت کے سب نشیب و فراز، ترقی و تنزل اور وسواس و آویزش میں اس کا شریک رہا جسے آئندہ نسلوں کو بہت کچھ عطا کرنا تھا۔ یہیں اس کے خدوخال اجاگر ہوئے اور یہیں اس ذات کی اچانک اور عجیب قلب ماہیت ہوگئی۔ یہیں اس شخصیت نے ایسی ضوفشانی شروع کی جس نے بعد میں پوری مسلم دنیا کو منور کر دیا۔ قونیہ ہی میں مولوی نے قرآن کو ''پہلوی زبان'' میں لکھا اور یہیں سے ساری دنیا کو اس کی دعوت دی۔ گو اس شہر کو رومی کا مولد بننے کی سعادت تو نصیب نہیں ہوئی مگر اس سے بڑی سعادت یہ حاصل ہوئی کہ رومی روحانی طور پر یہیں پیدا ہوئے اور آج اسے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس غیر فانی بطلِ جلیل کا جسدِ خاکی اس کے آغوش میں آرام فرما ہے۔

رومی جب تک قونیہ میں مقیم رہے بلاشبہ لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کرتے رہے اور آج بھی متاثر کر رہے ہیں جب کہ وہ وہاں کی خاک میں آسودۂ خواب ہیں۔ سات سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا جب کہ رومی پہلے پہل قونیہ میں وارد ہوئے تھے۔ اتنی صدیاں بیت جانے پر بھی لوگوں کی محبت اور عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کے مزار اور نواح کے مدرسوں کے بلند و حسین مینار ایک شانِ فضیلت سے کھڑے نظر آتے ہیں اور اپنے گرد و پیش پھیلی ہوئی تاریکی کے سمندر میں روشنی کے مینار معلوم ہوتے ہیں۔

یہ شہر کوئی معمولی شہر نہ تھا جہاں رومی مقیم رہے۔ مصروفِ عمل رہے اور جہاں انھوں نے وفات پائی۔

Marfat.com

یہ شہر موجودہ ترکیا کے شمال میں واقع ہے اور کسی زمانے میں مشرقی سلطنت کا دارالخلافہ تھا اور اقونیم کے نام سے مشہور تھا۔ مسلمانوں کے تسلط کے بعد یونانی لفظ بدل کر قونیہ ہو گیا۔ اس شہر کا ہر باشندہ آج تک یہی سمجھتا ہے کہ وہ فرشتوں کے شہر میں رہتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہاں رومی مدفون ہیں بلکہ اس لیے کہ عام لوگوں کے خیال کے مطابق یہ روایت مشہور ہے کہ پرانے زمانے میں جب کہ تاریخ ابھی قدامت کے غبار میں پوشیدہ تھی، مغرب سے دو فرشتے کسی موزوں مسکن کی تلاش میں مشرق کی طرف روانہ ہوئے، انھوں نے جب اس مقام کو دیکھا جہاں اب قونیہ آباد ہے، تو اسے پسند کیا۔ چنانچہ مختصر سے ملکوتی مشورے کے بعد وہ اس شہر کی نیو ڈالنے نیچے اتر آئے۔ ان فرشتوں کی گفتگو جیسا کہ عام روایت سے پتا چلتا ہے، اس شہر کے نام کی بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ ایک فرشتے نے پوچھا کیا ہم بیٹھ جائیں، دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ ہاں ہاں، بیٹھ جائیے۔ اور آنکھ جھپکتے میں بات طے ہو گئی۔

قونیہ بازنطینی زمانے میں اقونیم کہلاتا تھا۔ اس کی شہرت کو بڑے وثوق سے سلجوقیوں کے عروج کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ دونوں کا تذکرہ کالازم وملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم اس شہر کا صحیح تصور کر ہی نہیں سکتے جب تک ہمیں ان لوگوں کے بارے میں کچھ معلومات نہ ہوں جنھوں نے اسے ایک سلطنت کا پایہ تخت بنایا تھا۔ نویں اور دسویں صدی میں بازنطین کو یورپی ثقافت کی مسلمہ ملکہ سمجھا جاتا تھا لیکن باسل دوم کی وفات کے بعد ستاون سال کی کمزور حکومت کے سبب سلطنت کو سلجوقیوں کے ہاتھوں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سلجوقی ایک نئی قوت بن کر ابھرے تھے۔ انہوں نے بازنطینی سلطنت کو للکارا اور اسے شکست سے ہم کنار کر دیا۔ انہوں نے نہایت تیز رفتاری سے غلبہ پایا۔ ان کا سردار طغرل بیگ جو پہلے ہی خراسان اور ایران پر تسلط جما چکا تھا، بغداد میں اس کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ ترک فتوحات کا جو سلسلہ طغرل نے شروع کیا تھا، وہ اس کے جانشین الپ ارسلان نے جاری رکھا۔ حملہ آور ایشیا کی مہیب طاقت پر پل پڑے اور زبردست فتح حاصل کی۔ آرمینیہ میں جھیل وان کے شمال کی طرف منازگرد کے میدان میں بازنطینی فوج کی شان الپ ارسلان کے گھڑ سوار تیر اندازوں نے خاک میں ملا دی۔ شہنشاہ رومانوس دیوجانس پکڑا گیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ اس طرح تمام ایشیائے کوچک سلجوقیوں کے قدموں تلے آ گیا۔

بازنطینیوں کو اور بھی بہت سی شکستوں کا سامنا ہوا تھا لیکن منازگرد کی شکست تو شکستِ فاش ثابت ہوئی کیوں کہ جن ایشیائی صوبوں پر سلطنت کا انحصار تھا وہ ایک ہی تصادم میں چھن کر ''بے دینوں'' کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔ شہنشاہ نے ایشیائے کوچک کے اناطولی صوبوں سے اپنے سب سے زیادہ جفاکش سپاہی اور لائق فائق جرنیل اور ایشیائی ساحلی علاقوں سے اپنی جنگی بحری فوج کا بہترین حصہ فراہم کیا تھا۔ مہم جوئی کا جذبہ کہیں بھی اس قدر زوردار نہ تھا جس قدر کہ ایشیائی صوبوں کی سرحدوں پر اور نہ ایشیائے کوچک کے بڑے نوابوں کی خدمات سے بڑھ کر پُرفخر روایت کہیں موجود تھی، جن کے مسلح مصاحبین اور وسیع وسائل شاہی دفاع کا

Marfat.com

مضبوط عنصر تھے، بشرطیکہ وہ سازشی کارروائیوں میں مصروف نہ ہوں۔ طاقت کے ان ذرائع کو اب روم کے سلاطین نے وقتی طور پر منقطع کر دیا تھا جنھوں نے اپنے آپ کو پہلے نیقیہ میں مستحکم کیا تھا اور پھر اقونیم میں اس بہت بڑے چیلنج کا فوری طور پر کچھ جواب نہ بن سکا لیکن دس سال بعد بازنطینی تخت پر ایک ایسا شخص جلوہ افروز ہوا جس میں ایک تعلیمی مصلح کا جوش وخروش، ایک جرنیل کی سرگرمی اور سفارتی حکمتِ عملی کی مستعدی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی یعنی ایلیکسی کامینو، جو ایشیائے کوچک کے ایک بڑے فوجی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ سلجوقیوں کی دھمکی کا جواب دینے پر آمادہ ہو گیا۔ سلجوقیوں کے خلاف فوجی مہم کے لیے سارا مسیحی یورپ متحد ہو گیا۔ جوشیلے لوگوں کی بڑی بڑی جماعتیں جنھیں شمال مشرقی فرانس، لورین اور جرمنی سے بھرتی کیا گیا تھا، قسطنطنیہ کی طرف کوچ کرنے لگیں۔ ان جماعتوں نے اپنی ہولناک غارت گری کی سخت سزا پائی۔ بویریہ اور ہنگری میں سے گزرتے ہوئے ان لوگوں کی بڑی تعداد ہلاک ہو گئی اور ان میں سے جو ایشیائی ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، انہیں سلجوقیوں نے تہس نہس کر دیا۔ تاہم ان لوگوں نے جمع ہو کر یونانی تعاون سے سلجوقیوں کے دارالحکومت نیقیہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کا طویل اور تکلیف دہ سفر اقونیم میں سے گزرتے ہوئے انطاکیہ پہنچ کر مکمل ہوا۔ انھوں نے محاصرہ کر کے اس مشہور اور مستحکم شہر پر قبضہ کر لیا اور بعد ازاں وہ یروشلم پر قابض ہونے میں بھی کامیاب ہو گئے۔

نیسے پر قبضہ ہو جانے کے بعد اقونیم سلجوق سلطنت کا دارالخلافہ مقرر ہوا اور اسے یہ اعزاز اس خاندان کے سارے عہدِ حکومت میں حاصل رہا۔ پہلی صلیبی جنگ بلاشبہ ایک دل خوش کن کامیابی تھی۔ اس نے وہ خوف رفع کر دیا جو یورپی تراقیا کی سلجوقی فتح سے دلوں پر منڈلا رہا تھا۔ لیکن یہ برتری دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ یکے بعد دیگرے تین ایسے قابل مسلمان حکمران جلوہ گر ہوئے جنہوں نے نصف صدی کے دوران میں مشرقِ قریب کی کایا پلٹ دی۔ موصل کے زنگی نے حلب اور عدیسہ فتح کیا۔ اس کے بیٹے نورالدین نے پہلے دمشق کا اقتدار سنبھالا پھر مصر کا اور بالآخر جب نورالدین فوت ہوا تو اس کی جگہ صلاح الدین کرد نے لے لی جس کے عہد میں دریائے دجلہ سے دریائے نیل کے درمیان سارا مشرق اس کی عالی شان قیادت کا اطاعت گزار بن گیا۔

ایک پوری صدی تک اپنی سطوت کا جلوہ دکھا کر یونانی سلطنت پھر ختم ہو چکی تھی۔ اس کی فوج کو اقونیم کے سلطان کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ پہلی صلیبی جنگ کی فتح کے بعد جو علاقہ باقی رہ گیا تھا اس میں شامی جزیروں کا ایک سلسلہ تھا جن کو اطالوی تجارت کے مفادات نے مزید ایک صدی تک محفوظ رکھا۔ اقونیم ایک بار پھر ایک سلجوق بادشاہ کا آسودہ حال پائے تخت بن گیا۔ اس نے تیسری صلیبی جنگ میں اپنی مصروفیت کے باوجود اس شہر کی تہذیب وآرائش پر خاصا وقت صرف کیا۔ اس شہر نے پہلے ہی اہل علم حضرات کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا تھا۔ قلیج ارسلان دوم کے دربار میں ان کی موجودگی نے قونیہ کو جگمگا دیا تھا۔ نظامی گنجوی جیسا نامور شاعر بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ آج قونیہ میں سلجوقیوں کی جو قدیم ترین یادگاریں

Marfat.com

باقی ہیں، وہ اسی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ قلیج ارسلان کے عہد حکومت کے اختتام پر قونیہ کا امن وسکون درہم برہم ہو گیا کیوں کہ اس کے دو بیٹوں کے درمیان تباہ کن جنگ چھڑ گئی۔ چنانچہ سلطنت کی حالت عزالدین کیکاؤس کے عہد تک نہایت ابتر رہی۔ کیکاؤس نے اسے نہ صرف مستحکم کیا بلکہ اس کے حدود بحر اسود تک بڑھا دیے۔ اس کے بعد علاؤالدین کیقباد کا آسودہ حالی کا دور شروع ہوتا ہے۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی کے بیان کے مطابق اس وقت قونیہ کا سالانہ مالیہ تینتیس لاکھ طلائی دینار ہوتا تھا۔ پچاس سال بعد یہ خطیر رقم کم ہو کر صرف ایک لاکھ پینتیس ہزار رہ گئی۔ اور یہ ایک بلیغ تبصرہ ہے منگولوں کی غارت گری پر۔

قونیہ اس بڑی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو شام، عراق اور ایران سے ہوتی ہوئی مشرقی سلطنت کے مرکز قسطنطنیہ کو جاتی تھی۔ چنانچہ اپنے عمدہ محل وقوع کی وجہ سے اسے بہت سے دوسرے شہروں پر بڑی فوقیت حاصل تھی۔ اقتصادی خوش حالی کے علاوہ یہاں کئی تہذیبوں کا ملاپ ہوا۔ تجارتی قافلے ساز وسامان کے ساتھ نئے تصورات بھی لے کر آتے۔ بعد ازاں قونیہ اس معاملے میں شام، عراق اور ایران کی تہذیبوں سے بازی لے گیا۔ چنانچہ یونانیوں کے ماتحت قونیہ ایک نمایاں اقتصادی اور ثقافتی حیثیت کا مالک تھا لیکن جب یہ بازنطینی سلطنت کی ملکیت سے گزر کر ترکوں کے ہاتھ میں آیا تو اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا کیوں کہ ترکوں نے اسے اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا۔ قونیہ سلجوقی خاندان کے پورے زمانہ حکومت میں سلجوقی سلطنت کا مرکز بنا رہا لیکن رومی کی زندگی میں یہ شہر اپنی شوکت اور خوش اقبالی کی معراج پر تھا کیوں کہ اس وقت یہ نہ صرف ایک سلطنت کا دارالخلافہ اور تجارت کی ایک اہم منڈی تھا بلکہ علاؤالدین کیقباد کی وجہ سے ثقافتی سرپرستی کا ایک مضبوط مرکز بھی تھا۔

علاؤالدین کیقباد کا عہد حکومت دراصل سلجوق خاندان کا سنہرا زمانہ تھا۔ اس دور کے قونیہ میں امن و آسودگی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ اس نے پوری ایک صدی تک خود سلجوقیوں کی بہت ساری خانہ جنگیاں بھی دیکھیں اور خوف ناک صلیبی جنگیں بھی، جن میں یہاں کے بادشاہوں نے بڑی بہادری سے حصہ لیا۔ اگرچہ قونیہ ۱۰۹۷ء میں سلجوقیوں کا پایۂ تخت بن چکا تھا لیکن ۱۲۰۹ء تک یہاں حقیقی امن کا کوئی بھی وقفہ نصیب نہیں ہوا۔ اسی سال بخارا پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا اور ایرانی سلطنت کے دوسرے مشہور شہر منگول لشکروں کی پیش قدمی سے لرز رہے تھے۔ عجب اتفاق ہے کہ قونیہ کی آسودگی اور خوش حالی کا بہترین زمانہ وہی ہے جو ایرانی تاریخ کا سب سے زیادہ الم ناک دور ہے۔

علاؤالدین کو سلجوقی تخت پر بیٹھے چند برس ہی ہوئے تھے کہ چنگیز خان کے وحشی جتھوں نے بلخ، بخارا، سمرقند، نیشاپور، ہرات اور مرو جیسے عظیم شہر پیوندِ خاک کر دیے۔ چنگیز خان جب فوت ہوا تو علاؤالدین ابھی اپنے تخت حکومت پر جلوہ فگن تھا۔ اس وقت قونیہ ایک وسیع متلاطم سمندر میں ایک جزیرۂ امن معلوم ہوتا تھا۔ گرد ونواح کے مصیبت کے مارے لوگوں کے لیے یہ کیفیت بہت غنیمت تھی، اس لیے وہ پناہ لینے کے لیے ادھر کا رخ کرتے لیکن اہل علم کے لیے یہاں کی کشش دو چند تھی کیوں کہ اس وقت وہ شخص فرماں روا تھا جو علم و

Marfat.com

دانش کا بڑا مربی تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ نے ذاتی طور پر مولانا رومی کو قونیہ میں سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی، جہاں خود ان کے والد ایک ایسی جگہ مدفون تھے جو ان کو بہت پہلے سلجوقیوں نے پیش کی تھی۔ یہ عین وہی مقام ہے جہاں آج کل عجائب گھر، رومی کا مقبرہ اور اس کے اردگرد مدرسے قائم کیے گئے ہیں۔

ان حالات میں رومی کی قونیہ آمد ایک مایوس الحال پناہ گزین کی آمد نہ تھی جو امن وتحفظ کے لیے مارا مارا پھر رہا ہو۔ یہ تو ایک بیٹے کی مراجعت تھی اپنے والد کی سرزمین میں، وہاں کی ساری آبادی اور خود وہاں کا حکمران ان کی واپسی کا مشتاق اور منتظر تھا۔ ان کا جذبہ آزادی اس سے بدرجہا بیش قیمت تھا کہ ذاتی تحفظ کے لیے اس کا سودا کر لیا جاتا، کیوں کہ زندگی اس وقت بے کار ہو کر رہ جاتی ہے جب اسے ملت کی خدمت کے لیے وقف نہ کیا جا سکے۔ ہم اس عہد کے مشہور علامہ نجم الدین کبرا کے بارے میں جانتے ہیں کہ انھوں نے چنگیز خان کی دعوت مسترد کر دی تھی کہ وہ اپنے حفظ و امان کے لیے شہر سے نکل جائیں۔ چنگیز خان نے ۱۲۲۱ء میں خوارزم کے دارالحکومت میں چھ لاکھ شہریوں کا خون بہایا تھا۔ کبرا نے اپنی عالی ہمتی سے شہادت کی موت کو غلامانہ تحفظ و امان پر ترجیح دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ رومی ضرور اس یادگار مثال سے متاثر ہوئے ہوں گے۔

بہرحال قونیہ میں رومی کی واپسی دراصل اسی سرزمین کے ایک فرزند کی مراجعت تھی۔ یہ ایک ایسے انسان کی مراجعت تھی جو نہ صرف اسی سرزمین سے تعلق رکھتا تھا بلکہ اپنے ہم وطنوں کا جانا پہچانا اور ان کا مطلوب تھا۔ وہ اس کی پارسائی اور تبحرِ علمی کی وجہ سے اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ رومی کی پذیرائی حقیقی معنوں میں شاہانہ تھی۔ قونیہ کی ساری آبادی ان کے والہانہ استقبال کے لیے گھروں سے نکل کھڑی ہوئی۔ بادشاہ کی نمائندگی ایک وزیر نے کی۔ قسمت کا یہی فیصلہ تھا کہ ایک روحانی شخصیت کی تابانی سلجوقی سلطنت کے کھنڈروں اور یادگاروں میں صدیوں تک ضوفشانی کرتی رہے۔

رومی تنہا ایسے شخص نہ تھے جو اس دور میں قونیہ آئے بلکہ کئی اور شخصیتیں بھی یہاں آئیں جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر مولانا صدرالدین قونوی ہیں۔ ایسے اصحاب علم وفضل کے لیے قونیہ ایک مامن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی خوش حالی اور مضبوطی کے سبب منگول یہاں سے دور ہی دور رہے۔ قونیہ ایک دلہن کی طرح تھا جس کی علاؤالدین نے بڑے چاؤ سے نگہبانی کی۔ اسے حریص نظروں سے بچانے کے لیے اس نے اس کے گرداگرد ایک اونچی شہر پناہ تعمیر کرائی جس میں ایک سو چالیس مینار اور دروازے تھے۔ اس دیوار کے پینتالیس سو میٹر کے ساتھ ساتھ ایک گہری خندق بھی کھودی گئی۔

قصہ مختصر یہ کہ اس افراتفری کے زمانے میں ایسا امن کوئی معمولی بات نہ تھی۔ پھر علاؤالدین کی علم و دانش سے محبت اور اہل علم وفضل سے عقیدت کا اظہار سونے پر سہاگا تھا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دنیائے علم کی اس وقت کیا کیفیت تھی۔ چنانچہ یہی وہ مقام تھا جہاں رومی اپنے اس عظیم کارنامے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے جو اُن کے لیے ازل سے ہی نوشتۂ تقدیر تھا۔

Marfat.com

کتابیات

- ❒ سوانح مولانا رومؒ مولانا شبلی نعمانیؒ
- ❒ مولانا جلال الدین رومیؒ حیات و افکار مرتبہ محمد اکرم چغتائی
- ❒ مناقب العارفین
- ❒ نفحات الانس
- ❒ رسالہ سپہ سالار
- ❒ سفر نامہ ابن بطوطہ
- ❒ جواہر مفیہ
- ❒ تاریخ ایران، ابتدا سے عصر حاضر تک از سید اصغر علی شاہ جعفری
- ❒ جغرافیہ خلافت مشرقی از جی۔ لی۔ اسٹرنج
- ❒ سفر نامہ ابن جبیر اندلسی از محمد ابن جبیر اندلسی
- ❒ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
- ❒ ME AND RUMI By William C. Chittak
- ❒ THE SUFI Path of Love: The Spiritual Teachings of Rami (W.C.Ckittick, Albany: State University of New York Press -1983)
- ❒ Shams-i-Tabrizi by ST. Mohammad Ali Movahhed
- ❒ Sultan Walad, Walad-nama edited by J.Huma-I (Tehran)
- ❒ The Mathnawi of Jalaluddin, edited and translated by R.A. Nicholson, 8 Vol.
- ❒ Muslim Saints and Mystics, Translated by A.J. Arberry
- ❒ Diwan of Rumi, Published as Kulliyyat-i-Shams
- ❒ Dawan-i-Kabir Edited by B. Furuzanfar
- ❒ Maqalat-i-Shamas-i-Tabrizi edited by Mohammad Ali Movahhed.

Marfat.com

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا روم کا اصل نام محمد تھا بلکہ آپ کے باپ اور دادا کا نام بھی محمد ہی تھا۔ لقب جلال الدین کرتے تھے اور شہرت مولانا روم کے نام سے پائی ہے کیوں کہ جب آپ کے جوہر آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہوئے اور اپنی ان تھک محنت سے آپ نے مسجد تعمیر کروائی تو پھر لوگ آپ کو بہت زیادہ ماننے لگ گئے، اور علوم وفنون اور فیوض و برکات کی وجہ سے بھی آپ کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ مولانا کے والد کا نام محمد اور لقب بہاء الدین اور وطن بلخ مرقوم ہے۔ شیخ بہاء الدین بڑے ہی صاحب علم وفضل انسان تھے۔ پورے خراسان میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا اور آپ مرجع خلائق تھے۔ اس وقت محمد خوارزم شاہ برسر اقتدار اور اس ملک کا بادشاہ تھا۔ وہ خود بھی شیخ بہاء الدین کے حلقہ بگوشوں میں سے تھا اور امام فخر الدین رازی کی معیت میں شیخ کی خدمت میں عموماً حاضر ہوا کرتا تھا۔ شیخ کی مقبولیت اس جگہ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی جو شیخ محمد بہاء الدین نہیں چاہتے تھے کیوں کہ اس طرح سے امام فخر الدین رازی کی مقبولیت میں کمی واقع ہو رہی تھی چنانچہ اسی وجہ سے آپ نے یہاں سے ۶۱۰ھ میں ترک وطن کر کے نیشا پور کی طرف چل دیے۔ یہاں پر خواجہ فرید الدین عطار سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت مولانا روم صرف چھ سال کے تھے۔ مولانا پر بچپن سے سعادت واقبال مندی کے آثار نظر آتے تھے۔ خواجہ صاحب نے مولانا کو دیکھ کر شیخ بہاء الدین سے کہا کہ ان صاحب زادے کی پرورش بڑی احتیاط سے کریں اور کسی قسم کی غفلت نہ برتیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف کردہ مثنوی اسرار نامہ بھی مولانا کو پڑھنے کے لیے عطا فرمائی۔ شیخ نیشا پور سے بغداد کی طرف گئے وہاں کچھ دن قیام کے بعد حجاز اور شام میں سے گزرتے ہوئے زنجان پہنچے۔ وہاں سے لارندہ تک آئے۔ لارندہ قیام کے دوران میں جب کہ مولانا کی عمر ۱۸ برس کی تھی مولانا کی شادی ہو گئی اور یہیں مولانا کے فرزند دل بند سلطان ولد پیدا ہوئے تھے۔ بغداد کے قیام کے دوران میں مولانا روم کی شہرت شاہِ روم علاؤ الدین کیقباد تک پہنچ چکی تھی۔ لارندہ کے قیام کے دوران علاؤ الدین نے درخواست کی تو شیخ قونیہ میں اس کے پاس تشریف لے آئے اور اپنی باقی زندگی قونیہ ہی میں گزار کر بروز جمعہ ۱۸ ربیع الثانی ۶۸۲ھ میں وصال فرمایا۔ مولانا رومؒ کی ولادت ۶۰۴ھ میں بلخ میں ہوئی تھی۔

تعلیم کے ابتدائی مراحل شیخ بہاؤ الدین والد بزرگوار نے طے کرا دیے تھے، اور پھر اپنے مرید سید برہان الدین محقق کو جو اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضل علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا کا معلم و استاد مقرر کیا۔ مولانا نے تمام علوم وفنون انہیں سے حاصل کیے اور اپنے والد کی حیات تک انہیں کی خدمت میں رہے۔

Marfat.com

والد کے انتقال کے بعد ۶۲۹ھ میں شام چلے گئے۔ ابتدا حلب کے مدرسہ حلاویہ سے کی اور مولانا کمال الدین مصنف تاریخ حلبی سے ذوق تلمذ طے کیا۔ مولانا روم علم وفضل میں بہت بڑھے ہوئے اور اپنے دور کے اکابر علمائے کرام میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کی خدمات علم وادب قونیہ اور حلب میں بہت زیادہ تھیں۔ آپ نے سارے ملک میں ہر مسجد میں اپنی زیرنگرانی مسجد مکتب قائم کروائے۔ علم کے حصول کو آسان سے آسان بنانے میں آپ نے بڑی محنت کی۔ صاحبانِ علم وفضل آپ سے ملنے کے مشتاق رہتے تھے۔ فقہ اور مذاہب کے علوم میں آپ کو اوجِ کمال حاصل تھا۔ دیگر علوم میں بھی مولانا کو دسترس حاصل تھی اور کیوں نہ ہوتی، ساری زندگی آپ نے علوم وفنون کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ سارے ملک کے علمائے کرام پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے مولانا ہی سے رجوع کرتے تھے۔ آپ نے قونیہ میں ایک بہت بڑی مسجد بنوائی تھی جس میں ان دنوں آپ رہائش پذیر تھے۔ یہ ایک بہت بڑے اور کھلے اور وسیع علاقے میں تین مربع زمین پر مشتمل تھی جس کی ایک سمت میں پھولوں کے باغات تھے۔ کم وبیش بیس ایکڑ زمین پر باغات میں گلاب اور چنبیلی کے پھولوں کی کاشت کی جاتی تھی اور ہر موسم میں سدابہار گلاب کے پھول لہلہاتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ دوسری سمت میں مدرسہ مولانا روم تھا جس میں وقت کے اکابر علما تعلیم حاصل کرتے تھے اور جہاں لنگر کے انتظام کے لئے روزانہ بیس بکروں کو حلال کیا جاتا تھا۔ طبقہ امرا کے لوگوں کے ذمہ اجناس کی فراہمی تھی۔ لوگ حسب استطاعت اجناس روزانہ مدرسے کو روانہ کر دیتے تھے۔ غرضیکہ اس وقت تک تمام کاروبار مولانا رومؒ کے زیرنگرانی بڑی خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ اپنے والد صاحب کے وصال کے بعد سے حضرت مولانا رومؒ نے اپنا روحانی تعلق سید برہان الدین سے قائم کرلیا تھا اور مثنوی میں بھی ان کا تذکرہ اپنے بزرگ کی حیثیت سے کیا ہے۔ مولانا پر اس دور میں ظاہری علوم کا بہت غلبہ تھا۔ سماع سے اس وقت تک احتراز کرتے تھے۔ درس وتدریس اور فتویٰ نویسی میں مشغول رہتے تھے۔ علمائے کرام دور دور سے آتے اور آپ کی مسجد کے مشرقی دروازے والے مہمان خانے میں مقیم ہو جاتے۔ یہاں ان کا نام و پتہ اور کام کی نوعیت مختلف رجسٹروں میں درج کی جاتی تھی اور پھر مولانا سے وقت ملاقات حاصل کر کے ان علمائے کرام کی ملاقات کرائی جاتی تھی۔ ہر دروازے پر حاجبوں، دربانوں اور محافظوں کی پوری فوج متعین ہوتی تھی جو غیر متعلقہ آدمی کو اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ البتہ نماز کے اوقات میں سب لوگ بلا روک ٹوک اندر جا سکتے تھے اور نماز پڑھنے کے بعد باہر آجاتے تھے۔ درس کے دوران میں وہاں ڈھیروں کتابیں اکٹھی ہوتی تھیں جو مختلف شاگردوں کو پڑھائی جاتی تھیں۔ اس خدمت کے لیے آپ نے اپنے فارغ التحصیل طالب علم مقرر کیے ہوئے تھے۔

ایک روایت میں وارد ہے کہ مولانا جب جمعہ کا خطبہ ارشاد کرتے تھے تو سیکڑوں ہزاروں لوگ آپ کی آواز اور تقریر سننے کے لیے اکٹھا ہو جاتے تھے اور دسیوں کاتب آپ کی تقریر نوٹ کرتے جاتے تھے جس کو بعد میں خوش خط لکھ کر خطبات کی کتاب میں چسپاں کر دیا جاتا۔ اس طرح سے سیکڑوں ہزاروں خطبات مختلف

Marfat.com

بڑی بڑی کتابوں میں موجود تھے جس سے مثنوی سمیت کتب کی تعداد قریباً اڑھائی سو تک پہنچ چکی تھی۔ مسجد کے صحن میں آپ نے ایک بہت بڑا تالاب بنوایا ہوا تھا جس کے کناروں پر مختلف پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ مسند کی جگہ لوہے کی چادر کی چھت بنا کر سائبان قائم کیا گیا تھا۔ سارا دن اسی جگہ بیٹھ کر ملاقاتیوں سے ملاقات کرتے، ایک سمت میں آپ کی کتابوں کے ڈھیر پڑے ہوئے ہوتے تھے۔ مختلف علمائے کرام جس کتاب کی ضرورت ہوتی تھی پسند کر کے اٹھا لیتے تھے۔ مختلف جلدوں میں کتابیں روزانہ تیار ہوتی اور فروخت ہو جاتی تھیں۔ مولانا خوش دلی سے ملاقاتیوں سے ملاقات کرتے۔ بڑے تپاک سے ملتے۔ خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے اور پھر جس کام سے وہ آئے ہوتے بڑی گرم جوشی و تپاک سے ان کا کام کروا کر انہیں بڑی محبت و اکرام سے واپس کرتے۔ کسی کے ساتھ بلند آواز میں گفتگو نہ کرتے۔ اس حلم اور اخلاق کے ساتھ بات کرتے کہ آنے والا آپ کا گرویدہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ جمعہ اور اتوار کے روز ملاقاتیوں کو ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ان دنوں آپ دیگر امور سرانجام دیتے اگرچہ وہیں سائبان تلے آپ نشست مخصوص پر بھی بعض دفعہ براجمان ہوتے۔ بعض روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد مولانا روم اور مکتب کے گرد چار دیواری نہ تھی۔ لہٰذا موخر روایت ہی صحیح معلوم ہوتی ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ درست معلوم ہوتی ہے کہ علمائے کرام کے علاوہ ہر کس و ناکس آزادی کے ساتھ ملاقات کرسکتا تھا اور ملاقات کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔

دوسرے روم میں محض اس وقت تک مذہب اسلام ہی کا غلبہ نہ تھا دوسرے مذاہب مثلاً عیسائیت، یہودیت اور آفتاب پرستوں کا بھی کافی زور و شور تھا، اور ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی تھوڑی تعداد ہی اس جگہ مشرف بہ اسلام ہو کر بس رہی تھی۔ مگر اتنے بڑے عالم اور امیر ترین شخص کے بارے میں یہ بات اپنی جگہ درست معلوم ہوتی ہے کہ آپ جدھر سے بھی گزرتے تھے دیکھنے والوں کی کثرت ہو جاتی تھی، اور آپ گزرتے بھی بڑے تزک و احتشام سے تھے۔ علاوہ بریں اس عالم میں بھی عام عوام کو آپ سے بات کرنے کی کھلی اجازت ہوتی تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک حلوہ فروش عبدالحلیم مولانا کی درس گاہ میں آپ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ سر پر بدستور حلوے کا تھال تھا۔ اس نے حلوے کا تھال کپڑے سے ڈھانپ کر ایک بلند جگہ پر رکھ دیا اور خود آپ کی خدمت میں قدم بوسی کی غرض سے حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اٹھا کر سینے سے لگایا اور حال پوچھا۔ حلوہ فروش کہنے لگا میں آپ کو اپنا واقعہ سناتا ہوں۔ میں ایک دفعہ حلب میں مقیم تھا اور شکور اعرابی کے گھر میں نوکری کرتا تھا۔ اس کے جانوروں کو پانی پلا دیتا اور چارہ وغیرہ ڈالتا۔ اس جگہ میری تنخواہ دو درہم روزانہ مقرر ہوئی۔ میں ایک عرصہ سے کام کر رہا تھا۔ جامع مسجد عذرا قریب ہی تھی۔ وہاں میں نماز پڑھنے جاتا تھا اور ان دنوں پتہ نہیں میرے سر میں کیا سودا سمایا کہ ہر نماز کے بعد اول آخر درود شریف پڑھ کر اپنے والدین کی بخشش کی دعا مانگنے کے بعد ہمیشہ یہ دعا تین بار کرتا کہ ”اے اللہ مجھے امیر بنادے۔“ میں حیران تھا کہ تین ماہ تک متواتر یہ دعا مانگنے کے بعد بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اب

Marfat.com

میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس طرح کون سا خدا مجھے امیر بنا ہی دینا ہے لیکن پھر بھی مزاحاً میں ہر دعا میں امیر بنا دینے کی دعا مانگ لیتا تھا کہ شائد کبھی میری دعا سن ہی لی جائے۔ ویسے میرے دل میں کوئی یقین نہیں تھا کہ اس طرح سے خدا مجھے امیر بنا ہی دے گا کیوں کہ اس طرح سے لوگ امیر ہونے لگتے تو پھر سب ہی لوگ امیر ہونے کی دعا کر کے امیر نہ ہو جاتے چہ جائیکہ دنیا میں آج بھی اسی فی صد اکثریت میں غریب اور صرف پندرہ فی صد امیر لوگ ہیں۔ لیکن پھر بھی میں ہر نماز کے ساتھ یہ دعا مانگتا رہا۔ اگرچہ میرے ذہن میں ہر دعا کے ساتھ یہی بات ہوتی تھی کہ اس طرح سے خدا نے کون سی میری سن لینی ہے۔ شومئی قسمت کہ انہی دنوں مجھ سے اپنے مالک کا ایک قیمتی برتن ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ مالک نے فوراً مجھے اپنے حجرے میں طلب کیا اور غصے سے پھنکارتے ہوئے بولا کہ آج تک تم نے کوئی نقصان نہیں کیا تھا لہٰذا تم کو ایک خطیر رقم تنخواہ کے طور پر دی جاتی رہی لیکن اب تم نے یکلخت میرا قیمتی برتن توڑ کر زبردست نقصان کر دیا ہے لہٰذ تمہاری تنخواہ ڈیڑھ درہم کی جاتی ہے۔ مناسب ہے کہ اب سے ڈیڑھ درہم روزانہ میں کام کرو۔ اگر یہ تمہیں منظور نہیں ہے تو اپنا بوریا بستر اٹھالو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق مجھے اس کی ملازمت جاری رکھنا پڑی۔

ظہر کے وقت جب میں نے نماز پڑھی تو اس کے بعد بے اختیار ایک بار پھر میرے منہ سے نکل گیا کہ یا اللہ مجھے امیر بنا دے۔ فوراً ہی میں گڑبڑا گیا اور کہا کہ چوں کہ میری دعا کا الٹا اثر ہوتا ہے کہ میں امیر بننے کے لیے کہہ رہا ہوں اور خدا پاک مجھے غریب بنا رہا ہے لہٰذا اے اللہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے غریب کر دے۔ اب یہ میرا معمول ہو گیا ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا کرتا کہ اے اللہ مجھے غریب بنا دے۔ بیس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ اس بار مالک کا ایک بیل کھُل کر نہر کی جانب دوڑا۔ یہ بڑا ہی سرکش بیل تھا لیکن مجھ سے بہت مانوس تھا۔ لہٰذا میں بھی اس کی جانب دوڑا۔ قریب تھا کہ وہ بیل نہر میں چھلانگ لگا کر اس میں غرق ہو جاتا اور مالک کا عتاب مجھ پر نازل ہوتا کہ میں نے تیزی سے دوڑ کر نہر کنارے اس بیل کو پکڑ لیا۔ بیل مجھ سے بہت طاقت ور تھا۔ لہٰذا مجھے نہر میں گرنے سے اسے روکنے کے لیے کافی کشتی اور دھینگا مشتی کرنا پڑی لیکن آخر کار میں اسے واپس لانے میں کامیاب ہو گیا۔ نہر بہت ہی گہری اور خوف ناک تھی۔ اگر یہ بیل اس میں گر جاتا تو یقیناً ڈوب کر ہلاک ہو جاتا کیوں کہ میں نے کئی بار بکریوں کو اس نہر میں گرتے دیکھا تھا جنہیں نکالا نہ جا سکا اور وہ ڈوب کر ہلاک ہو جاتی تھیں۔ بھلا بیل کا بھاری بھرکم جسم کیسے اتنی گہری ندی سے باہر نکالا جا سکتا تھا۔ میرا مالک شکور اعرابی دور کھڑا یہ تمام کارکردگی دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے میرے ملازم اس بیل کی قیمت دس ہزار درہم ہے اور اسے بچا کر تو نے واقعی اپنی عمدہ کارکردگی کا ثبوت دیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے اپنے حجرے میں طلب کیا۔ میں وہاں گیا تو اس شکور اعرابی یعنی میرے مالک نے کہا کہ ہم تمہاری کارکردگی سے خوش ہوئے ہیں اور یہ تین سو درہم تمہیں انعام کے بطور دیتے ہیں اور آئندہ سے تمہاری تنخواہ بھی تین درہم مقرر کرتے ہیں۔ میں نے مالک کا شکریہ ادا کیا اور ظہر

Marfat.com

کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں گیا اور اب جو میں نے نماز پڑھی تو دو نفل شکرانے کے بھی ادا کیے اور دعا بدستور وہی رکھی کہ اے خدا مجھے فقر و غریبی عطا فرما۔

اب میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا خدا جو کہ خبیر و بصیر ہے وہ الٹا سنتا ہے کہ جب میں نے امیر ہونے کی دعا کی تو میری تنخواہ نصف درہم کم کر دی گئی اور جب میں نے غریب ہونے کی دعا کی تو نہ صرف تین سو درہم انعام بلکہ تنخواہ بھی دوگنی کر دی گئی؟ آپ ایک بہت بڑے عالم ہیں اب آپ اس بات کا فیصلہ فرمایئے کہ کیا خدا اپنے بندوں کی فریاد سیدھی طرح نہیں سن سکتا اور جو وہ مانگتے ہیں وہی عطا نہیں کر سکتا یا خدا واقعی الٹا سنتا ہے؟

مولانا روم اس کی باتیں سن کر غور و فکر میں ڈوب گئے۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر کہا کہ جتنا عرصہ تم امیر ہونے کی دعا کرتے رہے، تمہاری دعا عالم روحانیت کی طرف سفر کرتی رہی اور ذرا دیر سے افلاک تک پہنچی اور جب پہنچی تو تمہاری تنخواہ بھی بڑھائی گئی اور تمہیں انعام بھی دیا گیا، اور یہ جو غربت و فقر کی دعا تم مانگتے تھے تو یہ ابھی تک عالم روحانیت یا عالم مثال تک نہیں پہنچی۔ جب یہ دعا پہنچے گی تب اس کا بھی اثر ہو جائے گا۔ حلوہ فروش نے کہا اب عرصہ سے میں نے اس کا کام ہی چھوڑ دیا لیکن اب پھر میں امیر ہونے کی دعا کیا کرتا ہوں۔ اے مولانا روم اب میں نے حلوہ فروشی کا کام شروع کر دیا ہے مناسب ہے کہ روزانہ آپ اپنے لیے اور اپنے شاگردوں کے لیے مجھ سے حلوے کا ایک تھال خرید لیا کریں۔ مولانا نے جواب دیا کہ چلو اگر تمہاری روزی اسی طرح سے لکھی ہے تو حلوے کا تھال دے جایا کرو۔ مولانا نے اسے مناسب قیمت دے کر فارغ کر دیا۔ وہ دعائیں دیتا چلا گیا۔ مولانا نے صرف ایک قاش حلوہ اپنے لیے رکھ لیا اور باقی اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیا۔ جب آپ اپنے حجرے میں گئے تو مولانا نے حلوے کی یہ قاش چکھ کر دیکھی۔ اس میں کچھ ایسی حلاوت و مٹھاس تھی کہ اچانک آپ پر اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی کا ظہور ہوا اور جب خدا کی تجلی کسی پر ظاہر ہو تو اس کی عقل و دل و نگاہ اپنی جگہ قائم نہیں رہتی۔ لہٰذا یہی کچھ مولانا کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ لیے اور ویرانے کی طرف نکل گئے۔ کہتے ہیں کہ تقریباً دو تین ماہ تک جنگلوں کی خاک چھانتے رہے۔ جب ذرا ہوش و حواس قائم ہوئے تو واپس مسجد و مکتب کی طرف لوٹے۔ شاگردوں نے آپ کو نہلا دھلا کر لباس فاخرہ پہنایا اور دوبارہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا لیکن جب بھی حلوے کی قاش کی حلاوت یاد آتی جھرجھری لے کر رہ جاتے۔ اس حلوہ فروش کو آپ کے شاگردوں نے بہتیرا تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ آخر پانچ چھ ماہ کے بعد تھک ہار کر یہ تلاش ترک کر دی گئی۔

اب مولانا کا معمول بن گیا کہ دن چڑھے اپنی اڑھائی سو کتب کے ہمراہ حوض کے کنارے بیٹھے بلند آواز سے مطالعہ کرتے تھے۔

٭

Marfat.com

کتابیات

- ہسٹری آف اسلام بحوالہ پروفیسر ایس اے ڈبلیو بخاری
- سوانح مولانا روم مولانا شبلی نعمانی
- صاحب المثنوی قاضی تلمذ حسین
- ابن عربی اور رومی کے مماثلات و مقابلات از ڈاکٹر سید عبداللہ
- رومی کا تغزل از سید عابد علی عابد
- مولانا رومی کا فلسفہ عشق و سرمستی از ڈاکٹر صابر آفاقی
- تذکرہ دولت شاہ سمرقندی
- روای سپہ سالار
- الجواہر المفید
- دیوان شمس تبریزؒ ڈاکٹر نکلسن
- سرح عبدالعلی بحرالعلوم بر مثنوی جلد اول تا سوئم مطبوعہ نولکشور
- مولانا روم جلال الدین رومی حیات و افکار مرتبہ محمد اکرام چغتائی
- History of Europe (Grant)
- The Moors in Spain by S.Lene Poole
- A Short History of World by H.G. Wells
- Splendour of Moorish Spain by McCabe
- Lectures on Islam By M.M. Pickthall
- A Literary History of Persia By E.G. Browne
- History of Europe by H.A. L. Fisher
- The Catholic Encyolopeadia Article By Preacher
- P. Manadonnet. St. Dominic and His Work
- A Waiz Compendiam Histiarac Ordinis Praedictovum
- B. Jarret - the English Dominicans
- Mediaeval India Under Muhammadan Rule By S. Lane Poole.

Marfat.com

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

شاہ شمس تبریزؒ شکرو برنج فروشوں کی سرائے میں مقیم تھے۔ روزانہ بہت سے مزدوروں اور سرائے کے باسیوں سے آپ کی ملاقات ہوتی۔ حضرت شاہ شمس تبریز ہاتھ میں قلم اور کتاب پکڑے رہتے جس سے برنج فروشوں نے اندازہ لگالیا کہ آپ ایک بہت ہی تعلیم یافتہ انسان ہیں اور ہر وقت علمی تفکر میں ڈوبے رہتے ہیں ۔علاوہ بریں جو شخص بھی آپ سے ایک بار بات کر لیتا وہ آپ کے حسن اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ دو اشخاص محمد عمر اور محمد زبیر آپ کے دوست بن گئے۔ یہ بھی تعلیم یافتہ علمائے کرام تھے۔ ایک بار دونوں نے مولانا روم کے بارے میں بھی بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ پھر ایک روز دونوں شام کے وقت آپ کے پاس آئے تو کہنے لگے: ''مولانا شمسؒ آپ تو اپنے کمرے ہی میں گھسے رہتے ہیں۔ کچھ معلوم بھی ہے کہ ان دنوں قونیہ شہر میں کیا کیا ہو رہا ہے؟''

''نہیں کمرے میں بند رہنے والے کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟'' شمسؒ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''کچھ تم لوگ ہی روشنی ڈالو گے تو ہمیں معلوم ہو گا۔''

اس پر زبیر نے مسکرا کر بتایا: ''قونیہ میں یہاں سے قریباً پانچ سو گز کے فاصلے پر دریچہ امرا کے نام کی جگہ پر ایک بلند چبوترہ ہے جس جگہ شام کے وقت روزانہ شہر کے عمائدین اور علمائے کرام کا اکٹھ ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اس شہر کے عمائدین اور علمائے کرام و امرا سے ملنے کی تمنا ہے تو آج ہمارے ساتھ وہاں تشریف لے چلیے۔ ہم نہ صرف اہل علم لوگوں سے آپ کا تعارف کروائیں گے بلکہ شہر کے امراء و عمائدین سے آپ کی جان پہچان بھی ہو جائے گی۔ علاوہ بریں حضرت مولانا رومؒ بھی اکثر وہاں پر تشریف لاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی ان سے ملاقات کی خواہش بھی وہیں پوری ہو جائے۔''

یہ سن کر شاہ شمس تبریزؒ نے خوشی خوشی دونوں اصحاب کے ساتھ چلنے کی حامی بھر لی۔ چنانچہ انہیں کمرہ نشست میں بٹھایا اور خود غسل کر کے عمدہ لباس زیب تن کیا اور قلمکتاب ہاتھ میں لے کر ان ہر دو اصحاب کی معیت میں دریچہ امرا کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو حیران رہ گئے کہ یہ ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس کے وسط میں ایک بلند چبوترہ بنا ہوا تھا۔ چبوترے کے چاروں طرف انواع و اقسام کے پھول عجب بہار دکھلا رہے تھے۔ وہاں اس وقت بھی بے شمار امراء و عمائدین کا مجمع تھا۔ شمس تبریزؒ بھی دونوں علما کے ساتھ جا کر چبوترے پر ایک مناسب جگہ پر براجمان ہو گئے۔ عمر اور زبیر نے ہر چند کہ اس مجمع میں حضرت مولانا رومؒ کو تلاش کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی لیکن وہ وہاں نظر نہیں آئے۔ چند لوگ اپنے کاروبارِ تجارت کی باتیں کر رہے تھے۔ کچھ تصوف پر گرما گرم بحث میں مشغول تھے۔ دفعتاً محمد عمر نے چبوترے کی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ آج ہم آپ لوگوں کو تبریز کی ایک اہم شخصیت حضرت مولانا شمسؒ تبریز سے ملواتے ہیں۔ آپ سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے یہاں پہنچے ہیں اور محض قونیہ کا علم وادب چشمہ فیض جاری آپ کو یہاں تک کھینچ لایا ہے۔ یہ کہہ کر عمر چبوترے کی بلند جگہ سے اتر آئے اور شمس تبریزؒ کو بلند جگہ پر کھڑا کر دیا۔ آپ نے خدا کی حمد وثنا تسمیہ وتعوذ کے بعد فرمایا:

''ہاں میں احقر العباد شمس تبریز ہوں۔ اس سے قبل میں تبریز میں شاہ برہان الدین سے علم حاصل کرتا تھا۔ اب یہاں پہنچا ہوں اور میرے پیش نظر حصول وتحصیل علم ہی ہے کیوں کہ مجھے غیبی اشارہ ہوا تھا کہ آپ روم میں اس جگہ تشریف لے جایئے جو کہ مولانا روم کا شہر ہے۔ آپ کے علم وفضل کی تشنگی یہاں آ کر ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا بندہ اس شہر میں وارد ہوا ہے اور فی الحال برنج فروشوں کی سرائے میں مقیم ہے۔ جن اصحاب نے مجھ سے تفصیلی ملاقات کرنا ہو وہاں آ سکتے ہیں۔''

یہ مختصر گفتگو کر کے آپ چبوترے سے نیچے اترنے لگے تو لوگوں میں شور مچ گیا اور ایسی میٹھی اور پراثر تقریر سن کر علمائے کرام نے جو کہ اس وقت وہاں حاضر تھے تقاضا کرنا شروع کر دیا کہ آپ کچھ موجودہ حالات اور علم القرآن کے بارے میں بھی فرمایئے۔ مولانا رومؒ کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیجیے لیکن شمس تبریزؒ نے کہا کہ اس وقت میری تیاری اس قدر نہیں ہے۔ اس پر مجمع سے آوازیں آئیں کہ آپ تو علم وفضل کا بہتا ہوا دریا ہیں اور حصولِ علم کے لیے آپ نے اتنا سفر طے کیا ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ اسی وقت آپ علم القرآن پر درس عطا فرمایئے اور اب ہم آپ کو اس مسند ارشاد سے اتنی آسانی سے نیچے نہیں اترنے دیں گے۔ اس پر شمس تبریزؒ نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ذرہ نوازی کا میں کس منہ سے شکریہ ادا کر سکتا ہوں! بہر حال جو میرے بس میں علم القرآن کے متعلق ہو گا وہ میں مقدور بھر آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ چند لمحے سوچتے رہے اور پھر تقریر شروع کر دی:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم.

مسلمانوں کے زوال کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ علم القرآن کو بھلا دیتے ہیں حتیٰ کہ قرآن کریم کے حرف اولیں کو بھول جاتے ہیں اور آج بھی بھولے ہوئے ہیں اور دولت دنیا اور عیش ونشاط کو دل سے سجدے کرنے لگ جاتے ہیں جس کے ساتھ ہی ان کا زوال شروع ہو جایا کرتا ہے۔ آج کے دور میں بھی اگر دیکھا جائے تو انسان دولت میں اس قدر محو ہو چکا ہے کہ اپنوں کے پاس بھی اگر دولت دنیا موجود نہ ہو تو منہ دوسری طرف کر کے قریب سے گزر جاتا ہے اور جس کے پاس دولت ہو لوگ اسے دور ہی سے سلام کرنے لگتے ہیں جو کہ اس شخص کو نہیں بلکہ اس کی دولت کو سلام کر رہے ہوتے ہیں لہٰذا اولین حمد خدائے وحدہٗ لاشریک

Marfat.com

کی ہے۔

قرآن پاک کی تشریح و تحصیل ہر مسلمان کا فرضِ اولیں ہونا چاہیے۔ چہ جائیکہ اوپر سے مذہب کا لبادہ اوڑھا جاتا ہے اور اندر سے دولت دنیا کی پرستش کی جاتی ہے اسی روشِ غلط نے بالآخر امت مسلماں کو موجودہ دور کی تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بازار میں اولیائے کرام کے سیکڑوں حوالے اور قصے موجود ہیں اور ان کے تمام خرقِ عادت واقعات بھی ان میں مندرج ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کے علم کو ان سے کوئی نسبت نہیں تھی حالانکہ تمام اولیائے کرام مسلمان تھے لیکن علم القرآن کے بارے میں انہوں نے نہیں کہا یا پھر لکھنے والوں نے بخل سے کام لے کر قرآن پاک کے علوم کو ان کی زندگی کے ساتھ نسبت دینے کو ترجیح نہیں دی۔ حالانکہ مسلمان اولیاء اللہ کی زندگی علوم قرآن اور عشق محمدی ﷺ کی اشاعت و ترویج اور اسرارِ قرآن کے انکشافات سے ہی عبارت تھی۔

علم القرآن علم کا ایک بحرِ ذخار ہے کہ جس طرح قدیم صحائف اور انبیاء اور رسولوں پر اترنے والی کتابیں تھیں اور اس طرح کی تحصیل علم ایک زندگی کے بس کا روگ نہیں۔ قرآن کی تحصیل علم کرنا ہزاروں لاکھوں زندگیوں پر بھی منتج نہیں۔ خداوند کریم نے خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تمام جن اور انسان مل کر بھی کوشش کریں تب بھی قرآن پاک کی ایک آیت جیسی آیت نہیں لا سکتے۔ قدیم زمانوں کی روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کتابی شکل میں مدون ہو کر منصۂ شہود پر آیا تو علمائے قرآن میں ایک بحث کا آغاز ہوا کہ قرآن کریم کا حرف اولیں بلحاظِ وحی رب کریم اور بلحاظِ ترتیب جدول رسول مقبول کون سا ہے۔ اس سے علمائے کرام میں ایک طرح کی بھگدڑ مچ گئی۔ کوئی الف کو اولین حرف قرآن گردانتا، کسی نے بسم اللہ شریف سے با کو کسی نے ق اور کسی نے ل کو حرفِ اولین قرآن کریم کہا لیکن اس بارے میں کسی کے پاس کوئی دلیل نہ تھی کہ وحی کے نزول اور ترتیب جدول کے لحاظ سے قرآن کریم کا حرفِ اولیں کون سا ہے۔ یہ چیز اور علم آخر کسی نہ کسی سینہ مقدس میں محفوظ بھی تھا لیکن عالم غیب سے اس وقت تک منصۂ شہود پر نہ آیا تھا۔

ازمنہ قدیم کی روایت اولین علم کے بارے میں یہ ہے کہ ایک بار اللہ وحدہٗ لاشریک نے فرشتوں سے سوال کیا کہ تمہیں علم الاسماء آتا ہے اور تم مختلف چیزوں کے نام بتا سکتے ہو؟ تو انہوں نے جواباً عرض کی کہ اے اللہ! ہم مجبورِ محض ہیں اور اس بارے میں کچھ نہیں جانتے پھر اللہ تعالیٰ نے یہی سوال حضرت آدم علیہ السلام سے کیا تو آپ نے فوراً ہی ان چیزوں کے نام بتانے شروع کر دیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم الاسماء حضرت آدم علیہ السلام کو آتا ہے اور انہیں ہم نے سکھایا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم کو باقی اشیائے موجودات پر فوقیت حاصل ہے اور علم کی شان اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اظہر من الشمس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو کھنکتی ہوئی مٹی سے بنایا اور پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے فرمایا کہ اس کو سجدہ کرو۔

آدم کو قدسیوں پر فوقیت کیوں بخشی گئی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح نور اور علم کو داخل کیا

Marfat.com

لہٰذا علم کی وجہ سے انسان کو قدسیوں پر فوقیت بخشی گئی۔ حصولِ علم دانا و بینا انسان کی منزل ہونی چاہیے۔ خدائے پاک نے قرآن کے شروع میں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کی تعلیم دی ہے اور علم کے حصول کے لیے جو بھی قدم اٹھے اسی کے لیے ہر قدم کے بدلے دس ہزار نیکی کی نوید سنائی گئی ہے۔ بس میں آج کے درس کا یہیں اختتام کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر شمس تبریزؒ لوگوں کو سلام کر کے بلند چبوترے سے اتر آئے۔

آپ کا وعظ سننے والے سبھی دم بخود بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں مولانا رومؒ بھی تشریف لے آئے تھے لہٰذا جب آپ مسند ارشاد سے نیچے اتر آئے تو مولانا رومؒ نے آپ سے آنکھیں چار کیں اور زبیر نے آپ کو بتایا کہ یہی حضرت مولانا رومؒ ہیں۔ اس پر آپ چونک پڑے۔ مولانا رومؒ مسکرائے اور انہوں نے فرمایا: میں نے آپ کی تمام تقریر بہ تمام و کمال سنی ہے۔ آپ کے پاس علم کا بحرِ ذخار موجود ہے۔ یہ تو فرمائیے کہ یہاں آپ کس وجہ سے تبریز سے تشریف لائے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں محض آپ سے ملاقات کرنے کے اشتیاق میں حاضر ہوا ہوں۔ مولانا اس بات پر بہت خوش ہوئے۔ شمس تبریزؒ نے مولانا سے ملاقات کر کے نہایت خوشی محسوس کی اور اسی عالم سرخوشی میں آپ نے مولانا سے پوچھا کہ مولانا آپ تو ملک روم کے بہت بڑے عالم ہیں لہٰذا یہ تو فرمایئے کہ حضرت بایزید بسطامی نے تمام عمر خربوزہ نہیں کھایا محض اس وجہ سے کہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے کس طرح اسے نوش فرمایا ہوگا۔ اس بات کی آپ کو خبر نہ تھی۔ چنانچہ اگر آپ کسی دوسرے طریقے سے کھا لیتے تو اتباعِ سنت باقی نہ رہتا۔ آپ اس کو اشتیاقِ اتباعِ سنت کہہ سکتے ہیں لیکن دوسری جانب حضرت بایزید بسطامیؒ اپنی عظمت و شان پر فخر و غرور سے یہ بھی کہتے تھے ''سبحانی ما اعظم شانی'' کہ اللہ اکبر میری شان کس قدر بڑی ہے۔ حالانکہ خود رسول کریم ﷺ جو مرجع خلائق اور رسول جن و بشر ہیں دن میں ستر بار استغفار فرماتے اور عجز کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں کو بایزیدؒ پر آپ کیسے منطبق کریں گے؟ شمسؒ کی اس بات پر مولانا روم مسکرائے اور فرمایا کہ آپ کو اپنی شان سکوت و منازلِ تقرب کی وجہ سے ایک بلندی پر ٹھہری دکھائی دیتی تھی مگر رسول اکرم ﷺ کی شان ہر لحظہ اوپر کی جانب اسراع پذیر تھی لہٰذا آپ پستی پر استغفار کرتے تھے۔ قرآن پاک میں بھی آپ کی شان میں اسریٰ بعبدہٖ کے حرف وارد ہوئے ہیں۔ بہرحال آپ کبھی میرے ہاں تشریف لایئے پھر بات ہوگی۔ یہ کہہ کر آپ اس محفل سے چلے گئے۔

دوسری روایت کتب تاریخ میں کچھ اس طرح سے وارد ہے کہ ایک بار حضرت مولانا روم نہایت ہی تزک و احتشام سے ایک راستے پر چلے جا رہے تھے کہ ادھر سے اچانک برنج فروشوں کی سرائے سے نکل کر حضرت شمس تبریزؒ آپ کے راستے میں آ گئے۔ آپ نے بصد خلوص مسکراتے ہوئے مولانا روم کو سلام کیا جس کا بڑے اہتمام سے جواب دیا گیا۔ پھر شمس تبریزؒ نے حضرت مولانا رومؒ سے سوال کیا کہ ''مجاہدہ اور ریاضت کا کیا مقصد ہے؟'' یہ سوال آپ نے ان سے سرِ راہ دریافت فرمایا تھا جس کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں بڑی وضاحت سے مرقوم ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا روم نے فرمایا: اتباعِ شریعت۔ شمس تبریزؒ نے فرمایا

Marfat.com

یہ تو سب ہی جانتے ہیں لیکن علم و مجاہدہ کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ وہ انسان کو اس کی منزل مقصود پر پہنچا دے اور اس کے بعد حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا:

علم کز تو ترا نہ بستاند
جہل زاں علم بہ بود بسیار

جو علم تجھے تجھ سے نہ لے لے اس علم سے جہل بہتر ہے۔

ان جملوں سے مولانا روم بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اے شمسؒ آپ کبھی مسجد و مکتب مولانا روم پر تشریف لائیے پھر وہاں پر کھل کر علوم و فنون قرآن پر بات ہوگی۔ چنانچہ حضرت شمس تبریزؒ نے آپ سے وعدہ فرمالیا کہ ہم ضرور آپ کے آستانہ پر تشریف لے جائیں گے۔

☆☆☆

تاریخ میں مرقوم ہے کہ مولانا روم کی زندگی کا دوسرا دور شمس تبریزؒ کی ملاقات کے بعد شروع ہوتا ہے اور مولانا کی زندگی میں شمس تبریزؒ کی ملاقات کا واقعہ جس قدر اہم ہے اسی قدر یہ واقعہ معرضِ اخفا میں ہے۔ جواہر مضیہ کے بیان کے مطابق تو واقعہ کی شکل و صورت کچھ اس طرح سے ہے کہ مولانا ایک روز اپنے شاگردوں کے حلقہ میں رونق افروز تھے کہ اس صورت میں ان کے گردا گرد حضرت مولانا رومؒ کی کتابوں کے ڈھیر تھے۔ اچانک شمسؒ تبریز قلندرانہ شان سے وہاں آ پہنچتے ہیں اور کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ مولانا رومؒ نے فرمایا کہ میاں درویش یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ مولاناؒ کا یہ فرمانا تھا کہ اچانک کتابوں میں آگ لگ گئی۔ اس پر مولانا نے شمسؒ تبریز سے حیران ہو کر سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو شمس تبریزؒ نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ اور یہ کہہ کر اس مجلس سے روانہ ہو گئے۔ مولانا انہیں آوازیں ہی دیتے رہ گئے لیکن وہ پراسرار طریقے سے غائب ہو گئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جلال الدین رومی نے روم میں ایک بہت بڑی مسجد اور مکتب بنوائے تھے جن کے وسط میں ایک بہت بڑا صحن تھا۔ ایک سمت میں گلستان تھا دوسری سمت میں مکتب تھا۔ وسط صحن میں ایک بڑا تالاب یا حوض تھا۔ مولاناؒ روم اس کے کنارے پر دن کے اوقات میں نشست فرماتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا روم اپنی مسجد کے صحن میں اسی بہت بڑے تالاب کے کنارے بیٹھے اپنی ہی لکھی ہوئی اڑھائی صد علمی و دینی کتب کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ شمسؒ تبریز کا ادھر سے گزر ہوا۔ حالانکہ روایت ہے کہ مسجد کے گرد نہایت ہی شان دار اور بلند فصیل موجود تھی اور چاروں دروازوں پر چار دربان بھی موجود تھے جو کسی بھی بڑے عالم کو پہلے سے وقت لیے بغیر مولاناؒ روم کے قریب نہیں جانے دیتے تھے لیکن پھر بھی معلوم نہیں کہ کس طرح سے اچانک شمسؒ تبریز ان کی مخصوص نشست گاہ کے قریب جا پہنچے۔ اس بارے میں تذکرہ و تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں۔ بہر حال شمسؒ تبریز مولاناؒ روم کے سامنے پہنچ کر رک گئے اور استفسار

Marfat.com

کرنے لگے کہ آپ نے آج تک کتنی کتابیں تحریر کی ہیں؟ چونکہ شمسؒ تبریز ایک صاحب حال اور صاحب طریقت مجذوب الٰہی تھے لہٰذا آپ کو یکا یک جلال آ گیا اور آپ نے حضرت مولانا روم سے استفسار فرمایا کہ یوں تو آپ نے قرآن کے گوناگوں الفاظ پر کتب تحریر کی ہیں اور آپ کا علم وحی الٰہی کے سلسلے میں بڑا عمدہ و ارفع ہے لیکن یہ تو فرمایئے کہ قرآن پاک کا اولین حرف کون سا ہے؟ اس پر حضرت مولانا روم ششدر رہ گئے پہلے تو لگے آئیں بائیں شائیں کرنے کہ یا حضرت وہ تو الف ہی ہوگا یا پھر ق ہی پہلا حرف ہے یا با ہوگا اور پھر ذرا سنبھل کر کہنے لگے کہ اللہ اور اللہ کا رسول ہی جانے۔ اس پر شمسؒ تبریز نے کہا کہ اسی بنا پر آپ مولانا رومؒ کہلاتے ہیں کہ آپ کو تو قرآن کریم کے حرفِ اول کا بھی پتہ نہیں ہے اور یہ جو جمعوں میں آپ نے خطبات وغیرہ ارشاد فرمائے اور کتب ہائے معارف دینی وعلمی ترتیب دے لی ہیں یہ پھر کس چیز اور کس علم کے بارے میں ہیں۔ سچ ہے کہ

مولوی از حرفِ قرآں بے خبر
بے خبر از حرفِ قرآں بے خبر

حضرت مولاناؒ روم کے لیے یہ صدمہ بڑا حیران کن تھا کہ آپ کے شاگردوں کے سامنے کوئی صاحب طریقت آپ کو اس طرح سے مطعون کر جائے۔ چنانچہ جذبات وتوہین کے صدمہ سے پریشان ہو کر آپ رونے لگے اور شمسؒ تبریز سے عرض کی کہ یا حضرت اگر آپ کو قرآن کریم کا اولین حرف آتا ہے تو آپ ہی فرما دیجیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجذوب تو پھر بتا ہی دے گا لیکن آپ کی لکھی ہوئی یہ اڑھائی صد کتابیں تو پھر ناکارہ ہی ہوئیں کہ آپ اتنا کچھ تصنیف وتالیف فرمانے اور اتنا بڑا مدرسہ نور العلم چلانے کے باوجود قرآن کریم کے حرفِ اولین سے نابلد ہیں اور ویسے ہی آپ نے اتنی کتب تحریر فرما دی ہیں لہٰذا انہیں تو دریا برد کر دیجیے۔ یہ کہہ کر اچانک شمسؒ تبریز نے مولانا رومؒ کی تمام کتابیں اٹھا اٹھا کر تالاب میں پھینک دیں اور یہ دیکھ کر مولانا روم کی گھگی بندھ گئی اور آپ بہ آواز بلند رونے لگے اور ہچکیوں سسکیوں کے درمیان آپ نے کلمات فرمائے کہ اے شمسؒ آپ نے تو میری ساری زندگی کا سرمایہ پانی میں غرق کر دیا ہے، اب میں کس چیز کے سہارے زندہ رہوں گا۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے اور دیواروں سے سر ٹکرانے لگے۔ تب شمسؒ تبریز حضرت مولانا رومؒ پر ترس کھاتے ہیں اور آپ فرمانے لگے کہ پھر تو آپ مولوی نہ ہوئے کہ آپ ابھی تک حرفِ اولین قرآن کریم سے نابلد ہیں اور نورِ قرآن سے آپ کو کوئی واسطہ نہیں ہے کیوں کہ آپ یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کریم کا حرفِ اولین کون سا ہے۔ تو حضرت مولانا رومؒ نے فرمایا کہ شرطِ اول تو یہ ہے کہ پہلے میری کتب تالاب سے نکال دیں اور شرط دوم یہ ہے کہ اگر حرف اولین آپ کے سینے میں محفوظ ہے تو آپ مجھے بتا دیں۔ میں مولوی ہرگز نہ کہلاؤں گا اور آپ کا غلام بے دام ہو جاؤں گا۔ اس شمسؒ تبریز نے کہا کہ جیسا آپ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہو جائے گا لیکن آپ پہلے اپنے علم کے نور سے انداز اُتو بتایئے کہ قرآن کریم کا حرفِ اولین کون سا

Marfat.com

ہے؟ تو حضرت مولانا رومؒ نے فرمایا کہ عربی حرف الف ہی میرے خیال میں قرآن کریم کا پہلا حرف ہے۔ حضرت شمسؒ تبریز نے فرمایا کہ الف کی تو گرامر میں کم وبیش اٹھارہ اقسام بیان کی گئی ہیں مثلاً جن کی شروعات یہاں سے ہوتی ہے کہ الف مقصورہ، الف ممدودہ، الف مدبرہ، الف میشہ، الف عشقیہ، الف علمیہ، الف عملیہ، الف عقلیہ وغیرہ وغیرہ آپ کی مراد کس الف سے ہے؟

حضرت مولانا روم نے پوچھا کہ یا حضرت پہلے تو یہ فرمایئے کہ الف قرآن کریم کا پہلا حرف ہے بھی کہ نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ قرآن کریم کا پہلا حرف نہیں ہے۔ اس پر حضرت مولانا رومؒ رونے لگے اور عرض کی تب مجھے اپنی غلامی میں قبول کیجیے، میں مولوی ہرگز نہیں اور آپ کا غلام ہوں اور مجھے خدارا حرف اول بتا دیجیے، میرے ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ہیں انہیں معلوم ہو گیا کہ مولانا ابھی قرآن کریم کے حرف اول سے نابلد ہیں تو وہ سب مجھ سے متنفر ہو جائیں گے لہٰذا مجھ غریب مسکین پر خدارا رحم فرمایئے۔ شمسؒ تبریزؒ نے فرمایا کہ دراصل تو اپنی کتابوں کی غرقابی پر بھی نوحہ زن ہے لہٰذا پہلے میں کتابیں نکال کر دیتا ہوں اور تب بتاؤں گا۔ چنانچہ شمسؒ تبریز نے باہر کھڑے کھڑے ہی ہاتھ بڑھا کر کتابیں نکالنا شروع کر دیں۔

مولانا رومؒ روتے بھی جاتے اور خوش بھی ہوتے جاتے کہ کتابیں تالاب سے باہر آ رہی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مولانا نے ڈرتے ڈرتے کتابوں کو اٹھا کر دیکھا۔ جب وہ انہیں اٹھاتے تو وہ سب گیلی ہونے کی بجائے اتنی خشک ہیں کہ ان سے گرد جھڑ رہی ہے۔ تاریخ مستشرقین نے اس جگہ ایک اور اشارہ بھی کیا ہے کہ جس کتابوں کے ڈھیر کو آپ نے تالاب سے نکالا وہ تالاب میں نو فٹ کی گہرائی میں گری تھیں۔ بعض نے تالاب کی گہرائی پانچ اور چار فٹ لکھی ہے لیکن باہر سے کھڑے ہو کر اتنی گہرائی سے بھی کتابیں نکال لینا عجیب اور خارقِ عادت معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جب مولانا روم نے کتابوں سے گرد جھڑتی ہوئی دیکھی تو آپ ششدر رہ گئے اور آپ کی اس کرامت پر عش عش کرنے لگے اور ایک بار پھر فرمانے لگے کہ اللہ اور اللہ کا رسول جانے، کیا یہ جواب درست نہیں ہے؟ اس پر حضرت شمسؒ تبریز نے فرمایا کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے تو قرآن کریم انسانوں کے لیے اتارا ہے اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ پر غور کرو لہٰذا جو لوگ اس کو ماننے والے ہیں انہیں اس کا پہلا حرف بھی لازماً جاننا ہی چاہیے۔ اس پر مولانا روم روتے ہوئے غش کھا کر گرتے ہیں اور ہوش میں آنے پر رقت آمیز انداز میں شعر پڑھتے ہیں۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

عرض کی کہ اے شمسؒ میں مولوی ہرگز نہ کہلاؤں گا بلکہ باقی ماندہ زندگی آپ کا غلام کہلاؤں گا اور اگر آپ کا غلام نہ کہلاؤں تو مولوی ہرگز نہ ہوں گا کیوں کہ میرے علم کے مطابق قرآن کریم کے کل حروف تین لاکھ تیئس ہزار سات سو ساٹھ ہیں۔ کل تعدادِ کلمات چھیاسی ہزار چار سو تیس اور کل آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ

Marfat.com

ہیں اور تین لاکھ تیئس ہزار سات سو ساٹھ حروف کے بحرِ ذخار میں سے یہ کہہ دینا اور یقینی طور پر یہ کہنا کہ بترتیب جدول اور دحی النزول پہلا حرف کون سا نازل ہوا بہت مشکل ہے۔

پھر فرمانے لگے کہ عربی جو ہر لفظ کے شروع میں ال لگا دیتے ہیں تو کیا پہلا حرف الف نہ ہوا۔ شمسؒ تبریز نے فرمایا کہ عربیوں میں اس بات کا رواج از منہ قدیم ہی سے چلا آ رہا ہے کہ ہر لفظ کے سامنے ال لگا دیتے ہیں مثلاً قرآن حکیم کو القرآن الحکیم، فاتحہ کو الفاتحہ، بقرہ کو البقرہ، روم کو الروم۔ چنانچہ ال ایک اضافت توصیفی ہے جو نکرہ پر آ کر اسم معرفہ بنا دیتی ہے۔ فارسی میں حرف اسم معروف مع انعام ونعمت ہے۔ عربی میں اسم تعریف فارسی میں اسم انعام ونعمت لاطینی میں جس پر نعمت ہو یونانی ابجد کا پہلا حرف پاکیزگی و طہارت و توصیف، مصری وترکی میں ہیبت وطہارت اسم مکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا حرف اولین تاریخ اس حرف کی قدیم ترین حضرت آدم علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہے مگر بترتیب جدول قرآن کریم کا پہلا حرف نہیں ٹھہرتا۔ مولانا روم نے عرض کی میرے علم کے مطابق اسم اللہ کے لیے قدیم زمانہ سے چار الفاظ الاھیا، الوھیا، الہ اور اللہ آتے ہیں، تشریح ان کی بیان فرما دیں۔

فرمایا حرف الاھیا لفظ عبرانی ہے۔ حرف الوھیا لاطینی ہے۔ حرف الہ لفظ مصری ہے۔ حرف اللہ لفظ عربی ہے۔ اسم تعریف وصفت خالق کائنات کا اسم کریم ہے۔ اللہ کی صفات کے بارے میں تمام صفات والفاظ حیرت زدہ ہیں کہ تمام جملہ موجودات ومرکبات ومفردات جملہ زمین وزماں فلک الافکان وامکان تمام کائناتوں کا مالک ومختار ہے۔ سب تعریفیں اسی ذات پاک وبے ہمتا وباحرمت کو سزاوار ہیں کہ تمام مخلوقات کی عقول وزبان تا عمر بھی اس کی صفت وثنا بیان تقدیس میں گزاریں تو حق ادا نہ ہو۔ فیوض وبرکات حرف الف اور حرف اسم کریم اللہ کے بے شمار اور بے حد وحساب ہیں کہ جو مریض کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہو اور آرام اسے نہ آتا ہو وہ بے شمار مرتبہ اس حرف کا ورد کرتا رہے اور رات کو بعد از نماز عشا اپنی شفا کی دعا کر کے سو جائے تو انشاء اللہ اسے شفائے کاملہ عطا کی جائے گی اور جو شخص پاکیزگی وطہارت حاصل کرنا چاہتا ہو وہ بھی صاف پاک ہو کر عمدہ لباس پہنے خوشبو لگائے اس حرف کا ورد کرتا رہے۔ انشاء اللہ اسے پاکیزگی وعزت وتقدس حاصل ہو گا۔ مولانا روم نے عرض کی یا حضرت اب پھر قرآن کریم کے پہلے حرف کی طرف آ جایئے اور کیا حرف اولین قرآن کریم پر بحث کرنا جائز ہے؟

حضرت شمسؒ تبریز ہنسے پھر فرمایا حضرت ہم تو بہت بعد میں ہیں زمانہ قدیم میں جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ تخت بلقیس کو کون ملک سبا سے لا سکتا ہے؟ ایک جن نے کہا کہ چونکہ ہزار میل کم وبیش کا فاصلہ درمیان میں ہے لہٰذا وہ ایک ماہ میں اٹھا لائے گا۔ دوسرے جن نے کہا کہ میں اپنے آپ میں اتنی طاقت پاتا ہوں کہ ایک دن میں اٹھا کر اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دوں گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں میں بہت جلد چاہتا ہوں۔ اس پر صاحب علم الکتاب نے کہا کہ

Marfat.com

وہ پلک جھپکنے میں لا سکتے ہیں کہ آپ ذرا سا رخ دوسری طرف پھیریں تو تخت سبا کو اپنے سامنے پڑا ہوا پائیں گے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ذرا سا رخ پھیرا۔ صاحب علم الکتاب نے اسم اعظم پڑھا فرشتوں نے زمین میں سے تخت بلقیس نکال کر دربارِ سلیمان میں رکھ دیا۔ بھلا آصف بن برخیاہ کو صاحب علم الکتاب کیوں کہا گیا؟ کیوں کہ وہ کتاب کا علم رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ حرفِ اولین اسم اعظم سے واقف تھے اور یہ اسی حرف کی برکت تھی کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دکھایا۔ حضرت مولانا رومؒ ہستی میں آ کر سر دھننے لگے اور عرضی کی حرفِ اولین قرآن کریم مجھے ضرور عطا ہو۔ حضرت شاہ شمس تبریز نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ اتنی آسانی سے ہر کسی کو عطا نہیں ہوتا۔ آصف بن برخیاہ کو عطا ہوا تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں دنوں کی محنت و ریاضت سے عطا ہوا۔ جس چیز کو جادو کہا جاتا ہے وہ تو حرام ہے لیکن قرآن کریم کا حرفِ اولین حلال اور نوری حرف ہے اور یہ ان ہزاروں علوم سے بہتر ہے جنہیں کالے علوم کہا جاتا ہے۔ یہ اس جنتر منتر سے بھی نہایت ارفع و اعلیٰ ہے جو کسی انسان کو منٹوں میں صحت مند و شفایاب بنا دیتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات نے آصف بن برخیاہ اور دوسرے صاحبانِ علم و فضل سے جادو سیکھ کر بہت سی کتابیں بنالی تھیں لیکن جب ان کا پتہ چلا کہ ان سے غلط کام بھی لیے جا سکتے ہیں تو انہیں صندوقوں میں بھر کر زمین میں دفن کر دیا گیا۔ لہٰذا یہ تمام دنیاوی علوم سے عمدہ افضل ہے کہ قرآن کریم کے حرفِ اولین اسم اعظم کو حاصل کیا جائے کیوں کہ اس سے کوئی غلط کام نہیں لیا جا سکتا محض جائز اور اسلامی کام ہی لیے جا سکتے ہیں۔ مولانا رومؒ نے وجد میں آ کر کہا: ”حرفِ اولین قرآن کریم ہمیں ضرور عطا ہو۔“

دوسرے دن جمعۃ المبارک تھا لہٰذا مولانا روم کی ایما پر حضرت شمسؒ تبریز کو منبر پر بٹھایا گیا اور آپ سے حضرت مولانا رومؒ اور آپ کے شاگردوں نے استدعا کی کہ آپ خطبہ ارشاد فرمائیں جس میں قرآن کریم کے حرفِ اول کا اکتشاف و انکشاف بھی شامل ہو۔ حضرت شمسؒ تبریز نے یہ بات تسلیم کر لی۔ آپ منبر رسولؐ پر براجمان ہوئے اور وعظ و نصیحت فرمانے لگے۔ آپ نے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ و الصلوٰۃ و السلام علی خاتم النبین اما بعد!

آمدم برسر مطلب اللہ وحدہ لاشریک کی بے حد مدح و ستائش وحمد اور رسول پاک ﷺ کی بے حد نعت و تکریم کے بعد واضح ہو طالبان علم و فضل کہ عربی زبان میں حروف کی بحث سب سے مشکل مرحلہ ہے جیسے کہ آج کے علمائے کرام بھی مشکل ترین مرحلہ ہونے کی بنا پر قرآن کے الفاظ کی بحث نہیں کرتے اور تشنگانِ و طالبان علم پر یہ بات واضح نہیں کرتے کہ عربی زبان میں یہ الفاظ و حروف کہاں سے وارد ہوئے۔ اولین یہ کس زبان کے الفاظ ہیں ان کا تاریخی پس منظر اور محل وقوع کیا ہے اور اس کے بعد یہ حرف کس زبان میں رائج و مروج ہوا، اور اس کی مختلف اشکال و مصادر اور جدول و حرکات کے کتنے معانی ہیں، اور قرآن میں اس لفظ کی آمد کا صحیح پس منظر اور شان نزول محل وقوع کے لحاظ سے کیا ہے اور قرآن کے ان حروف کا تاریخی و عمرانی لحاظ

Marfat.com

سے درحقیقت کیا مطلب نکلتا ہے۔ محض اپنی دلیلوں اور تاویلات سے لغوی معانی کر دیتے ہیں لہٰذا کیوں نہ عربی قواعد وضوابط گرائمر کو قرآن کریم کی بنیاد بنا کر اولین حروف و الفاظ قرآن کا درست مادہ اور پھر حروف و اشکال و مصادر اور جدول وحرکات کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح محل وقوع اور شان نزول کے تاریخی اہتمام کو مقدم رکھ کر قرآن پاک کی درست تشریح وتفسیر کی راہ ہموار کی جائے تاکہ وحی الٰہی کا صحیح مقصد و مدعا درستگی کے ساتھ زبان زدِ خاص و عام ہو سکے۔ یہی امت مسلمہ کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس نے قرآن کریم کو ایک عام کتاب کی حیثیت سے جانا اور خصوصاً وحی الٰہی اور کائنات کی سب سے اعلیٰ وارفع روشن تحریر کی حیثیت سے نہیں پہنچانا۔ اس کی کماحقہ قدر نہیں کی۔ لہٰذا زوالِ ملتِ اسلامیہ آہستہ آہستہ قدرت کی طرف سے مقدور ہوتا چلا گیا جو لوگ دولت ہی کو دل سے اپنا معبود و پرستار تسلیم کر لیں گے وہ علم سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور آخرکار تباہی و بربادی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ خود قرآن کریم کے قصص اس بات کے گواہ ہیں۔ بہرحال آمدم برسر مطلب کہ تمام قواعد وضوابط گرائمر کا قرآن پاک کی صحت وتفسیر میں خیال رکھنا ضروری ہے کیوں کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب آخریں ہے اور رسول پاک ﷺ کی مدح وستائش اور نعت ومنقبت پر مبنی ہے۔ حضور ﷺ نے ظہور کے وقت بھی مختلف گواہان کے بیان کی روشنی میں جب اللہ وحدہ لاشریک کا نور بصورت حضرت محمد ﷺ چمکا تو آمنہ بی بی کے گھر کے در و دیوار روشن ہو گئے۔ اس نور کی برکت سے قیصر و کسریٰ کے کنگرے زمین پر آ گرے اور خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے بت منہ کے بل گر کر ھواللہ احد پڑھنے لگے۔ اس کے بعد بچپن ہی سے آپ ﷺ کے کردار و عمل کی برکت سے تمام اہل عرب نے حضور ﷺ کو صادق اور امین کے خطابات عطا کیے۔ ان لوگوں نے بھی آپ ﷺ کو صادق اور امین کہا جنہوں نے آخرکار آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور انہوں نے تو کہنے کی بجائے دل سے بھی آپ ﷺ کو صادق اور امین جانا جنہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا۔ یہ آپ ﷺ کے کردار و عمل کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ ہر کس و ناکس نے آپ ﷺ کو بچپن ہی سے صادق اور امین تسلیم کر لیا اور کیوں نہ ہو خدا کا محبوب بچپن ہی سے اپنے کردار و اخلاق سے ہر کس و ناکس پر برتری کا حامل ایک پاکیزہ رسول ہے۔ خود قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

کہ قرآن مجید لوح محفوظ پر مندرج ہے اور محفوظ ہے۔ قرآن کریم میں تمام مکانی یعنی زمینی اشیا بھی محفوظ ہیں اور لامکانی یعنی آسمانی وسماوی اشیا یا فلکی وسماوی اشیا بھی محفوظ ہیں اور ازل سے ابد تک تمام فسان و لافسان بھی قرآن کریم میں بند ہیں حتیٰ کہ قرآن کریم دونوں جہانوں کا بادشاہ اور حکمران ہے اور قرآن پاک کو باقی تمام پیغمبروں کی کتابوں اور صحائف پر برتری حاصل ہے کہ قرآن پاک کو خداوند کریم نے اپنے آخری رسول اور محبوب پیغمبر پر نازل فرمایا ہے۔

اور یہ بات تو تمام عالم اسلام بلکہ دنیا پر اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام میں

Marfat.com

عجیب سی روشنی و رہنمائی موجود ہے اور اس میں ایسی تاثیر ہے کہ جو نہ صرف زمینی مخلوقات کے لیے باعث رہبری ہے بلکہ آسمانی مخلوقات یعنی جن اور فرشتے بھی اس سے راہبری اور نفع حاصل کرتے ہیں اور قرآن پاک میں ہر قسم کی مخلوق کے لیے نور و رہنمائی اور رشد و ہدایت موجود ہے۔ پھر اس کے حروف و الفاظ اس قدر بیش قیمت اور موزوں ہیں کہ ان جیسا حرف و لفظ بنانا کسی بھی مخلوق کے بس کا روگ نہیں ہے۔

جن و انس اور ملائکہ عاجز محض ہیں کہ وہ اپنے پاس سے نہ تو ایسے حروف و الفاظ تیار کر سکتے ہیں اور نہ ہی اتنی چابک دستی سے زمانے میں رائج کر سکتے ہیں۔

سورۃ طور میں خداوند قرآن کریم کے بارے میں فرماتا ہے کو وہ طور کی قسم، سطروں والی کتابِ روشن کی قسم، اس منشور کی قسم جو موٹے اوراق پر لکھا گیا۔ جس کتاب کی قسمیں خود خداوند ذوالجلال والاکرام کھاتا ہے اس کی برتری میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ اس کتاب میں قدیم ترین حروف بھی موجود ہیں اور حروفِ حادث اور جدید ترین حروف بھی موجود ہیں اور قرآن پاک کائنات کے ہر قسم کے علوم قدیمہ و جدیدہ کا مکمل احاطہ ومحاکمہ کرتا ہے۔ اگر دیکھنے والی آنکھ دانا و بینا ہے تو وہ قرآن کریم کے اسرار و رموز ہائے پوشیدہ سے آخر کار واقفیت حاصل کر ہی لیتی ہے۔

قرآن اگرچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے صحائف اور کتابوں کے بعد نازل ہوا لیکن تمام کتابوں کی ام الکتاب یا کتابوں کی ماں ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف و توصیف کی جائے کم ہے۔ خود خداوند اسے روشن سطروں والی کتاب فرماتا ہے اور واقعی اس کی سطور خداوند کے نور و رہنمائی سے چودھویں کے چاند کی مانند روشن ہیں اور یہ تمام امت مسلمہ کو ذوق و شعور اور نور و رہ نماء بخشتا ہے اور اس کی تحریر آسماں کے ستاروں سے بھی زیادہ روشن تر اور درخشندہ و تابندہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو نہ صرف دنیا نے بلکہ خود قرآن کریم یعنی وحی خداوندی میں بھی صاحب خلق عظیم کہا گیا۔ یعنی حضرت رسول اکرم ﷺ نے دنیا کو اپنے اخلاق عظیم سے اپنے قدموں پر سرنگوں کیا۔ آپ کو نہ صرف خلق عظیم بلکہ قرآن کریم کے زندہ روشن حروف کا معجزہ بھی عطا فرمایا گیا۔ دنیا کا سب سے بڑا معجزہ اور اسم اعظم نہ صرف حروف قرآن ہیں بلکہ محمد ﷺ کا اخلاقِ حسنہ بھی ہے کہ جس کی تمام دنیا نے تعریفیں کیں۔ آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی جتنی بھی تعریفیں کی جائیں کم ہیں۔ دشمن آپ کو پتھر مارتے اور گالیاں دیتے تھے مگر آپ جواب میں انہیں دعائیں دیتے تھے کہ ایک دن وہ راہ راست پر آ جائیں گے اور قرآن پاک کے حروف کے امین و علم بردار بن جائیں گے اور آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا یہ معجزہ عظیم ہے کہ آخر کار وہی بدو قرآن پاک کے حروف کے علم بردار بن گئے اور انہوں نے ساری دنیا کو اپنے قدوم میمنت لزوم پر سرنگوں کر کے دکھایا۔

یہ بھی درست ہے کہ عصر حاضر میں یہ مشہور ہے کہ سورۃ علق کی اولین پانچ آیات وحی اولین ہیں اور

Marfat.com

غار حرا میں سب سے پہلے رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی ہیں یعنی غار حرا میں جبرائیل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ پر پہلی وحی لے کر آئے تو آپ نے فرمایا کہ پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا فرمایا لیکن اس جگہ پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے کی بات کو اولیت دی جائے یا پھر خالق کی بات کو اولیت دی جائے۔ اگر تو فرشتے کی بات کو اولیت دی جائے تو پھر اس سے پہلے کتاب زبور، کتاب توریت، کتاب انجیل گزر چکی ہیں جن کی وحی کو قرآن سے ماقبل تسلیم کرنا پڑے گا اور اس طرح سے قرآن کریم ان کتابوں کی ماں نہیں بلکہ بیٹی قرار پاتی ہے کہ سب سے چھوٹی اور سب سے بعد میں نازل ہوئی اور کفار فی الفور قوم مسلمان اور ان کے پیغمبر اولوالعزم کی کتاب عظیم الشان پر یہ اعتراض وارد کر سکتے ہیں لیکن اگر خدا کے قول اور الفاظ کن فیکون کو اولیت دی جائے تو پھر یہ الفاظ تمام کائنات بنانے سے بھی پہلے فرمائے گئے اور خدائے وحدہ لاشریک سے ماقبل کائنات ان کی ادائیگی ثابت ہے اور اس کے بعد کائنات پیدا ہوئی اس کے بعد انسان، فرشتے اور جن بنائے گئے اور اس کے بعد صحائف آدم، زبور، توریت اور انجیل نازل ہوئی لہٰذا پھر قرآن کریم کو بہ طور احسن ام الکتاب کہا جا سکتا ہے جیسے حروف کن فیکون سورۃ نحل کی آیت نمبر ۴۰ میں بھی وارد ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور یہ بات بھی اپنی جگہ پر نہایت ہی موزوں و مناسب ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت اور ایک ایک لفظ پر اس طرح سے غور و فکر کرو کہ جیسے کرنے کا حق ہے اور اسی چیز کو درست تسلیم کرو جسے تمہارا دل تسلیم کرتا ہو اور ہمیشہ اپنی عقل اور دل کی گواہی کو درست سمجھو کیوں کہ قرآن پاک میں غور و فکر کرنے کا حکم آیا ہے لہٰذا عقل اور دل یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کائنات اور اپنے نور کو تخلیق کرنے کا ارادہ کیا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اول ماخلق اللہ نوری کہ سب سے پہلے اللہ نے حضرت محمد ﷺ کا نور پیدا فرمایا اور کن فیکون فرمایا تو تمام کائنات پیدا ہو گئی اس کے بعد فرمایا گیا کہ فرشتے پیدا ہوں تب فرشتے پیدا ہوئے، پھر قومِ جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا اس کے بعد انسان یعنی آدم کو پیدا کیا گیا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ پر وحی لے کر آئے۔ لہٰذا ترتیب جدول اور وحی النزول پہلے حروف قرآن سورۃ اقراء کے نہیں بلکہ کن فیکون کے ہیں اور یہی بات نص قرآنی اور قول اللہ تعالیٰ کے ذریعہ بھی ثابت ہے ان ہی حروف سے قرآن کریم کو ام الکتاب کہا گیا کیوں کہ یہ ساری آسمانی کتابوں سے بھی قبل تخلیق فرمائے گئے تھے اور ان کے ذریعے کائنات کو خلق فرمایا گیا اور اللہ وحدہ لاشریک نے اپنا نور پیدا کیا۔ چنانچہ انہی قدیم حروف یعنی کن فیکون کو جو

Marfat.com

کہ سورۃ نحل کی چالیسویں آیت میں وارد ہوئے ہیں احقر بندہ اپنے خدا کو وکیل اور گواہ بنا کر حروفِ اولین کی حیثیت سے متعارف کرواتا ہے اور یہی حروف کن فیکون قرآن کریم کے سب سے اولین حروف ہیں کیوں کہ ان کی ادائیگی سب سے آخر میں فرشتے کی زبان سے بھی ہوئی اور لاکھوں سال قبل خالق کل سے۔ نص قرآنی سے بھی ثابت ہے کہ جب کچھ نہ تھا تب یہ حرف فرمائے گئے۔

یہاں تک پہنچ کر شمس تبریز مسکرائے اور پھر کہنا شروع کیا: چنانچہ ''ک'' ڈنڈے والا قرآن کریم کا حرف اولین ہے۔ کائنات کی تخلیق اولین اسی حرف سے ثابت ہے خود کائنات کا حرفِ اول ہے۔ اللہ نے حروف کن فیکون فرما کر چھ یوم میں کائنات پیدا فرمائی انہی حروف کو تمام حروف ہائے کائنات و کتب ہائے مقدسہ پر اولیت وفوقیت حاصل ہوگی اور یہی قرآن کریم کے حروفِ اولیں گردانے جائیں گے۔ اس لحاظ سے ک قرآن کریم کا حرف اول ہے۔ یہ قرآن میں پچانوے سو مرتبہ وارد ہوا ہے اور اس بات اور اس فتویٰ سے مفر نہیں کیوں کہ یہ سورۃ نحل کی آیت نمبر چالیس یعنی نص قرآنی سے ثابت ہے کہ ''ک'' کائنات کا حرف اول اللہ کے اسم ''کریم'' کا حرف اول، کبیر کا حرف اول، کعبۃ اللہ کا حرف اول، کلمہ شریف کا حرف اول ہے۔ کائنات کا سب سے قدیم ترین حرف ہے جس کی ادائیگی اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے۔

چنانچہ اس طرح یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حروف کن فیکون میں سے پہلا حرف اور اسم اعظم ''ک'' ہے۔ ''ک'' اللہ تعالیٰ کے اسم ''کریم'' کا پہلا حرف ہے اور خدا تبارک وتعالیٰ کا اسم کریم سب سے قدیم ہے بلکہ قدیم خود خداوند تبارک تعالیٰ کے لفظ کریم کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ''ک'' سے کتاب اللہ اور ''ک'' اللہ تعالیٰ اور کائنات کا سب سے قدیم حرف ہے۔ کلمہ اول کی صورت میں اس کی ادائیگی اولین خداوند اور دوئم حضرت آدم علیہ السلام کی زبان مبارک سے ثابت ہے۔ آدم صفی اللہ نے کلمہ اولین کہا تو سب سے پہلے صوتی، صوری ومعنوی اعتبار سے ''ک'' کی ادائیگی کی۔ کائنات سے بھی پہلے حرف ''ک'' موجود تھا کہ اللہ واحد نے کن کہہ کر اسے اسم وحرف اعظم بنا دیا اور کائنات تخلیق فرمائی۔ مخاطب اور مخاطب اور مخاطبہ کے لیے حرف ''ک'' ضمیر منصوب ہے۔ لغت عربی، عبرانی، یونانی، لاطینی، ایرانی اور عربی کا پچیسواں حرف ہے۔ ضمیر منصوب ومجرور ہے جیسے ضربک اور کتابک وکتابکم وکتابکن۔ تیرا اور تمہاری کتاب اور کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب قرآن مجید۔ حرف جار برائے تشبیب وتشبیہ ہے جیسا اور طالب علم کی حیثیت سے۔ گویا کہ شیر یا اس جیسا حرف جار برائے تعلیل ہے۔ حرف جار مع اشارہ مع خطاب جیسے کہ ذالک، تلک۔

قرآن کریم کا حرفِ اولین تمام کتب ہائے آسمانی سے قبل موجود ومقبول بارگاہِ ربانی ہے۔ حرفِ اولین اسم اللہ یعنی قرآن کریم کا حرفِ اول کائنات کا حرفِ اول کعبۃ اللہ اور کلمہ شریف کا حرف اول ہے۔ ک حرفِ جار بلکہ حرفِ تعریف وتوصیف ہے۔ ک سے اللہ کے کرم یعنی رحمت وفیوض وبرکات کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ کتاب اور کائنات کا حرفِ اولین اللہ کا اسم کریم ہے اور سب سے قدیم بابرکت حرف ہے۔ ک کی آواز

Marfat.com

خودعلق اور اقرا اور قرآن کے حروف میں شامل ہے۔ ک قرآن کریم حرف اول اسم اعظم ہے کہ خط دو نقطی ق ہو یا ڈنڈے والا ہو صدا دونوں کی تقریباً یکساں ومتبادل ہے۔ ک حرف اولین قرآن کریم ہے۔ ک سے اللہ کا اسم کریم، ک سے کائنات، ک سے کہکشاں، ک سے کلمہ شریف، ک سے کعبہ۔ لہٰذا قرآن کے حرف اولین کے بطور اس کا تقرر بالکل درست اور صحیح ہے۔ فیوض و برکات اس حرف کے یہ ہیں کہ اگر یا کریم کا ورد زبان پر ہو تو اس انسان پر اللہ کا کرم نازل ہوتا ہے۔ غریب ہو تو غنی ہو جاتا ہے۔ کمزور ہو تو فربہ ہو جاتا ہے۔ نحیف ہو تو طاقت ور ہو جاتا ہے۔ بیمار ہو تو بیماری سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ پختہ یقین سے اس کا ورد بکثرت کیا جائے تو جو کام نہ ہوتے ہوں وہ سنور جاتے ہیں۔ قرآن کریم کا حرف اول دل و دماغ اور جگر کے لیے ٹھنڈک ہے۔ امراضِ حارہ کا علاج کرتا ہے۔ پراسرار روحانی طاقتوں کا حرف اعظم ہے لیکن اس کے لیے یقین کامل شرط ہے۔ جس کو یقین کامل حاصل نہ ہو اور وہ اسے ایسے ہی مذاق تصور کرتا ہو وہ اس حرف سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر کس و ناکس جو قرآنِ کریم کی پراسرار روحانی طاقتوں پر مکمل یقین و اعتقاد نہ رکھتا ہو وہ اس کی فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے۔

یہاں پر ایک بڑا دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کریم کے حروف کے ساتھ کوئی پراسرار روحانی و خدائی طاقتیں موجود ہیں؟ اور کیا اس کے حروف معجزاتی و کراماتی ہیں؟ اور اس کا بڑا اعلیٰ و ارفع اور تاریخی جواب یہ ہے کہ آج تک قرآن کریم کے حروف و الفاظ سے بڑا معجزہ دنیا میں شاذ ہی گزرا ہے۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ قرآن کریم کے مقلد کئی سو سال سے ساری دنیا میں سب سے زیادہ ہیں اور سو سال میں اگر بیس سال فی نسل کے حساب سے دیکھا جائے تو کم و بیش پانچ نسلیں گزر جاتی ہیں جن میں کھربوں انسان قرآن کریم پر ایمان رکھتے تھے۔ ابھی بہت سارے یعنی اربوں لوگ قرآن پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں اور کھربوں قرآن پڑھنے لگ جاتے ہیں اور کھربوں آئندہ چند سالوں میں پڑھنے لگیں گے۔ اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جتنے مقلد قرآن کریم کے گزر چکے ہیں کسی دوسری کتاب کے نہیں گزرے اور آئندہ بھی جتنے مقلد پیدا ہوں گے وہ کسی دوسری کتاب کے مقلد نہیں بلکہ صرف قرآن کریم ہی کے پیدا ہوں گے اور دنیا میں یہ مقلدی نسب سے بڑھ کر پیدا ہوں گے۔ یہ قرآن بلاشبہ دنیا کا سب سے بڑا معجزہ اور اللہ کا نور ہے اور اس سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب آج تک دنیا میں کوئی دوسری نہیں ہے لہٰذا اس کے فیوض و برکات کا اندازہ بھی انسان کے فہم و ادراک سے بالاتر و برتر ہے۔ چنانچہ جس کتاب کے مقلد دنیا میں سب سے زیادہ ہوں وہ خود اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ اس کتاب کے حروف و الفاظ پراسرار اور ہیبت ناک روحانی طاقتوں کا منبع و محور ہیں اور اس کا حرف اولین اسم اعظم اور حرف اعظم تو تمام پراسرار روحانی طاقتوں اور خدائی اسرار کی کنجی ہے لہٰذا اس کا حصول اور اس سے واقفیت مسلمانوں کے لیے فرض اولین کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ درست ہے کہ غارِ حرا میں اولین وحی اقرا اور اس کی پانچ آیتیں، جو کہ اولین ہیں، ہی پر مشتمل

Marfat.com

نازل ہوئی لیکن اگر قرآن کے قدیم ترین حروف کو چھوڑ کر اسے حرف اولین کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے تو کفار کی طرف سے اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ یہ وحی تو کتاب توریت، کتاب زبور، کتاب انجیل سے کہیں بعد میں رسول کریم ﷺ پر نازل ہورہی ہے لہٰذا بعد میں نازل ہونے والی وحی کو تمام آسمانی کتب کی دختر کی بجائے ماں کیسے تسلیم کیا جائے؟ جیسے کہ دنیاوی لحاظ سے بھی ثابت ہے کہ کسی کی چھوٹی بیٹی کو ماں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ماں وہی ہوسکتی ہے جو سب سے بڑی ہوگی۔ چنانچہ اقراء کے مقابلے میں حروف کن فیکون کائنات کی پیدائش سے بھی قبل فرمائے گئے ہیں اور ان کی ادائیگی نص قرآنی اور خود خداوند سے تمام کائنات اور خلقت سے پہلے ثابت ہے۔ چنانچہ انہی حروف کو قرآنِ کریم کے حروف اولین تسلیم کیا جانا چاہیے اور اگر ان حروف کو صدق دل سے حرف اولین تسلیم کرلیا جائے تب ہمارے پاس اغیار کے ہر اعتراض کا ایک مسکت و معتبر جواب ہوگا کیوں کہ حروف تمام کائناتوں کے تمام پیغمبروں اور تمام آسمانی کتابوں سے بھی ماقبل کے ہیں لہٰذا اس طرح سے باقاعدہ مضبوط ثبوت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ قرآن کریم ان حروف سے شروع ہوا اور یہ حروف اولین ہیں چنانچہ تمام کتابوں کی ماں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ساری ہی آسمانی کتابیں ان سے بعد میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا قرآن کریم کے حروف کن فیکون قرآن کریم کے حروف اولین اور ک حرف اول کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ حرف ازل سے ہے اور ابد تک قائم و دائم رہے گا چنانچہ جو شخص یا کریم یا کبیر کا ورد کرے گا اسے دنیا میں عزت و اقتدار حاصل ہوگا اور انشاء اللہ تا زندگی معزز و محترم رہے گا۔

⁂

Marfat.com

کتابیات

- صاحب المثنوی قاضی تلمذ حسین
- مولانا روم جلال الدین رومی حیات وافکار مرتبہ محمد اکرام چغتائی
- رومی کا تغزل سید عابد علی عابد
- ہسٹری آف اسلام بحوالہ پروفیسر ایس اے ڈبلیو بخاری
- قرآن الیلسیرین
- تذکرہ دولت سمرقندی
- الجواہر المفید
- در بیان تقریر حقائق و معارف
- آتش کدہ آذر

- Me And Rumi By William C. Chittak
- The Sufi Path of Love (W.C. Chittak)
- Diwan-i-Kabir
- Maqalat-i-Shamas-i-Tabrizi Edited By Muhammad Ali Movahhed
- The (40) Forty Rules of Love By Elif Shafak

*

Marfat.com

میری روحانی کاملیت

میں ہمیشہ وجودِ حق کی جستجو میں رہا اور دعا کیا کرتا ''اے اللہ مجھے اپنے اولیا سے ملنے اور ان کا ساتھی بننے کا موقع دے۔''

مجھے ایک خواب میں کہا گیا کہ ''میں تمہیں ایک ولی کا ہمنوا بناؤں گا۔''

میں نے خود سے کہا۔ ''وہ ولی اللہ ہے کہاں؟''

اگلی شب مجھے کہا گیا۔ ''وہ اناطولیہ میں ہے۔'' جب آخر کار طویل عرصے کے بعد میں نے انہیں دیکھا تو مجھے کہا گیا کہ ''اب بھی وقت نہیں آیا۔''

معاملات اپنے وقت تک کے لیے گروی رکھے گئے ہیں۔

یہ مطلوب کی کیفیت کی علامت ہے جس کا دنیا میں کوئی نشان نہیں۔ یہ نشان صرف طالب کا نشان ہے اور مطلوب کا نشان نہیں۔ یہ تمام طالب کا کلام ہے۔ طالبین کے سوا کوئی چیز عیاں نہیں ہوتی۔

جب طالب کسی کی پیشانی پر توجہ کرتا ہے تو اپنی طلب سے جان لیتا ہے کہ وہ شخص خوش ہے یا نالاں۔

طالب اپنے اردگرد دیکھتا ہے کہ ایسے طالبین ہیں جو مطلوب ہونے سے آگاہ ہیں جو طالبین کی طرف دیکھ رہے ہیں جو سکون سے متنفر ہیں اور چراغ پا ہیں۔ وہ کہے گا کہ یہ درِّ نایاب ہے۔

''میں مطلوب ہوں میں دنیا میں توجہ کرنے آیا ہوں۔''

وہ کہتے ہیں ''ہم پر سکون ہیں۔ ہمارے معاملات ٹھیک ہوں گے۔'' وہ کہتا ہے ''معاملات طے پانے کے لیے یہ کون سا مقام ہے۔'' وہ کہتے ہیں ''چلو چلیں۔'' وہ کہتا ہے ''پہلے کچھ روز مل کر ڈھونڈتے ہیں۔''

اب میری روشنی کے ساتھ ہم ہر روز ڈھونڈیں گے۔ جب دوست محض ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہو تو کیا تب بھی کوئی کہتا ہے ''طالب؟ طالب اہل رہا ہے۔ اور یہ سوئی طرح تیزی سے کلام کرتا ہے۔''

چالیس برس کے بعد مطلوب! سولہ سال تک طلب کی راہ پر چلنے والا ایک دوست کا چہرہ دیکھتا ہے۔

پندرہ سال بعد طالب خود کو کلام کے اہل سمجھتا ہے۔

میں نے سنا کہ قونیہ میں کئی محافل سماع اور دعوتیں ہوتی تھیں۔ میں نے وہ نہیں دیکھی تھیں۔ میرا مطلب ہے وہاں کوئی کیفیت کوئی الفاظ نہیں تھے۔

Marfat.com

اس نے کہا ''تم جلد دیکھو گے۔''

☆☆☆

مولانا روم کی بہت اچھی وجاہت تھی جب کہ میں خوب صورتی اور بدصورتی کا مرقع تھا۔ مولانا کو میری خوب صورتی دکھائی دی لیکن بدصورتی نظر نہ آئی۔ اب کہ میں منافقت نہیں کروں گا اور بدصورت بنوں گا تا کہ وہ مجھے پورے کا پورا دیکھ سکیں۔ خوب صورتی اور بدصورتی دونوں۔

جب کوئی میرا ساتھی بننے کی صورت نکال لیتا ہے تو اس کی نشانی یہ ہے کہ دیگر دنیا کے ساتھ اس کا تعلق سرد اور تلخ ہو جاتا ہے۔ اس طرح نہیں کہ وہ لاتعلق ہو جاتا ہے بلکہ وہ ان کا مزید ساتھی نہیں رہتا۔

میرا وجود ایک کیمیا ہے جسے تانبے میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب یہ تانبے کے ساتھ رکھا جاتا ہے تو وہ سب سونے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کامل نسخہ کیمیا ایسا ہی ہونا چاہیے۔

میری کیفیت نہایت جلالی ہے۔ کوئی اس کیفیت کی تاب نہیں لاسکتا۔ البتہ میرے الفاظ اس پر پلاسٹر بن جاتے ہیں۔ یہ الفاظ میری کیفیت اور اس کے درمیان آ جاتے ہیں تا کہ وہ طاقت حاصل کر سکیں۔ ایک دن میری کیفیت ان پر آشکار ہو گی۔ لیکن تب وہ اس کی تاب لانے کے قابل ہو چکے ہوں گے۔ ایک انسان کو دکھ اور تکلیف کی بجائے ایک کام کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ وہ دکھ اور تکلیف سے عاجز آ جائے گا۔

جب کوئی راہِ حق میں داخل ہو جاتا ہے اسے محتاط ہونا چاہیے کہ وہ پھسل نہ جائے۔ اس کے والد کی روایت ایک ہے اور ایک کافی ہے اور پھر اسے اظہار تاسف کرنا چاہیے۔ اسے ہوشیار اور ماہر ہونا چاہیے تا کہ غلطی کا اعادہ نہ ہو۔ ایک درویش کو پوری زندگی میں ایک بار پچھتانا چاہیے اور پھر افسوس کرنا چاہیے ''میری راہ میں ایسا کیوں ہونا چاہیے؟''

پھر بس ایک بار آپ کے اندر سے آتا ہے جب کوئی چیز خود مجھ کو مجھ سے چھپاتی ہے تو میں اسے آشکار کیوں ہونے دوں۔

جب مولانا پر الوہی الفاظ کا نزول ہوتا ہے تو وہ اس چیز سے بے نیاز ہو کر بیان کر دیتے ہیں کہ ان الفاظ سے کسی کو فائدہ ہو گا یا نہیں لیکن ہمیشہ سے میں چھوٹا تھا۔ خدا نے مجھے الہام کے ذریعے کہا کہ میں اپنے الفاظ کو عوام کی تربیت کے لیے استعمال کروں تا کہ وہ انہیں آگے پہنچا سکے۔

خدا کے کچھ بندے متحرک کچھ بولنے والے ہوتے ہیں۔ مجھے کبھی سیکھنے کی عادت نہیں تھی کیونکہ میں نے کبھی کچھ نہیں سیکھا۔ الفاظ میرے سنگ رہتے ہیں ہر موڑ پر یہ مجھے نیا رخ دکھاتے ہیں۔ الفاظ ایک عذر ہوتے ہیں۔ حق نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا کر اپنا حسن عیاں کر دیا۔

میں نے برملا مولانا سے کہا کہ وہ ان کے پاس جائیں کیونکہ انہیں میرے الفاظ کی سمجھ نہیں آ رہی۔ ''آپ ان سے کلام کریں۔ خدا نے مجھے یہ نہیں کہا کہ میں استعاروں میں بات کروں۔'' میں جڑ کی بات کرتا

Marfat.com

ہوں۔ یہ ان کے لیے نہایت مشکل ہے۔ ایک استعارے کے طور پر میں نے ایک روز جڑ کے بارے میں بات کی۔ ایک چیز دوسری کو آخر تک چھپا لیتی ہے۔ جو لفظ میں بولتا ہوں وہ دوسرے کو چھپا لیتا ہے۔ مولانا کے معاملے میں کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہتا۔ میں نے ان کے ساتھ مفصل گفتگو کی۔ وہ روبرو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ جب مولانا نے بات کی تو انہوں نے سر جھکا لیا اور معذرت کی۔ انہوں نے درویشوں کے انداز میں سر لٹکا لیے۔ جب عین گفتگو کے درمیان میں شاعری کا استعمال کرتا ہوں تو میں محظوظ ہوتا ہوں اور سربستہ معنوں کی بات کرتا ہوں۔ کچھ لوگ بہرے ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ معنوں سے لبریز ہیں۔ مولانا کبھی بہرے نہیں ہوتے ماسوائے معنوں کے اثرات لینے کے بعد۔ گزشتہ روز میں آپ سے ملنے آرہا تھا لیکن عزالدین جو عمادالدین کے شاگرد ہیں نے مجھے دیکھ لیا۔ اس نے باہر آکر مجھے خانقاہ میں جانے کی دعوت دی اس نے کہا۔ ''آیئے کچھ دیر کے لیے اندر چلتے ہیں۔'' میری یہ عادت ہے کہ اولیا کی باتوں کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ علم کے ساتھ عمل شاید ہی کبھی ایک ساتھ ہوں۔ لیکن یہاں دونوں ایک ساتھ نظر آتے ہیں یہی حیران کن ہے۔

جنت تخلیق کی گئی ہے یہ تخلیق کی گئی ایسی چیز ہے جسے مخلوق دیکھ سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ابدی ہے لیکن ازلی نہیں۔ صرف خدا ازلی ہے اور ابدی بھی۔ ہر کوئی ان سے اپنے شیخ کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں مجھے چادر دی یہ ویسی چادر نہیں جس میں دو روز بعد سلوٹیں پڑ جاتی ہیں اور پھر یہ محض ٹاٹ بن جاتی ہیں اور آپ اسے اٹھا کر پھینک دیتے ہیں یا پھر اسے صفائی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نہیں یہ ولایت کی چادر تھی۔ ایسی ولایت جو لافانی ہے جس کا کوئی گزشتہ روز، آج اور کل نہیں ہوتا۔ ابونجیب رحمہ اللہ ایک مشکل کے باعث چلّہ کشی میں مصروف تھے۔ انہیں کئی اشارے ملے۔ یہ مشکل فلاں فلاں شیخ کی مدد کے بغیر حل نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے کہا کہ میں انہیں ملنے جاؤں گا۔ حیران ہوں کہ انہیں کہاں تلاش کروں؟ غائب سے آواز آئی۔ تم انہیں نہیں دیکھ سکو گے۔ وہ بولے پھر میں کیا کروں؟

''تم چلّہ کشی چھوڑو اور مسجد جا کر ایک ایک صف پھرو اور اپنے اندر طلب اور موجودگی کا احساس پیدا کرو۔ ممکن ہے کہ شیخ خود ہی تم کو دیکھ لیں۔''

اب ابونجیب کی یہ حالت تھی میرا دل کسی اور کا نہیں صرف خدا کا مسکن ہے۔ میں ایک ساربان کا سامان یہاں کیوں رکھوں۔ میرے ذہن میں شہنشاہ کے سوا اور کسی کی گنجائش نہیں۔ میں گزشتہ روز خندق کے ساتھ چہل قدمی کرتے خود کلامی کر رہا تھا۔ جس کسی نے میری باتیں سنی ہیں اسے اندر آنا ہوگا لیکن وہاں دروازے پر ایک نقیب بیٹھا ہے۔ ایک جری اور بہادر ترک۔ اس نے سیکڑوں ہزاروں ولیوں اور صوفیوں کا خون کیا ہے۔ اسے کسی کی پرواہ نہیں حتیٰ کہ وہ یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کرتا کہ آپ کون ہیں۔ پھر ایک روز انہوں نے مالک سے شکایت کی ''اس پہرے دار نے یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔'' مالک نے سنی ان سنی کر دی۔ اس نے شکایت پر اس لیے کوئی کان نہ دھرے کیونکہ وہ دربان سے بہت محبت کرتا تھا۔ جب میں اکیلا تھا تو میں

Marfat.com

نے دربان سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ وہ بولا ''یہ برا کام کیا میں نے۔آئندہ نہیں کروں گا۔'' لیکن وہ چلا گیا کیا وہ واپس آئے گا؟

جب آپ وہ دروازہ عبور کرلیں گے تو آگے ایک اور دروازہ آئے گا اور ایک اور دربان بھی ہوگا۔کئی سالکین اس راہ پر ہوں گے لیکن ابھی بہت لمبا فاصلہ طے کرنا باقی ہے۔آخر کار تم جہان قلب تک پہنچ جاؤ گے۔ دل کی دنیا تک پہنچنا ایک اسرار ہے پھر وہ اسے نشے سے مغلوب کردیں گے تاکہ وہ ہوش سے بےگانہ ہوکر یہ راز افشا کردے۔لیکن سننے والے کو پتا ہونا چاہیے کہ حرفِ راز کون سا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مولانا نے ترکِ دنیا کردیا ہے لیکن مولانا شمس الدین نے ترکِ دنیا نہیں کیا۔مولانا نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مولانا شمس الدین تبریزی سے محبت نہیں کرتے۔اگر محبت کرتے ہوتے تو وہ آپ کے سامنے کسی اور کو چاہنے والے کی صورت میں نمودار نہ ہوتے۔اے میرے پروردگار یہ گھر تمہارا ہے اسے چھوڑ کر مت جانا۔ایک بادشاہ تھا جو عربی گھوڑے پر سرپٹ اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔راستے میں اس کا گزر ایک گاؤں سے ہوا جہاں ہر طرف کتے اسے دیکھ کر بھونک رہے تھے۔لیکن اس سے بادشاہ کو بھلا کیا نقصان پہنچے گا۔اس کے برعکس وہ اور تیزی سے منزل کی طرف جانے لگا۔

بادشاہ بولا۔''جتنا اونچی آواز میں یہ بھونک رہے ہیں اتنا زیادہ مجھے فائدہ ہورہا ہے۔''

اگر ایک شیخ کی مخالفت کریں گے تو اس کی مثل اس غلام کی سی ہے جو اپنے آقا سے کسی جھگڑے پر خودکشی کرے۔کسی نے آواز مار کر پوچھا ''اے نادان خود کو کیوں ختم کررہے ہو؟'' تو جواب ملا ''تاکہ میرے آقا کو نقصان پہنچے۔'' کچھ لوگ قاضی بہا کے پاس آئے اور ایک شکایت کی کہ ''فلاں فلاں درویش نے آپ کے خلاف گستاخی کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ مفلس ہیں۔'' قاضی آگ بگولہ ہوگیا اور کہا آؤ جاکر اس سے پوچھتے ہیں۔جب وہ درویش ملا تو قاضی نے استفسار کیا کہ تم نے میرے بارے میں کیوں کہا کہ میں مفلس ہوں؟ تو درویش بولا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ ''اے اللہ مجھے غریب رکھ۔میری موت غربت پر ہو اور مجھے غریبوں میں سے اٹھانا۔''

☆☆☆

ایک روز مولانا اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہوئے مولانا شمس الدین تبریزیؒ کے فضائل بیان کر رہے تھے۔انہوں نے کہا کہ ''جب تم آقا شمس الدین تبریزیؒ کی محرومی اور سختی کا مشاہدہ کرتے ہو تو میری تم سے ہمدردی چھپی رہے گی۔'' شاگردوں نے آپس میں کہا کہ ''آؤ شمس الدین تبریزیؒ کے پاس چلتے ہیں اور اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔اس کے بعد ہم اس سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔'' وہ ان کی رہائش گاہ کے دروازے پر گئے لیکن انہیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ان کی تمام ہمدردی ہوا ہوگئی۔ان کو شرف باریابی نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت مولانا غور و فکر میں مصروف تھے۔''اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ کوئی منہ اٹھا کر

Marfat.com

آئے اور پھر کسی کار کے بغیر وقت ضائع کر کے چل دے۔"

☆☆☆

دنیا میں مختلف گروہ ہیں۔ ایک آخرت کا گروہ اور دوسرا گروہ حق ہے۔ شبلی گروہِ آخرت سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ مولانا گروہِ حق سے ہیں۔ ایک شخص تھا جس نے خود کو میرا دوست ظاہر کیا اور میرا مرید ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس نے کہا میری ایک روح ہے اور مجھے علم نہیں کہ یہ آپ کے جسم میں ہے یا میری ہے۔

اس کو آزمانے کے لیے میں نے کہا کہ "تمہارے پاس کچھ جائیداد ہے۔ میرے لیے خوب صورت سی بیوی تو تلاش کرو۔ اگر انہوں نے تین سو درہم کا تقاضا کیا تو انہیں چار سو درہم دے دینا۔" اتنی بات سے ہی اس کی اصلیت سامنے آ گئی۔ مجھ میں اور عظیم انسانوں میں فرق یہ ہے کہ میرا ظاہر وہی ہے جو باطن ہے۔

جب میں قونیہ سے رخصت ہوا تو اس کے بعد میں نے شیخ صاحب کو کبھی نہ دیکھا۔ اگر مولانا چاہتے تو وہ شیخ بننے کے معیار پر پورا اترتے تھے لیکن وہ کسی کو عمامہ نہیں دیتے تھے۔ درحقیقت شیخ ابوبکر کسی کو عمامہ دینے کی روایت نہیں رکھتے تھے۔ میں نے اپنے شیخ کو نہیں دیکھا تھا وہ اگرچہ وہیں تھے لیکن میں انہیں تلاش کرتا شہر سے باہر نکل آیا لیکن ابھی تک انہیں کہیں نہیں پایا۔ لیکن دنیا شیخ کے وجود سے خالی نہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ شیخ کسی شخص کو علم ہوئے بغیر عمامہ فضیلت عنایت کرتے ہیں۔ وہ ایک سلطنت دیتا ہے اور وہ اسے آگے دے دیتے ہیں۔ میں نے اپنے شیخ کو نہیں دیکھا تھا لیکن میں نے ان جیسا بھی کوئی نہیں دیکھا تھا۔ شیخ بننے کے لیے سیکڑوں ہزاروں سال کا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ مجھے بھی یہ نہیں ملا لیکن اس تلاش میں مجھے مولانا مل گئے۔

میری حلب سے قونیہ واپسی بھی اسی وجہ سے ہوئی۔ دمشق کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ اگر مولانا کا معاملہ نہ ہوتا تو میں حلب سے واپس نہ آتا۔ اگر میرے مرحوم والدین قبر سے باہر آ کر کہتے کہ "آؤ مجھے ملو پھر ہم اکٹھے دمشق جاتے ہیں۔" تو میں نہ جاتا۔ مجھے کیا پرواہ کہ وہ قبر میں ملول ہیں یا شاداں ہیں۔ حلب میں اس کارواں سرائے میں جہاں میرا قیام تھا وہاں گوشہ نشینی کے دوران میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ کی عدم موجودگی میں لوگوں کو اپنا چہرہ دکھاؤں۔ مجھے یا تو کسی کام میں مصروف رکھنا چاہیے یا پھر خانقاہ کو واپس جانا چاہیے۔

میرا مطلب ہے کہ میں نے جو کچھ بیس روز میں بنایا وہ آپ نے ایک اشارے سے تباہ کر دیا۔ دمشق جانا آپ کا کام نہیں تھا یہ میرا تھا۔ کتنی حیرانی سے مولانا مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا "وہ مجھ جیسے کسی میں خدا کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ میرا ان پر یقین بڑھ گیا ہے۔" میں نے کہا "اس نے جو کہا وہ غلط ہے۔ میں ان میں خدا نہیں ڈھونڈ رہا ہوں بلکہ انہیں خدا میں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

☆☆☆

Marfat.com

مولاناؒ اور شمسؒ کی صحبت جب گرم ہوئی اور مولانا نے ہر بات میں شمس کا اتباع شروع کیا تو شمس نے مولانا کو کتابوں کے دیکھنے سے بار بار منع کیا۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل کی روایتیں "مناقب العارفین" میں منقول ہیں۔

خود مولانا کا قول ہے کہ جب حضرت شمس الدین سے ملاقات ہوئی اور میرے دل میں آتش عشق شعلہ زن ہوئی تو آپ نے بحکم تمام یہ فرمایا کہ "آئندہ اپنے والد کے کلام کا مطالعہ نہ کیا کیجیے۔" کچھ دنوں تک میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک مرتبہ اسی حال میں مولانا شمس الدین آ نکلے اور فرمایا کہ نہ پڑھیے، نہ پڑھیے، نہ پڑھیے۔

انتہا یہ ہے کہ خود مولانا نے ایک روز بیان فرمایا کہ اوائل حال میں، میں اپنے والد کی کتابوں کا برابر مطالعہ کیا کرتا تھا اور ہمیشہ جیب میں رکھتا تھا۔ مولانا شمس الدین نے ان کتابوں کے مطالعہ سے منع فرمایا اور میں نے ان کی خاطر سے ترک کر دیا۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ مدرسہ قراطائی میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں اور اس کتاب کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ جب جاگا تو دیکھا کہ مولانا شمس الدینؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ پھر اس کتاب کا مطالعہ کیوں شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو مدت سے اس کا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔ فرمایا کہ مدرسہ قراطائی میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے آپ اس کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کیونکہ خواب اکثر فکر ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پھر مولانا شمس الدینؒ کی زندگی تک اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔

اسی طرح دیوان متنبّی کے پڑھنے کو بھی منع کیا مگر مولانا اس دیوان کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز دیوان کو پڑھ کر سو رہے۔ خواب میں دیکھا کہ مدرسہ میں علماء وفقہا سے بحث کر رہے ہیں کہ ان لوگوں کو قائل کریں۔ خواب ہی میں پشیمان ہوئے کہ کیوں ایسا کیا۔ جب بیدار ہوئے دیکھا کہ مولانا شمس الدینؒ آ رہے ہیں اور آتے ہی فرمایا کہ "آپ نے دیکھ لیا کہ آپ نے ان فقیہوں کا کیا حال کیا۔ یہ سب دیوان متنبّی کے مطالعہ کی بدبختی ہے۔"

ایک مرتبہ اور اسی طرح خواب میں دیکھا کہ مولانا شمس الدین متنبّی کی ڈاڑھی پکڑے ہوئے مولانا کے سامنے لائے کہ اسی کے کلام کو آپ پڑھتے ہیں؟ متنبّی نے التجا کی کہ مجھے مولانا شمس الدینؒ کے ہاتھ سے خلاصی دلایئے اور آئندہ اس دیوان کے درپے نہ ہوئیے۔

ان تمام روایات سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی ایسے ہی موقع پر حضرت شمسؒ نے کتابوں کو حوض میں پھینک دیا ہو یا ان میں آگ لگا دی ہو اور مرور ایام یہی واقعات شمس الدینؒ کی ابتدائے ملاقات کی طرف منسوب ہو گئے ہوں۔

منازل فقر کے طے کرنے کے بعد دفاتر وکتب کے متعلق خود مولانا کے جو خیالات قائم ہو گئے تھے، انہیں مثنوی شریف میں بکرات ومرات ظاہر کر دیا ہے اور پہلے ہی دفتر میں اپنے خیال کو رومیوں اور چینیوں کی

Marfat.com

حکایت کی تمثیل سے بہت خوبی کے ساتھ روشن فرمادیا ہے۔

اہلِ صیقل رستہ اند از بو و رنگ　　　ہر دمے بینند خوبی بیدرنگ
نقش و قشر و علم را بگذاشتند　　　رایت عین الیقین افراشتند
رفت فکر و روشنائی یافتند　　　نحر و بحر آشنائی یافتند
گرچہ نحو و فقہ را بگذاشتند　　　لیک محو و فقر را برداشتند

دوسرے موقع پر اصول کلی کے طور پر فرمادیا ہے کہ

دفترِ صوفی سواد و صرف نیست　　　جز دل اسپید ہمچو برف نیست

دوسرے موقع پر اصول کلی کے طور پر فرمادیا ہے کہ

ایک موقع پر خود حضرت شمس الدین کی نسبت سے دیوان میں بھی یہ اشارہ کردیا ہے کہ:

تا یک ورق از عشق تو حاصل کر دم　　　سی صد ورق از علم فراموشم شد

غرض، حضرت شمس کی ملاقات کی صحیح وقرین قیاس صورت وہی ہے جسے سپہ سالار اور افلاکی نے بیان کیا ہے، اور جو دوسری حکایتیں اس باب میں مشہور ہوگئی ہیں، وہ بظن غالب دوسرے واقعات سے پیدا ہوگئی ہیں۔

☆☆☆

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ (سورہ قدر:۳)

شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

یہ بات اور وہ بات ایک ہی ہے کہ:

جذبۃ من جذبات الحق خیر من عبادۃ الثقلین

جب اس کی عنایت ہو تو وہ عنایت لاکھ کوششوں کا کام سرانجام دیتی ہے۔

اور کوشش کی افزونی اچھی اور مفید چیز ہے۔ لیکن عنایت کے مقابلہ میں کوشش کیا حیثیت رکھتی ہے۔

کسی نے پوچھا کہ عنایت سے کوشش پیدا ہوتی ہے؟ فرمایا کیوں نہیں پیدا نہیں ہوتی؟ جہاں عنایت ہو وہاں کوشش آ ہی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کوشش کی کہ پنگوڑے ہی میں کہا:

انی عبد اللہ اتنی الکتب

اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ (سورۃ مریم:۳۰)

میں خدا کا بندہ ہوں، مجھ پر کتاب اتری ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ ان کی تعریف کی۔ کہا حضور سرور کائنات ﷺ بغیر کوشش کے نبی ہوئے، فرمایا:

Marfat.com

فمن شرح الله صدره للسلام.

سو جس کا سینہ اللہ اسلام کے لیے کھول دے۔

پہلے فضل ہے، جب انسان گمراہی سے نکل کر بیدار ہوتا ہے۔ یہ خدا کا فضل اور اس کی عطائے محض ہوتی ہے۔ ورنہ اس فضل و جزا کے بعد حضور ﷺ کے دوستوں کے ساتھ یہی کچھ کیوں نہ ہوا جو حضور ﷺ کے قریب تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آگ کی چنگاری کو دتی ہے۔ اس چنگاری کا آغاز عطا ہے۔ اس فضل و جزا کے بعد جب اس چنگاری کے سامنے تو نے روئی رکھ دی تو اس کی پرورش کی اور اسے بڑھایا۔ آدمی کا آغاز خاموشی اور ضعف ہی ہے۔ جیسا کہ:

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (سورہ نساء: ۲۸)

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

جیسا کہ پتھر اور لوہے سے نکل کر آگ کی چنگاری جلے ہوئے کپڑے پر گرتی ہے۔ اس آگ کی ابتدا بہت کمزور ہے۔ لیکن جب اس کمزور آگ کی پرورش کرتے ہیں تو یہ ایک جہان بن جاتی ہے اور ساری دنیا کو جلا سکتی ہے اور وہی چھوٹی سی آگ بہت بڑی بن جاتی ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ (سورہ قلم: ۴)

بے شک تمہارا خلق اعلیٰ درجہ کا ہے۔

کسی نے کہا مولانا رومی آپ کو بہت بڑا دوست سمجھتے ہیں۔ فرمایا میری آمد نہ تو دوستی کی وجہ سے ہے اور نہ گفتگو کی خاطر۔ جو زبان پر آتا ہے میں کہہ دیتا ہوں۔ اگر خدا چاہے تو اس تھوڑی سی بات سے نفع دے دیتا ہے۔ اور اسے آپ کے سینے کے اندر قائم کر دیتا ہے، اور بڑا نفع دیتا ہے۔ اور اگر خدا نہ چاہے تو لاکھ باتیں سنو اور یاد رکھنے کی کوشش کرو۔ ان میں سے ایک بھی دل میں نہ ٹھہرے گی۔ ہر بات ہوا میں اڑ جائے گی، اور فراموش ہو جائے گی۔ ایسے ہی جیسے کہ آگ کی چنگاری جلے ہوئے کپڑے پر گری۔ اگر خدا چاہے تو یہی چنگاری وسعت پاتی، اور بہت بڑی آگ بن جاتی ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو چنگاری جلے ہوئے کپڑے تک پہنچ کر بے بس ہو جاتی ہے اور کوئی اثر نہیں کرتی۔

☆☆☆

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورہ فتح: ۷)

آسمان اور زمین میں خدا ہی کے لشکر ہیں۔

یہ باتیں بھی خدا کی فوج ہیں۔ یہ قلعوں کو خدا کے دستور کے مطابق فتح کرتی اور اس پر قابض ہوتی ہیں۔ اگر وہ کہے اتنے ہزار سوار فلاں قلعہ پر چڑھائی کریں۔ وہاں پہنچیں مگر قلعہ پر قبضہ نہ کریں۔ تو وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر وہ صرف ایک ہی سوار سے کہہ دے کہ اس قلعہ کو فتح کر لو، اور اپنے قبضے میں لے آؤ۔ تو وہ

Marfat.com

ایک سوار ہی قلعہ کو فتح کر کے اس پر قابض ہو جاتا ہے۔ مچھر سے نمرود پر حملہ کرا دیتا ہے۔ اور اس سے نمرود کو ہلاک کرا دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

استوی عند العارف الدانق و الدینار و الاسد الھرۃ.

عارف کے نزدیک دانق اور دینار، اور شیر اور بلی برابر ہیں۔

☆☆☆

اگر خداوند تعالیٰ برکت دے تو ایک آنہ چار لاکھ روپے کا کام دے جاتا ہے۔ اور اگر چار لاکھ روپے میں سے برکت اٹھ جائے۔ تو وہ ایک آنہ کا کام بھی نہیں دے سکتے۔ ایسے ہی اگر بلی کسی پر حملہ کرے تو اسے ہلاک کر دیتی ہے، جس طرح مچھر نے نمرود کو ہلاک کر دیا تھا۔ اگر خدا چاہے کہ شیر کو درویشوں کے لیے سواری کا جانور بنا دے، تو شیر درویشوں کے سامنے کانپنے لگتا ہے۔ چنانچہ بعض درویش شیر پر درحقیقت سوار ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ وہ سلامت رہے اور آگ سبزہ و گلزار بن گئی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ خدا نے آگ کو اجازت نہ دی تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلائے۔

حاصلِ کلام یہ کہ جب یہ جانتے ہیں کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے۔ ان کے سامنے سب کچھ یکساں ہے۔ میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آپ یہ باتیں بھی اپنے دل سے سنیں کہ دل سے باتیں سننا مفید ہے۔ اگر باہر سے ہزار چور بھی آ جائیں۔ تو وہ ان موتیوں کو چرا کر نہیں لے جا سکتے۔ جب تک یہاں سینہ کے اندر ان کا دوست موجود نہ ہو جو ان کو اندر بلانے کے لیے دروازہ کھول دے۔ تو باہر سے لاکھ باتیں کہتا رہے جب تک ان کی تصدیق کرنے والا سینے کے اندر موجود نہ ہو ان کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ بیج کے اندر آبداری نہ ہو۔ اس پر سے پانی کے ہزار طوفان بھی گزر جائیں تو نہ وہ پھوٹے گا، اور نہ اس سے درخت پیدا ہو سکے گا۔ بیج کے اندر پہلے آبداری کا ہونا نہایت ضروری ہے تا کہ وہ باہر کی چیزوں کو مدد دے سکے۔

نور اگر لاکھ انسانوں کو بھی دیکھے۔ تو وہ اسی پر بیٹھے گا جس کی اپنی اصل نور ہو گی۔

اگر ساری دنیا نور سے بھر جائے۔ پھر بھی جب تک اپنی آنکھ میں نور نہ ہو، وہ نور نظر نہیں آئے گا۔

☆☆☆

سلطان ولد نے یہ لکھا ہے کہ سید برہان الدین کی وفات کے پانچ برس بعد شمس الدین قونیہ میں وارد ہو کر مولانا سے ملے، سید برہان الدین کی وفات ۶۳۷ھ میں ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس الدین ۶۴۲ھ میں قونیہ آئے۔ افلاکی نے شمس کی آمد قونیہ کی قطعی تاریخ ۲۶ جمادی الآخر ۶۴۲ھ (دسمبر ۱۲۴۴ء) متعین کر دی ہے۔ پس مولانا کی زندگی کا یہ دور ثانی ۶۴۲ھ سے سمجھنا چاہیے۔ مولانا جب حضرت شمس کو ہمراہ لے کر اپنے مقام پر آئے تو اس کے بعد، بقول افلاکی چالیس روز تک حضرت شمس کے ساتھ ایک حجرے میں رہے جس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک دوسری روایت ہے کہ تین ماہ حجرے میں رہے۔ سپہ سالار نے

Marfat.com

لکھا ہے کہ چھ ماہ تک صلاح الدین زرکوب کے حجرے میں دونوں بزرگ عزلت نشین رہے، سوائے شیخ صلاح الدین کسی کی مجال نہ تھی کہ حجرے میں داخل ہو سکے۔

مولانا کے دل میں شمس کی جو قدر و منزلت قائم ہو گئی تھی، اس کا اندازہ واقعاتِ مابعد سے پوری طرح ہو جائے گا اور اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہے کہ مولانا کے غزلیات نے شمس کو حیاتِ جاوید عطا کر دی۔ یہاں صرف ایک غزل کا مطلع و مقطع درج کیا جاتا ہے جس میں کمال عقیدت کے ساتھ انتہائی امتنان کا اظہار فرمایا ہے۔

ما سر و پنجہ قوت نہ ازیں جاں داریم ما کروفر سعادت نہ ز کیواں داریم
شمس تبریز بما راہ حقیقت بنمود ما ز فیض قدم اوست کہ ایماں داریم

جلال الدین قراطائی نے جب اپنا مدرسہ مکمل کیا تو ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں اکابر و علماء کے درمیان یہ بحث چھڑی کہ صدر کہاں ہوتا ہے۔ سب نے اپنی اپنی رائے دی۔ آخر میں سب نے مولانا کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ علماء میں صدر صفہ کے درمیان ہوتا ہے، عارفوں میں کنج خانہ، صوفیوں میں کنار صفہ، عاشقوں کے مذہب میں صدر کنارِ یار ہے۔ یہ کہہ کر شمس الدینؒ کے پہلو میں جا بیٹھے۔ اسی روز اکابر قونیہ میں حضرت شمس الدینؒ کی شہرت ہوئی۔

شمس کی صحت نے مولانا پر جو اثر کیا اور جو کیفیت پیش آئی، اسے سلطان ولد نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

شیخ استاد گشت نو آموز درس خواندے بخدمتش ہر روز
گرچہ در علم فقر کامل بود علم نو بود کو بوے بنمود

یہ دوسرے کی زبان سے ہے۔ خود مولانا کی زبان سے سنیے کہ کس لطف سے فرماتے ہیں۔

زاہد بودم، ترا نہ گویم کردی سر فتنہ بزم و بادہ جویم کردی
سجادہ نشین باوقارے بودم بازیچہ کو دکاں کویم کردی

دوسرے موقع پر غزل میں فرماتے ہیں:

زاہد کشورے بدم، واعظ منبرے بدم کرد قضا دلِ مرا عاشق کف زنان تو

نتیجہ یہ ہوا کہ شمس کی ملاقات کے بعد مولانا نے درس و تدریس اور وعظ گوئی وغیرہ سب یک قلم ترک کر دی۔ خود فرماتے ہیں۔

عطار دوا رد فتر پارہ بودم زدست او زمانے می نشستم
چو دیدم لوحِ پیشانی ساقی شدم مست و ظلمہا را شکستم

شیخ صلاح الدین کے ذکر میں افلاکی نے لکھا ہے کہ حضرت شمس الدین کی ملاقات کے بعد سے

Marfat.com

مولانا نے درس و تذکیر بالکل ترک کر دی تھی اور کبھی وعظ نہیں کہا تھا۔ صرف ایک مرتبہ اپنے محبانِ مخلص اور شیخ صلاح الدین کے اشارے سے وعظ فرمایا ''وتذکیر آخر خود ہماں بود، دیگر بر بالائے منبر نرگفت۔''

لیکن یہ معاملہ صرف ''ترک'' تک نہیں رہا بلکہ ''اخذ'' کو بھی دخل ہو گیا' یعنی حضرت شمس کے رغبت دلانے سے مولانا سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس میں مولانا کا انہماک آخر تک برابر بڑھتا گیا۔

حضرت بہاء الدین کے متعلق یہ مذکور ہو چکا ہے کہ سلطان علاء الدین چنگ سنا کرتا تھا، اس لیے آپ اس سے ملنے سے محترز رہے۔ مولانا جس سختی سے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے تھے وہ ظاہر ہے، خود جس پایہ کے عالم تھے وہ بھی عیاں ہے۔ ابتدائے حال میں آپ کا سماع سے منکر ہونا یقینی ہے، چنانچہ حضرت سلطان ولد فرماتے ہیں کہ:

''پیش از خدمتش ہرگز در سماع شروع نکردہ بود، وآں تجلیہا و مقامات کہ ہیچ وے رانبود در صورت نماز وتقویٰ بوے می رسید۔''

پیشتر از وصل شمس الدین بجاں — بود در طاعات روزان و شباں
سال و مہ پیوستہ آں شاہ گزیں — بود مشغولِ علوم و زید دیں
آں مقاماتش ازاں ورزش رسید — باتقی و زہد رہ را می برید
اندراں مظہر بدش جلوہ ز حق — ہر دمے می برد از حق نو سبق

سپہ سالار نے آغاز توجہ فرمائی کی کیفیت اس طرح دی ہے:

''مولانا ابتدائے حال سے اپنے والد حضرت بہاء الدین کے طریق پر کاربند تھے۔ درس و تدریس وعظ و تذکیر اور مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے۔ جب مولانا شمس الدین تبریزی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ''سماع اختیار کرو تاکہ جس طلب میں ہو وہ اور زیادہ ہو'' (در سماع درآ تا آنکہ آنچہ می طلبی در سماع زیادہ خواہد شدن) واقعی ایسا ہی ہوا، پھر تو آخر عمر تک اس پر قائم رہے اور اسی کو اپنا طریق بنا دیا۔''

مگر ان دونوں روایتوں کے خلاف افلاکی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس کے آنے کے قبل مولانا سماع کی طرف مائل ہو چکے تھے، چنانچہ بقول افلاکی سلطان ولد نے ایک روز بیان کیا کہ میرے والد جوانی میں نہایت ہی زاہد اور بہت ہی باورع فحص تھے۔ ہرگز سماع کے قریب نہیں جاتے تھے۔ میری نانی حضرت کرائے خاتون بزرگ نے میرے والد کو سماع کی ترغیب دی۔ آپ اس کے بعد سماع میں ہاتھ ہلایا کرتے تھے۔ جب حضرت شمس الدینؒ پہنچے تو انہوں نے قلابازی لگائی۔ (مناقب ص ۲۶۰، نسخہ قلمی۔)

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا فی نفسہٖ سماع سے منکر نہیں تھے، عالمانہ شان کے ساتھ گاہ بگاہ مجلس سماع میں شرکت فرماتے رہے ہوں گے۔ حضرت شمسؒ کی صحبت نے دوسرا رنگ پیدا کر دیا۔

Marfat.com

بہر حال اب یہ عالم ہوا کہ بغیر سماع کے مولانا کو چین نہیں پڑتا تھا اور سماع آپ کا اور آپ کے اصحاب کا ''دین و آئین'' بن گیا۔

شد سماعش مذہب و راہِ درست — از سماع اندر دلش صد باغ ست
ہم شدند اصحاب مشغولِ سماع — تاشد ایشانرا براں رہ اطلاع
ماند تا اکنوں براں سنت سماع — گشت یاراں را بہر جا اجتماع

سماع کے اختیار کرنے کے علاوہ، شمس کے اثر محبت سے مولانا نے شاعری بھی شروع کر دی۔ سلطان ولد فرماتے ہیں کہ:

شیخ مفتی ز عشق شاعر شد — گشت خمار اگرچہ زاہد بُد

خود مولانا نے بھی ایک غزل میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور نہایت لطیف پیرایہ میں اس تغیر حالت کا اظہار فرمایا ہے۔

ربود عشق تو تسبیح و ادبیت و سرود — بسے بکردم لاحول و توبہ، دل نشنود
غزل سرا شدم از دست عشق و دست زناں — بسوخت عشق تو ناموس و شرم ہر جم بود
عفیف و زاہد و ثابت قدم بدم چوں کوہ — کدام کوہ کہ باد توش جو کہ نربود
اگر کہم ہم از آوازِ تو صدا دارم — وگر کہم ہمہ در آتش توم کہ دود
ز نور مفخر آفاق شمس تبریزی — جہان دہر چہ درد ہست گشت از موجود

مولانا کی شاعری حقیقی جذبات کا نتیجہ تھی۔ محض قافیہ پیمائی نہیں تھی اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت شمسؒ کو بھی شعر گوئی کا ذوق تھا اور اسی کا عکس مولانا پر بھی پڑا جس کا آغاز اس انداز سے ہوا کہ پچاس ہزار اشعار کا دیوان حضرت شمس کی یادگار رہ گیا اور سرانجام اس پر ہوا کہ تقریباً ستائیس ہزار اشعار کی وہ صوفیانہ مثنوی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ ادب میں نہیں ملتی، اہلِ دل کا سرمایۂ وجد و ذوق بنی ہوئی ہے۔

☆☆☆

مولانا جب اس طرح ہر بات میں حضرت شمس کی پیروی کرنے لگے اور تمام تعلقات منقطع ہونے لگے تو یہ امر مولانا کے شاگردوں اور مریدوں پر سخت شاق گزرا۔ ایک شورش کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس برہمی کے ساتھ یک گونہ حیرت بھی شامل تھی۔ شمس کے حالات سے لوگ واقف نہ تھے۔ مریدوں کا خیال یہ تھا کہ ''ہم نے عمریں مولانا کی خدمت میں گزار دیں، مولانا کی کرامتوں کو دیکھا، تمام اطراف واکناف میں آپ کی شہرت کا باعث ہوئے۔ اب ایک بے نام ونسب شخص آیا اور مولانا کو سب سے الگ کر لیا کہ آپ کی صورت تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ درس وتدریس، وعظ وتذکیر سب بند ہوگئی، ضرور یہ کوئی ساحر یا مکار شخص ہے ورنہ اس کی کیا ہستی ہے کہ ایسے پہاڑ کو یوں تنکے کی طرح بہا لے جائے۔''

Marfat.com

غرض سب کے سب شمسؒ کے دشمن ہو گئے۔ مولانا کے سامنے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ اِدھر اُدھر مل جاتے تو برا بھلا کہتے اور رات دن اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے کہ کسی طرح حضرت شمس کو وہاں سے نکالیں کہ پھر حسب سابق مولانا کی صحبت سے فیض یاب ہو سکیں۔

حضرت شمسؒ الدین ان لوگوں کی گستاخیوں پر تحمل کرتے رہے اور سمجھتے رہے کہ مولانا کے وفورِ عقیدت کی وجہ سے لوگ اس طرح آزردہ ہیں مگر جب معاملہ حد سے تجاوز کر گیا اور آپ نے سمجھ لیا کہ اب انجام اس کا فتنہ وفساد پر ہوگا تو آپ ایک دن خاموشی کے ساتھ قونیہ سے نکل گئے۔ افلاکی نے اس غیبت اول کی تاریخ روز پنج شنبہ یکم شوال ۶۴۳ھ دی ہے۔ آپ کی آمد قونیہ کی تاریخ اوپر مرقوم ہو چکی ہے کہ ۲۶ جمادی الآخر ۶۴۲ھ تھی، پس اس طرح بارِ اول قونیہ میں آپ کا قیام سوا برس رہا۔

شمس کی جدائی مولانا پر سخت شاق وگراں گزری۔ مریدوں نے جو کچھ سوچا تھا، اس کے برعکس وقوع میں آیا۔

چوں حزیں شد ز ہجر مولانا — گشت معرض ز جملہ آں دانا
دوستی را ازاں نفر ببرید — مرغ مہرش زلانہ شاں ببرید
چونکہ آں رائے شاں نیامد رست — عکس شد انچہ ہر یکے می خواست
گفتہ بودند اگر رود زیں جا — ماند آں شاہِ ما بما تنہا
ہمچو اول از و عطا ببریم — بے لب و کام قندہاش خوریم
نشد ایں و آں قدر کہ بود نماند — زاں دل باخت تار و پود نماند

غرض ان لوگوں نے جو کچھ سوچا تھا، اس کے برعکس واقع ہوا۔ اس کے بجائے کہ شمسؒ کے چلے جانے کے بعد مولانا ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، جو کچھ توجہ تھی وہ بھی جاتی رہی اور ان ناقصوں کی وجہ سے اصحابِ صدق ووفا بھی مولانا کی صحبت سے محروم ہو گئے۔

اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مولانا کی شاعری کا آغاز بھی شمس کی ملاقات کے بعد سے ہوا ہے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمس کے چلے جانے کے بعد مولانا نے شعر کہنا بھی ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ جو خط بعد میں شمس الدینؒ کو لکھا ہے، اس میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

یک غزل بے تو ہیچ گفتہ نشد — تا رسید آں مشرفہ مفہوم

بقول سپہ سالار انقطاع کلی کی یہ حالت اس وقت تک قائم رہی کہ دمشق سے شمس الدین کا خط مولانا کے نام آیا۔ یہ خط بلا شان وگمان دفعتہً آ گیا تھا۔ اس خط کے پانے کے بعد مولانا کی حالت کچھ بدلی اور شمس کے شوق وعشق میں سماع کی جانب متوجہ ہوئے۔ غزلیں بھی کہنے لگے اور جن لوگوں نے حضرت شمس کے خلاف حرکات میں شرکت نہیں کی تھی، ان پر حسب سابق عنایت فرمانے لگے لیکن جن لوگوں نے اس شرارت میں

Marfat.com

حصہ لیا تھا، ان کی جانب ابھی مطلق التفات نہیں کرتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ خط کے آنے اور خود حضرت شمسؒ کے تشریف لانے کے درمیانی زمانہ میں مولانا اور حضرت شمسؒ میں مراسلت جاری ہوگئی تھی مگر شورش کے کلیتہً محو نہ ہو جانے کی وجہ سے آخری خط سلطان ولد کے ذریعہ سے روانہ فرمایا تھا اور بقیہ تین خط اس سے قبل بھیجے تھے۔ یہ تینوں خطوط غزل کی صورت میں ہیں اور یہ غزلیں دیوان میں موجود ہیں۔ یہاں ابتدائی تین خطوط میں سے ہر ایک خط کے چند اشعار دیے جاتے ہیں۔

نامہ اول

ایہا النور، فی الفواد تعال — غایت الجد والمراوٗ تعال
ایہا السابق الذی سبقت — منک مصدوقتہ الوداد تعال
چوں بیائی زہے کشاد و مراد — چوں نیائی زہے کساوٗ تعال
انت کالشمس اذ ونت تارت — یا قریبا علی العباد، تعال

نامہ دوم

اے ظریف جہاں سلام علیک — ان وائی و صحتی بیدیک
واردے درد بندہ چیست بگو — قبلۃٗ لورزقت من شفقیک
گر بخدمت نمی رسم بہ بدن — انما الروح والوفواد لدیک
گر خطا بے نمیرسد بے حرف — پس جہاں پر چرا شد از لبیک
شمس دین عیش دوست نوشت یاد — زانکہ پیدا شدہ است فی عینیک

نامہ سوم

زندگانی صدر عالی باد — ایزدش پاسبان و کالی باد
ہرچہ بستہ است مقبلاں را عیش — پیش و نقد وقت حالی باد
بخت نقد است شمس تبریزی — او بسم غیر او حالی باد

ان خطوط سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولانا نے شمس کو قونیہ آنے کی ترغیب دی ہے مگر قطعی کچھ نہیں لکھا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہی ہوگی کہ سرکشوں کا فتنہ بالکل فرو نہ ہوا ہوگا۔ مکتوب اول کے آخری دو شعر داد طلب ہیں کہ کس خوبی سے اپنا اشتیاق بھی ظاہر فرمایا ہے اور قطعی التجا بھی نہیں کی ہے۔ آنا باعث کشاد ہے، نہ آنا موجب کساد ہے۔ آپ کا آنا آفتاب کا قریب آجانا ہے کہ سب کو جلا کر راکھ کر دے۔

دوسرے خط میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اگرچہ جسماً بعید ہوں مگر روحاً قریب ہوں اور اس حرماں اور اس کے انقطاع کی تدبیر بھی خود ہی بتائی ہے۔

Marfat.com

تیسرے خط میں زیادہ صراحت کردی ہے کہ اب ہجر کو زیادہ طول نہ دیجیے۔ چوتھے خط میں صاف لکھ دیا ہے کہ:

آں عناں را بدیں طرف برتاب　　　زفت کن پیل عیش را خرطوم

اس اثناء میں شورش بہت کچھ فرو ہوگئی کیونکہ منکرین ومفسدین نے جب یہ دیکھا کہ وہ بالکل مبغوض و مجوب ہوئے جاتے ہیں تو توبہ واستغفار کیا اور مولانا کی خدمت میں آ کر عذرخواہی کی:

پیش شیخ آمدند را برکناں　　　کہ بہ بخشانہ مکن و گر ہجراں
تو بہامی نعیم رحمت کن　　　گرد گرایں کنیم، لغت مکن
چہ شرمستارم از انعام شمس تبریزی　　　لحظہ لحظہ درود ست با سلام علیک

جب مہینوں اس طرح گریہ وزاری کرتے رہے تو مولانا نے بھی درگزر سے کام لیا اور آپ کا دل ان لوگوں کی طرف سے صاف ہوگیا۔

یہ اطمینان ہوجانے کے بعد کہ اب لوگوں نے شمس کی مخالفت ترک کردی ہے، مولانا نے شمس کو واپس بلانے کی تدبیر کی۔ سلطان ولد نے اس تمام کیفیت کو بہت تفصیل سے دیا ہے۔ ہم اسی نظم کو نثر کیے دیتے ہیں۔

''مولانا ظاہراً و باطناً مجھ پر (سلطان ولد) حد سے زیادہ عنایت فرماتے تھے۔ بلا کر کہا کہ تم میری طرف سے اس شاہ مقبول کے پاس جاؤ، یہ روپیہ لے جا کر ان کے قدموں پر نثار کرو اور میری جانب سے کہو کہ جن مریدوں نے گستاخی کی تھی وہ سب صدق دل سے توبہ کرتے اور یہ التجا کرتے ہیں کہ جو خطا ہوئی درگزر فرمایئے اور اس جانب قدم رنجہ فرمایئے۔ میں نے والد کی گفتگو سن کر سر جھکا دیا۔ خدا کا شکر کیا اور کہا کہ میں جاتا اور انہیں لاتا ہوں۔ نہایت ذوق وشوق سے روانہ ہوا۔ راستہ کی صعوبتوں کا کچھ خیال دل میں نہ لایا۔ آخر دمشق پہنچ کر حضرت شمس الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرِ نیاز زمین پر رکھا، آپ نے لطف وعنایت فرمایا اور بہت کچھ حقائق و معارف بیان فرمائے۔ جب اصل مقصودِ رسالت کو سنا تو خوشی سے قبول فرمایا اور دمشق سے روم کی جانب روانہ ہوئے۔ میں کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے صدق وادب کے خیال سے آپ کی رکاب میں پیدل روانہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم بھی فلاں گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ عرض کیا کہ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ شاہ بھی سوار ہو اور بندہ بھی سوار ہو۔ مجھے اس سے معذور رکھیے، مجھے آپ کی رکاب میں پیادہ چلنا ہی زیب دیتا ہے۔ غرض اسی طرح ایک ماہ سے زائد کا راستہ پیادہ پا طے کیا، راستہ اگرچہ دشوار گزار تھا مگر حضرت کے حقائق و

Marfat.com

معارف کے بیان سے سب سختیاں بھول جاتی تھیں۔ اس راستہ میں ایسے ایسے اسرار منکشف ہوئے کہ یہ سعادت کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔"

سلطان ولد کی اس روئیداد میں سپہ سالار کے بیان سے جو اضافے ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ مولانا کے تمام اصحاب نے جمع ہو کر سلطان ولد سے یہ التماس کی کہ کچھ لوگوں کو لے کر مولانا شمس الدین کی طلب میں دمشق کی طرف روانہ ہوں اور انہیں لوگوں نے بہت کچھ سیم زر شکرانہ اور خرچ راہ کے لیے دیا۔ مولانا نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا اور آپ کا اشارہ پا کر سلطان ولد دمشق کو روانہ ہوئے۔

مولانا نے ذیل کی غزل حضرت سلطان ولد کے ذریعہ سے روانہ فرمائی۔ یہ چوتھا خط تھا جو حضرت شمس کو دمشق میں بھیجا۔

بخدائیکہ در از بودہ است — حی و دانا و قادر و قیوم
نور او شمع ہائے عشق افروخت ما — تابشد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکم او جہاں پرشد — عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزی — گشت گنج عجائبش مکتوم
کہ ازاں دم کہ تو سفر کردی — زاتشے جفت و از انگبیں محروم
در فراق جمال تو ما را — جسم ویران و جان ہمچوں موم
آں عناں را بدیں طرف برتاب — زفت کن پیل عیش را خرطوم
بے حضورت سماع نیست جلال — ہمچو شیطان طرب شدہ مرجوم
یک غزل بے تو ہیچ گفتہ نشد — تا رسید آں بہ مترقہ مفہوم
پس بذوق سماع نامہ تو — غزلے پنج و شش بشد منظوم
شام و نور صبح روشن باد — اے بتو فخر شام و ارمن و روم

دمشق پہنچ کر ہر طرف جستجو کی۔ چند روز کے بعد حضرت شمس الدین کا پتہ چلا۔ وہاں لوگوں کو حضرت شمس الدین کے موجود ہونے کا علم نہیں تھا۔

حضرت شمس الدین نے مولانا کا پیغام سن کر فرمایا کہ سیم و زر سے مجھے کیا فریب دیتے ہو، مولانا سے محمدی سیرت کا پیغام کافی ہے، مولانا کے اشارات سے کیونکر تجاوز کر سکتا ہوں؟

سامان سفر کے درست ہونے تک دمشق میں قیام رہا اور اس تمام دوران میں مجالس سماع گرم رہیں۔

قونیہ پہنچنے پر حضرت شمس الدین نے مولانا سے سلطان ولد کی بہت ستائش کی اور آپ کے پیادہ چلنے کا حال بیان کیا۔ مولانا بغایت خوش ہوئے اور سلطان ولد کے حسن ادب کی بہت تعریف کی۔

افلاکی سے جو مزید حالات معلوم ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ

Marfat.com

''مولانا نے جب سلطان ولد کو شمس تبریزی کی جستجو میں دمشق بھیجا تو یہ فرما دیا تھا کہ انہیں جبل صالحیہ کی سرائے میں ایک فرنگی بچہ کے ساتھ نرد کھیلتے ہوئے پاؤ گے۔ جب شمس الدین جیتتے ہیں تو اس سے کچھ رقم لیتے ہیں اور جب وہ لڑکا جیتتا ہے تو مولانا شمس الدین کو چپت مارتا ہے۔ غلطی میں نہ پڑنا اور منفعل نہ ہونا کہ وہ لڑکا بھی اولیائے اللہ سے ہے مگر اپنے کو جانتا نہیں ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب مولانا شمس الدین قونیہ کو روانہ ہوئے تو وہ فرنگی بچہ اپنے ملک کو چلا گیا اور وہاں مولانا کی نیابت کرتا رہا۔''

جبل صالحیہ میں حضرت شمس الدین کا قیام ضرور رہا ہے کیونکہ مولانا نے اپنی غزل میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اندر جبل صالح کا نیست ز گوہر
زاں گوہر ما غرقہ دریائے دمشقیم

مگر یہ تصریح سپہ سالار کے اس بیان کے خلاف واقع ہوتی ہے کہ دمشق پہنچ کر ہر طرف جستجو کی اور چند روز بعد حضرت شمس الدین کا پتہ چلا۔ ممکن ہے کہ جب سلطان ولد حضرت شمس الدین کی خدمت میں پہنچے ہوں، اس وقت آپ نرد کھیل رہے ہوں اور اسی روایت میں کچھ اضافہ مابعد ہو گیا۔ اس سے اصل مقصود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

شمس الدین کے پہلی بار ناراض ہو کر چلے جانے اور پھر واپس آنے کے متعلق ''سوانح مولانا روم'' میں ایک عجیب عبارت درج ہے کہ:

''مثنوی کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ شمس اول دفعہ جب ناراض ہو کر چلے گئے تو اپنے وطن تبریز پہنچے اور مولانا خود جا کر ان کو تبریز سے لائے چنانچہ خود مثنوی میں اس واقعہ کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

ساربانا! بار بکشاز اشتراں — شر تبریز است کوئے دلستاں
فر فردوس است. ایں پالیز را — شعشہ عرشِ است ایں تبریز را
ہر زمانے فوج روح انگیز جاں — از فراز عرش بر تبریزیاں''

تحقیق سے معلوم ہوا کہ ''مثنوی کے دیباچہ'' سے مراد زین العابدین شروانی کا وہ دیباچہ ہے جو کشف الابیات والے نسخہ مثنوی کے ساتھ شامل ہے اور شروانی کا ماخذ دولت شاہ کے یہ الفاظ معلوم ہوتے ہیں کہ ''شمس الدین از مولانا پنہاں بجانب تبریز گریخت ......و مولانا بطرف تبریز آمد و باز شمس را ہمراہ بروم برد۔''

جن اشعار کا اس جانب اشارہ بتایا جاتا ہے، وہ دفتر ششم کے اختتام کے قریب کی اس حکایت میں ہیں جن میں ایک قرض دار اپنے ادائے قرض کی امید میں بدر الدین تبریزی سے ملنے کے خیال سے تبریز گیا

Marfat.com

ہے۔مولانا نے تبریز کی مدح میں اسی شخص کی زبان سے چھ اشعار ادا کیے ہیں جن میں پہلے تین شعر عربی کے ہیں اور آخری تین شعر وہی ہیں، جو اوپر درج ہوئے۔اس سے خود دمشق جانے اور شمس کو لانے کے حالات تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔ پس اس تناقض کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں ہوسکتی ہے کہ مصنف ممدوح سے اتفاقاً سہو گیا۔

اصل یہ ہے کہ تبریز کے متعلق اشارات مولانا کی غزلوں میں بہت ہی کثرت سے ملتے ہیں اور ان غزلوں میں بہت سی وہ فراقیہ غزلیں بھی ہیں جو شمس کی غیبت کے زمانہ میں کہی گئی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ شمس کی غیبت اول کے بعد مولانا شعرگوئی سے بالکل خاموش ہوگئے تھے۔اس کے برخلاف شمس کی غیبت دوم کے بعد آپ نے نہایت کثرت سے ان کے فراق میں غزلیں کہیں، جن میں فراقیہ غزلوں میں تبریز کا ذکر نہ آیا ہے، وہ وہی ہیں جو شمس کی غیبت دوم کے بعد لکھی گئی ہیں۔ پس اگر ان غزلوں کے اشارات و کنایات سے مولانا کا تبریز جانا مترشح ہوتو اسے اس غیبت دوم کے بعد سمجھنا چاہیے لیکن اسے ظن و گمان سے زیادہ وقیع نہیں قرار دے سکتے۔قطعاً کہیں سے ثابت نہیں کہ مولانا شمس کی جستجو میں کسی وقت تبریز گئے ہوں۔

ان تمام اشارات و کنایات کی حقیقت کو مولانا نے خود ایک رباعی میں صاف واضح کر دیا ہے۔اس کے بعد کسی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

از عشق تو ہر طرف یک شب خیزے   شب گفتہ ز زلفین تو عنبر بیزے
نقاشِ ازل نقش کند ہر طرفے   از بہر قرار دلِ من تبریزے

اصل یہی ہے کہ حضرت شمس کے تعلق سے تبریز کا ایک خیال مولانا کے دل میں جاگزیں ہوگیا تھا۔ عالم تصور میں طرح طرح کی صورتیں اختیار کرتا رہتا اور مختلف طریقوں سے دل سے نکل کر زبان پر آتا رہتا تھا، ورنہ واقعتاً مولانا تبریز نہیں گئے تھے۔

حضرت شمس کے قونیہ پہنچنے پر مولانا کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہی۔جن لوگوں سے گستاخیاں سرزد ہوئی تھیں، سب نے آ آ کر معافی مانگی۔ پھر تو یہ دستور ٹھہرا کہ لوگوں نے باری باری سے مجلس سماع منعقد کرنا شروع کی اور ایک مدت تک یہ صحبت بے کدورت اسی طرح برقرار رہی۔اسی اثناء میں شمس کے ساتھ مولانا کا اخلاص واتحاد پہلے سے زیادہ بڑھتا گیا۔

۶۴۳ھ میں شمس پہلی بار قونیہ سے گئے تھے اور پھر واپس آنے کے بعد دوسری مرتبہ ۶۴۵ھ میں اس طرح غائب ہوئے کہ پھر آپ کا پتہ نہ چلا۔شمس کی اس غیبت اول کے زمانہ میں مولانا نے زیادہ غزلیں نہیں کہیں۔مولانا کی فراقیہ غزلیں جس قدر ہیں وہ زیادہ تر شمس کی غیبت دوم کے بعد کی ہیں، لیکن وصالیہ غزلیں زیادہ تر انہیں دو برسوں میں کہی گئی ہیں۔ان غزلوں میں جس جوشِ عقیدت اور ولولہ قلبی کا اظہار ہوا ہے اس کا اندازہ تو دیوان کے دیکھنے سے ہی ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

ایک روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس مرتبہ قونیہ پہنچ کر حضرت شمس الدین لوگوں سے ملنے جلنے میں محتاط رہتے تھے تا آنکہ لوگ خود آپ کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے۔ ''مناقب العارفین'' کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''لوگوں میں سخت غلغلہ مچا ہوا تھا کہ مولانا شمس الدینؒ وہی ہیں یا نہیں، لوگ جتنا ہی چاہتے تھے کہ ان سے ملیں اور ان کی حالت کا پتہ لگائیں وہ اتنا ہی گریز کرتے تھے۔ اتفاقاً اگر کوئی موقع ایسا آجاتا اور لوگ آپ کی شان میں کچھ سوءِ ادبی کرتے تو آپ نہایت لطف وحلم سے جواب دیتے تھے، چنانچہ ایک روز فرمایا کہ جو لوگ میرے کلام میں دخل دیتے ہیں، وہ تاریک پانی میں گرتے ہیں۔ میں ولی ہوں یا نہیں ہوں تمہیں اس سے کیا۔ میری دعا یہی ہے کہ خدا تمہیں اس سے بہتر کوئی شغل عطا کرے، مثلاً یہ کہا کہ ایک مرتبہ لوگوں نے کسی بھوکے سے کہا کہ دیکھو خوان لے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے کیا، لوگوں نے کہا تمہارے ہی گھر کو لے جا رہے ہیں۔ کہا تو پھر تمہیں کیا، اسی وجہ سے میں لوگوں سے بھاگتا ہوں کہ وہ اس تشویش سے محفوظ رہیں۔''

علیٰ ہذا کسی شخص نے ایک مجمع میں مولانا کی مدح کی کہ ان میں بغایت شان نور ہے اور مولانا شمس الدینؒ میں یہ بات نہیں ہے (یعنی مولانا شمس الدینؒ سے انکار کیا۔) مولانا شمس الدینؒ نے جواب دیا کہ جو باطل کا معتقد ہو اور اس کی پیروی کرتا ہو، اس میں یہ شان ونور کہاں سے ہوگا بلکہ وہ ضرور حق کی اقتدا کرتا ہوگا کہ باطل کی۔ تم اولیاء اللہ کا نشان نہیں جانتے، آدمی جب عاجز ہوتا ہے تو اس عجز سے روشنی پیدا ہوتی ہے یا تاریکی، ابلیس عجز سے تاریکی میں پڑا، ملائکہ کو روشنی حاصل ہوئی۔

اکابر وعظام کو جب حضرت شمس الدینؒ کی ملاقات کی آرزو ہوتی تو اول چلپی سے عرض کرتے اور آپ ہی کی سفارش سے لوگوں کا وہاں گزر ہوتا۔ حضرت شمس الدینؒ ایسے موقعوں پر فرمایا کرتے کہ اگر فلاں شخص کی نیت صادق ہے تو دس ہزار دینار دے یا بیس ہزار دینار دے۔ ایک روز امین الدین میکائیل (نائب السلطان) نے حضرت شمس الدینؒ سے ملنے کی استدعا کی۔ فرمایا کہ چالیس ہزار درہم دیں تو آدیں، آخر تیس ہزار درہم قرار پایا۔ امین الدین جب حاضر خدمت ہوئے تو حضرت شمس الدینؒ نے اس قدر حقائق و دقائق بیان فرمائے کہ امین الدین تشکر کرتے ہوئے باہر نکلے اور دس ہزار درہم مزید بطور شکرانہ کے پیش کیے۔ حضرت شمس الدینؒ نے سب حضرت حسام الدین کو دیئے کہ لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

مولانا کی حرمِ محترم کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون تھی۔ حضرت شمسؒ نے اس کی خواستگاری کی۔ مولانا نے بہ دل وجان قبول کیا اور یہ معلوم ہونے لگا کہ اب حضرت شمس الدینؒ زیادہ اطمینان کے ساتھ قونیہ میں قیام کریں گے۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔

Marfat.com

کیوں نہ ہو سکا؟ اس ساری صورتِ حال کو ایلف شفق نے اپنے ناول ''محبت کے چالیس اصول'' میں بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ ذرا ملاحظہ کیجئے:

☆☆☆

میری زندگی میں دنیا بھر کا حسن سمٹ آیا تھا۔ میں ایک بار پھر شمس تبریز کو یہاں دیکھ رہی تھی۔ اب اس کے اندر کافی تبدیلی آ چکی تھی۔ اس کے دراز گیسو اب اس کی آنکھوں پر جھالر کی طرح پڑے رہتے تھے۔ دمشق کی تمازت نے اس کی جلد کی رنگت کو سنولا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ اور بھی کمسن اور حسین نظر آنے لگا تھا۔ مگر ایک تبدیلی بھی آئی تھی جس کا ذکر میں ضرور کرنا چاہوں گی۔ اس کی آنکھوں میں جس قدر شوخی اور شرارت پہلے بھری رہا کرتی تھی، اب اس کی جگہ متانت اور سنجیدگی نے لے لی تھی۔ یہ ایک ایسے شخص کی آنکھیں تھیں جس نے زندگی کے تمام رخ دیکھ لیے تھے اور اب وہ مزید جدو جہد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مگر اس کے برخلاف رومی کے جسم میں ایک نئی برقی رو دوڑ گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ شمس کی واپسی کے بعد اس کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس دن شمسؒ واپس آیا، رومی نے شہر سے باہر پھولوں کے ہار لے کر اس کا استقبال کیا، مگر جب ملاقات کی سرخوشی اور سرمستی ختم ہوئی تو رومیؒ مزید بے چین اور پریشان نظر آنے لگا۔ نہ معلوم کیا بات تھی۔ میں نے اس بارے میں جو اندازہ لگایا ہے، وہ خیال شاید کسی اور کے ذہن میں نہ آیا ہوگا، کیونکہ اب مجھے بھی اس کو کھو دینے کا خطرہ نظر آ رہا تھا۔

میری واحد دوست جن کے ساتھ میں تبادلہ خیالات کرتی ہوں، وہ ہے گوہر، رومی کی مرحومہ بیوی۔ یہ درست ہے تکنیکی طور پر اس کا شمار انسانوں میں نہیں ہوتا ہے، مگر میں اسے بھوت یا چڑیل سے بھی تشبیہ نہیں دوں گی۔ جہاں دیگر بھوت پریت انسانوں کو ڈراتے ہیں وہاں گوہر کا رویہ میرے ساتھ بے حد دوستانہ ہے۔ وہ اکثر و بیشتر میرے اردگرد لطیف و نرم و گداز ہوا کی مانند چکر لگاتی رہتی ہے۔ ہم لوگ مختلف معاملات پر گپ شپ کرتے ہیں، مگر آج کل صرف شمس ہی موضوعِ گفتگو بنا ہوا ہے۔

''آج کل رومیؒ بے حد اداس رہنے لگا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کی کچھ مدد کروں۔'' آج میں نے گوہر سے کہا۔

''اس سلسلے میں تم کافی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔'' گوہر نے بڑے پُراسرار انداز میں کہا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

''رومی کا خیال ہے کہ اگر شمس شادی کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرے تو لوگ اس کے بارے میں فضول باتیں کرنا چھوڑ دیں گے اور پھر شمس کی مشکلات بھی کم ہو جائیں گی۔''

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شمس شادی کر لے، مگر کس سے؟ گوہر نے میری جانب عجیب نظروں سے گھورا۔ ''اگر تم تیار ہو جاؤ تو رومی کی مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔''

Marfat.com

میں حواس باختہ ہوگئی۔ اس لیے نہیں کہ شمس کے بارے میں پہلی بار کسی نے اشارہ دیا تھا بلکہ شادی کے بارے میں تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میری عمر اگرچہ پندرہ سال تھی اور میں شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھی مگر میں اس بات سے بھی واقف تھی کہ شادی کے بعد لڑکیوں میں خاصی تبدیلی آ جاتی ہے۔ ایک خیال میرے دل میں آیا جو بڑا ہی گھٹیا سا تھا۔ میں اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتی۔

گوہر بڑے پیار سے مسکرائی اور اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ سمجھ گئی کہ میں شادی کے خیال سے سہمی جا رہی ہوں، شمس سے شادی کے بارے میں نہیں۔

دوسرے دن شام کو جب میں رومیؒ کے کمرے میں گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ''تحفظ التحفظ'' نامی کتاب کے مطالعے میں غرق ہے۔ یہ کتاب اسلامی فلسفے کے مطابق امیرانہ ٹھاٹ باٹھ اور اس کی موافقت یا ناموافقت پر بحث کرتی ہے۔

''آؤ کیمیا آؤ'' انہوں نے بڑے پیار سے کہا۔ ''میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''جب میرے والد صاحب مجھے آپ کے پاس لے کر آئے تھے تو آپ نے انہیں کہا تھا کہ لڑکی ایک لڑکے کے مقابلے میں اچھی شاگرد نہیں بن سکتی ہے، کیونکہ ایک دن وہ شادی کر کے چلی جائے گی اور پھر گھرداری میں مگن ہو جائے گی۔ کیا آپ کو یہ بات یاد ہے؟''

''ہاں، بہت اچھی طرح۔'' ان کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب ابھر آیا۔

''میں نے اس دن اپنے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی اور ہمیشہ آپ کے قدموں میں رہ کر علم حاصل کروں گی۔'' میں کہہ رہی تھی اور میری آواز ڈوبتی جا رہی تھی۔ ایک منصوبہ میرے ذہن میں موجود تھا۔ ''مگر اب اس نکتہ نظر سے سوچ رہی ہوں کہ میں شادی بھی کر لوں اور اس گھر سے باہر بھی نہ جاؤں۔ میرا مطلب ہے کہ میری شادی کسی ایسے شخص سے کر دی جائے جو اس گھر میں رہتا ہو۔''

''گویا تم علاؤالدین سے شادی کرنا چاہتی ہو؟'' رومی نے پوچھا۔

''علاؤالدین؟'' میں نے یہ نام دہرایا اور مجھے ایک دھچکا سا لگا۔ آخر انہوں نے ایسا کیوں سوچا؟ علاؤالدین تو میرے لیے بھائی جیسا تھا۔

رومی نے میری حیرت کو بھانپ لیا۔ ''چند روز قبل علاؤالدین میرے پاس آیا اور اس نے تمہارا ہاتھ مانگا تھا۔'' انہوں نے کہا۔

میں ہچکچا کر رہ گئی۔ یہ بات مجھے بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ میں سوال در سوال کرتی چلی جاؤں۔ لڑکیوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی اور وہ بھی اتنے نازک معاملات پر۔ مگر میں اپنی پوری تسلی کرنا چاہتی تھی۔

''جنابِ عالی! آپ نے اسے کیا جواب دیا؟''

''میں نے کہا تھا کہ میں تم سے پوچھ کر بتاؤں گا۔'' رومی نے کہا۔

Marfat.com

''استادِ معظم!'' میں نے ڈوبتے دل سے آہستہ آہستہ کہا۔ ''میں شمس تبریز سے شادی کرنے کی خواہش مند ہوں۔''

رومی نے میری طرف بے یقینی کے انداز میں دیکھا۔ ''کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''یہ کئی لحاظ سے ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔'' اب میری ہمت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ''شمس اب ہمارے خاندان کا ایک حصہ بن جائے گا اور وہ یہ گھر چھوڑنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے گا۔''

''چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ گویا تم چاہتی ہو کہ وہ ایک بندھن میں جکڑا جائے اور اس گھر سے بھی نہ جائے؟'' رومی نے سوال کیا۔

''اس کے علاوہ میں سمجھتی ہوں کہ شمس ہی میری منزل ہے۔'' یہ واضح اقرار تھا کہ میں شمس تبریز کے عشق میں گرفتار ہو چکی ہوں۔

سب سے پہلے یہ خبر کیرا کو سنائی گئی۔ حیرت و استعجاب کے عالم میں اس نے مجھے مبارک باد دی مگر پھر بعد میں جب ہم لوگ گھر میں تنہا تھے تو اس نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ''کیا تم واقعی ایسا ہی چاہتی تھیں؟ کیا صرف رومی کی مدد کے خیال سے تم نے یہ تجویز پیش کی؟ ابھی تم بچی ہی ہو، کیا تمہاری یہ خواہش نہیں ہے کہ کسی ہم عمر سے شادی کرو؟''

''شمس کا کہنا ہے کہ محبت کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھتی۔'' میں نے کہا۔

کیرا نے ایک گہری سانس بھری۔ ''اچھی بچی! یہ اتنی معمولی بات نہیں ہے۔'' اس نے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے کہا۔ ''شمس ایک آوارہ گرد درویش ہے۔ ایسے لوگ گھریلو ذمہ داریوں میں دلچسپی نہیں لیتے اور وہ اچھے شوہر ثابت نہیں ہوتے۔''

''آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے، مگر وہ بدل بھی سکتا ہے۔'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''میں اسے اس قدر خوشیاں اور محبت دوں گی کہ وہ ہر چیز بھول جائے گا۔ وہ ایک اچھا شوہر اور ایک اچھا باپ ثابت ہوگا۔''

ہماری بات چیت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے آثار دیکھ کر کیرا کو مزید بحث کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

اس رات میں بڑے سکون کے ساتھ سوئی۔ میرے دل میں ہزاروں ارمان اور امیدیں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ بیشتر لڑکیوں کی طرح میں بھی پُر امید تھی کہ میں اپنے شوہر کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لوں گی۔

☆☆☆

نڈر، بے باک اور بہادر شمس تبریز محبت کے بارے میں ایک مختلف نظریہ رکھتا ہے۔ مگر وہ ایک بات

Marfat.com

یقیناً نہیں جانتا تھا کہ دردِ عشق کس بلا کا نام ہے۔

اس شام جب صحرائی گلاب نے مجھے اچھی طرح تیار کیا، میرا دل بے حد تیزی سے دھڑک رہا تھا اور میں انجانے خیالات میں مبتلا نہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔ ریشمی کپڑوں کا نرم لمس، عطر کی خوشبو، اور گلاب کی پنکھڑی میرے بالوں میں پروئی ہوئی، یہ سب مل کر مجھے پاگل کر رہی تھیں، مگر ساتھ ہی ساتھ میری ہمت بھی جوان ہوگئی تھی۔ راستے میں کسی شیشے میں، میں نے اپنی جھلک دیکھی۔ اگرچہ میں کافی مختلف لگ رہی تھی لیکن اس حلیے میں کافی دیدہ زیب نظر آرہی تھی۔

میں اس بات کی منتظر رہی کہ سب اپنے اپنے کمرے میں جا کر سوجائیں، اس کے میں نے بڑی سی دبیز چادر میں اپنے آپ کو لپیٹا اور آہستہ روقدموں سے شمس کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

''کیمیا! مجھے اس وقت تمہارے آنے کی امید نہیں تھی۔'' دروازہ کھولتے ہی اس نے کہا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں۔'' میں نے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ ''براہِ مہربانی دروازہ بند کردو۔''

شمس نے ذرا الجھے ہوئے انداز میں دیکھا اور پھر دروازہ بند کردیا۔ ایک منٹ تک میں اپنی ہمت مجتمع نہیں کرسکی۔ پھر میں نے اپنی پشت اس کی طرف کی اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے تیزی سے اپنی شال ایک طرف کھسکا دی۔ مجھے شمس کی حیران آنکھوں کی چبھن کا فوراً احساس ہوگیا۔ وہ سر سے پاؤں تک، مجھے گھور رہا تھا۔ کمرے میں خاموشی کا راج تھا۔ میں بری طرح کانپ رہی تھی۔ میں شمس کے سامنے گویا برہنہ کھڑی تھی۔

''کیا تم جانتی ہو کہ تم کیا کر رہی ہو؟'' اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

میں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب کچھ میں نے تمہیں رجھانے کے لیے کیا ہے۔''

شمس نے میرے گرد ایک چکر لگایا اور پھر بالکل میرے بالمقابل کھڑا ہوگیا اور مجھے بھی مجبور کردیا کہ میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھوں۔ زمین میرے پیروں سے سرکنے لگی، لیکن میں نے اپنے آپ کو جلد ہی سنبھال لیا۔ جواب میں، میں آگے بڑھی اور اس کے جسم کے ساتھ اپنا جسم ہولے سے مس کیا۔ صحرائی گلاب نے یہ طریق کار مجھے سمجھایا تھا۔

شمس یوں اچھل پڑا جیسے اس نے کسی گرم برتن کو چھولیا ہو۔ ''کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح تم مجھے پالو گی؟ میرے خیال میں یہ تمہارا پاگل پن ہے۔ کیمیا! تم نے مجھے مایوس کردیا ہے۔ اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔''

وہ سخت طیش میں تھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

ایسی بے عزتی اور شرم میں نے زندگی میں کبھی نہیں محسوس کی تھی۔ میں اپنا چوغہ اٹھانے کو نیچے جھکی مگر میرے ہاتھ اس بری طرح کانپ رہے تھے کہ وہ بار بار میرے ہاتھوں سے پھسل جاتا۔ میں نے جلدی سے

Marfat.com

شال اٹھائی اور اسے اپنے گرد لپیٹ لیا۔ ہچکیاں اور سسکیاں لیتے ہوئے میں اس کے کمرے سے بھاگ کھڑی ہوئی اور محبت کا وہ خیال بھی دل سے نکال دیا جو اب تک میرے دامن کو تھامے ہوئے تھا۔

اس دن کے بعد میں نے اپنے کمرے سے نکلنا چھوڑ دیا اور شمس کو بھی کبھی نہیں دیکھا۔ میں سارا دن اپنے بستر میں گھسی رہتی۔ ایک ہفتہ گزر گیا، پھر دوسرا، اور پھر میں نے دنوں کا شمار ہی چھوڑ دیا۔ رفتہ رفتہ میرے جسم کی تمام طاقتیں بھی سلب ہوتی چلی گئیں۔ صرف میری ہتھیلیوں میں زندگی کی رمق باقی تھی اور ان کے اندر شمس کے جسم کی گرمی اور لمس ابھی تک زندہ تھے۔

مجھے موت کی خوشبو کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیسی ہوتی ہے۔ بس یہ یقین تھا کہ وہ ناگوار نہیں ہوتی ہوگی۔ یہ بات مجھے اس وقت معلوم ہوئی جب اس نے دھیرے دھیرے میری جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے شدید بخار چڑھا ہوا تھا اور میں سرسام میں مبتلا تھی۔ لوگ آتے جاتے رہے۔ کیرا ہر وقت میرے پاس ہی موجود رہتی۔ میری حالتِ زار نے اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر دیے تھے۔ اس کا چہرہ راکھ کی طرح ہو رہا تھا۔ دوسری جانب گوہر اپنی حسین مسکراہٹ مجھ پر مسلسل بکھیر رہی تھی۔

''خدا اس شیطان کو غارت کرے۔'' صفیہ نے کہا۔ ''بے چاری معصوم لڑکی کو دل کا دورہ پڑا ہے اور یہ سب کچھ صرف اس کی وجہ سے ہوا ہے۔''

میں نے چیخنے کی بے انتہا کوشش کی لیکن میری آواز ہی نہیں نکل پا رہی تھی۔

''تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو؟ کیا تم خدا ہو؟'' کیرا نے صفیہ کو ڈانٹا۔ ''تم کسی بڑی طاقت کو ایک عام آدمی سے کیسے مناسبت دے سکتی ہو؟''

مگر کسی نے کیرا کی ایک نہ سنی اور میں تو کسی کو کچھ سمجھانے کے قابل ہی نہ تھی۔ بہر حال جلد ہی میں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ میں نے جو کچھ کہا یا جو نہ کہہ سکی، اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ وہ لوگ جو شمس کے مخالف تھے ان کو میری بیماری کا ایک بہانہ مل گیا تھا کہ اپنی دشمنی کو اور ہوا دیں۔ لیکن میں چاہنے کے باوجود اس سے نفرت نہ کر سکی۔

بہت دن ہوئے، میں ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئی تھی جسے نسیان کہتے ہیں۔ سارے رنگ مجھے بالکل سفید نظر آتے تھے اور تمام آوازیں ایک جیسی۔ میں کسی کو پہچان نہیں پاتی تھی اور خاص حد کے فاصلے سے کچھ سن بھی نہیں پاتی تھی۔

مجھے یاد نہیں کہ شمس کبھی مجھے دیکھنے آیا یا نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ کبھی نہیں۔ شاید کسی وقت وہ آنا چاہتا بھی ہوگا تو عورتوں کے ہجوم کی وجہ سے ہچکچا کر رہ گیا ہو، یا شاید کسی نے اس کو جھڑک دیا ہو، یا پھر کسی وقت تنہائی میں آیا ہو۔ میرے بستر کے پاس بیٹھا ہو اور مجھے ''نے'' کی دھن سنائی ہو، میرا ہاتھ پکڑا ہو اور میرے لیے دعا کی ہو۔ مگر مجھے کچھ یاد نہیں۔

Marfat.com

بہر حال ایسا ہوا ہو یا نہ ہوا ہوا، اب کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اس سے ناراض بھی نہیں ہوں۔ میں ناراض کس طرح ہو سکتی ہوں جب کہ میں ہوش و حواس میں نہیں ہوں۔

خدا نے مجھے اپنی امان میں رکھا ہوا ہے۔ اس نے مجھ پر اس قدر مہربانیاں نچھاور کی ہیں، جن کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ شمس سے ملاقات کیے ہوئے مجھے نہ جانے کتنے دن ہو چکے تھے اور میری بیماری بھی اسی دن سے شروع ہوئی تھی۔ یہ بیماری اس قدر تیزی سے بڑھی کہ میں تمام دنیا سے بے گانہ ہو کر گویا خلا ہی میں اڑنے لگی۔ اور پھر ایسا ہوا کہ وقت ایک جگہ تھم گیا۔ یہ لا محدودیت کا عرصہ کہلاتا ہے۔

اور یہ وہ عظیم واقعہ تھا جس نے بالآخر میری زندگی چھین لی۔

☆☆☆

معاملہ کچھ ایسا ہی بگڑ گیا تھا کہ مجھے اس شادی پر خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ مگر اس دن جب کیمیا شمس کی دلہن بننے جا رہی تھی، میرے دل میں شدید درد اٹھا اور میں غم کی شدت برداشت نہ کر سکا۔ میں بستر پر بیٹھ کر اس طرح سانس لے رہا تھا جیسے کوئی ڈوبتا ہوا آدمی اپنی جان بچانے کی جدو جہد کر رہا ہو۔ اور پھر مجھے اپنے آپ پر غصہ آ گیا۔ میں نے خود اپنے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ میرے حلق سے دلدوز چیخیں نکل رہی تھیں اور تب میرے دل نے کہا کہ اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔ میرا باپ شاید میرا سوتیلا باپ ہے۔

اب نہ میری ماں تھی، نہ باپ اور نہ بھائی۔ اور کیمیا بھی میری کچھ نہ رہی تھی۔ میں دنیا میں یکہ و تنہا رہ گیا تھا۔ اپنے باپ کی جو تھوڑی بہت عزت میرے دل میں باقی تھی، وہ بھی جاتی رہی۔ اب کیمیا اس کی بیٹی تھی۔ اب اسے کیمیا ہی کی بھلائی سوچنی چاہیے تھی۔ یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ اسے صرف شمس تبریز کی ہی فکر ہے۔ اس نے شمس کا انتخاب کیمیا کے لیے کیوں کیا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ شمس بڑا ہی بھیانک اور خطرناک آدمی ہے اور وہ کیمیا کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ میں جتنا سوچتا گیا، اسی قدر مجھے اپنے باپ پر غصہ آتا گیا۔ اس نے کیمیا کی خوشیاں چھین لی تھیں، اور اپنے دوست کی خوشی کے لیے میری بھی قربانی دے دی تھی۔

ان ہی خیالات میں سارا دن الجھا رہا اور اپنے آپ سے لڑتا رہا۔ اس گھر میں آسیب گھس آیا تھا۔ لہٰذا پورے گھر کو گلاب کے پانی سے دھویا گیا اور اسے پاک کیا گیا تاکہ عفریت یہاں سے نکل جائیں۔ مگر سب سے بڑا عفریت تو گھر کے اندر ہی موجود رہا، یعنی کہ شمس۔

دوپہر تک میں سخت الجھن اور غصے میں مبتلا رہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس تقریب میں ہرگز شرکت نہیں کروں گا۔ یہ سوچ کر میں نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا۔

''علاؤالدین! کہاں جا رہے ہو؟'' میرے عقب سے میرے بھائی کی تیز اور کرخت آواز آئی۔

Marfat.com

''میں ارشاد کے گھر جا رہا ہوں اور آج کی رات وہیں بسر کروں گا۔''میں نے اس سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟ تمہیں اس شادی میں ضرور شریک ہونا ہے۔ اگر تم چلے گئے تو ابا جان کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

میں سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔''اور اس دل کا کیا ہوگا جس کو والد صاحب نے بڑی بے دردی سے مسل دیا ہے؟''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں سمجھا نہیں۔''

''تمہیں اس کھیل کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ والد صاحب نے صرف شمس کو خوش رکھنے کے لیے یہ داؤ کھیلا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ شمس اس گھر سے باہر جائے، اسی لیے انہوں نے کیمیا کو طشت میں سجا کر اس کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔''

میرے بھائی کے چہرے پر کرب کے آثار ابھر آئے۔''تم غلط سوچ رہے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ یہ ایک زبردستی کی شادی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کیمیا کی ہی خواہش تھی کہ اس کی شادی شمس سے کر دی جائے۔''

''گویا کہ انتخاب کا حق اس کو دے دیا گیا تھا؟''میں پھٹ پڑا۔

''یا خدا! تم بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟''سلطان ولد چلایا۔ اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیے، گویا خدا سے مدد مانگ رہا ہو۔''وہ شمس کو چاہنے لگی ہے۔''

''یہ بکواس ہے۔ آئندہ ایسی بات مت کہنا۔''میری آواز برف کی طرح سرد تھی۔

''میرے بھائی!''سلطان ولد نے کہا۔''اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ تم حسد میں مبتلا ہو گئے ہو۔ مگر یہ حسد اور جلن کا جذبہ مثبت انداز میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ بے یقینی میں بھی نیک مقصد نکل سکتا ہے۔ دنیا میں مشابہت اور ہمواری ملنا آسان نہیں ہے، بلکہ قدم قدم پر مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یقین اور بے یقینی کے درمیان سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ تب ہی ایک انسانِ کامل وجود میں آتا ہے۔ خلوص اور اعتماد رفتہ رفتہ بے اعتمادی کو ختم کر دیتا ہے۔''

یہ سب کچھ میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھا۔

''دیکھو! میں یہ صوفیانہ شربت پی پی کر بیزار ہو چکا ہوں۔ اب میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ میں تمہیں قصوروار ٹھہراتا ہوں۔ تم شمس کو دمشق سے یہاں کیوں لے کر آ گئے؟ ان تمام بدانتظامیوں اور خرابیوں کے ذمہ دار تم اور صرف تم ہو۔''

میرا بھائی سہم گیا اور کچھ نہ بولا۔ جب میں ارشاد کے گھر کی طرف جا رہا تھا تو میری حالت قدم بہ قدم بگڑتی چلی جا رہی تھی۔ یہ سوچ سوچ کر میرا دماغ کھول رہا تھا کہ اب شمس اور کیمیا ایک ہی بستر پر سویا کریں

Marfat.com

گے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا؟ میں تیزی سے ایک طرف بھاگتا چلا گیا۔

☆☆☆

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، اس دورِ خرمی کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ پھر آزردگی کے اسباب پیدا ہو گئے جس کی ظاہری صورت یہ پیش آئی کہ حضرت شمسؒ کا جب عقد ہوا ہے، وہ جاڑے کا زمانہ تھا۔ مولانا نے تابخانہ کے قریب ہی دالان (صفہ) میں ایک طرف کو شمسؒ کے قیام کا انتظام کر دیا۔ مولانا کے فرزند متوسط (منجھلے صاحبزادے) چلپی علاؤ الدین، جب مولانا اور اپنی والدہ سے ملنے جاتے تو اسی طرف سے ہو کر گزرتے۔ مولانا شمس الدین کو یہ بات ناگوار ہوتی۔ کئی مرتبہ مشفقانہ طور پر سمجھایا کہ اس طرح بے تکلف ادھر سے نہ گزرا کریں۔ علاء الدین کو یہ بات شاق گزری اور ان کے دل میں کچھ اس بات سے بھی کدورت تھی کہ حضرت شمسؒ الدین سلطان ولد پر زیادہ نظرِ عنایت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کا چرچا لوگوں سے کیا۔ جو لوگ اس قسم کے موقع کے متلاشی تھے، انہوں نے اور بھی حاشیے چڑھائے اور کہنے لگے کہ یہ بھی خوب رہی کہ ایک بے گانہ نے آ کر خداوندگار کے مکان پر قبضہ کر لیا ہے اور خداوندگار کے فرزند کو گھر میں آنے نہیں دیتا۔ اس طرح ایک بات ہاتھ آ گئی اور مفسدوں نے پھر موقع بے موقع شمس کے خلاف زہر افشانی شروع کی۔

یہ تفصیل سپہ سالار نے دی ہے۔ سلطان ولد نے صرف ایک اشارہ کر دیا ہے۔ کوئی تفصیل نہیں دی ہے۔

باز شیطاں بصورتے دیگر
زود ریشاں کدورتے دیگر
بازگشتند ہم چوں اول بار
مئے و مستی گزشت و ماند خمار
روشنی شد بدل بتاریکی
صحت تن برنج باریکی

حضرت شمس الدینؒ نے محض لطف و حلم کی وجہ سے مولانا سے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا، مگر جب معاملہ حد سے گزر گیا تو سلطان ولد سے برسبیل حکایت یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ میں اس طرح غائب ہوں گا کہ پھر کسی کو میرا پتہ نہ چلے گا۔ مگر خود سلطان ولد نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے صریحاً کہا اور مکرر کہا۔

گفت شہ باولد کہ دیدی باز چوں شدند از شقہ ہمہ دمساز
کہ مرا از حضورِ مولانا کہ چوں ادنیست ہادی و دانا
فگندم جدا و دور کنند بعد من جملگاں سرور کنند

Marfat.com

خاہم ایں بار آنچناں رفتن | کہ نداند کسے کجا ام من
ہمہ گروند در طلب عاجز | ندہد کس زمن نشاں ہرگز
سالہا بگذرد چنیں بسیار | کس نیابد زگردِ من آثار
چوں کشانم در از گویند ایں | کہ وارد شمنے بکشت یقیں
چند بار ایں سخن مکرر کرد | بہر تاکید را مقرر کرد

سلطان ولد اور سپہ سالار کے بیانات سے اگرچہ یہ واضح نہیں ہوتا کہ مولانا کو بھی حضرت شمسؒ کے اس ارادے کی کچھ خبر تھی یا نہیں مگر مولانا کی بعض غزلوں سے یہ استنباط ہوسکتا ہے کہ مولانا بھی اس سے بالکلیہ بے خبر نہیں تھے۔

ایلف شفق اس صورتِ حال کو کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں:

☆☆☆

ارے یہ کیا......

رومی۔ شراب خانے میں، حالانکہ شراب کے نشے میں مدہوش، میں کئی افراد کو دھوکا دے سکنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ رومی کو شراب خانے میں دیکھ کر میں نے اپنے آپ کو چٹکی کاٹی۔ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں حقیقت ہے؟ میں چیخ پڑا۔ ''ہرستوز (شراب خانے کا مالک)۔ مجھے شراب کی جگہ کیا چیز دے دی ہے؟''

کیا میں دیوانہ ہوں۔ میں شاید نشے میں بہک گیا ہوں۔

میں ایک ایسی حقیقت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا جو حقیقتاً ظہور پذیر ہوگئی تھی لیکن اس حقیقت کو ماننے کے لیے میرا دل تیار نہیں تھا۔

اچانک میرے پیچھے سے آواز آئی۔ ''چپ ہو جاؤ احمق۔''

میں نے جب گھوم کر دیکھا تو کوئی مجھے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف شراب خانے کا مالک ہرستوز بھی احمقانہ انداز میں منہ کھولے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی یہاں تک کہ شراب خانے کے کتے بھی ڈر گئے تھے۔ شراب تقسیم کرنے والے بھی ڈر کر کھڑے ہوگئے اور شراب تقسیم کرنے والے پیالے ایک طرف رکھ دیئے۔ ایرانی مغنیہ نے بھی اپنا گانا بند کر دیا۔ آنے والے کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس ماحول کو ہرستوز کی آواز نے توڑا۔ ''میرے شراب خانے میں آپ کو خوش آمدید مولانا رومی۔'' اس کی آواز شائستہ اور نرم تھی۔ ''آپ ایک گھنٹے سے یہاں کھڑے ہیں۔ میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں؟''

میں نے احمقوں کی طرح بار بار آنکھیں جھپکائیں اور پھر مجھے اپنے سامنے رومی کے ہونے کا یقین آ گیا۔

رومی نے ہرستوز کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ ''مجھے تھوڑی شراب دے دو۔'' ہرستوز کے لیے یہ ایک دھچکا

Marfat.com

تھا اور وہ ان الفاظ کو سُن کر ایک لمحے کے لیے ساکت سا ہو گیا۔ پھر وہ اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے بولا۔

''آئیں مولانا۔اس کرسی پر بیٹھ جائیں۔''

رومی میرے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

''السلام علیکم۔'' رومی نے بیٹھتے ہی مجھے سلام کیا۔ میں نے خوش دلی سے سلام کا جواب دیا اور ان کی خیریت دریافت کی۔ میں ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا لیکن رومی نے میری گفتگو پر کوئی خاص دھیان نہ دیا۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور وہ کہیں اور کھوئے ہوئے تھے۔ بالآخر میں نے ان کی طرف جھکتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ ''مولانا یہ مناسب تو نہیں لیکن مجھے انتہائی اشتیاق پیدا ہوا ہے آپ جیسا آدمی شراب خانے میں کیوں آیا ہے؟''

''میرا امتحان لیا جا رہا ہے۔ یہ ایک صوفیانہ سرگرمی ہے۔ شمسؒ نے مجھے اس کے لیے بھیجا ہے تاکہ میں بدنامی کا ذائقہ چکھ سکوں۔'' بات کرتے ہوئے وہ کھوئی کھوئی آواز میں بول رہے تھے۔

''کیا یہ کوئی اعلیٰ بات ہے؟'' میں رہ نہیں سکا اور پوچھ بیٹھا۔

رومی نے قہقہہ لگایا۔ ''یہ تو تم ہی جانتے ہو کہ تم میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہو۔ اکثر اوقات نفس پر قابو پانے کے لیے دنیا کو متوجہ کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اکثر اوقات ہم کسی ایک چیز پر بالکل فدا ہو جاتے ہیں۔ اپنے مقام، اہل وعیال، مسجد اور مدرسہ، یہ چیزیں اکثر خدا کی راہ میں چلنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں ان سے تعلق ختم کر کے نفس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔''

مجھے سمجھ نہ آئی کہ یہ کوئی قابلِ تقلید بات ہے لیکن بعض اوقات بات سمجھ نہیں آتی لیکن دل اس کو قبول کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صوفی لوگ تھوڑے سے غائب دماغ بھی ہوتے ہیں۔ پس ان میں کئی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔

ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ رومی تھوڑا سا آگے جھکے اور دھیمی سی آواز میں مجھ سے پوچھا۔ ''تمہارے چہرے پر یہ نشان کس چیز کا ہے؟''

میں نے جواب دیا۔ ''اس میں کوئی خاص بات نہیں۔ ایک رات میں شراب کے نشے میں دُھت گھر جا رہا تھا کہ سپاہی نے مجھے پکڑ کر میری دھلائی کی ایسی جیسے دھوبی کپڑے دھوتا ہے۔''

''اس نے تمہیں اس قدر کیوں مارا؟'' رومی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

میں نے شراب کی اس بوتل پر جو ہرسٹوز نے رومی کے لیے میز پر رکھی تھی، دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے شراب پی رکھی تھی۔''

رومی نے حیرت میں سر ہلایا لیکن ان کی آنکھوں سے حیرت جھلک رہی تھی۔ یوں لگتا تھا میری بات پر انہیں یقین نہیں۔ پھر انہوں نے مسکرا کر گفتگو کا رُخ پھیر دیا۔ ہم نے روٹی، مکھن، پنیر سے لے کر اعتقاد اور

Marfat.com

دوستی دشمنی تک ہر موضوع پر گفتگو کی۔

یہ ایک دلچسپ گفتگو تھی۔ غروبِ آفتاب کا وقت ہو گیا تھا۔ رومی جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ہر کوئی انہیں خدا حافظ کہنے کے لیے احتراماً کھڑا ہو گیا۔

جب وہ جانے لگے تو میں نے اچانک ایک سوال ان سے پوچھ لیا۔ ''جانے سے پہلے مجھے بتائیں شراب پینے پر پابندی کیوں ہے؟''

رومی کی ناراضی سے خوفزدہ ہو کر ہرسٹوز نے میری طرف دیکھا اور پھر تند لہجے میں بولا۔ ''سلمان خاموش ہو جاؤ اور ایسا سوال نہ کرو جس سے ہمارے معزز مہمان ہم سے ناراض ہو جائیں۔''

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم دونوں شریف آدمی ہیں اور لڑائی جھگڑا کرنا پسند نہیں کرتے۔ آپ بتائیں شراب میں کیا خرابی ہے جس کی وجہ سے اس کے پینے کی ممانعت ہے؟''

ہر شخص جو شراب خانے میں موجود تھا ہماری طرف متوجہ تھا۔ کونے والی کھڑکی سے خوشگوار خشک ہوا اندر آ رہی تھی۔ میں جواب کا منتظر تھا۔

رومی میری طرف بڑھے اور بڑے ہمدردانہ، دوستانہ اور سنجیدہ انداز میں بولے۔ ''نشے میں شرابی اپنی شفقت اور بُردباری کھو دیتا ہے اور اپنا غصہ اور گھمنڈ دکھاتا ہے، اس لیے شراب پینے سے منع کیا گیا ہے۔'' پھر انہوں نے باآوازِ بلند کہا۔ ''شراب پینے پر قانونی طور پر پابندی نہیں۔ یہ اس لیے ممنوع ہے کہ انسان کے اندر کی برائی کو باہر نکالتی ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ یہ انسانی صحت کے لیے شدید نقصان دہ ہے۔ خصوصاً شام کے بعد شراب خانے کا رُخ نہیں کرنا چاہیے۔''

ان باتوں پر چند لوگوں نے فکرمندی کا اظہار کیا اور چند نے ناراضی کا، جن میں، میں بھی شامل تھا۔ میں نے رومی کو احتراماً کہا۔ ''آپ نے ہمیں بہت اچھی باتیں بتائیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں اور لوگ کیا کہتے ہیں جو وہ کہتے ہیں ان کو کہنے دو۔ ایک مصلح کی حیثیت سے آپ یہاں آئے ہم آپ کے مشکور ہیں کہ آپ نے ہمارے ساتھ وقت گزارا۔''

رومی نے وہ بوتلیں اُٹھائیں اور میری طرف دیکھتے ہوئے شراب خانے سے باہر نکل گئے۔ رومی نے بھری ہوئی بوتلیں گھر جا کر شمس اور اپنے درمیان رکھیں۔ ابھی ابھی ان کا بیٹا علاؤالدین اس سے سخت تو تکرار کر کے گیا تھا۔ اس نے شمس کے اوپر لعنت بھیجی جس پر رومی نے اُسے مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا لیکن پھر نہ جانے کیوں ان کا ہاتھ گر گیا اور اُنہوں نے بڑے درشت لہجے میں اُس کو اپنے گھر سے نکلنے کا حکم دے دیا۔

علاؤالدین رومی کے ہاتھوں میں شراب کی بوتلیں دیکھ کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے یقین کر لیا یہ سب کچھ شمسؒ کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ ان تمام باتوں کا ذمہ دار شمسؒ کو سمجھتا تھا جس کی وجہ سے ایک اعلیٰ درجے کا

Marfat.com

عالم دین، مبلغ، استاد بدنام ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اے ترکھان! شیخ یاسین! کیا تم نے بدنامی اور رسوائی کی وہ کہانی سنی؟'' میرے ایک دوست کا باپ احمد اللہ، سڑک پر کھڑا ہو کر چلا رہا تھا۔'' رومی کو کل یہودیوں کے ایک شراب خانے میں دیکھا گیا ہے۔''

''ہاں، میں نے بھی اس بارے میں سنا ہے۔'' میں نے کہا۔'' لیکن یہ کوئی حیرت انگیز خبر تو نہیں۔ اس آدمی کی بیوی عیسائی ہے اور اس کا بہترین دوست ایک زندیق۔ ایسے لوگوں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے؟''

عبداللہ نے ندامت سے سر جھکا لیا۔'' شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ ہم لوگ آنے والے وقت کو دیکھ رہے ہیں۔''

راہ چلتے لوگ رک گئے اور ہماری باتیں سننے لگے۔ بعض لوگوں نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ رومی کو آئندہ بڑی مسجد میں خطبہ دینے سے منع کر دیا جائے۔ اگر وہ اپنی حرکت پر شرمندہ ہو اور عوام سے معافی مانگے تو غور کیا جا سکتا ہے۔ میں نے بھی اس تجویز پر ہاں کر دی۔ چونکہ مجھے مدرسے جانے میں دیر ہو رہی تھی، اس لیے میں ان لوگوں کو چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

میں شروع میں ہی سمجھ گیا تھا کہ رومی کی زندگی کے دو رخ ہیں۔ وہ بظاہر کچھ ہے اور اندر سے کچھ اور۔ مگر یہ میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ وہ یوں کھلے عام شراب کی بوتلیں لے کر آ جائے گا۔ یہ بڑے ہی شرم کی بات تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ رومی کو لوگوں کی نگاہوں سے گرانے میں شمسؒ کا ہاتھ ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو رومی راہِ راست پر رہتا۔ لیکن میرے خیال میں یہ نکتہ نظر کا اختلاف تھا۔ یہ بات درست ہے کہ شمسؒ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے، مگر اس بات سے رومی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو شمسؒ کسی دوسرے دانشور پر اثر انداز کیوں نہ ہوا۔ جیسے کہ میں؟

شمسؒ کا ایک تجزیہ بھی لوگوں نے بڑے غور سے سنا اور یاد رکھا۔'' ایک دانشور اپنی موجودی قلم کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ ایک صوفی قدموں کے ان نشانات سے جو اس نے چھوڑے ہیں۔'' اب ان الفاظ کے معانی کیا ہیں؟ یقیناً شمسؒ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دانشور لوگ ہاتھی کے دانت کی طرح ہوتے ہیں جو باہر سے کچھ اور ہوتے ہیں لیکن ان کا اصل حسن یا دولت ان کے اندر چھپی ہوتی ہے، جب کہ صوفی عملی طور پر سب کے سامنے ہوتے ہیں۔ رومی بھی ایک دانشور ہے، کیا ایسا نہیں ہے؟ یا پھر وہ اپنے آپ کو ہم لوگوں میں شامل نہیں کرنا چاہتا۔

اگر شمسؒ میرے کمرۂ جماعت میں داخل ہوتا تو میں اسے ایک عام مکھی کی طرح باہر نکال دیتا۔

Marfat.com

اسے بالکل اجازت نہ دیتا کہ میری موجودگی میں الٹی سیدھی باتیں کرے۔ آخر رومی بھی ایسا کیوں نہیں کرتا؟ یقیناً کوئی نہ کوئی خاص وجہ ہوگی۔ اس آدمی کی عیسائی بیوی ہے جو اسے اپنے خیالات کے مطابق ہدایات دیتی ہوگی۔ بے شک وہ ایمان لے آئی ہوگی، مگر وہ خون جو اس کی رگوں میں ہمیشہ سے گردش کر رہا ہے، اس کی پکار کو کہاں لے جائے گی۔ بدقسمتی سے ہم لوگ عیسائیوں کی تبلیغ کو اپنے لیے کوئی خطرہ نہیں محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق دونوں قومیں ساتھ ساتھ چل سکتی ہیں۔ ایسے لوگ نادان ہیں۔ میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں۔ ''کیا تیل اور پانی آپس میں مدغم ہو سکتے ہیں؟ اسلام اور عیسائیت میں بھی اتنی ہی دوری ہے۔''

عیسائی عورت کو بحیثیت بیوی قبول کرنا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے لیے تمہارے دل میں نرم گوشہ موجود ہے۔ رومی شروع سے ہی میری نظروں میں کھٹک رہا تھا، لیکن جب سے شمس تبریزی نے اس کے گھر میں رہنا شروع کر دیا ہے، وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے۔ جیسا کہ میں اکثر اپنے شاگردوں کو سمجھاتا رہتا ہوں کہ شیطان سے بچ کر رہو، اور شمس اس کا انسانی مجسمہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے رومی کو شراب لانے کے لیے بھیجا ہوگا۔ نہ معلوم اس نے کس طرح رومی کو قائل کیا ہوگا۔ یہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے اور شیطان یہی راہ ہمیں دکھانا چاہتا ہے۔

میں تو آغاز سے ہی شمسؒ کا شیطانی روپ دیکھ رہا تھا۔ کس طرح اس نے حضرت بایزید بسطامیؒ کو حضور ﷺ سے ملانے کی کوشش کی تھی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ بہر حال یہ ایک اچھی خبر تھی کہ لوگ جاگ رہے ہیں اور سچ کی پہچان انہیں ہوتی جا رہی ہے۔

میں معمول سے قبل ہی مدرسہ پہنچ گیا۔ میرے ذہن میں یہی خیالات گردش کر رہے تھے جن کی وجہ سے میں سخت پریشانی کا شکار تھا۔ جیسے ہی میں نے اپنے کلاس روم کا دروازہ کھولا، مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ میرے شاگرد ایک قطار میں اس طرح خاموش بیٹھے تھے جیسے وہاں کوئی بھوت آ گیا ہو۔ ایک ہی نظر میں، میں نے صورتِ حال بھانپ لی۔ کھلی ہوئی کھڑکی میں اپنی پشت اندر دیوار کی طرف ٹکائے ہوئے شمس تبریز بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے صاف و شفاف چہرے پر ایک متکبرانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''السلام وعلیکم، شیخ یاسین!'' اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے جواب دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کی اور اپنے شاگردوں سے پوچھا۔ ''یہ آدمی یہاں کیا کر رہا ہے اور تم لوگوں نے اسے اندر کیوں آنے دیا؟''

وہ میری جانب ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگے۔ پریشانی کے عالم میں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دیں۔ شمسؒ نے خود ہی اس خاموشی کو توڑا۔ بڑے گستاخ اور متکبرانہ انداز میں اس نے کہا۔

''ان بچوں پر خواہ مخواہ غصہ مت کرو شیخ یاسین! یہ میرا اپنا کارنامہ ہے۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ خود

Marfat.com

اس آدمی سے مل کر بات کرلوں جو مجھ سے شدید نفرت کرتا ہے۔"

☆☆☆

مولانا کی غزلوں کی نسبت یہ مسلّم ہے کہ بیشتر غزلیں واقعات پر مبنی ہیں اور ان غزلوں سے مولانا کے حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ دیوان میں چار غزلیں ہیں، جن کا ردیف "مکینی مکن" ہے۔ ان غزلوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت شمس کے اس ارادے کا کچھ اشارہ مولانا کو بھی مل گیا تھا اور مولانا نے اول کنایۃً اور بعدازاں صراحۃً حضرت شمس کو اس ارادے کے بدلنے کی جانب مائل کرنا چاہا۔

پہلی غزل چودہ شعروں کی ہے۔ اس میں باتوں ہی باتوں میں حضرت شمس کی ناگواری کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے کہ چہرے سے آثارِ ملال کا اظہار ہوتا ہے۔ ہم لوگوں سے کنارہ کش ہوا چاہتے ہیں، اپنے نفع کی فکر ہے، میرے نقصان کی کچھ پرواہ نہیں، میری خوشی ناخوشی سے غرض نہ ہو نہ سہی مگر معلوم نہیں اب کس کی رضا جوئی کا خیال ہے۔ ایسا نہ کیجیے اور آفتاب کو زیرِ ابر پوشیدہ نہ فرمایئے۔

اے آنکہ از میانہ کراں مکینی مکن — برما زخشم روئے گراں مکینی مکن
در بند سود خویش و ندر زیاں ما — کس زیں نکرد سود، زیاں مکینی مکن
راضی شدی کہ بیش نجوئی زیاں ما — ایں از پے رضائے کیاں مکینی مکن
مخدوم شمس دیں شہ تبریز نازنیں — چوں شمس زیر ابر نہاں مکینی مکن

اس کے بعد دوسری غزل صرف چھ شعروں کی ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ غزل حضرت شمسؒ کی ہے اور مولانا کی مذکورہ بالا غزل کے جواب میں ہے۔ اس میں بعض تلمیحات ایسے صاف وصریح ہیں، گویا واقعات آئندہ کی پیشین گوئی کردی ہو کہ لوگوں کے حرکات پر نظر کیجیے۔ میری جان کو بلا میں نہ پھنسایئے۔ میں ہر طرح آپ کا نیازمند ہوں مگر آپ مجھے شیروں کے جنگل میں چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کے ارادت مند گبر و مومن سب ہی ہیں۔ مجھ مردے پر عزا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو چاہیے کہ مردوں کو زندہ کیجیے۔ اپنے فرزند کو ہلاکی میں نہ ڈالیے۔

اعمال خلق مرا چوبہا مکینی مکن — جاں را چہ در بلا و فنا مکینی مکن
در بیشہ، نیاز، ہز. برانِ خشمگیں — اندر پیم شہا چہ رہا مکینی مکن
گر گبر و مومن است چو گشتہ ہوائے تو — بر شخص مردۂ چہ غزا مکینی مکن
رو پاک شو چو عیسیٰ ودہ مردہ زندہ کن — فرزند را بمرگ فنا مکینی مکن
شمس الحق اے نظامِ زمین و فلک زتو — با یار مختلف چہ دغا مکینی مکن

اس کے بعد تیسری غزل سترہ شعروں کی ہے۔ اس میں مولانا نے بہت صاف وصریح فرمادیا ہے کہ سنتے ہیں کہ سفر کا ارادہ ہو رہا ہے۔ کسی اور یار رو حریف کی محبت دل میں جاگزیں ہوگئی ہے۔ مجھ سے جو عہد و

Marfat.com

پیمان ہوئے تھے، وہ کیا ہوئے اور اب جو نئے قول و قرار ہو رہے ہیں، ان پر کیا اعتماد۔

بشنیده ام عزم سفر مکینی مکن | مہر حریف و یار دگر مکینی مکن
تو در جہاں غریبی چہ مکینی | قصد کدام خستہ جگر مکینی مکن
کو عہد و کو وثیقہ کہ بندہ کردہ ای | از عہد و قول خویش عبر مکینی مکن
چہ وعدہ میدہی و چہ سوگند میخوری | سوگند و عشوہ را تو سپر مکینی مکن

ان غزلوں کے بعد چوتھی غزل سات شعروں کی ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت شمس کا ارادہ سفر کچھ پختہ ہو چکا ہے اور مولانا نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اب ایسا ہو کر رہے گا، چنانچہ اس غزل میں ''بشنیدہ ام'' کی بجائے ''بینمت'' ہے:

می بینمت کہ عزم جفا مکینی مکن | عزم عتاب فرقت ما مکینی مکن
در مرغزار غیرت چوں شیر خشمگیں | ورخونم اے دو دیدہ چرا مکینی مکن
بخت مرا چو کلک نگوں مکینی مکن | پشت مرا چو دال دوتا مکینی مکن
اے تو تمام لطف خدا و عطائے تو | خود را نکال و قہر خدا مکینی مکن
پیوند کردہ ای کرم و لطف با دلم | پیوند کردہ را چہ جدا مکینی مکن
آں بندہ ای کہ بدر شد از پرتو رخت | چوں ماہ نوز غصہ دوتا مکینی مکن

بہر نوع ان غزلوں سے جو ترتیب نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ بعینہٖ صحیح ہوں یا نہ ہوں مگر اتنا ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت شمسؒ کی آزردگی اور ترکِ قونیہ کے ارادے سے مولانا لاعلم نہیں تھے اور جب غزلوں میں اس طرح پر اپنے خیال کا اظہار فرمایا ہے تو عملاً بھی ہر طرح پر حضرت شمسؒ کی آزردگی کو رفع کرنے اور عزمِ سفر سے باز رکھنے کی فکر ہوگی۔

''مناقب العارفین'' میں حضرت شمسؒ الدین کی ناخوشی کی ایک اور وجہ یہ بھی درج ہے کہ ایک روز کیمیا خاتون مکان سے باہر چلی گئی تھیں۔ حضرت شمسؒ الدین جب مکان میں آئے اور انہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سلطان ولد کی دادی اور چند دوسری عورتوں کے ساتھ باہر سیر کو گئی ہیں۔ آپ نہایت آزردہ خاطر ہوئے۔ کیمیا خاتون جب مکان میں آئیں تو درد سے بیتاب ہو کر گر پڑیں اور تین دن بعد انتقال کر گئیں۔ اس کے سات روز بعد حضرت شمس الدین دمشق کو روانہ ہو گئے اور یہ واقعہ ۱۰ شعبان ۶۴۴ھ میں پیش آیا لیکن حضرت شمس الدین کی غیبت ثانی ۶۴۵ھ میں وقوع میں آئی اور فی نفسہٖ بھی یہ رنجش ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ آپ اس کی وجہ سے مولانا سے جدا ہو جاتے۔ ممکن ہے کہ کیمیا خاتون کے انتقال کے بعد چند روز کے لیے کسی طرف چلے گئے ہوں۔

بہر حال لوگوں میں حضرت شمس الدین کے خلاف خیالات پھر جوش زن ہو گئے اور آپ خود بھی

Marfat.com

آزردہ خاطر ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ دفعتہً غائب ہوگئے۔

ناگہاں گم شد از میان ہمہ
تا روند از دل اندہان ہمہ

مولانا جب صبح کو مدرسہ میں تشریف لائے اور شمس کو گھر میں نہ دیکھا تو چیخ اٹھے اور سلطان ولد کے خلوت خانے پر جا کر آواز دی کہ ''بہاء الدین چہ خفتہ، برخیز وطلب شیخت کن کہ باز مشامِ جانرا از فوائح لطف او خالی می یابیم۔''

دو تین روز ہر طرف جستجو کرتے رہے مگر کہیں حضرت شمس کا پتہ نہ چلا۔ اس مرتبہ شمس کی غیبت سے مولانا کا حال پہلے سے بھی زیادہ متغیر ہوگیا۔

شیخ گشت از فراق او مجنوں
بے سر و پا ز عشق چوں ذوالنونؒ

جو لوگ حضرت شمس کی آزردگی کا باعث ہوئے تھے، مولانا نے ان سب کو قطعاً اپنی صحبت سے خارج کر دیا لیکن سابق کے برخلاف اس مرتبہ آپ نے غزل گوئی اور سماع میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کیا۔

شمس کے ہجر میں مولانا پر جو کچھ حالت گزری، اس کا ذکر بعد کو ہوگا۔ اولاً ان روایات کی تنقید ہونی چاہیے جو حضرت شمس کی غیبت کے متعلق عام طور پر رائج ہوگئی ہیں۔

حضرت سلطان ولد اور سپہ سالار نے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا ہے کہ حضرت شمسؒ دفعتہً غائب ہوگئے اور پھر ہر طرح کی تلاش و جستجو کے باوجود کہیں آپ کا سراغ نہ ملا لیکن عام تذکروں میں:

ایک روایت تو یہ مشہور ہوگئی ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ کو زخمی کر دیا اور آپ اسی وقت نظروں سے غائب ہوگئے۔

دوسری روایت یہ رواج پاگئی کہ لوگوں نے واقعی آپ کو قتل کر ڈالا۔ اس آخری روایت کی بھی دو شاخیں ہیں (الف) ایک مشرقی اور (ب) ایک مغربی۔

مگر جب صحیح واقعات کی روشنی میں ان روایات کی تحقیق کی جاتی ہے تو ان میں سے کوئی روایت بھی کامل المعیار نہیں ثابت ہوتی۔ اب ان روایات پر سلسلہ وار نظر کیجیے اور عقلاً و نقلاً ان کے پایہ ثقاہت کا اندازہ فرمایئے۔

حضرت شمس الدین کے زخمی ہونے اور نظروں سے غائب ہوجانے کی روایت پورے وثوق کے ساتھ ''آتش کدہ'' آذر میں درج ہے اور وقار کی نظم میں بھی جواب تقریباً مثنوی شریف کا جزو بن گئی ہے، یہی روایت دی گئی ہے۔

''خزینۃ الاصفیا'' میں بھی یہی روایت معلوم ہوتی ہے کہ

Marfat.com

''حضرت سلطان ولد سے ''اصح روایت'' یہ ہے کہ حضرت مولانا شمس الدین اوائل حال میں بہت ہی تضرع و ابتہال کے ساتھ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا اپنے مستورانِ جمالِ عزت میں سے کسی ایک کو مجھے دکھا دے۔ الہام ہوا کہ جب اس قدر الحاح و شغف ہے تو شکرانہ کیا دیتے ہو؟ کہا سر۔ عاقبت الحال جب وہ وصال میسر آیا اور اس صحبت سے محظوظ ہوئے تو ایک رات مولانا کے پاس تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ باہر سے کسی نے برآمد ہونے کا کہا۔ فوراً اٹھے اور مولانا سے فرمایا کہ مجھے قتل کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ بہت توقف کے بعد مولانا نے فرمایا ''الا لہ الخلق والامر مصلحت است۔''

کہتے ہیں کہ سات نااہل اس کام پر متحد ہوئے تھے اور تاک میں لگے ہوئے تھے۔ موقع پا کر چھری چلائی، حضرت شمس الدین نے اس زور کا نعرہ مارا کہ سب بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو چند قطرہ خون کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ اس کے بعد سے پھر آپ کا کچھ پتہ نہ چلا۔

خود ہماں بد دیگر او را کس ندید — چوں پری از آدمی شد ناپدید
چوں ز چشمِ خویش و خلقاں دور شد — ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد

جب اس واقعہ کی خبر مولانا کو ملی تو فرمایا کہ **یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید**

جز کہ تسلیم و رضا کو چارۂ
در کفِ شیرِ نرِ خونخوارۂ

میں اس معاملہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ انہوں نے وہاں قول و قرار کیا تھا اور سر کو شکرانہ میں پیش کیا تھا۔ لاجرم تقدیرِ الٰہی نے ایک صورت پیدا کر دی اور حکمت جف القلم ظہور میں آئی، **كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا:**

از عہدۂ عہد اگر بروں آمد مرد
او ہر چہ گماں بری فزوں آمد مرد

ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ اس روایت کو اس وجہ سے نقل کر دیا ہے کہ اس سے جو نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ خود سامنے آ جائے۔

اس روایت سے یہ تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا ہے کہ لوگوں نے حضرت شمس الدین کو واقعی قتل کر ڈالا تھا۔ صرف اتنا محقق ہوتا ہے کہ آپ کسی قدر زخمی ہو گئے تھے اور اس کے بعد غائب ہو گئے مگر واقعات و قرائن سب اس کے خلاف ہیں۔

سلطان ولد اور سپہ سالار جن کی آنکھوں کے سامنے کا یہ واقعہ ہے، وہ زخمی (اور قتل) ہونے کے نسبت بالکل ساکت ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے اظہار میں کوئی وجہ مانع نہ تھی۔ افلاکی کے بیانات سماعی ہیں

Marfat.com

جو اصل واقعہ سے کچھ کم ایک صدی کے بعد لکھے گئے ہیں اور مذکورہ بالا دونوں بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ چشم دید ہے۔ وہ خود ان معاملات و واقعات میں شریک تھے۔

سلطان ولد نے پوری صراحت سے یہ لکھا ہے کہ حضرت شمس الدینؒ نے بار بار مجھ سے یہ کہا کہ ان نا اہلوں کی حرکت کی وجہ سے میں چلا جاؤں گا اور آخر ایک روز دفعتہً غائب ہوگئے۔ سپہ سالار نے اس واقعہ غیبت کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے کہ

''ہم دراں مدت ناگاہ غیبت فرمود، حضرت خداوندگار علی الصباح چوں از مدرسہ آمد خانہ را از ایشاں خالی یافت چو ابر بخر شید و در خلوتخانہ سلطان ولد آمدہ بانگ زد کہ بہاء الدین چہ خفتہ، برخیز و طلب شیخت کن کہ باز مشام جانرا از فوائح لطف او خالی می یابیم۔''

اگر حضرت شمس لوگوں کے بلانے پر مولانا کے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے، لوگ آپ کو زخمی کر دیتے اور آپ اسی وقت نعرہ مار کر غائب ہو جاتے تو صبح کو مدرسہ پہنچنے تک مولانا کے اس واقعہ سے ناواقف ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ ماسوا ازیں روایت پر کتنا ہی اعتماد بلکہ اعتقاد کیوں نہ رکھا جائے مگر روایت کا پہلو اس موقع پر اس قدر قوی ہے کہ اسے نظر انداز کر دینا ناممکن ہے۔ حضرت شمسؒ نے قول و قرار جو کچھ بھی کیا ہو، عقل اسے کسی طرح باور نہیں کرتی کہ حضرت شمسؒ مولانا کے پاس بیٹھے ہوں، لوگ قتل کرنے کے ارادے سے حضرت شمسؒ کو باہر بلائیں اور مولانا چپکے سے فرما دیں کہ ہاں جایئے قتل ہو جایئے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح مولانا سے شمس کی ملاقات کے واقعہ میں مختلف روایتیں مخلوط ہو گئی ہیں، اسی طرح شمس کی گم گشتگی کے معاملہ میں بھی مختلف روایتیں ایک دوسرے میں مل گئی ہیں۔ شمس کے خلاف لوگوں میں شورش برپا تھی۔ ممکن ہے کہ زبانی طعن و تشنیع اور سخت کلامیوں کے علاوہ کسی وقت کوئی جسمانی آزار دہی بھی وقوع میں آ گئی ہو اور زمانہ مابعد میں یہی امر آپ کی غیبت کا سبب بلا واسطہ مشہور ہو گیا ہو۔

روایت مذکورۂ بالا میں مولانا کے جو اقوال منقول ہیں، وہ غالباً اس وقت کے ہوں گے جب مولانا حضرت شمس کے ملنے سے بالکلیہ مایوس ہو چکے تھے اور شاید آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ حضرت شمس کہیں قتل ہو گئے ہیں۔

بہر نوع حضرت شمس کے زخمی ہو کر دفعتہً ہمیشہ کے لیے غائب ہو جانے کی روایت دوسری قوی تر روایتوں کے مقابلہ میں پایہ استناد سے گری ہوئی ہے۔

اب ان روایتوں کو دیکھنا چاہیے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمسؒ کسی نہ کسی وقت قتل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں مشرقی روایتیں جس قدر ہیں، وہ سب ظنی حیثیت کی ہیں، قطعی نوعیت کسی میں نہیں ہے۔ ان روایتوں کا ماخذ بھی افلاکی ہی ہیں، چنانچہ ایک موقع پر لکھا ہے کہ ''بعض اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ مولانا شمس الدین اس جماعت سے زخم کھا کر غائب ہو گئے اور بعضوں نے یہ روایت کی ہے کہ مولانائے بزرگ کے

Marfat.com

پہلو میں آپ ہی مدفون ہیں (یعنی اسی موقع پر قتل ہو گئے۔)

اس کے بعد ہی دوسری روایت یہ ہے کہ امیر عارف کا بیان ہے کہ ان کی والدہ فاطمہ خاتون نے ان سے یہ کہا کہ شمس الدین کی شہادت کے بعد ان کے قاتلوں نے ان کی لاش کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔ سلطان ولد نے خواب میں دیکھا کہ مولانا شمسؒ الدین فرماتے ہیں کہ میں فلاں کنویں میں پڑا ہوا ہوں۔ سلطان ولد نے آدھی رات کو اپنے یارانِ محرم کے ساتھ جا کر آپ کے جسم مبارک کو کنویں سے نکالا اور مولانا کے مدرسہ میں امیر بدرالدین بانی مدرسہ کے پہلو میں دفن کیا۔ یہ ایک راز ہے جس سے ہر شخص واقف نہیں ہے۔

دونوں روایتوں میں آپ کے مدفن کے متعلق سخت اختلاف ہے اور دوسری روایت میں کوئی خفیف سا اشارہ بھی اس جانب نہیں ہے کہ یہ قتل کا واقعہ کب پیش آیا۔ پس اس بناء پر واقعاتی حیثیت سے قطعاً یہ قرار دینا کہ اسی زمانہ میں مفسدین نے حضرت شمس کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا تھا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ اگر بالفرض کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے تو یہ کسی زمانہ مابعد کا واقعہ ہے جس کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا۔

دولت شاہ نے اپنے ''تذکرۃ الشعراء'' میں لکھا ہے کہ ''قبر شاہ شمس الدین تبریزی درقونیہ است و وفات شاہ شمس الدین بعد از رحلت مولانا بودہ۔'' اگر تمام اسانید قطعی کے خلاف اسے صحیح مان لیا جائے تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ شاید مولانا کے بعد حضرت شمس الدین کو بعض لوگوں نے قتل کر ڈالا ہو اور سلطان ولد نے آپ کی لاش کو مدرسہ میں دفن کیا ہو، مگر یہ محض ظن ہے۔ حضرت شمس کے سال وفات کی ایک روایت ۶۶۰ھ کی بھی ہے۔ اگرچہ یہ بھی صریحاً غلط ہے مگر بر بنائے استدلال یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید ۶۶۰ھ میں یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

لیکن ان بعید از قیاس تاویلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خود افلاکی نے حضرت شمسؒ کے زخمی ہونے کی روایت کے عین بعد ہی جو کچھ لکھا ہے، اس سے صریحاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ افلاکی بھی اس موقع پر حضرت شمس کے قتل ہو جانے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ''کان تاریخ المغیبۃ والاستتار فی سنۃ خمسین اربعین و ستمایتہ'' (یعنی حضرت شمسؒ ۶۴۵ھ میں غائب و پوشیدہ ہو گئے)۔

جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، حضرت شمسؒ کے غائب ہو جانے کے بعد مولانا نے کئی برس آپ کی جستجو کی۔ اس سے یہ مسلّم ہے کہ وقتِ خود مولانا اور آپ کے اصحاب خاص کو حضرت شمسؒ کے قتل ہو جانے کا کوئی تیقن نہیں تھا بلکہ اس کے خلاف یہ یقین تھا کہ آپ کسی طرف کو چلے گئے ہیں، لیکن ساتھ ہی افلاکی کی ایک اور روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال یہ ضرور تھا کہ حضرت شمس قتل ہو گئے ہیں اور مولانا اس کے برعکس خیال رکھتے تھے۔ وہ روایت یہ ہے کہ:

جب حضرت شمسؒ نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تو مولانا کو کسی طرح قرار نہیں آتا تھا۔ آپ مدرسہ کے

Marfat.com

صحن میں پھرا کرتے اور یہ رباعیاں پڑھا کرتے تھے۔

از عشق تو ہر طرف شب خیزے
شب گشتہ ز زلفیں تو عنبر بیزے
نقاشِ ازل نقش کند ہر طرفے
از بہر قرار دلِ من تبریزے

....

کہ گفت کہ آں زندۂ جاوید بمرد
کہ گفت کہ آفتاب امید بمرد
آں دشمن خورشید برآمد بر بام
دو چشم بہ بست و گفت خورشید بمرد

اس کے بعد ایک مجمع اکابر میں یہ فرمایا کہ:

گفت کہ روح عشق انگیز بمرد
جبرئیل امیں ز خنجر تیز بمرد
آنکس کہ چوں ابلیس بمرد
او پندارد کہ شمس تبریز بمرد

ان رباعیات سے دو باتیں صریحاً مستنبط ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ عام میں یہ چرچا ضرور تھا کہ حضرت شمس الدین کہیں قتل ہوگئے ہیں اور اس کے نسبت حضرت سلطان ولد نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ مولانا شمس الدین نے اپنے غائب ہوجانے کے قبل یہ فرمادیا تھا کہ میری غیبت کے بعد لوگ یہ کہیں گے کہ انہیں کسی دشمن نے قتل کرڈالا۔

چوں کشانم دراز گویند ایں
کہ ورا دشمنے بکشت یقیں

دوئم یہ کہ مولانا کو اس کا یقین نہیں تھا ''زندہ جاوید'' اور ''روح عشق انگیز'' کے الفاظ سے ذہن اس طرف جاسکتا ہے کہ مولانا کی مراد حیات باقیہ اولیاء اللہ سے رہی ہو مگر تمام شواہد و واقعات کے خلاف اس قدر دقیقہ سنجی کی ضرورت نہیں ہے اور مولانا کو یقین نہ ہونا دلیل اس کی ہے کہ کوئی ثبوت قطعی یا قرینہ قویہ موجود نہیں تھا۔

ان رباعیوں کے متعلق سب سے زیادہ قابل قبول قیاس یہ ہے کہ مولانا نے یہ رباعیاں اس وقت کہیں ہوں گی جب آپ ہر طرف سے حضرت شمسؒ کی تلاش سے عاجز آگئے ہوں اور (جیسا کہ حضرت شمسؒ

Marfat.com

نے خود پیشین گوئی کر دی تھی) لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ کسی نے حضرت شمسؒ کو قتل کر ڈالا ہے اور اس گمان کی وجہ بھی بہت قوی تھی۔ ممالک روم میں مولانا کا اثر بہت کافی وسیع تھا، آپ نے حضرت شمسؒ کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، خود حضرت شمسؒ کو بھی مولانا سے عقیدت وارادت تھی۔ آپ اگر ناخوش ہوئے تھے تو مولانا کے نا اہل مریدوں سے، خود مولانا کو اپنے متعلق اس طرح مطلقاً لاعلم رکھنا آئینِ وداد کے خلاف اور مکارم اخلاق کے منافی تھا۔ پس اس حالت میں لوگوں کا یہ سمجھ لینا کہ حضرت شمسؒ کہیں قتل ہو گئے ہیں۔ کچھ بعید از قیاس نہیں ہے اور مولانا نے ان رباعیوں میں اسی خیال کا بطلان کیا ہے۔

بہر حال مشرقی تذکروں میں حضرت شمس کے قتل ہونے کا بیان ظن وقیاس سے زیادہ کچھ اصلیت نہیں رکھتا لیکن اہل مغرب نے اسے ایک ایسے امر واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے کہ وہ اس میں شک کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑتے۔

چونکہ اہل مغرب میں یہ خیال مسلسلاً ایک دوسرے سے منتقل ہوتا چلا آیا ہے، اس لیے یہاں باعتبار تقدم وتاخر زمان ان کے بیانات کو نقل کر دیا جاتا ہے۔ اس سے آخر درجہ پر پہنچ کر خود یہ روشن ہو جائے گا کہ یہ غلط بر غلط خیال یورپ میں کس طرح شائع ہوا۔

..........(۱)..........

حضرت شمس الدین ۶۴۵ھ/۱۲۴۷ء تک برابر (مولانا) جلال الدین کی صحبت میں رہے۔ اسی سال ایک ہنگامہ میں جس میں مولانا کے بڑے فرزند علاء الدین قتل ہوئے، آپ (شمس الدین) گرفتار اور غالباً قتل ہوئے۔

(فہرست کتب خانہ بانکی پور)

..........(۲)..........

شمس تبریز ۱۲۴۴ء میں قونیہ آئے اور ۱۲۴۶ء میں پُر اسرار طریق پر غائب ہو گئے۔ ایک روایت کے بموجب ایک ہنگامہ میں مارے گئے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۷ ص ۲۷۲۔ ۱۹۱۴ء نوشتہ ڈاکٹر نکلسن)

..........(۳)..........

حضرت شمسؒ الدین کی اشتداد پسند طبیعت کی وجہ سے قونیہ کے لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ایک ہنگامے میں جس میں مولانا کے بڑے فرزند علاء الدین مارے گئے، پولیس نے انہیں (شمس الدین کو) گرفتار کر لیا اور غالباً قتل کر دیا۔ کم از کم یہ کہ پھر ان کا کچھ ذکر سننے میں نہیں آیا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۹۱۱ء)

..........(۴)..........

مولانا کے بڑے بیٹے علاء الدین قونیہ میں ایک شورش میں مارے گئے جس کا انجام شمسؒ تبریز کی

Marfat.com

موت پر ہوا۔

(براؤن، ادبی تاریخ ایران، جلد دوم ۵۱۶/۱۹۰۶ء۔)

شمسؒ تبریز سے دسمبر ۱۲۴۴ء میں قونیہ میں ملاقات ہوئی اور روز افزوں اختلاط کے ساتھ پندرہ مہینے تک قائم رہی اور مارچ ۱۲۴۶ء میں شمس تبریز کی پر اشتداد موت کے باعث دفعتہً ختم ہوگئی۔

(براؤن، ادبی تاریخ ایران، جلد دوم، ص ۵۱۷، ۵۱۸۔ ۱۹۰۶ء)

..........(۵)..........

(دمشق سے) واپس آنے کے بعد (شمسؒ تبریز) جلد پُراسرار طور پر غائب ہوگئے، اکثر اسناد اس پر متفق ہیں کہ قتل کر دیے گئے، صرف قتل کے سبب اور اس کی صورتِ وقوع میں اختلاف ہے۔ یہ واقعہ ۶۲۵ء میں پیش آیا۔

(ڈاکٹر نکلسن، دیوان شمس تبریز، دیباچہ، ۱۸۹۸ء)

..........(۶)..........

معلوم ہوتا ہے کہ شمسؒ الدین تبریزی نہایت ہی متشدد و تحکم پسند شخص تھے۔ یہی باعث ہوا کہ لوگوں کو ان سے سخت عناد پیدا ہوگیا جس کا انجام ایک شورش پر ہوا۔ اسی ہنگامہ میں مولانا کے خلف اکبر علاء الدین مارے گئے یا مہلک طور پر زخمی ہوئے، لہٰذا مقامی پولیس نے مولانا شمسؒ الدین کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد پھر ان کے دوستوں نے انہیں زندہ نہیں دیکھا۔

(رڈ ہاؤس، دیباچہ، ص ۱۰، ۱۸۸۱ء)

مولانا کے فرزند (علاء الدین) اس فساد میں مارے گئے جس میں ان کے والد کے دوست شمس الدینؒ تبریزی قتل ہوئے۔

(رڈ ہاؤس، شجرہ نسب، ص ۱۳۳، ۱۳۴)

اس سلسلہ کی آخری کڑی رڈ ہاؤس کا بیان ہے اور اس کی بناء انہوں نے ''مناقب العارفین'' کی ایک روایت پر رکھی ہے چنانچہ (شمارہ ۱۷ص ۱۰۸ پر) ''مناقب العارفین'' سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کے انگریزی ترجمے کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

> ''قونیہ کے وزیر نے ایک مدرسہ بنایا تھا۔ مدرسہ کے مکمل ہو جانے پر وزیر نے اس مدرسہ میں بہت بڑی ضیافت کی اور مجلس سماع منعقد ہوئی، جس میں تمام علماء شہر جمع تھے۔ اول ختم قرآن ہوا، اس کے بعد سماع کا آغاز ہوا۔ وزیر اور شمس الدین دونوں کو حال آیا اور ان دونوں میں بار بار تصادم ہوتا رہا۔ یہ ہوا کہ وزیر کا دامن شمس کو جا لگا کیونکہ حالت وجد میں انہیں احتیاط نہیں تھی۔

Marfat.com

(مولانا) جلال الدین نے اپنے مہمان اور دوست کے ساتھ اس بے ادبی پر سخت غصہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے شمس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ انہیں علیحدہ لے جائیں۔ اکابر نے اس غصے کو فرو کرنے کی کوشش کی مگر ان کی التجائیں بیکار رہیں۔ پس سلطان کی پولیس بلائی گئی اور پولیس نے آ کر فوراً شمسؒ کو گرفتار کر لیا اور انہیں ہر طرح کی ذلت کے ساتھ لے گئی اور کسی مزید تحقیقات یا ضابطہ کے بغیر انہیں قتل کر ڈالا۔''

''مناقب العارفین'' کی عبارت میں کسی قسم کا ابہام و اغلاق نہیں ہے۔ صاف عبارت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مولانا کے ناخوش ہو کر چلے جانے کے بعد جب سماع ختم ہو گیا۔ شاہی پولیس نے آ کر وزیر نصیر الدین کو گرفتار کر لیا اور لے جا کر قتل کر ڈالا، نہ کہ مولانا شمسؒ الدین کو قتل کر دیا۔

ادنیٰ تامل سے ذہن میں آ سکتا ہے کہ افلاکی کو مولانا اور حضرت شمسؒ الدین کے مناقب کا بیان مدنظر ہے۔ اگر حضرت شمسؒ الدین کے نسبت یہ فعل ظہور میں آیا ہوتا تو یہ ''مناقب'' میں کب شمار ہو سکتا تھا۔ ختم حکایت کے بعد افلاکی نے جو شعر لکھا ہے وہ خود اس کی صریح دلیل ہے کہ افلاکی کا مقصود کیا ہے۔ اگر یہ حضرت شمسؒ الدین کے قتل کا واقعہ ہوتا تو افلاکی اس حکایت کے بعد کوئی مرثیہ یا نوحہ تحریر فرماتے، نہ کہ اور اس طرح کی تعریض عائد کرتے۔

یہ ساری غلطی صرف ایک ''تمامش'' کے ''ش'' کے غلط سمجھنے سے واقع ہوئی۔ ''ش'' کا اشارہ صریحاً وزیر کی طرف ہے۔ اسے غلطی سے شمسؒ الدین کی طرف منعطف کر دیا اور ایک مرتبہ رڈ ہاؤس کے اس طرح غلط ترجمہ کر دینے کے بعد علمائے یورپ میں سے کسی نے اصل کی طرف رجوع نہ کیا۔ اسی پر حاشیہ چڑھاتے اور اس کی تاویلیں کرتے گئے تا آنکہ ان کے وہاں یہ مسلّم ہو گیا کہ حضرت شمسؒ الدین کو پولیس والوں نے قتل کر ڈالا۔

افلاکی نے جو شعر لکھا ہے وہ مثنوی شریف کا ہے اور دفتر سوم کی حکایت ''استدعائے شخصے از موسیٰ آموختن زبان بہائم'' میں ہے، مثنوی شریف کی اس حکایت کو اگر افلاکی کی روایت پر منطبق کیا جائے تو بالکل ٹھیک اترتی ہے۔ چونکہ مولانا نے یہ بار بار فرمایا ہے کہ مثنوی شریف کی حکایتیں میرے اور میرے مریدین ہی کے حالات ہیں، ممکن ہے کہ اس حکایت میں اس واقعہ کا اشارہ مضمر ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

۱۔ یہ امکانات سے ہے کہ کسی ہنگامے میں حضرت شمس کو کوئی آزار جسمانی پہنچ گیا ہو۔

۲۔ مگر یہ کہ زخمی ہو کر آپ اسی وقت ہمیشہ کے لیے نظروں سے پوشیدہ ہو گئے، اس میں جائے کلام ہے۔

۳۔ آپ کے قتل ہو جانے کے متعلق مشرقی روایتیں جتنی ہیں سب محل شک میں ہیں اور ان سے کسی خبر

Marfat.com

قطعی کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

۴۔ مغربی روایتیں ایک غلط ترجمہ کی بناء پر قائم ہوگئیں اور مسلسل چلی آ رہی ہیں، مگر کسی قابل وثوق سند سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کسی وقت میں پولیس نے حضرت شمسؒ کو گرفتار کر لیا ہو اور گرفتار کرنے کے بعد آپ کو قتل کر دیا ہو یا کہیں خفیہ بھیج دیا ہو۔

۵۔ اسی ضمن میں اہل مغرب جو یہ کہتے ہیں کہ اس ہنگامے میں مولانا کے فرزند اکبر علاء الدین مارے گئے، یہ بھی صحیح نہیں۔ علاء الدین نے حضرت شمسؒ الدین کی مخالفت میں حصہ ضرور لیا مگر ان کا انتقال حضرت شمس کے چلے جانے کے بعد ہوا ہے (یہ بھی قطعاً غلط ہے کہ علاء الدین مولانا کے خلف اکبر تھے، مولانا کے خلف اکبر سلطان ولد تھے۔)

اب یہ تسلیم کر کے کہ حضرت شمس ۶۴۵ھ میں دوسری بار قونیہ سے دفعتہً غائب ہو گئے۔ سلسلہ حکایت اس طرح آگے بڑھتا ہے کہ حضرت شمس کے غائب ہو جانے کے بعد مولانا نے دو ایک روز ہر طرف آپ کی تلاش کی مگر جب کسی طرح آپ کا کچھ پتہ نہ چلا تو مولانا کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی۔ طریق سماع تو آپ پہلے ہی اختیار کر چکے تھے، اب یہ حالت ہوئی کہ ایک دم سماع کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔

خود اس حالت کو غزل میں اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:

دلم را نالہ سرنائے باید — کز آں سرنائے بوئے یار آید
بجاں خواہم کہ نالم عاشقانہ — کزاں نالہ جمالِ جاں نماید
ہمی نالم کہ از غم بار دارم! — عجب زیں جانِ نالاں تا چہ زاید
چو نالہ مونس رنجور گردد.....! — گرش گوئی خمش کن میکشاید

قوال ایک ایک کر کے عاجز ہو گئے مگر مولانا کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ مدرسہ میں ٹہلا کرتے تھے اور آشکار او نہاں شور و فریاد کرتے تھے۔ تمام شہر میں غلغلہ پڑ گیا کہ ایسا عالم دین و مفتی اسلام اس طرح سماع و رقص کے پیچھے دیوانہ و سرگرداں ہو رہا ہے۔ ہر طرف ایک شورش برپا ہو گئی۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ مولانا اور اصحاب مولانا نے سب کچھ چھوڑ کر صرف عاشقی اختیار کی ہے، دین و مذہب کوئی چیز نہیں ہے۔ جو کچھ ہیں، شمسؒ ہیں:

عاشقی شد طریق و مذہب شاں — غیر عشقت پیش شاں ہذیاں
کفر و اسلام نیست در رہ شاں — شمس تبریز شد شہنشہ شاں
کار شاں مستیست و بے خویشی — لت عشق ہست بے کیشی

(رباب نامہ)

اسی زمانہ میں مولانا نے حضرت شمسؒ کے فراق میں بہت کثرت سے اور نہایت ہی دلدوز غزلیں

Marfat.com

کہیں۔ اسی محل پر سلطان ولد نے لکھا ہے کہ:

شیخ مفتی ز عشق شاعر شد	گشت خمار اگرچہ زاہد بد
نہ ز خمرے کہ آں بود ز انگور	جان نوری نخورد جز مئے نور

سپہ سالار کے الفاظ یہ ہیں کہ "روز و شب در فراق آنحضرت غزلیات بیان می آوردند۔"

مولانا کے کلام کا سب سے زیادہ شور انگیز و ولولہ خیز حصہ وہی ہے جو اس زمانہ میں کہا گیا ہے لیکن چونکہ تیقن کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہے کہ خاص اس زمانہ کی غزلیں کون کون سی ہیں، اس لیے قطعی طور پر ان کا تعین نہیں ہوسکتا۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ آپ کی درد انگیز فراقیہ غزلیں زیادہ تر اسی زمانہ کی ہیں۔ اسی قسم کی غزلوں سے سارا دیوان بھرا پڑا ہے۔ یہاں صرف ایک غزل کے چند اشعار نمونۃً دیے جاتے ہیں جن سے مولانا کے ہیجان و بے تابی کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے۔

اے یوسفؑ آخر سوائے ایں یعقوبؑ نابینا بیا	اے عیسیٰؑ پنہاں شدہ در طارم بینا بیا
از ہجر روزم قیر شد، دل چوں کماں تن تیر شد	یعقوبؑ مسکین پیر شد، اے یوسفؑ برنا بیا
رخ زعفراں رنگ آمدم، خم دادہ چوں چنگ آمدم	درگور تن تنگ آمدم، اے جانِ ما پنہا بیا
چشم محمدؐ باتمت، در شوق گفتہ واغمت	زاں طرہ آں در ہمت اے سر ارسلنا بیا
اے قاب قوسین مقدمت وائے دولت بامکرمت	کس نیست جاناں محرمت، در قربِ او اولیٰ بیا
اے خسرو مہوش بیا، ای خوشتراں از صد خوش بیا	اے آب وائے آتش بیا اے دُردوائے دریا بیا
مخدوم جانم شمس دیں، از جاہت اے روح الامین	تبریز شد عرش مکیں، از مسجد اقصا بیا

مولانا کے سوز و فراق اور درد ہجراں کا کچھ اندازہ اشعار مرقومہ بالا سے ہوگیا ہوگا۔ اب محبت حقیقی کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔ اس تمام جانگدازی و بے قراری کے باوجود مولانا کے دل سے یہ خیال محو نہ ہوسکا کہ رومیوں کی خانہ جنگی، مصریوں کی ترک تازی اور تاتاریوں کی تاراجی کے باعث سارا ملک تہ و بالا ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں اس عالم آشوب میں خود حضرت شمس پر کیا کیا گزری ہو، بیتاب ہو کر فرماتے ہیں۔

خوشی آخر بگو اے یار چونی	ازیں ایام ناہموار چونی
بروز و شب مرا اندیشہ تست	کزیں روز و شب خونخوار چونی
ازیں آتش کہ در عالم فتادہ ست	ز دود لشکر تاتار چونی
دریں دریا و تاریکی و صد موج	تو اندر کشتی پر بار چونی
منم بیمار و تو ما را طبیبے	بپرس آخر کہ اے بیمار چونی
منت پرسم اگر تومی نپرسی	کہ اے شیریں شیریں کار چونی
وجودی بین کہ بے چون و چگونہ است	دلا دیگر مگو بسیار چونی

Marfat.com

بگو در گوش شمس الدین تبریز   کہ اے خورشید خوب اسرار چونی

لباس کی وہ خاص وضع جو مولانا کی جانب منسوب اور خرقہ مولویہ کا شعار ہے، اس کی ابتدا اسی وقت سے ہوئی۔ افلاکی نے لکھا ہے کہ

''منقول ہے کہ چہلم کے بعد مولانا نے دستار خانی سر پر باندھی اور اس کے بعد پھر کبھی سفید دستار نہیں باندھی اور بردیمنی دہندی سے فرجی بنائی، آخر وقت تک آپ کا لباس یہی رہا۔''

''فرجی'' کی وجہ تسمیہ کے متعلق مولانا نے خود مثنوی شریف میں لکھا ہے کہ:

صوفئے بدرید جبہ در حرج   پیشش آمد بعد بد ریدن فرج
گشت نام آں دریدہ فرجی   آں لقب شد فاش ازاں مرد نجی
ایں لقب شد فاش و صافش شیخ برد   ماند اندر طبع خلقاں صرف درد

ایک وقت آیا کہ اسے بھی زیادہ سمجھے اور ایک روز فقر نبویؐ کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ اب خواہش یہ ہے کہ 'چوقائے سبک پہنوں، فرجی' نہ پہنوں اور حضرت عمرؓ کی طرح پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنوں اور ہر طرح فارغ ہو جاؤں۔'' چلپی حسام الدین نے سر جھکا کر کہا کہ صدارت و امارت اور لباسہائے فاخرہ کو چھوڑ کر اس جامہ ہندو باری اور کلاہ نمدیں پر اکتفا کیا اور خطائی کو چھوڑ کر بردیمنی اختیار کیا، بردیمنی عین موافقت رسول اللہ ﷺ ہے، اب اس کے بعد اور کیا کریں۔ مولانا نے تبسم کر کے فرمایا کہ ''جامہ ہندو باری، دستار خانی کلاہ نمدیں، کفش و موزہ نارنجی کچھ زیادہ نہیں ہے۔''

اس زمانہ میں فرقہ مولویہ میں جو لباس رائج ہے، اس کے نسبت صاحب ''سوانح مولانا روم'' تحریر فرماتے ہیں کہ ''میں نے سفر کے زمانہ میں اس فرقہ کے اکثر جلسے دیکھے ہیں۔ یہ لوگ نمد کی ٹوپی پہنتے ہیں جس میں جوڑ یا درز نہیں ہوتی۔ مشائخ اس ٹوپی پر عمامہ بھی باندھتے ہیں، خرقہ یا کرتے کی بجائے ایک چنٹ دار جامہ ہوتا ہے۔''

شمس الدینؒ کے غائب ہو جانے کے بعد آپ کے اشتیاق میں مولانا کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص جھوٹوں بھی کہہ دیتا کہ میں نے حضرت شمس الدین کو فلاں جگہ دیکھا ہے تو مولانا لباس تک اتار کر اس کی نذر کر دیتے، شکرانہ دیتے اور بہت کچھ اظہارِ تشکر کرتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ میں نے مولانا شمس الدینؒ کو دمشق میں دیکھا ہے۔ مولانا اس درجہ مسرور ہوئے کہ جو کچھ پہنے ہوئے تھے، سب اسے بخش دیا، موزے تک اتار کر دے دیے۔ اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ اس نے دیکھا نہیں ہے، یہ خبر غلط دی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر خبر صحیح ہوتی تو میں لباس کی بجائے جان کیوں نہ دے دیتا اور اس پر فدا کیوں نہ ہو جاتا۔

Marfat.com

اپنی اس حالت کا اظہار خود ایک غزل میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ماند وشد است گوشِ من از پئے انتظار آں | کز طرفے صدائے خوش دردسوے بہ ناگہاں
خوئے شد است گوش را، گوش ترانہ نوش را | گر شنود سماعِ خوش ہم ز زمیں ہم آسماں

اسی اضطراب و بے قراری میں شاید کوئی شعاع امید کسی طرف سے نظر آ گئی تھی اور بقول افلاکی مولانا نے جب سفر شام کا ارادہ کیا ہے تو ایک غزل میں کہا ہے کہ:

رسید مژدہ بشامست شمس تبریزی
چہ صبح ہا کہ نماید اگر بشام بود

مگر خیال یہ ہے کہ یہ غزل شمس کے پہلی مرتبہ غائب ہو جانے کے بعد جب آپ کے دمشق میں ہونے کی خبر ملی ہے، اس وقت کہی ہوگی۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بہ پیش تو چہ زند جان و جاں کدام بود | کہ جاں توئی ودگر جملہ نقش و نام بود
اگرچہ ماہ بدہ دست روئے خود شوید | چہ زہرہ دارد کاں چہرہ را غلام بود
بجان عشق کہ تا ہر دو جاں نیا میزد | برائے پختن ہر عاشقے کہ خام بود
ہزار خانہ بتاراج بردو خوش قفقیت | سلامتی ہمہ تاراج آں سلام بود
رسید مژدہ بہ شامست شمس تبریزی | چہ صبح ہا کہ نماید اگر بشام بود

کچھ تو شمس کے فراق سے بے تاب ہو کر اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ مولانا کی تغیر حالت کی وجہ سے لوگوں میں ایک شور برپا ہو گیا تھا۔ آپ نے سفر شام کا ارادہ کیا لیکن افلاکی نے یہ لکھا ہے کہ ''باز نوبت دوم چوں غیبت فرمود حضرت مولانا بفرزند دلبند خود از غایت عنایت کہ داشت، اشارت فرمود بابست نفر درویش بسفر شام فرستاد بطلب مولانا شمس الدین عظم اللہ ذکرہ۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اپنی روانگی سے قبل مولانا نے سلطان ولد کو چند شخصوں کے ہمراہ حضرت شمس کی تلاش میں شام کی طرف بھیجا تھا مگر خود سلطان ولد نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے اور نہ رسالہ سپہ سالار میں کوئی اشارہ ملتا ہے۔ غالباً سلطان ولد کا بھیجنا اسی طرح کا رہا ہوگا جس طرح مولانا نے ہر طرف جستجو میں آدمی بھیجے تھے۔ شام کی طرف سلطان ولد کو روانہ کیا ہوگا اور سلطان ولد کے واپس آ جانے کے بعد خود شام کے سفر کا ارادہ کیا ہوگا۔ ایک غزل میں اپنے سفر شام کا اشارہ اس طرح فرماتے تھے۔

بجان عشق کہ بر شہر شق دانہ و دام
عزیمت سفر ستم زردم تا سوئے شام
فتاد ولولہ در شہر از ضمیر حسود
کہ بازگشت فلانے ز دوست دشمن کام

Marfat.com

دوسرے شعر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس عزم سفر سے شاید دوسرے سفر شام کی طرف اشارہ ہے یا پہلا سفر ہی ہو جو سلطان ولد کی واپسی کے بعد اختیار کیا گیا۔ شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل شہر میں کسی ناکام واپسی کا چرچا تھا، خواہ سلطان ولد کے واپس آنے کے بعد ایسا ہوا ہو یا خود مولانا کے پہلے سفر سے واپسی کے بعد۔

سلطان ولد نے مولانا کے سفر کا جو حال دیا ہے، وہ یہ ہے کہ ''اسی جوش وخروش'' کے عالم میں مولانا نے سفر کا ارادہ کیا اور شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ چل کھڑے ہوئے۔ اسی طرح دمشق پہنچے اور وہاں بھی لوگوں کے دلوں میں آتش عشق بھڑکا دی۔ تمام لوگ حیران تھے کہ ایسا عالم و فاضل شخص کیوں اس طرح دیوانہ ہو رہا ہے۔ شمس تبریزؒ کیا چیز ہیں جو ایسا فرد فریدان کے پیچھے یوں مارا پھر رہا ہے۔ یہ راز کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

جب دمشق میں شمسؒ کا کچھ پتہ نہ چلا، اس وقت مولانا نے فرمایا کہ میں اور شمسؒ دو نہیں ہوں۔ وہ اگر آفتاب ہیں تو میں ذرہ ہوں۔ وہ اگر دریا ہیں تو میں قطرہ ہوں۔ ذرہ کی ہستی آفتاب ہی سی ہے اور قطرہ کی تری دریا ہی سے ہے۔ پس فرق کیا ہوا۔

مدح خود کردنم ازیں رویست   کہ خُمم پرز آب آں جویست
پس ہمہ مدح اوست در تحقیق   اصل را گیر و بگذر از تفریق

جب دمشق میں حضرت شمسؒ کا کچھ پتہ نہ چلا تو مولانا نے چند روز بعد شام سے روم کی جانب مراجعت فرمائی۔

چند برس قونیہ میں قیام فرمایا مگر پھر عشق نے جوش کیا اور کچھ لوگوں کو لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ چند ماہ دمشق میں ٹھہرے رہے۔ آخر پھر قونیہ تشریف فرما ہوئے اور اس مرتبہ یہ خیال لے کر آئے کہ میں خود عین شمسؒ ہوں۔ شمسؒ کی جستجو کیا تھی، در حقیقت خود اپنی ہی جستجو کر رہا تھا۔

گفت چوں من دیم، چہ می جویم   عین ادیم کنوں ز خود گویم
وصف حسنش کہ میفزد وم من   خد ہماں حسن و لطف بودم من
خویش را بودہ ام یقیں جویاں   ہمچو شیرہ درون خم جوشاں

غرض اس مرتبہ قونیہ اس خیال کے ساتھ واپس آئے کہ شمس میں جو کچھ تھا، وہ خود مجھ میں موجود ہے۔

سپہ سالار نے مولانا کے اس سفر کا بیان بہت مختصر دیا ہے۔ اس سے صرف اتنا اضافہ ہوتا ہے کہ اس سفر میں تمام عزیزوں اور مقربوں کو ہمراہ لے کر دمشق گئے تھے۔ مگر افلاکی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف چند اصحاب کو لے کر دمشق کی طرف گئے تھے جن میں سلطان ولد بھی تھے۔ اس سفر میں حلب پہنچنے سے پہلے ایک جگہ تین سو قزاقوں سے سابقہ پڑا مگر وہ سب مطیع ومعتقد ہوگئے۔

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا نے اس مرتبہ شمسؒ کی جستجو میں دوبار دمشق کا سفر اختیار کیا۔ پہلی مرتبہ غیبت شمسؒ کے چند روز بعد یا زیادہ سے زیادہ چالیس روز بعد روانہ ہوئے اور اپنی عدم موجودگی میں حضرت حسام الدین چلپی کو قونیہ میں اپنا جانشین کر گئے تھے۔

مگر افلاکی نے اس سفر کو سوئم بار قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس مرتبہ ایک سال سے کچھ کم یا زیادہ دمشق میں مقیم رہے، لیکن افلاکی سے یہ نہیں واضح ہوتا کہ پہلے دو سفر کون سے تھے۔ سلطان ولد کا بیان بہت صاف و قطعی ہے کہ مولانا نے دو بار دمشق کا سفر کیا۔ اول شمس کے غائب ہو جانے کے چند روز بعد روانہ ہوئے اور دمشق میں تھوڑے ہی دنوں قیام کر کے واپس آ گئے تھے۔ پس یہ سفر ۶۴۵ھ میں ہوا ہوگا۔

دسرا سفر چند برس بعد اختیار کیا اور اس مرتبہ دمشق میں قیام بھی زیادہ کیا اور افلاکی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دمشق سے واپس نہیں آئے، جب تک کہ خود قونیہ کے امراء و علماء نے باتفاق تمام آپ کی اور حضرت شمسؒ الدین کی واپسی کی استدعا نہ کی۔ افلاکی کی عبارت کا ملخص حسب ذیل ہے۔

جب تمام اہالی قونیہ اور اکابر روم مولانا کی جدائی سے تنگ آ گئے تو سلطان روم اور امرائے عظام کے سامنے کیفیت حال عرض کی اور محضر مولانا اور حضرت شمسؒ الدین کی طلب میں مرتب کیا اور تمام علماء و شیوخ و قضاۃ اور امرا و اعیان نے اس پر دستخط ثبت کیے اور قضاۃ ''عقیل'' کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور وطن واپس آنے کے لیے بڑے اشتیاق و آرزو کا اظہار کیا۔ مولانا نے ازراہ اخلاق قبول فرمایا اور وطن کو واپس آئے۔

اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس دوسری مرتبہ کا سفر بھی اسی وجہ سے ہوا تھا کہ لوگ حضرت شمس الدینؒ کی طرف سے صاف نہیں ہوئے تھے اور حضرت شمسؒ کے فراق میں مولانا کی پریشانی جس قدر بڑھتی جاتی تھی اور لوگ ان کے فیض سے محروم ہوتے جاتے تھے، اسی قدر شورش میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ آخرالامر جب لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ شمس کی دوری سے نہیں بلکہ قربت سے مولانا کی تسکین ہوگی اور اس طرح بالاسطہ مولانا سے استفادہ کا موقع ملے گا، اس وقت ناچار اس تدبیر کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئے کہ حضرت شمسؒ کے قیام قونیہ کو گوارا کریں۔

اس زمانہ میں عزالدین کیکاؤس ثانی (بشمول برادران) روم کا فرمانروا تھا۔ افلاکی نے دوسرے موقع پر جو روایت نقل کی ہے کہ جب مولانا حلب میں تھے، سلطان عزالدین نے کمال الدین کو حلب بھیجا تھا کہ مولانا کو واپس لائیں۔ اگر اس واقعہ اور تاریخ سے ملایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی موقع تھا اور قرائن بھی اسی کے مقتضی ہیں، کیونکہ مولانا جس زمانہ میں حلب میں تحصیل علوم میں مشغول تھے اس وقت تک نہ تو ذاتی حیثیت سے مولانا کا اس قدر اثر قائم ہوا تھا کہ آپ کا چند وزہ فراق اس قدر شاق ہو جاتا اور نہ کوئی خاص وجہ آپ کو اس طرح واپس بلانے کی تھی اور نہ وہ زمانہ سلطان عزالدین کا تھا بلکہ اس زمانہ میں سلطان علاء الدین بدستور

Marfat.com

حکمران تھا، بہر حال یہ ایک ظنی قیاس ہے اور ممکن ہے کہ اس وقت سلطان (علاء الدین نے) آپ کو طلب کیا ہو اور افلاکی نے سہواً عزالدین کا نام لکھ دیا ہو۔

مولانا کے شام کے یہ دونوں سفر ۶۴۵ھ اور ۶۴۷ھ کے درمیان واقع ہوئے ہوں گے کیونکہ شیخ صلاح الدین کے حالات میں یہ درج ہے کہ آپ دس برس مولانا کی صحبت میں خلیفہ کی حیثیت سے رہے۔ شیخ کا انتقال ۶۵۷ھ میں ہوا ہے اور شیخ صلاح الدین کو شمس کے بجائے اپنا ہمدم و ہمراز بنانے کے بعد مولانا کی طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا تھا اور اس کے بعد آپ نے شمسؒ کی تلاش میں کوئی سفر نہیں کیا ہے۔ پس ضرور ہے کہ یہ شور و ہیجان کا زمانہ ۶۴۷ھ میں ختم ہو چکا ہو۔

لیکن اوپر یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ پہلے سفر سے واپس آنے کے چند سال بعد پھر دمشق کو گئے تھے مگر واقعات کو تاریخ سے ملانے پر یہ واضح ہوتا ہے کہ اس شور و ہیجان کا زمانہ دو ہی برس رہا ہے اور یہ سفر اس دو برس کے اندر وقوع میں آئے ہیں (واللہ اعلم بالصواب)۔

اس مرتبہ دمشق سے واپس آنے کے بعد مولانا حضرت شمسؒ کے ملنے سے بالکل مایوس ہو گئے تھے مگر جس کیفیت کو آپ شمسؒ میں ملاحظہ فرماتے تھے، اسے اب خود اپنے میں ملاحظہ فرمانے لگے تھے۔ سلطان ولد کے الفاظ یہ ہیں کہ "اگر چہ مولانا قدسنا اللہ سرہ، شمس الدین تبریزی را اعظم اللہ ذکرہ بصورت در دمشق نیافت بمعنی درخود بیافت زیرا آں حال کہ شمس الدین را بود حضرتش را ہما حاصل شد۔"

اسی کو افلاکی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "اگر چہ حضرت مولانا شمس الدینؒ را بصورت در دمشق نیافت اما بمعنی عظمت و اوراچیزے دیگر درخود یافت و عشقبازی خودمی کرد۔"

اس کے بعد کسی نہ کسی وقت میں مولانا کو حضرت شمسؒ کی وفات کا یقین ہو گیا تھا۔ مختلف اشعار میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے مولانا کے اس یقین کا انکشاف ہوتا ہے۔

چونکہ روح شمس تبریزی مرا
میرد باخود جان بے تن میروم

سلطان ولد کے ایک شعر سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ضرور ایسا یقین ہو گیا تھا۔

گشت غائب زیں جہانِ خاکداں
بے بدن اندر جہان جاوداں

مولانا کے کلیات میں شمسؒ کا ایک مرثیہ بھی ملتا ہے۔ نہایت دل دوز و درد انگیز مرثیہ ہے۔ ایک ایک شعر دل پر تیر و نشتر کا کام دیتا ہے مگر اس میں بھی مولانا نے صراحت کے ساتھ شمسؒ کی وفات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مجمل اشارات کیے ہیں، غالباً یہ مرثیہ اس وقت کہا ہے کہ جب شمس کی وفات کا خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ یہ مرثیہ انتیس شعروں کا ہے۔

Marfat.com

تقریباً تمام تذکرہ نویسوں نے ۶۴۵ ھ کو حضرت شمس الدینؒ کی تاریخ وفات قرار دیا ہے مگر جیسا کہ اوپر کے بیانات سے واضح ہو چکا ہے جن کتابوں کو اصل بنا قرار دیا جا سکتا ہے، ان سے یہ سنہ غیبت و استتار کا قرار پاتا ہے نہ کہ وفات کا، لیکن غیبت و استتار ہو یا وفات تمام تذکروں میں بلا استثناء یہ لکھا ہے کہ ۶۴۵ ھ کے بعد پھر حضرت شمسؒ کو کسی نے کہیں نہیں دیکھا، کسی خاص کتاب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف دولت شاہ نے ایک شبہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت شمسؒ نے مولانا کے انتقال کے بعد (یعنی ۶۷۲ ھ کے بعد) وفات پائی، البتہ فہرست کتب خانہ بانکی پور میں حضرت شمسؒ کا سال وفات ۶۶۰ ھ دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ماخذ فہرست کتب خانہ شاہانِ اودھ مرتبہ اسپرنگر ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ ''بعض مصنفین آپ کا سال وفات زیادہ صحیح طور پر ۶۶۰ ھ میں قرار دیتے ہیں'' لیکن اسپرنگر نے یہ نہیں بتایا کہ وہ مصنفین کون ہیں؟

مولانا اور حضرت شمس میں باہمدگر جو خلوص و اتحاد تھا اور ایک کے دل میں دوسرے کی جو قدر و منزلت تھی، وہ واقعات مذکورۂ بالا سے بخوبی واضح و روشن ہو چکی ہے۔ توضیح مزید کی ضرورت نہیں ہے مگر پھر بھی دونوں بزرگوں کے چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے تخصیصاً یہ عیاں ہو جائے کہ حضرت شمس الدین مولانا کی نسبت کا خیال رکھتے تھے اور مولانا کے دل پر حضرت شمس الدین کی محبت کا نقش کیسا گہرا جما ہوا تھا۔

سب سے اول خود حضرت شمس الدین کا ایک قول ملاحظہ ہو جس سے دونوں بزرگوں کے تعلقات فیما بین کا اظہار نہایت خوبی سے ہوتا ہے، مولانا شمس الدین نے ایک روز فرمایا کہ ''غواص دریائے معانی مولانا ہیں اور تاجر میں ہوں، پس موتی ہمیں دونوں کے درمیان ہے۔''

اس معنی میں سلطان ولد کی روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ مولانا نے حضرت شمس الدین کی مدح میں بغایت مبالغہ فرمایا، میں نہایت ہی مسرور ہوا اور جا کر حضرت شمس الدین کے حجرہ کے دروازے سے سر نکال کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ فرمایا کہ یہ کیا مذاق ہے؟ میں نے کہا کہ والد نے آج آپ کے اوصافِ عظمت بے انتہا بیان کیے ہیں، فرمایا کہ میں تمہارے والد کے دریائے عظمت کا ایک قطرہ ہوں مگر جو کچھ کہا ہے اس سے ہزار گونہ زائد ہوں۔'' سلطان ولد پلٹ کر پھر مولانا کے پاس گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا فرمایا کہ ''اس قول سے حضرت شمس الدین نے اپنی مدح کی ہے اور جو کچھ کہا ہے اس سے سو گنا زیادہ ہیں۔''

ایک روز مولانا شمس الدین نے ایک مجمع میں فرمایا کہ ''اگر تمہیں یار وفادار نہیں ملا تو مجھے مل گیا ہے'' اور حضرت مولانا کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ''آپ تنہا عالم میں آئے اور تمام عالم سے بازی لے گئے اور سب کو اپنے عشق میں مست کر دیا۔''

حضرت شمس الدین نے ایک مرتبہ مدرسہ میں یہ فرمایا کہ ''جو شخص انبیاء کو دیکھنا چاہتا ہو وہ مولانا کو دیکھے کہ ان میں سیرت انبیاء کی موجود ہے، اگر چاہتے ہو کہ ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' کے معنی معلوم ہو تو مولانا کو دیکھ لو۔''

Marfat.com

نیز ایک روز فرمایا کہ ''اس وقت اصل، فقہ، نحو، منطق کسی فن میں مولانا سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے، اگر میں سو برس بھی کوشش کروں تو اس حد کو نہیں پہنچ سکتا اور پھر کمال لطف یہ ہے کہ میرے سامنے ان سب کو نادانستہ سمجھے ہیں۔''

اب اس کے بالمقابل مولانا کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

کسی نے مولانا کی خدمت میں یہ کہا کہ ''حضرت دنیا سے فارغ ہیں مگر مولانا شمس الدین کو دوست نہیں رکھتے۔ اگر دوست رکھتے ہوتے تو پھر ایسا نہ معلوم ہوتا۔''

ایک شخص نے مولانا شمس الدین تبریزی کی موجودگی میں مولانا سے کہا کہ ''میں تو آپ کو دوست رکھتا ہوں۔''

مولانا نے فرمایا کہ اگر ''دوسروں'' سے مراد مولانا شمس الدین تبریزی ہیں تو یہ غلط ہے۔ اگر مجھے ان کے لیے دوست رکھو تو یہ افضل و بہتر ہے۔

Marfat.com

کتابیات

- سوانح مولانا روم مولانا شبلی نعمانی
- مولانا جلال الدین رومیؒ حیات وافکار مرتبہ محمد اکرم چغتائی
- کشف الظنون
- ملفوظات رومی ترجمہ فیہ مافیہ از ادارہ ثقافت اسلامیہ
- حلیۃ اولیاء از شیخ ابونعیم اصفہانی
- صاحب المثنوی قاضی تلمذ حسین
- رومی کا تغزل سید عابد علی عابد
- مولانا رومی کا فلسفہ عشق وسرمستی ڈاکٹر صابر آفاقی
- قرآن الیفسیرین

- Me And Rumi By William C. Chittak
- The Sufi Path of Love (W.C. Chittak)
- Diwan-i-Kabir
- Maqalat-i-Shamas-i-Tabrizi Edited By Muhammad Ali Movahhed
- The (40) Forty Rules of Love By Elif Shafak
- Sultan Walad, Walad-nama edited by J.Huma-I (Tehran)
- Muslim Saints and Mystics, Translated by A.J. Arberry

Marfat.com

میں خام تھا
مجھے پختہ کیا گیا
مجھے خاکستر کردیا گیا

مجھے خاکستر کردیا گیا

فُزت ورب الکعبہ

Marfat.com

ہر کراماتے کہ میجوئی بجاں
اُو نمود تا طمع کر دی دراں

Marfat.com

میں خاکستر ہو گیا

حضرت شمس تبریزؒ حضرت مولانا جلال الدین رومی کو اپنا سب کچھ سونپ کر، منتقل کر کے چلے گئے اور مولانا جلال الدین رومی اس خزانے کو لے کر دنیا میں نکلے تو مثنوی اور دیوانِ شمس کی صورت بانسری کی نَے پر دنیا کو ''راز'' سے آگاہ کرنے لگے۔ ''نَے'' کے دو منہ ہوتے ہیں۔ ایک منہ لبِ نَے نواز میں ہوتا ہے اور دوسرے منہ سے نوا نکلتی ہے۔ منہِ لبِ ''نَے'' شمس تبریزؒ ہیں اور آواز مولانا رومی کی ہے۔

چونکہ کلام ازلی ہے تو منہِ ازلی کا دہن ہے اور مظاہر میں جو آواز سنائی دی ہے وہ رومی کی ہے۔ تبھی تو جس ہستی کا وصال مقصود ہو، فراق آفریں بھی وہ خود ہی تھی۔ اس لیے نالۂ فراق کا ماخذ بھی وہ خود ہی ہے۔ دونوں عظیم ہستیوں میں باہمی نسبت کچھ اس انداز کی ہے جو سورج اور اس کے سائے میں پائی جاتی ہے۔ اگر آفتاب نہ ہو تو سائے کا وجود بھی نہیں ہو سکتا۔ کلامِ رومی کی مثال بھی یہی ہے۔ اگر شمس تبریزؒ نہ ہوتے تو کلامِ رومی بھی نہ ہوتا کیونکہ جس طرح سایہ آفتاب کی نشاندہی کرتا ہے اگرچہ سایہ بھی اس طرح سے آفتاب کی دلیل ہے لیکن اس سے کمتر ہے، جس طرح کہ خود طلوعِ آفتاب ''آفتاب'' کی دلیل ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ سورج نکلا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ آنکھیں کھول کر اس کی طرف رخ کرو۔

سورج کے سامنے سایہ ہی بے حقیقت نہیں ہوتا بلکہ قمر بھی جو اس سے اخذِ نور کرتا ہے، اگر سورج کے سامنے آ جائے تو ماند پڑ جائے لیکن سورج چاند کو ماند پڑنے کے لیے روشن نہیں کرتا بلکہ اس لیے روشن کرتا ہے کہ جب وہ چلا جائے تو تاریکی کو نور میں نہلانے کے لیے چاند نکلے اور عالم میں نور کا ظہور رہے۔ شمس تبریزؒ اگر شمسؒ ہیں تو مولانا روم چاند.......... تاریکی کے ہر دور میں ''آسمانِ راہِ انسان'' کا سب سے چمکتا ہوا ''ستارہ'' جو آٹھ سو سال سے انسان کو اپنے کلامِ نور سے منور کر رہا ہے۔

☆☆☆

میں اور مولانا ''روح'' کے تعلق میں وابستہ ہیں۔ اس تعلق کو ''ظاہر'' نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے لیے انسان کے پاس کوئی لفظ نہیں۔ لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ۔

روح کیا ہے؟ جب آدم بھی نہ تھا اور وہ اسماء بھی نہ تھے جو آدم کو سکھا کر فرشتوں پر اس کی فضیلت ثابت کی گئی، اور نہ وہ چیزیں تھیں جن کے لیے وہ اسماء تھے۔ روح ازلیت سے ہے اور ماورائے زمان و مکان ہے۔ یہ تب سمجھ آتا ہے جب دل خود جامِ جہاں نما ہو۔ اگر یہ پوری طرح صاف ہو تو کون و مکاں کے تمام

Marfat.com

اسرار اس میں منعکس ہوں۔ غافل لوگ جامِ جم کی تلاش کرتے ہیں حالانکہ اس سے بدر جہا بہتر حقیقت نما آئینہ خود اس کا دل ہے۔ دل کی حقیقت انسان علمائے ظاہر و مقلد اور حکماء بگل سے دریافت کرتے ہیں۔ یہ دریائے معرفت سے بیگانہ ساحل پہ کھوئے ہوئے لوگ اس گوہرِ روح انسانی کی حقیقت کیا جانیں؟ جو کون و مکاں کے صدف کا گوہر نہیں یعنی زمان و مکان دونوں سے ماورا ہے۔ جو چیز زماں سے ماورا ہے اس کی خلقت فی الزماں نہیں ہوسکتی کہ وہ ایک وقت میں پیدا ہوتی ہو کیونکہ وقت خود مخلوق ہے اور روح کے زاویہ ہائے نگاہ میں ایک زاویہ ہے۔

میری روح کی ''نے'' جو نالہ انگیز ہے وہ اپنی اصل سے جدا ہونے کی وجہ سے مصروف خواں ہے۔ اس کا حال وہی ہے جو فراق زدہ عاشق کا ہوتا ہے۔ زندگی کا تمام کاروبار بالواسطہ یا بلاواسطہ سعی حصولِ وصال ہے۔ لہٰذا کائنات میں جو کچھ ہے وہ عشق کا مظہر ہے۔ معشوقِ حقیقی نے اپنے طالبوں میں فراق پیدا کر کے ان کو بے تاب کر رکھا ہے۔ تمام کائنات مراتب، درجات اور تنزلات کا ایک سلسلہ ہے۔ تمام تنزلات میں اس لیے ارتقاء کا میلان ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بڑھتے اور چڑھتے ہوئے اپنی اصل کی طرف رجعت کی جائے۔ ہر قسم کی حقیقی ترقی عشق ہی کی بدولت ہوتی ہے بشرطیکہ مطلوب طالب سے ارفع ہو۔ عشقِ حقیقی کا رجحان ہمیشہ کمال کی طرف ہوگا اس لیے سچے عاشق کے تمام امراض اس سے ساقط ہوتے جائیں گے۔ ذوقِ معرفت، محبت کی فراوانی، خود غرضی سے نجات، کبر و غرور کا فقدان یہ سب خوبیاں اسی میں پیدا ہوسکیں گی جو اس مطلوب کی طرف کھچا جا رہا ہو، جو جامعِ کمالات ہے۔ اخلاق اور تزکیہ نفس کی تہہ میں بھی اگر عشق نہ ہو تو یہ زہدِ خشک کی مزدوری رہ جاتی ہے۔

محبت انسان کو انسان کے ساتھ ملاتی ہے اور جمالِ فطرت کے ساتھ بھی۔ بعض اوقات مجرد تصورات مثلاً حُریت، عدل وغیرہ کے ساتھ طبیعت کا لگاؤ عشق کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور عاشق پر وہی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں جو شخصی عشق کا خاصہ ہیں۔ غرض یہ کہ عشق افراد کا بھی ہوسکتا ہے اور اشیاء یا مظاہرِ فطرت کا بھی اور معقولات و مجردات کا بھی۔ اِسی طرح بندے کو خدا کا عشق ہوسکتا ہے۔ جذب و کشش کی کیفیتیں مختلف ہیں مگر انسان کے پاس محبت یا عشق کے علاوہ اور کوئی الفاظ نہیں مثلاً ماں کی بچے کے ساتھ محبت ایک نوعیت کی ہے اور بچے کی محبت دوسری نوعیت کی۔ بیوی اور شوہر کی محبت کا انداز اور نوعیت اور ہے۔

زبان کا افلاس محبت کی اس بوقلمونی اور ثروتِ تاثرات کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔ عشق کی بعض ادنیٰ و اسفل قسمیں ہیں جنھیں ہوا و ہوس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس لیے جو اسیرِ ہوس ہو وہ بھی اس کیفیت کو عشق ہی کہتا ہے۔

شباب اور خور و نوش کی پیدا شدہ مستی کو وہ عشق نہیں سمجھنا چاہیے جو میرا اور رومی کا تھا۔ ان دونوں کیفیتوں میں کوئی مناسبت نہیں۔

Marfat.com

دراصل روحوں کا اصلی ماخذ اور مقام ذاتِ الٰہی ہے۔ کسی نا قابلِ فہم حکمت اور نا قابلِ ادراک مشیت سے یہ ارواح اپنی اصل سے الگ ہوگئیں۔ فراق کی وجہ سے ہر روح بے تاب ہے اور "واصل الی الاصل" ہونا چاہتی ہے۔ ہر روح اپنی اصل کی جانب کشش محسوس کرتی ہے۔ اِسی کشش کا نام عشقِ حقیقی ہے۔

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کائنات میں ارواح کے سوا کچھ نہیں اور خدا یعنی "روح الارواح" ان لا متناہی ارواح کا مصدرِ وجود ہے۔ روحوں کو خدا سے اتصال بھی ہے اور انفعال بھی۔ اس اتصال اور انفعال کی حقیقت نہ زمانی ہے، نہ مکانی، نہ عقلی نہ ادراکی۔

اس لیے واضح کرنا مقصود ہے کہ یہ گتھیاں استدلال سے حل ہونے والی نہیں۔ روح انسانی کیا کبھی عدمِ محض بھی تھی کہ بعد میں کسی وقت وہ وجوہ پذیر ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آدمؑ بھی نہ تھے اور وہ اسما بھی نہ تھے جو آدم کو سکھائے گئے اور فرشتوں پر فضیلت دی گئی، اور نہ وہ چیزیں تھیں جن کے لیے وہ اسماء تھے۔ روح ازل سے ہے اور ماورائے زمان و مکان ہے۔

"لا اسع فی ارض ولا سماء ولکن یسعنی قلب عبد مومن"

عشق اور عقل کا باہمی تعلق نہایت اہم موضوع ہے جس پر زمانہ قدیم سے بحث ہو رہی ہے۔ حکمائے یونان سقراط، افلاطون اور ارسطو وغیرہ نے عقل کو ماہیت وجود قرار دیا ہے۔ خدا کا تصور ان کے ہاں عقلِ کل کا تصور ہے۔ ہر چیز کی ہستی میں جتنی اصلیت ہے وہ عقل ہی کی بدولت ہے اور زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ انسان عقلِ جزوی سے عقلِ کلی کی طرف ترقی کرے۔ انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ان باتوں سے انکار کرے۔

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

کائنات کے مظاہر کی حکمت پر غور کرنا ایک افضل عبادت ہے۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ میں اس کی پُر زور تائید کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث ہیں جو اس کا ثبوت ہیں۔ عقل اور حکمت کا مفہوم فلاسفر کے مفہوم سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ اس قسم کے موضوع میں کی گئی بحث میں عقل کو عقلِ جزوی کہا گیا جس کی حقیقتِ حیات تک رسائی نہیں ہوتی۔ عقلِ استدلالی کی بے مائیگی چھپی بات نہیں، اس لیے عقلِ کلی اور حکمتِ عرفانی ضروری ہے۔

طالب حکمت شواز مرد حکیم
تا ازوگری تو بیناو علیم

حکمت طلب فرد ترقی کرتے کرتے ایسے درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ خود منبع حکمت بن جاتا ہے اور کتاب و اسبابِ تحصیل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ حکمت کی ترقی اس کو مقامِ عشق تک پہنچا دیتی ہے جو وحی و الہام کا مقام ہے۔ پہلے وہ معلومات کو حافظے میں محفوظ کرتا ہے، پھر ایک وقت ایسا آتا ہے وہ خود لوحِ محفوظ

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔

منع حکمت شود حکمت طلب — فارغ آید او ز تحصیل وسبب

لوح حافظ لوحِ محفوظے شود — عقل او آز روح محفوظے شود

حکمت کی ترقی انسان کو ایسے درجے پر پہنچا دیتی ہے جو عقل سے ماورئ معلوم ہوتی ہے۔ اگر عقل وہاں اپنے آپ کو استعمال کرنے کی کوشش کرے تو سوخت ہو جاتی ہے۔ (پہلے درجے میں عقل انسان کی معلم ہوتی ہے لیکن ترقیِ روح کے بعد وہ اس کی شاگرد بن جاتی ہے) بہت سے حکماء اور فلاسفہ عقل کی ماہیئت پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ حسی اور استدلالی عقل کی کنہِ وجود تک رسائی نہیں۔ بعض کے نزدیک مظاہر کی تہہ میں جو وجودِ مطلق ہے، اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ میں ان سے متفق ہوں کہ محسوسات کے ساتھ واسطہ رکھنے والی عقل مظاہر کے روابط تو معلوم کر سکتی ہے لیکن اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔

عقل کے آلات ہی اس قسم کے ہیں کہ زمان و مکان کی لامتناہی، اغراض کے جواہر، آغاز و انجامِ حیات، کسی گتھی کو بھی سلجھانے میں ان کا استعمال کریں تو وہ قطعاً بے کار ثابت ہوتے ہیں اور عقل متضاد باتوں کو بیک وقت صحیح اور بیک وقت غلط سمجھنے لگتی ہے اور چکر میں آ جاتی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ استقرائی اور استدلالی عقل ایک تنظیمی قوت ہے جو محسوسات و مظاہر و حوادث میں ربط تلاش کرتی یا اِسے پیدا کرتی ہے۔ کائنات کے تمام مدارج میں نظم موجود ہے۔ اس لیے ہر درجے میں اس درجے کی عقل پائی جاتی ہے اس لیے حکماء نے اس کے لیے چار اصطلاحیں استعمال میں ہیں۔

(۱) عقلِ جمادی

(۲) عقلِ نباتی

(۳) عقلِ حیوانی

(۴) عقلِ انسانی۔ استدلالی

حکماء، عقلِ استدلالی سے آگے نہیں بڑھتے لیکن اس سے آگے عقلِ ایمانی اور عقلِ نبوی بھی ہے۔

عقلِ نبوی کو عقلِ استدلالی سے سمجھنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں، اس کی نوعیت ہی الگ ہے۔ جس طرح آنکھ سن نہیں سکتی اور کان دیکھ نہیں سکتے، خواہ بصارت اور شنوائی کو بے حد تیز کر لیا جائے اس طرح عقلِ انسانی یا استدلالی کی ترقی عقلِ نبوی تک نہیں پہنچ سکتی جو موردِ وحی والہام ہے۔

بات یہ ہے کہ عقلِ جمادی کے لیے عقلِ نباتی قابلِ فہم نہیں ہو سکتی۔ جمادات کا قانونِ حرکت و جمود نباتات پر قابلِ اطلاق نہیں اس لیے ایک پودے کے اندر تخم سے لے کر شگوفہ و ثمر تک جو اعمال ہوتے ہیں ان کی توجیہ محض بیگانگی اصول پر کی جائے۔ اگر عقلِ نباتی عقلِ جمادی کی اس کوشش کی مذمت کرے تو یہ درست ہے۔ اس سے آگے عقلِ حیوانی میں نئے اصول نمودار ہوتے ہیں۔ ان کے عمال میں کئی قسم کی جبلتوں کا اور

Marfat.com

حرکتِ ارادی کا اضافہ ہو جاتا ہے جن پر خالص نباتاتی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اب یہ کوشش بھی ناکام رہے گی کہ جانور کے جبلی اور ارادی اعمال کی توجیہ نباتاتی اصول پر کی جائے۔ حیوانیت کے اوپر انسانی عقل کا درجہ ہے۔

انسان جو عالمِ صغیر اور خلاصۂ کائنات ہے اس کے اندر جمادی قوانین بھی عمل کرتے ہیں اور کیمیاوی اصول بھی۔ غذا اور نشوونما کے بہت سے نباتی قوانین کا بھی اس کے جسم میں عمل دخل ہے۔ لیکن وضاحت کرنا مقصود ہے کہ نفسِ انسانی ایک مخصوص قسم کی عقل کی وجہ سے اعلیٰ درجے کے حیوانوں سے ممیز ہو گیا ہے۔ اس کے مقاصد حیوانی مقاصد سے بالاتر ہو سکتے ہیں۔

بشرطیکہ وہ اپنی انسانیت کا جوہر کھو کر "کالانعام بل هم اضل" نہ ہو جائے یعنی جانور رہنے کی خواہش میں حیوانوں سے بھی پست درجے میں گر جائے۔ اگر کوئی "انسان" کی تمام زندگی کی یہ توجیہ کرے کہ وہ محض ایک ترقی یافتہ حیوان ہے تو یہ کوشش بھی جو اکثر اہل علم کرتے ہیں، لازماً ناکام رہے گی۔ اس لیے کہ انسان کے اندر آ کر شعور اور عقل کی نوعیت بدل گئی ہے۔ انسان کی عقل کو کئی قسم کے کاموں میں لگایا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے میں اس سے مدد طلب کی جاتی ہے، کبھی محسوسات اور مظاہر کے روابط کو سمجھ کر انسان طرح طرح کے مادی فوائد حاصل کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر عقل ایسے مجرد تصورات اور مقاصد تک پہنچتی ہے، جن سے براہ راست کوئی مادی فوائد مقصود نہیں ہوتے، مکانی اور زمانی تصورات سے بالاتر خواہش تک بھی اس کی رسائی ہوتی ہے۔

انسانی عقل کے طبقات کا یہ حال ہے کہ مجردات اور معقولات کو محض محسوسات پر قیاس نہیں کر سکتے۔ معقولات محسوسات پر حاکم ہوتے ہیں ان کے محکوم نہیں ہوتے۔ معقولات کے اندر لامکانیت ہے مثلاً کوئی شخص عدل کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مکان کے اندر ہے۔ حکماء اور فلاسفہ تمام کلی تصورات یا اعیانِ ثابتہ کو ازلی اور لامکانی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نصب العینی نقطہ یا خط یا دائرہ بھی لامکانی ہیں۔ مکانی نقطے، خطوط اور دائرے اپنے لامکانی مثل کی کثیف اور ناقص تشبیہیں ہیں۔ اس لیے کوئی نصب العینی خط عالم محسوس میں نہیں ہے۔

لیکن اس فلاسفیانہ لامکانیت سے بالاتر بھی ایک لامکانیت ہے جو مجرد تصورات کی لامکانیت سے اتنی بلندتر ہے جتنے تصورات محسوسات سے فائق ہیں۔

انسان کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ حیوان ناطق ہے، عقل اور گویائی ایک ہی استعداد کے دو پہلو ہیں۔ اسی لیے ایماں ناطق سے مراد ذی عقل ہے اور سخن عقل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں تعقل بے الفاظ نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ عقل جس کا نطق سے لازم و ملزوم کا رشتہ ہے ادنیٰ سطح کی عقل ہے۔ نطق کو تعلیم اور ابہام و تفہیم کے لیے استعمال کرنا پڑتا ہے ورنہ نطق جہاں سرزد ہوتا ہے اس ندی میں الفاظ کی موجیں نہیں ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

مولوی ہرگز نشد "مولائے روم"
تا غلامِ شمس تبریزؒ شد

میں نے ایسے ہی نہیں کہا کہ مولوی اگر شمس تبریزؒ کا غلام نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

عقلِ استدلالی کا سب علم تو میرے آباؤ اجداد کی طرف سے مجھے ملا۔ میری عقلِ استدلالی جہاں ختم ہوئی وہیں آ کر مجھے شمسؒ نے عقلِ ایمانی اور عقلِ نبوی ﷺ سے روشناس کرایا۔ یہ علم میری عقلِ استدلالی سے ماورا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ عقلِ استدلالی میں مشرق و مغرب میں میرا کوئی ثانی وقت موجود نہیں تھا لیکن یہ سلطنت جہاں کا میں بادشاہ سمجھا جاتا ہوں اس سلطنت کے سامنے نہایت ہیچ اور کمتر ہے جس سلطنت کے شاہ "شمس تبریزؒ" ہیں۔ میں نے ان کے سامنے سر جھکایا تو میرے لیے اس سلطنت کے دروازے نہ صرف کھل گئے، بلکہ میں اس سلطنت کے شاہ وقت کے ساتھ جلوہ افروز ہوگیا۔ یہ ان کا فیضان تھا جس نے عقلِ ایمانی اور عقلِ نبوی تک میری رسائی کی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عقلِ استدلالی پہنچ ہی نہیں سکتی۔ اگر عقلِ استدلالی پہنچ پاتی تو شمسؒ کے مخالف اس پر طرح طرح کے گھٹیا الزامات نہ لگاتے۔ اس کے دل کو زخمی نہ کرتے۔ میں دوسروں کی کیا بات کروں۔ میری اولاد! علاؤ الدین اور اس کی قبیل کے لوگ ہی ان لوگوں کا ہراول دستہ ہیں۔

میں نہایت ہی شرمندہ ہوں۔ میرا درد بڑھ کر مستقل رنج و الم میں تبدیل ہو چکا ہے اور اب خود فراموشی کی طرف بڑھ رہا ہوں، بالکل گہرے سمندر جیسی تنہائی اور خاموشی۔ شمسؒ کو بچھڑے کئی سال گزر گئے لیکن اب بھی میرا دل و دماغ صرف شمسؒ کو دیکھتا ہے جس کا روشن چہرہ ہر قاعدے قانون کے پسِ منظر میں جگمگا تا رہتا ہے۔

ایک دن میرا بیٹا علاؤ الدین میرے پاس آیا۔ میں شمس کی جدائی میں نڈھال کسی گہری سوچ میں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھا۔ مجھے اس کی آواز دور کہیں سے آتی سنائی دی۔ میں نے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابا جان۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شمس کے قتل میں آپ مجھے ملوث سمجھتے ہیں لیکن میں.........."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں نے اُس سے کہا۔ "تمہارے اور میرے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ نہ تو میں کچھ سننا چاہتا ہوں اور نہ تم اس بارے میں کچھ کہو۔"

علاؤ الدین نے منت بھرے لہجے میں مجھے کہا۔ "ابا جان مجھے وضاحت دینے دیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں اس سازش میں شریک نہیں تھا لیکن میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے یہ کام کیا۔"

میں نے تنگ آ کر اُس سے کہا۔ "تم کہتے ہو کہ تم قاتلوں میں شامل نہیں ہو مگر تمہارے کوٹ کی مغزی پر خون لگا ہوا ہے۔"

اس نے فی الفور اپنے کوٹ کا جائزہ لیا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا یہ خون اسی شام میرے کوٹ پر لگا۔

Marfat.com

اُس نے کوٹ کی مغزی کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس نے اپنی آستینوں، اپنے ہاتھوں اور ناخنوں کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا حالانکہ ہر چیز بالکل صاف و شفاف تھی، اور جب اس نے سر اٹھایا اور میرے ساتھ اس کی آنکھیں چار ہوئیں تب اسے اندازہ ہوا کہ میں نے اسے دھوکا دیا اور بے خبری میں اس نے اپنا راز فاش کر دیا۔

میں شمس کے بعد خاکی جسم کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوں۔ میری روح کب کی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے اور ہمیشہ کے لیے ڈوب چکی ہے لیکن جب آپ اندھیرے کے عادی ہو جائیں تو دونوں آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور ایک تیسری آنکھ کھُل جاتی ہے، اور یہ آپ کی اندر کی آنکھ ہوتی ہے۔ اس وقت آپ اپنے اندر کی دُنیا دیکھتے ہیں۔ کوئی آنکھ اتنی ہوشیار اور ذہین نہیں ہوتی جتنی یہ اندر کی آنکھ۔ غم و اندوہ کے بعد ایک نیا موسم آتا ہے اور ایک نئی دنیا نظر آتی ہے۔ خود اپنے اندر ایک نئی صورت دریافت ہوتی ہے۔ یہ عشق الٰہی کی آنکھ ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی لیکن یہ ہر جگہ دیکھ سکتی ہے۔ آپ اس سے سمندر کے قطرے قطرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ صحرا کے ہر ذرے کو، چاندی کی ہر کرن کو، صبح کی ٹھنڈی ہوا کے لہروں کو، ہر ذرہ اس آنکھ کے سامنے روشن ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی رگوں اور شریانوں میں دوڑنے والا لہو بھی، ہوا کی سرسراہٹیں بھی۔ ہر جگہ واضح اور ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔

طلب کی اس نئی دنیا میں میرا راہنما شمسؒ ہی ہے۔ میرا سینہ وہ غار ہے جہاں شمسؒ آرام کر رہا ہے بالکل جیسے پہاڑ اپنے اندر نہ جانے کتنے بازگشت چھپائے ہوئے ہے۔ میرے اندر بھی شمسؒ کی آوازیں محفوظ ہیں۔ اس نے ایک دانشور اور خطیب کی جگہ ایک عاشق کو جنم دیا جس نے شاعری کو جنم دیا، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ الفاظ میرے درد کا مداوا نہیں کر سکتے۔

یہ لفظ کیا ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے اور یہ شعر کیا ہیں۔ یہ سب شمسؒ کی دَین ہے۔ یہ شمس تھا جس نے لفظوں کے بغیر یہ سب کچھ منتقل کیا۔ میں کیا کروں۔ شعر الہام کی صورت نازل ہوتے ہیں۔ صلاح الدین زرکوب، سلطان ولد اور حسام چلپی نہ ہوتے تو مثنوی اور دیوان جمع نہ ہوتے۔ میں پھر ان الفاظ کو ادا نہ کر سکتا۔ یہ علم کیسے منتقل ہوا۔ یہ ان لمحات کی دین ہے جب میں اور شمسؒ طویل صحبتیں کرتے تھے۔ انسان کا جسمانی عشق اس کو اندھا کر دیتا ہے لیکن عشق الٰہی اس کو بینا کر دیتا ہے۔ یہ عشق جس نے مجھے بینا کیا وہ شمسؒ نے دیا۔

ان صحبتوں میں نطق نہیں نہ الفاظ کی مجال کہ وہ اس سفر میں ساتھی ہوں۔ میں نے کبھی یہ دُعا مانگی تھی۔

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام　　　　کاندر و بے حرف می روید کلام

یاالٰہی مجھ کو اس مقام پر پہنچا دے جہاں کلام میں الفاظ کا استعمال نہیں ہوتا۔ شمسؒ کے کلام میں الفاظ کا استعمال نہیں تھا بلکہ وہ نور تھا جس میں کوئی لفظ نہیں ہوتا بلکہ نور ہے جو منتقل ہوتا ہے اور شمس نے مجھ میں یہی نورِ

Marfat.com

حق منتقل کیا جس کو الفاظ میں، میں نے مثنوی اور دیوان کی صورت دنیا کے سامنے رکھا۔

تقریباً چار سالوں میں، میں نے مثنوی مکمل کی۔ پہلے پہلے پانچ سطریں صبح صبح پڑھی جاتی تھیں۔ اندھیرے میں ایک روشنی تھی جس کی وجہ سے میرے ہونٹوں سے پوری غزل جاری ہو جاتی۔ جیسا کہ میں نے بتایا صلاح الدین زرکوب، اس کے بعد حسام الدین ان کو لکھتے اور میرا بیٹا ان کی نقلیں تیار کر لیتا یہی وجہ ہے کہ وہ غزلیں محفوظ ہو گئیں۔ اگر آج مجھے کہا جائے میں انہیں زبانی دہراؤں تو یقیناً میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ یہ الفاظ اس نور میں سے ایک جھنڈ کی طرح نکلتے اور شعر و غزل کی صورت حملہ آور ہو جاتے ایک جھنڈ کی شکل میں اور پھر اڑتی چڑیوں کی طرح غائب بھی ہو جاتے۔ میں ایک طرح سے پانی کا پیالہ ہوں جہاں وہ ذرا دیر کے لیے رُکتے ہیں اور دوسری زمین کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔

جب میں غزل کہنا شروع کرتا ہوں تو یہ بالکل آمد کی طرح ہوتی ہے۔ یعنی مجھے پہلے سے معلوم نہیں ہوتا کہ اگلا مصرع یا شعر کیا ہوگا۔ پس یہ خود بخود میرے لبوں پر آتے چلے جاتے ہیں۔ یہ غزل طویل بھی ہو سکتی ہے اور مختصر بھی۔ میری کوئی منصوبہ بندی نہیں ہوتی میں اپنی غزلوں میں ''خاموش'' اور پرسکون کے لفظ کو ضرور استعمال کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ ایک لفظِ خاص۔ شمسؒ تبریزی۔ کائنات مستقل حرکت میں ہے اور اسی طرح زمین اور چاند سورج بھی۔ اگرچہ ہم انسان ملتے نہیں ہیں۔ اس لیے سیما (درویشوں کا رقص) ہم کرتے ہیں چاہے اس رمز کو کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ ہم جنگ کرتے ہوئے بھی رقص کرتے ہیں اور امن میں بھی۔ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے تب بھی اور خوشی آئے تب بھی۔ کبھی آہستہ اور کبھی تیز۔ ہم میں ایک مکمل ہم آہنگی ہے۔ توازن ہے بالکل جیسے کہ کائنات کی ہر چیز میں۔

ہر نقطہ اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے لیکن دائرہ اپنی جگہ موجود رہتا ہے۔ جب پرزے تبدیل ہوتے ہیں تو سالم اپنی جگہ موجود رہتا ہے۔ جب کوئی چور، گنہگار یا نیک اور خدا ترس چلا جاتا ہے تو کوئی دوسرا آ کر وہ جگہ پُر کر دیتا ہے اس طرح کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں رہتی لیکن کوئی خاص تبدیلی بھی نہیں آتی۔ کہیں بھی جب ایک صوفی اس جہاں کو خیر باد کہتا ہے تو کہیں نہ کہیں دوسرا صوفی پیدا ہو جاتا ہے۔

نام بدلتے رہتے ہیں۔ لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر جوہر اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔

☆☆☆

وہ رات بڑی حسین تھی۔ مجھے بار بار میرے دوستوں نے خبردار کیا۔ قاتل میرے پیچھے ہیں اور وہ مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں لیکن میں جانتا ہوں۔ خدا وقت کے بارے میں انتہائی محتاط ہے اور جزئیات کا خیال رکھتا ہے، نہ ایک لمحہ بعد میں اور نہ ایک لمحہ پہلے۔ ہر ذی روح کے لیے سوائے کسی خاص وجہ کے، وقت مقررہ رفتار سے چلتا ہے اس طرح موت کا وقت بھی متعین ہے وہ نہ پہلے آئے گی نہ بعد میں۔

اُس رات وقتِ مقررہ تھا۔ وہ پانچ تھے اور ان کا ایک ساتھی پہلے ہی وہاں چھپا بیٹھا تھا جہاں میں

Marfat.com

تہجد کے بعد آ جاتا تھا۔ سرسبز باغ۔ کھلی اور خوشبودار ہوا۔ میں اور میرا رب۔

میں سجدے میں تھا اُنہوں نے وار کیا اور میرا خاکی جسم زخمی ہو گیا۔ وہ خود گھبرائے ہوئے تھے انہوں نے تلوار اور خنجر کے پے در پے وار مجھ پر کیے اور پھر میرے خاکی جسم کو اُٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔ ابھی وہ کنویں کے گرد ہی تھے کہ رومی باغ میں آ گیا۔ یہ اس کے گھر کا حصّہ ہی تھا۔ اِسے دیکھتے ہی قاتل بھاگ کھڑے ہوئے۔

رومی چلا رہا تھا۔ ''شمس تم کہاں ہو؟ کیا تم یہیں کہیں پر موجود ہو؟''

پھر وہ کنویں کی طرف دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کنویں میں جھانکا۔

وہ کنویں کے قریب ہی ڈھیر ہو گیا۔

وہ چلا رہا تھا۔ ''آہ۔ ان لوگوں نے اسے مار ڈالا۔ انہوں نے میرے شمس کو قتل کر دیا۔''

آہ۔ میرے قاتل، اور انہیں فنا اور بقا کے حصول کا قانون پتہ نہیں۔ یہ تو میرے تجربے میں آ چکا ہے میں اب اس جسم خاکی اور نفس کی قوت سے کیوں ڈروں۔ اس قوت سے میں کم نہیں ہوا، زیادہ ہی ہوتا گیا۔ جسمِ کثیف سے آزاد ہو کر میرا بوجھ ہلکا ہو گیا اور میں کثافت سے لطافت کی طرف ترقی کر گیا۔ اب لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کرے گی تو فرشتوں کے انداز کی پرواز اور آرائشوں سے تنزیہ ہوگا۔ لیکن سفر ارتقائے مسلسل ہے۔ اس حالت میں بھی ٹھہروں گا نہیں۔ یہ برتر اور ماورائے ملکیت کیا ہے؟ اس کا سفر جاری ہے۔

وجود کے مقابلے میں عدم ہی کا لفظ انسان کی زبان میں ہے۔ لہٰذا اس کو عدم ہی کہہ لیتا ہوں اگرچہ جس کو وجود کہتے ہیں وہ اس عدم کے مقابلے میں محض سایہ بے مایہ ہے۔ خدا ہی سے الگ ہو کر میں نے سفر شروع کیا پھر واپس پہنچوں گا تو یہ سفر ختم ہوگا۔ اور یہ سفر کبھی ختم نہ ہوگا فقط قریب سے اقرب ہوتا جائے گا۔

این جہاں زنداں و ما زندانیاں
حضرہ کن زندان و خود را واریاں

*

Marfat.com

کتابیات

- ❐ مولانا جلال الدین رومیؒ حیات وافکار مرتبہ محمد اکرم چغتائی
- ❐ مناقب العارفین
- ❐ نفحات الانس
- ❐ صاحب المثنوی قاضی تلمذ حسین
- ❐ ملفوظات رومی ترجمہ فیہ مافیہ از ادارہ ثقافت اسلامیہ
- ❐ Me And Rumi By William C. Chittak
- ❐ The Sufi Path of Love (W.C. Chittak)
- ❐ Maqalat-i-Shamas-i-Tabrizi Edited By Muhammad Ali Movahhed
- ❐ The (40) Forty Rules of Love By Elif Shafak

✻

Marfat.com

بگذراں از جانِ ما سُوءَ القَضَا

و امبر ما از اِخوانِ الصّفا

Marfat.com

دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

اقتباس ترجمہ و تشریح

Marfat.com

بسوزا نیم سودا و جنوں را

در آشا میم ہر دم موجِ خوں را

دیوانگی اور جنونِ عشق کو ہم سوز اور وارفتگی عطا کرتے ہیں اور راہِ سلوک میں ہر لحہ موجِ خوں پیتے ہیں۔
عاشقِ حق کی روح کو عالمِ غیب سے جو نفحات کرم عطا ہوتے ہیں اور محبوبِ حقیقی سے جو خوشبو ان کی روح کو عالمِ غیب سے عطا ہوتی ہے، اس قدر مست و سرشار کرتی ہے کہ خود سودا (دیوانگی) جنوں (محبت) جو عام طور عشاق کو وارفتہ اور سوختہ کنندہ ہے وہ ان اللہ کے پروانوں کی مضطر جانوں سے سوختہ ہونے لگتی ہے۔
چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسے دیوانے ہیں کہ خود سودا اور جنوں کو اپنی آتشِ محبت سے جلاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے عشاق اور مجاز پرست تو اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں اور عاشقانِ حق اپنی مرضی اور خواہش کو حق تعالیٰ کی مرضی اور خواہش کے تابع رکھنے اور نفس کو خونِ آرزو پلانے میں ہر وقت مجاہدات اور دل پر جو غم برداشت کرتے ہیں اس کے تحمل سے زمین و آسمان بھی کانپتے ہیں اور اس حالت میں ان کی دعا کا مقام نہ پوچھیے۔
مگر مجاہدہ کے اس دریائے خون سے عبور پر ان کے قلب کو انعامِ قرب بھی ایسا ملتا ہے جس کی لذت کے لیے لغت کے الفاظ قاصر اور عاجز ہوتے ہیں۔

بوئے آں دلبر چو پرّاں می شود

ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

اس محبوبِ حقیقی کی خوشبو جب اُڑ کر عرشِ اعظم سے عاشقینِ حق کی جانوں تک پہنچتی ہے تو اس وقت اس کی لذت کو بیان کرنے کے لیے تمام زبانیں محوِ حیرت ہو جاتی ہیں۔

دیدم ز دور شمس دیں را

شاہ تبریز فخر دیں را

ہم نے دیکھا اپنے شمس الدینؒ مرشد کو شاہ تبریز ہیں، اور فخر دین ہیں۔
معلوم ہوتا ہے مولانا نے اپنے مرشد کو کہیں دور سے دیکھا اور بے تابانہ فرطِ محبت سے یہ اشعار ہو گئے۔
چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت شمس دین کو دیکھا اور وہ شاہ تبریز ہیں اور فخر دین ہیں۔

آں چشم و چراغ آسماں را

واں زندہ کنندہ زمیں را

وہ آسمانِ دین کے چشم و چراغ ہیں اور زمینِ دین کے زندہ کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

وہ شریعت وطریقت کے آسمان کے چشم و چراغ ہیں اور زمین کے زندہ کرنے والے ہیں یعنی اللہ والوں کی اطاعت کا نور، آسمان اور زمین کو منور اور زندہ کرتا ہے اور جب یہ نہ ہوں گے قیامت آ جائے گی۔ پس بقائے عالم کے یہ حضرات موقوف علیہ اور اساس وستون ہیں۔

کنارے ندارد بیابان ما
قرارے ندارد دل و جان ما

ہمارا بیاباں (مراد جولان گاہِ عشق ومحبت ومعرفت ہے) کنارہ نہیں رکھتا، اور ہمارے دل و جان طلب اور حق میں بے قرار رہتے ہیں۔

صلاح حق و دیں نماید ترا
جمال شہنشاہ و سلطان ما

صلاح الدین اپنی معیت اور صحبت اور ارشادات کے انوار ہیں، ہم کو حق تعالیٰ کا جمال (تجلیاتِ معرفت) دکھا رہے ہیں۔

حضرت سلطان صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مخلص اور خاص دوست تھے حضرت صلاح الدینؒ پہلے سونے کا ورق بنایا کرتے تھے۔ مولانا رومیؒ کا ان کی دوکان سے گذر ہوا تو سونے کا ورق کوٹنے کی آواز نے مولانا پر حال طاری کر دیا۔ مولانا کو جب غشی سے افاقہ ہوا تو حضرت صلاح الدین کے قلب کی دنیا بدل چکی تھی۔ عرض کیا کہ اب مجھے اپنی ہمراہی میں قبول فرمائیے۔

مولانا کی صحبت سے حضرت صلاح الدین کو وہ فیض ملا کہ اکابر اولیاء میں ان کا شمار ہوتا ہے، اور یہ نعمت تو اہلِ دل کی صحبت ہی سے ملتی ہے۔ الغرض حضرت صلاح الدین مولانا رومی کی صحبت میں ایسے بافیض اور ایسی دولت باطنی سے مالا مال ہوئے تبھی یہ شعر ان کی تعریف میں مولانا نے فرمایا ہے۔

بس کن کہ ہیچ گردِ او دنیا بر اہل دنیا
گر بشنوند ناگہ ایں گفتگوئے مارا

معرفت ومحبت حق کی گفتگو کو فی الحال اتنا ہی رہنے دو ورنہ اگر اہل دنیا ہماری یہ گفتگو سن لیں گے تو ان کو جس دنیا پر فخر وناز ہے وہ دنیا ان کے اوپر حقیر اور بے قدر ہو جائے گی۔

دہل بزیر گلیم اے پسر نشاید زد
علَم بزن چو دلیراں میانہ صحرا

اے لڑکے اپنے کمبل کے اندر اپنی بہادری کا ڈھول نہ پیٹنا چاہیے جھنڈا اپنی شجاعت کا لہرا دے دلیروں

Marfat.com

کے مانند میدان میں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے دینی رنگ کو مخفی رکھتے ہیں اور شرم و خوف مخلوق سے کھاتے ہیں حالانکہ انھیں اظہارِ حق میں کسی کی ملامت کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔

اگر در آئی تو در درس شمس تبریزی
بُود نتیجۂ تحصیل ہر بقا و فنا

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم میرے مرشد حضرت شمس تبریزیؒ کے درسِ علم و معرفت و محبت میں شرکت کرو گے تو تم کو اس وقت اپنے جن صفات پر ناز و فخر ہے صحیح نورِ علم عطا ہونے کے بعد مستعارِ حق سمجھ کر ان پر شکر کے ساتھ نیاز و فنائیت و عبدیت اختیار کرو گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت سے تکبر اور نخوت قلب سے نکل جاتی ہے جس سے دل نورانی ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دل اللہ تعالیٰ کے تعلق خاص کے قابل ہو جاتا ہے برعکس متکبر شیطان کا خاص قرین ہوتا ہے۔

باز آمد آں ماہے کہ ندیدش فلک بخواب
آورد آتشے کہ نمیرد بہ ہیچ آب

پھر میرا وہ چاند یعنی محبوبِ حقیقی کا قرب و حضور دل میں عطا ہوا اور یہ لذت قرب خداوندی ایسی لذت ہے کہ آسمان نے خواب میں بھی نہ دیکھا، اور حق تعالیٰ نے قلب کو اپنی محبت کی ایسی آگ بخشی ہے جس کو کوئی پانی نہیں بجھا سکتا۔

چوں دیدہ شد ز اشک لبالب ندا رسید
احسنت اے پیالہ و شاباش اے شراب

جب عاشقِ حق کی آنکھیں اشکِ محبت سے لبالب بھر گئیں تو الہام ہوا اے پیالہ (یعنی اے چشم پُر آب) مبارک ہو اور اے شرابِ محبت سے لبریز آنکھیں تجھے مبارک ہوں۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریان او ست
اے ہمایوں دل کہ آں بریان او ست

کیا ہی مبارک ہیں وہ آنکھیں جو حق تعالیٰ کی یاد میں رونے والی ہیں اور کیا ہی مبارک ہے وہ دل جو حق تعالیٰ کے لیے مضطر اور بے چین ہے۔

شمس کمال مجد بمغرب نہفت رو
اندر پیش رواں ز بسے چشم خوں ناب

غالباً اس شعر کا تعلق ایک واقعہ سے ہے۔ وہ یہ کہ جب حضرت شمس تبریزی پر مولانا رومی کے بعض

Marfat.com

نادان رفقاء نے یہ اعتراض شروع کیا کہ یہ کیسا قلندر مست فقیر ہے جس نے مولانا پر وجد، سکر اور بے خودی کی کیفیت طاری کر دی۔ چونکہ یہ نادان لوگ باطنی احوال اور تعلق مع اللہ (معیت خاصہ) کے آثار سے بے خبر تھے اس لیے انھوں نے حضرت شمس سے عداوت و نفرت کا کچھ اظہار کیا جس کے سبب حضرت شمس مولانا کو بدون اطلاع کیے اچانک شام کی طرف روپوش ہو گئے۔ جب مولانا کو خبر ہوئی تو عشقِ شیخ نے بے چین کر دیا اور دیوانہ وار در بدر تلاش کرنا شروع کیا۔ ہر ایک راہ گیر سے پوچھتے کہ کہیں ہمارے شمس کو دیکھا ہے۔ ایک دن کسی نے کہا ہاں میں نے ان کو شام میں دیکھا ہے۔ فرمایا ہائے اس شام کی صبح کیسی ہوگی جس میں میرا شمس مقیم ہے۔ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ فرماتے ہیں میرا مرشد شمس سراپا کمال مغرب میں روپوش ہو گیا۔ مراد شام ہے کہ وہ غالباً مولانا کے وطن سے مغرب کی طرف ہوگا، اور دوسری توجیہہ یہ بھی ہے کہ شمس کے لغوی مفہوم کی رعایت سے ان کی جدائی کو مغرب میں روپوشی سے تعبیر کیا ہو جیسا کہ آفتاب کے غروب ہونے کے مقام کو مغرب کہتے ہیں۔

اور مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی جدائی کے سبب ان کے مریدین صادقین کی آنکھوں سے بسبب شدتِ غم فراق خون کے آنسو رواں ہیں۔ مولانا کے اس شعر سے مولانا کا مقام محبت مع الشیخ ظاہر ہوتا ہے۔

عاشقا کمتر ز پروانہ نئی
کے کند پروانہ ز آتش اجتناب

اے عاشق تو پروانہ سے کمتر تو نہیں ہے، پس پروانہ تو آتش سے اجتناب نہیں کرتا تو تو کیوں مجاہدہ اور افناء نفس سے خائف ہے۔ یعنی عاشقِ حق اور طالب حق کو راہِ حق کی ہر مشکل سے ہمت نہ ہارنا چاہیے۔

شاہ در شہر ست و بہر چغد من
می گذارد شہر و می جوید خراب

یہاں شاہ سے مراد مرشد ہے کہ وہ تو اپنے مقامِ قرب کے سبب حضور مع الحق کی نعمت کے شہر میں ہیں مگر ہم جیسے اُلّو خصلت لوگوں کی اصلاح کے لیے وہ اپنے نوافل اور اوراد کو چھوڑ کر اُلّو وستان (خراباباد) میں ہماری تلاش میں مصروف ہیں یعنی اللہ والے ہماری اصلاح نفس کے لئے اپنے مقام سے نزول فرما کر ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس کام کے لئے مامور من اللہ بھی ہوتے ہیں۔

امت زہد زادب صفتے است
امت العشق کلھم آداب

زاہدوں کے لئے تو ادب صرف ایک صفت ہے صفاتِ حمیدہ سے اور عاشقوں کے لئے حق تعالیٰ کا راستہ ابتداء تا انتہا ادب ہی ادب ہے۔ مولانا رومی اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں۔

Marfat.com

اے خدا جوئیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از فضل رب

اے خدا ہم آپ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب تو رب کے فضل سے محروم ہی ہوا۔

مرد خدا مست بود بے شراب

مرد خدا نیست ز خاک و ز آب

خاصانِ حق بے شراب ہی مست رہتے ہیں۔ وہ عالم خاکی و آبی میں رہتے ہوئے اپنے دل کو اس سے بیگانہ اور حق کا دیوانہ رکھتے ہیں۔

مسبب اوست اسباب جہاں را

چہ باشد پیش او سُغراق اسباب

دنیا کے تمام اسباب کا پیدا کرنے والا مسبب حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ پس عبدالاسباب نہ بنو خالق اسباب سے رجوع کرو اور اسباب و تدابیر کو بھیک کا پیالہ سمجھ کر اختیار کرلو مگر بھیک ملے گی اسی ذات پاک سے۔ اسباب و تدابیر کے پیالے خواہ کتنے ہی بڑے ہوں مگر حق تعالیٰ کے کرم عام اور لطفِ عام کے سامنے وہ بے قدر اور حقیر ہیں۔

فتوح اندر فتوح اندر فتوح ست

تو مفتاحی و حق فتاح ابواب

حق تعالیٰ کی محبت و معرفت کے راستے میں غیبی انعامات کے دروازے ہر قدم پر کُھلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اے شمس تبریزی آپ تو مثل کنجی ہیں اور حق تعالیٰ ان دروازوں کے تالوں کو کھولنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے پس کنجی تالہ کو کھولنے کا ذریعہ تو ہے مگر کنجی جب ہی کھولتی ہے جب وہ کسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ پس شیخ و مرشد واسطۂ وصول الی الحق تو ہوتا ہے مگر یہ واسطہ جب ہی کام آتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فضل بھی شامل ہو اور عادۃ اللہ ہی ہے کہ ان کے مقبولین کا جو ہاتھ پکڑتا ہے اس پر فضل فرماہی دیتے ہیں۔ اور ہاتھ پکڑنے سے مراد ان کی اتباع ہے دین کے اوامر و نواہی میں اور مقبول سے مراد وہ متبع شریعت ہے جس کو کسی بزرگ کی طرف سے اجازت و خلافت عطا ہوئی ہو۔ اور محقق اللہ والا اسی کو اجازت دیتا ہے جو شریعت و طریقت کا جامع ہو۔

آں روح را کہ عشق حقیقی شعار نیست

نابودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست

اہل اللہ کی صحبت میں مجاہدات برداشت کرکے جس روح نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد نہ حاصل کیا وہ

Marfat.com

روح اس قابل نہیں کہ زندہ رہے کیونکہ ایسی روح خود بے روح ہے اور ایسی جان خود بے جان ہے۔ اس کا وجود صفحۂ زمین اور صفحۂ ہستی پر ننگ و باعث شرم ہے۔

آن زجاجے کو ندارد نور جاں
بول فارورہ ست قندیلش مخواہ

(مثنوی مولانا رومؒ)

عشق است و عاشق ست کہ باقی ست تا ابد
دل بہ جد منہہ کہ بجز مستعار نیست

عشقِ حق اور عاشقِ حق باقی ہے پس اے مخاطب دل کو جسم اور صورت پر مت قربان کر یعنی حُسن مجاز سے اجتناب کر کہ یہ عارضی اور مستعار اور فانی ہے۔ فانی معشوق پر جو بنیاد پڑے گی وہ ایک دن ڈھے جائے گی اور محبوب حقیقی کی ذاتِ پاک سے جو بنیاد وابستہ ہوگی وہ کبھی منہدم نہ ہوگی کیونکہ وہ ایسے باقی ہیں کہ ان کے عاشق بھی باقی (باللہ) ہو جاتے ہیں۔

تا کے کنار گیری تو معشوق مردہ را
جاں را کنار گیر کہ او را کنار نیست

کب تک مرنے والوں پر مرے گا اور مردہ اجسام کو کب تک بغلگیر رکھے گا۔
روح سے ہم آغوش ہو کہ روح کا کوئی کنارہ فنا نہیں۔ مطلب یہ کہ جسم کی چمک دمک مت دیکھو روح کا کمال دیکھو اگر روح عارف باللہ ہے تو اس سے دل لگا لو اور اس سے فیض حاصل کرنے میں عار محسوس نہ کرو اگرچہ وہ غلام حبشی کیوں نہ ہو۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روح پاک پر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے سیاہ جسم کے اندر خدا اور رسول پر فدا ہونے والی روح کا مقام رفیع (بلندتر) جب منکشف ہو گیا تو آپ شرفاء قریش اور اتنے جلیل القدر اور مقرب بارگاہ رسالت صحابی ہوتے ہوئے حضرت بلالؓ کی روایتوں کو قال سیدی بلالؓ سے بیان فرماتے۔ پس حضرت عمرؓ کا سیاہ فام حبشی غلام (بلالؓ) کو میرے سردار سے خطاب کرنا روحِ عارف سے محبت کرنے اور عشق ابدان کے بے قدر اور بے حقیقت ہونے پر ایک اہم سبق دیتا ہے۔

شمس تبریزی بہ نورِ ذوالجلال
در دو عالم مایۂ اقرار ماست

حضرت شمس تبریز حق تعالیٰ کے نور سے منور ہو رہے ہیں اور ان کی صحبت کے فیضان سے ہمارے قلب میں ایمان و یقین کی دولت عطا ہو رہی ہے جو ہمارا دونوں جہان کا سرمایہ ہے۔ مطلب یہ کہ اہل یقین کی

Marfat.com

صحبت سے دل میں اللہ تعالیٰ کا یقین اترتا ہے اور عارفین ہی کی صحبت سے دل میں حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اُترتی ہے۔

لاعجوز و عجوز تا اجل ست
علم عشاق را نہایت نیست

جائز و ناجائز کے احکام موت کے بعد ختم ہوجاتے ہیں مگر عاشقانِ حق کے علم معرفت ومحبت کی انتہا نہیں ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک غیر محدود اور غیر متناہی ہے اس لئے مراتب قرب ومعرفت بھی غیر متناہی ہیں۔ جس طرح مولانا رومی نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بروے میرسی بروے ما یست

اے بھائی بارگاہِ حق کی کوئی انتہا نہیں پس جس مقامِ قرب پر تو پہنچا ہے اس پر قناعت کر کے ٹھہر مت یعنی ترقی کرتے رہو۔

زہے بحر در افشانِ خراساں
کہ موجش بایزید و بوسعید است

کیا ہی مبارک ہے خراسان کا بحر دُر افشاں کہ جس کی موج بایزیدؒ و بوسعیدؒ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خراسان کی سرزمین سے چونکہ بہت سے اولیائے کرام پیدا ہوئے نیز مولانا رومی خود خوارزم شاہ کے حقیقی نواسے ہیں اور اس وقت خراسان کے حدود میں فرغانہ، خوارزم، طخارستان، سیستان، نیشاپور، مرو، سرخس، فاریاب، بخارا، ہرات، بلخ، طوس، جرجان وغیرہ بلاد شامل تھے اور مختلف دور میں خراسان کے حدود بدلتے رہے۔

ہمہ فانی و خوانِ وحدت تو
مدام ست و مدام ست و مدام ست

کائنات کی ہر چیز فانی ہے۔ مگر حق تعالیٰ کی شان یکتائی کو دوام ہے۔

غم و شادی ما در پیش تخت
غلام ست و غلام ست و غلام ست

ہمارے غم اور ہماری خوشی سب حق تعالیٰ کے حکم کے تابع اور غلام ہیں۔

Marfat.com

گر او خواہد عین غم شادی شود
عین بند پائے آزادی شود

اگر حق تعالیٰ چاہیں تو ہمارے عینِ غم کو خوشی بنا دیں اور ہمارے پاؤں کی بیڑی اور قید ہی کو آزادی بنا دیں۔ اسی غلبۂ قدرت کا نام قدرتِ قاہرہ کہلاتی ہے جو خاص صفت ہے حق تعالیٰ جلّ شانہ کی۔

بے گاہ شد بے گاہ شد خورشید اندر چاہ شد
خورشید جانِ عاشقاں در حضرت اللہ شد

آفتاب غروب ہوگیا اور رات کی تاریکی میں عاشقانِ خدا کی روحوں کا خورشید (سورج) بارگاہِ حق میں روشن ہوگیا۔ یعنی ظاہری خورشید کے غروب ہونے سے رات کے اندھیرے میں روح کو ذکر کا لطف بڑھ جانے سے باطنی خورشید قربِ حق کے سبب روشن ہوگیا۔ صوفیائے محققین نے لکھا ہے کہ اندھیرے سے روح کو مناسبت زیادہ ہے اور روح کو جمعیت و یکسوئی تاریکی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے چنانچہ اسی بنیاد پر بعض صوفیہ بوقت ذکر کوئی رومال چہرہ اور سر پر ڈال لیتے ہیں اور بعض صوفیہ حجرہ بند کر کے ذکر کا معمول رکھتے ہیں۔

خود کیست اندر راہ دل کو را نباشد آہ دل
کار آں دلے دارد کہ او غرقابۂ اللہ شکر

جس قلب کو آہ کا مقام حاصل نہیں یعنی جس سینے میں دلِ درد آشنا نہیں اور شدتِ درد سے خوگرِ آہ نہیں، وہ دل اس لائق نہیں کہ محبوب اس میں راہ کر سکے۔ وہ دل اس کام کے لئے لائق ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں غرق ہو جائے۔

چوں غرق دریا می شوی دریا برسر می نہد
چوں یوسفے چاہے کہ آواز چاہ سوئے جاہ شد

جب تو دریا میں غرق ہو جاتا ہے تو دریا تجھے اپنے سر پر رکھتا ہے اور جب سیدنا یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ڈالے گئے تو وہ چاہ (کنواں) ان کی جاہ کا سبب بن گیا۔ مطلب یہ کہ جس فنائیت سے تو ڈرتا ہے وہی تیرے بقا کا سبب ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو

قال یعنی تکبر کو چھوڑ دو اور صاحب حال بن جاؤ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مردِ کامل کے سامنے اپنے کو مٹا دو یعنی خود رائی ترک کر کے اس کی رائے پر چند دن عمل کر لو۔

Marfat.com

بر چرخ سحر گاہ یکے ماہ عیاں شد
و از چرخ بزیر آمد و در ما نگراں شد

نصف شب کے بعد ہم جو ذکر ونوافل میں مشغول ہوئے تو ایک چاند نمودار ہوا۔ مراد اس سے حق تعالیٰ کی تجلّی خاص ہے جو سالکین کو حالت ذکر میں کبھی منکشف ہوتی ہے اور وہ تجلّی خاص آسمان سے نزول کرتی ہوئی ہمارے اندر داخل ہوگئی۔ مولانا اپنی کوئی خاص حالت اس شعر میں بیان فرما گئے۔ کبھی کبھی اللہ والے اپنی کسی حالت کو شکر نعمت کے طور پر یا غلبۂ حال سے بیان کر جاتے ہیں۔

چوں باز کہ کبکے بُرد باید بگہہ صید
بر بود مرا از من و تا چرخ رواں شد

جس طرح کہ باز کبھی بڑے جانور کے شکار سے قطع نظر کر کے کوئی کبک (چھوٹی چڑیا) شکار کرلے، اسی طرح وہ تجلّی خاص نمودار ہوئی اور مجھے شکار کر گئی اور (مجھ سے جدا کر کے) یعنی عالم بے خودی میں مجھے آسمان تک لے کر اُڑ گئی۔

در جان چو نظر کردم جز ماہ ندیدم
تا سرِّ تجلّی ازل جملہ بیان شد

میں نے جان کے اندر غور کیا تو سوائے اس تجلّی خاص حق کے مجھے کچھ نظر نہ آیا یہاں تک میری روح ایسی منور ہوگئی کہ وجود باری تعالیٰ کے بہت سے اسرار ظاہر ہو گئے۔

نہہ چرخ فلک جملہ دراں ماہ فروشد
کشتی وجودم ہمہ در بحر نہاں شد

حق تعالیٰ کا ایسا قرب خاص عطا ہوا کہ اس تجلّی قرب کے اندر سات آسمان اور عرش و کرسی سب منکشف معلوم ہوتے تھے اور اس وقت میرے وجود کی کشتی بحر قرب و معرفت میں نہاں معلوم ہوئی۔

بار دگر آں قاضی حاجات ندا کرد
خیزید کہ آں فاتح ابواب در آمد

قبض کے بعد بسط کی حالت کو بیان فرمایا کہ دوسری بار ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے جو قاضی حاجات ہے آواز آئی یعنی الہام ہوا کہ اُٹھو کہ وہ رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا آ گیا۔ یعنی قرب خاص رحمتِ حق نے عطا فرمایا۔

Marfat.com

آمد بہار خرم و وقت نثار شد
سوسن چو ذوالفقار علی آبدار شد

موسم بہار تازہ آیا، فدا ہونے کا وقت آیا (رونق چمن کے سبب) سوسن کا رخ شمشیر عریاں کی طرح آبدار (یعنی نکھر گیا) ہوا۔ یہ شعر ادب فارسی کا کمال ظاہر کرتا ہے۔

اجزائے خاک حاملہ بودن ز آسماں
نہ مہہ گذشت حاملہ زاں بے قرار شد

موسم بہار میں آسمان کی بارش سے زمین حاملہ ہوئی یعنی نرم ہو کر پھول گئی اور اُبھر گئی جس طرح زمانہ حمل میں پیٹ ابھرتا ہے۔ پھر جس طرح ۹ ماہ پورے ہونے کے بعد حاملہ وضع حمل کے لیے بے قرار ہوتی ہے، اسی طرح زمین موسم برسات میں پھولنے اور اُبھرنے کے بعد اپنے اندر سے نباتات (برگ وگل وسبزہ) بے چین ہو کر اُگا دیتی ہے۔

گلزارِ چرخ چونکہ گلستانِ ما بدید
در رخ کشید پردہ بہ دل شرمسار شد

گلزار آسمان نے جب ہمارا یعنی زمین کے سبزہ وگل اور لہلہاتا چمن دیکھا تو دل میں شرمندہ ہو کر اپنے چہرہ پر پردہ ڈال لیا (موسم برسات میں بادلوں سے آسمان چھپ جانے کی صورت کو اس لطیف انداز سے بیان فرمایا ہے۔)

آں خار می گریست کہ اے عیب پوش خلق
شد مستجاب دعوت او گلعذار شد

مولانا نے عجیب مضمون بیان فرمایا جو گنہگاروں کے لیے نہایت اُمید اور تسلی کا ہے۔ فرمایا کہ موسم برسات میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دیکھ کر خار نے بزبان حال فریاد کی کہ اے خدائے عیب پوش خلق یعنی اے مخلوق کے عیب چھپانے والے خدایا اور یہ کہہ کر رونے لگا اور یہ گریہ بھی بزبان حال تھا کہ خار مخلوقِ بے زبان ہے۔ پس خار کا یہ رونا اور فریاد کرنا قبول ہوا اور حق تعالیٰ کے کرم نے خار کی عیب پوشی اس طرح فرمائی کہ خاروں کے درمیان ایسا پھول پیدا فرمایا جس کی پنکھڑیوں نے خار کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔

زندہ شدند بار دگر کشتگان دے
تا منکر قیامت بے اعتبار شد

خزاں کے مارے ہوئے اور قتل کیے ہوئے جو پودے مردہ ہو چکے تھے یعنی خشک ہو کر بے برگ وگل ہو

Marfat.com

چکے تھے یا زمین پر گرمی سے ایسے جل کر خاک ہو گئے تھے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ موسم بہار میں ابر باراں سے ان کو دوبارہ حیات حق تعالیٰ نے عطا فرما کر منکرین قیامت کے قولِ انکار کو سراسر کذب اور نا معتبر قرار دیا۔

باز شیر با شکر آمیختند
عاشقاں باہم دگر آمیختند

شیر وشکر کو پھر ملا دیا یعنی عاشقوں کو جو جدا ہو گئے تھے پھر ملا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ جب مولانا رومیؒ سے اچانک جدا ہو کر دمشق چلے گئے تھے اور پھر مولانا نے ان کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے پا لیا، اس لذتِ وصالِ محبوب شیخ کو مولانا نے بیان فرمایا کہ میں شیر ہوں اور حضرت شمس شکر ہیں حق تعالیٰ کی رحمت نے شیر وشکر کو پھر ملا دیا دوسرے مصرعہ میں صاف واضح فرما دیا کہ دو عاشقانِ حق کو آپس میں جو جدا ہو گئے تھے دوبارہ حق تعالیٰ کے کرم نے ملا دیا۔

روز و شب را از میاں برداشتند
آفتاب با قمر آمیختند

اس شعر کا تعلق اوپر کے شعر سے ہے کہ جس طرح زمین کے حائل ہو جانے سے چاند آفتاب کے نور سے محروم ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر حق تعالیٰ زمین کی حیلولت کو دور فرما کر سورج کے نور سے چاند کو روشن فرما دیتے ہیں تو چاند کے اس استفادۂ نور من الشمس کو وصل وملاقات سے تشبیہ دے کر مولانا فرماتے ہیں کہ روز و شب سے مراد زمین ہے (یہ تسمیۃ الحال باسم المحل من قبیل مجاز مرسل ہے) آفتاب اور چاند کے درمیان سے زمین کی آڑ ہٹا کر آفتاب اور قمر کو جس طرح باہم وصال عطا فرماتے ہیں یعنی استفادۂ نور کا موقع عطا فرماتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ کے کرم نے مجھ کو حضرت شمس تبریز سے ملا کر استفادۂ نور باطنی کا موقع عطا فرمایا۔

رنگِ معشوقاں و رنگِ عاشقاں
جملہ ہمچوں سیم و زر آمیختند

محبوب کا رنگ مثل چاندی اور عاشق کا رنگ مثل سونے کا ہوتا ہے کیونکہ عاشق غمِ مجاہدہ سے پیلا ہوتا ہے پس یہ ملاقات میری اور حضرت شمس کی ایسی ہے جیسے کہ سونا اور چاندی کو باہم ملا دیا ہے۔ چونکہ مولانا کو حضرت شمس کی جدائی سے بہت صدمہ پہنچا تھا اس لیے اپنی زرد روئی کو زر سے تشبیہ دی۔

چوں بہار سرمدی حق رسید
شاخِ خشک و شاخِ تر آمیختند

جب حق تعالیٰ کی طرف سے بہارِ سرمدی (دائمی) آ پہنچی تو شاخ خشک اور شاخ تر کو آپس میں ملا دیا۔

Marfat.com

مولانا نے اپنے غم اور فراق زدہ جسم کو خشک سے اور حضرت شمس کو شاخِ تر سے تشبیہ دی۔

دولت عشاقِ اُو پاینده باد

نُہ فلک مر عاشقاں را بنده باد

مولانا عاشقانِ حق کے لیے دعا فرماتے ہیں کہ اپنے دردِ محبت کی جو دولت آپ نے اپنے عاشقوں کو بخشی ہے وہ ہمیشہ باقی رہے۔

جان قربت دیده را دوری مده

جس جان نے آپ کے قرب کا مزہ چکھ لیا ہے اس کو دوری کا عذاب نہ دیجیے۔

بوستانِ عاشقاں سرسبز باد

آفتابِ عاشقاں تابنده باد

مولانا دعا کرتے ہیں کہ اے خدا عاشقوں کا باغِ قرب و معرفت جو ان کے قلب و روح میں سرسبز و شاداب رہتا ہے ہمیشہ نورِ تقویٰ سے سرسبز رہے اور معاصی کے ظلمات اور نارِ شہوت سے محفوظ رہے اور عاشقانِ خدا کے باطن میں نورِ خدا کا سورج ہمیشہ روشن رہے۔

بلبلِ دل تا ابد سرمست باد

طوطیِ جان ہم شکر خائنده باد

اور اے خدا آپ کے عاشقوں کا دل جو مثل بلبل ہے تیرے گلہائے باغ کے قرب پر شیدا ہے، ہمیشہ تیرا سرمست رہے اور اے خدا آپ کے عاشقوں کے جان کی طوطی ہمیشہ تیرے ذکر کی شکر کھانے والی رہے۔

تا قیامت ساقئے باقی و عشق

جام بر کف سوئے ما آئنده باد

اور اے خدا قیامت تک میرا ساقی مئے معرفت یعنی حضرت شمس تبریز باقی رہیں اور ان کی طرف سے ہماری طرف ہمیشہ جامِ عشق آتا رہے۔

ما اگر خشک و نزار و لاغریم

بر سرِ ما فضلِ او بارنده باد

ہم دین کے اعتبار سے اگر خشک اور کمزور و نحیف ہیں تو ہمارے سر پر حق تعالیٰ کی عنایات کی بارش ہوتی رہے۔ اسی طرح یعنی ہماری باطنی زمین دین کی بوجہ خشک ہونے کے عنایات حق کی بارش کی زیادہ محتاج ہے۔

Marfat.com

ما اگر بے دست و پائے و عاجزیم
رحمتِ او کارِ ما سازندہ باد

ہم اگر بے دست و پا اور عاجز ہیں تو حق تعالیٰ کی رحمت ہمیشہ ہمارا کام بنانے والی رہے۔

شمس تبریزے خرام اندر چمن
کہ چنیں دولت ترا پایندہ باد

اے شمس تبریز! حق تعالیٰ کی معرفت کے چمن میں ٹہلئے اور بہارِ قربِ حق کی یہ دولت جو آپ کے باطن میں ہے ہمیشہ باقی رہے۔

تا ابد از دوست سبز و تازہ ایم
ایں بہار نیست کو را دے رسد

قیامت تک حق تعالیٰ شانہ کی رحمت لازوال سے ہم سبز و تازہ ہیں یہ بہارِ قربِ حق وہ بہارِ دنیاوی نہیں ہے جس کو خزاں ختم کر سکے۔

باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

اللہ تعالیٰ کی محبت کا بازار تو ہر دم گرم تر رہتا ہے برعکس دنیاوی خوبان کا بازار کہ زوالِ حسن سے ان کے عاشقوں کا بازارِ عشق سرد پڑ جاتا ہے۔

گیا حُسن خوبانِ دلخواہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا
رنگ تقویٰ رنگ اطاعت رنگ دیں
تا ابد باقی بُود بر عابدیں

من بمردم زیں حیات منقضی
تا حیات باقیم در پے رسد

میں نے اپنے نفس کو مردہ کر لیا ہے یعنی اس حیاتِ فانی کے تقاضائے شہوانیہ کو مغلوب کالعدم کر دیا پس میں زندہ رہتے ہوئے بھی گویا مردہ ہوں لیکن یہ افناء نفس چونکہ حق تعالیٰ کی مرضی کے لیے ہے جو باقی ذات ہے لہٰذا یہ فنا سبب بقا کا ہو گیا۔ ما عند کم ینفذ و ما عند اللہ باق باقی جس لیے ما عند کم کو ما عند اللہ پر فدا کر دیا وہ اور اس کا فدا کردہ سب باقی ہو گیا۔ وہ ایسے باقی ہیں کہ ان سے تعلق کامل رکھنے والا بھی دولت بہار لازوال باقیہ سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

عاشقاں پیدا و دلبر ناپدید
در ہمہ عالم چنیں عشقے کہ دید

عاشقانِ خدا تو ظاہر ہیں اور محبوبِ حقیقی حق تعالیٰ شانہ مستور ہیں۔ کائنات میں ایسا عشق کس نے دیکھا ہے یعنی ہمارے اعمال وضو، نماز، روزہ، حج جہاد وغیرہ تو ظاہر ہیں اور جن کے لیے ہمارے جان و مال فدا ہوتے ہیں وہ ذاتِ پاک نگاہوں سے مخفی ہے۔

نارسیدہ یک لبے بر لعل دوست
صد ہزاراں روح بر لبہا رسید

محبوبِ حقیقی تک نارسائی کے سبب سو ہزار روحیں شدتِ غم و فراق سے عاشقوں کے لبوں تک پہنچ گئیں۔

نا گرفتہ در کنار او را یکے
صد ہزاراں جاں ز قالبہا رسید

حق تعالیٰ کی ایک ذات ایسی ہے کہ ان سے جدائی میں صد ہزار جانیں اپنے اپنے قالب سے یعنی ابدان سے جدا ہو چکی ہیں۔

ناکشیدہ دامن معشوق غیب
دل ہزاراں محنت و ضربت کشید

جو محبوبِ حقیقی سے دور ہے اس کے دل پر دنیا کے ہزاروں فکر و غم کی مار پڑتی رہتی ہے۔

از وصالش ناچشیدہ شربتے
صد ہزاراں ہر ہر عاشق چشید

حق تعالیٰ کی راہ میں حصولِ رضاء کی خاطر ہر عاشق نے مجاہدات کے سو ہزار زہر چکھے۔ یعنی نفس کی لذات کو ترک کرنے کا غم برداشت کیا۔

نا شگفتہ از گلستانش گلے
صد ہزاراں خار در سینہ خلید

جس عاشق کا پھول حق تعالیٰ کی بہارِ گلستاں سے شگفتہ نہ ہوا سو ہزار کانٹے اس کے سینہ میں چبھ گئے۔

خارِ اُو از جملہ گلہا دست بُرو
قفل او دلکش ترست از صد کلید

جس خار کو ان کے باغ سے نسبت ہے وہ بوجہ بے نیازی اپنا ہاتھ گلوں سے ہٹا لیتا ہے۔ اور محبوبِ حقیقی کا

Marfat.com

تو قفل بھی سینکڑوں کنجیوں سے دلکش ہے۔

ردِّ اُو بہ از قبولِ دیگراں
لعل و مروارید سنگش را مُرید

محبوبِ حقیقی کا ردفرمانا دوسروں کے قبول کرنے سے بہتر ہے اور لعل وموتی اس کے سنگ در کے مُرید ہیں۔

ایں سعادتہائے دنیا ہیچ نیست
آں سعادت جو کہ دارد بوسعید

دنیا کی یہ سعادتیں اور راحتیں کچھ نہیں ہیں وہ سعادت تلاش کرو جو حضرت بوسعیدؒ (باطن میں) رکھتے ہیں۔یعنی تعلق مع اللہ کی دولت تلاش کرو۔

قد بالائے کہ عشقش بر فراشت
درگذشت از کرسی و عرش مجید

حضرت بوسعیدؒ کے عشقِ حقیقی نے جو قدِ مرتبت اٹھایا تو اس کا سراعرش وکرسی سے آگے بڑھ گیا۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہوتی ہے کہ ان کے جسم تو زمین پر مثل کوہ قاف ہیں اور ان کی روح حق تعالیٰ کا طواف کرتی ہوتی ہے۔

از مضیق جسم چوں یابی خلاص
بے تجدد عالمے یابی جدید

اس جسم سے جب خلاصی ہوگی تو ایک نیا عالم پاؤ گے جو بے کیف وکم ہوگا۔مراد عالم قربِ حق ہے۔

ہے خمش کن عالم السر حاضر ست
نحن اقرب گفت من حبل الورید

اب مولانا فرماتے ہیں ارے خاموش رہو عالم ستر تو عالم حاضر ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمادیا ہم تم سے تمہاری جان سے قریب تر ہیں۔پس یہ عالم غیب معنی عالم شہادت بھی ہے۔

کیمیائے کیمیا سازست عشق
خاک را گنج معانی می کند

عشقِ حقیقی ایسی کیمیا ہے جو عاشقِ حق کو کیمیا ساز بنا دیتا ہے یعنی اس کی صحبت کی برکت سے کتنے رند بادہ خراب تائب ہوکر اولیاء اللہ بن جاتے ہیں اور عشقِ حق انسانِ خاکی کو معرفت کا خزانہ بنا دیتا ہے نیز دردِ

Marfat.com

محبت سے جو مضمون بیان کرتا ہے اس میں اثر ہوتا ہے۔

گہہ چو روح اللہ طبیبے می شود
گہہ خلیلے میزبانی میکند

عشق عاشقانِ حق کے لیے کبھی تو طبیب بن جاتا ہے اور کبھی میزبان بن کر غذائے روحانی دیتا ہے۔

شوق چوں موسیٰ نمی گرد و خمش
گر سماع لن ترانی میکند

عشق کی خاصیت یہ بھی ہے کہ عاشقوں کو آوازِ لن ترانی سننے کے باوجود شوق کم نہیں ہوتا۔

اندریں طوفان کہ خون ست آب او
لطف خود را نوح ثانی می کند

جب عاشقوں کا خون پانی ہو جاتا ہے اور آنکھوں سے اشک کی صورت میں مثل طوفان بہہ پڑتا ہے تو عشق اپنے لطف کو نوحِ ثانی بنا کر عاشق کو کشتیِ امن عطا کرتا ہے۔

اشک خون است و بغم آبے شد ست

(رومی)

آنسو دراصل خون ہوتا ہے مگر غم سے پانی ہو جاتا ہے۔

روز و شب شوریدگان عشق را
چوں محمد پاسبانی می کند

اور روز و شب اپنے شوریدگانِ عشق کی پاسبانی کرتا ہے۔

بانگ اِنّا نستعین ما شنود
کرد اجابت مستعانی می کند

حق تعالیٰ نے ہم سے اِنّا نستعین (ایاک نستعین) سنا اور قبول فرما کر ہماری استعانت فرماتے رہتے ہیں۔

ہر کسے را حصہ دادی عجب
خار با گُل ہمعنانی می کند

ہر شخص کو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت و قرب و محبت و معرفت سے حصہ دیا ہے اور خار و گل کو ہمعنان (ہم

Marfat.com

مجلس و ہم سفر) بنا رکھا ہے۔ یعنی اہل اللہ کو اور ان کے طالبین کو ایک ساتھ رکھا ہوا ہے حالانکہ طالبین میں بعض بہت ناقص مثلِ خار ہوتے ہیں۔

ہر کرا اسرار عشق اظہار شد
رفت یارے از بقا بیزار شد

جس بندہ پر حق تعالیٰ اپنی محبت کا راز ظاہر فرماتے ہیں وہ حق تعالیٰ ہی کے ذکر و فکر کو عزیز سمجھتا ہے اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر کے مقامِ فنائیت حاصل کر لیتا ہے اور یہی بقا سے بیزاری ہے۔
تو اپنے کو مٹا دے اور کچھ باقی نہ رہے بس یہی تیرا کمال ہے۔ جا اور ان کے اندر گم ہو جا یہی تیرا وصال ہے۔

شمع افزوں را بروز آفتاب
بنگرش چوں باطل الاثار شد

حق تعالیٰ کا نور قلب میں پیدا ہو جاتا ہے (ذکر و فکر اور صحبتِ شیخ کے فیضان سے) تو جس طرح آفتاب کے سامنے چراغ بے نور معلوم ہوتا ہے اسی طرح تمام کائنات اور موجودات عارف باللہ کی نگاہوں سے کالعدم ہو جاتی ہے۔

جوئے جویاں ست و پویاں سوئے بحر
عاقبت زاں غرق دریا بار شد

نہر ڈھونڈنے والی ہے اور دریا کی طرف دوڑنے والی ہے اور اس سعی مسلسل کا ثمرہ یہ ملا کہ انجام کار وہ نہر بڑے دریا سے جاملتی ہے۔ اس شعر میں وصول الی اللہ کو اس مثال سے سمجھایا ہے کہ اگر تم مسلسل طریق طے کرتے رہو گے تو ایک دن ضرور واصل ہو جاؤ گے۔

در بدو مقصود گل بنمود روئے
جملہ گلہا بر در او خار شد

اگر وہ محبوبِ حقیقی کسی قلب و روح میں تجلی قرب دکھائے تو جملہ عالم نگاہوں میں بے قدر معلوم ہوگا یعنی اس گل کے سامنے تمام گلہائے کائنات خار معلوم ہوں گے۔

ہمچو من شو در ہوائے شمس دیں
آں صبا کزوے دلم گلزار شد

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں کہ میری طرح اے مخاطب تو بھی منارۂ عشق و معرفت میرے مرشد شمس الدین تبریزی کا عاشق ہو جا کیونکہ میرا مرشد مثل صبا کے ہے کہ جس کے فیض سے میرا دل گلزار ہو رہا ہے یعنی جس

Marfat.com

طرح بادِ نسیم کی چھیڑ سے کلیاں چمن میں چٹک کر اپنی خوشبو کی سیل توڑ کر فضائے چمن کو معطر کرتی ہیں اسی طرح مرشد کامل کا فیض مثلِ نسیم سحر ہمارے قلب و روح کی اُس سر بستہ دردِ محبت ازلی کی سر بہ مہر خوشبو کی سیل توڑ دیتا ہے جو ساقی ازل نے عالم ازل میں ودیعت فرمائی تھی۔

ہر کہ بہر تو انتظار کند
بخت او اقبال را شکار کند

جو شخص کہ طریق میں تعجیل نہ کرے اور خدائے پاک کے فضل و رحمت کا امیدوار و منتظر رہتے ہوئے ذکر و فکر میں لگا رہے تو دراصل اس شخص کا نصیبہ اقبال مندی کا شکار کرتا ہے۔

بہر باراں چو دست منتظر ست
سنگ را لعل آبدار کند

وادی و دشت و کوہ جب بارش کا انتظار کرتی ہے تو فیضانِ رحمتِ باراں سنگ کو لعل آبدار کر دیتا ہے۔ پس سالک کو بھی انتظار رحمت و فضل کرنا چاہیے۔ بس کام میں لگا رہے اور ثمرہ کی طرف توجہ ہی نہ کرے کہ اس راہ میں توفیق ذکر خود ثمرۂ عظمیٰ ہے۔ کیا معمولی انعام ہے کہ ہماری زبان سے ان کا نامِ پاک جاری ہو اور جبکہ ہر اللہ کہنے کے اندر حق تعالیٰ کی طرف سے اسی میں بہت سے لبیک بھی پوشیدہ ہیں۔

زیر ہر اللہ تو لبیک ہاست
دیں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

(مثنوی مولانا روم)

ز انتظار جنین دروں رحم
نطفہ را شاہ گلعذار کند

یہ انتظار ہی کی برکت ہے کہ رحم مادر میں ۹ ماہ جنین انتظار کرتا ہے اور یہ انتظار اس نطفہ کو شاہِ گلعذار کرتا ہے۔

ع کون ہے وہ جس نے پانی پر صورت گری کی ہے اور نطفہ کو پری جیسی صورت عطا کرتا ہے۔

انتظار حبوب زیر زمیں
ہر یکے دانہ ہزار کند

زمین کے نیچے دانہ انتظار کرتا ہے اور یہ انتظار اسی ایک دانہ کو ہزار دانہ کراتا ہے۔

Marfat.com

بے کران ست فضل منتظرش
راندہ را لائق کنار کند

حق تعالیٰ کا فضل منتظر بے پایاں ولا متناہی ہے جو راندۂ دربار کو درباری اور مقبول کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جن کے ابتدائی حالات خراب تھے اور پھر حق تعالیٰ کی رحمت سے ان کو توفیق توبہ عطا ہوئی اور وہ مقبول بارگاہ ہو گئے اور بعضے پیشوائے امت ہو گئے۔

انتظار صبی سوئے استاد
مکسب علم بے شمار کند

بچے کا استاد کی طرف انتظار علم بے شمار اس کو عطا کرتا ہے۔ یعنی استاد کے مشورہ سے تعلیم کی محنت جاری رکھے اور عجلت نہ کرے، ایک دن علم بے شمار حاصل ہوگا۔ مولانا کا ہر شعر میں نئے نئے مثال کا مقصد طالب علم کی ہمت بڑھانا ہے اور تعلیم استقامت دینا ہے اور ''الاستقامۃ فوق الکرامۃ'' استقامت کرامت سے افضل ہے۔

ز انتظارات شمس تبریزی
تیر و ناہید و مہہ دوار کند

شمس الدین تبریزی کے ساتھ رہنا اور مجاہدات برداشت کرنا اور الطاف وعنایاتِ غیبیہ کا منتظر رہنا ستارۂ عطارد و زہرہ اور چاند کی طرح گردش کرنے والا کرتا ہے یعنی ایسی قوی نسبت عطا ہوتی ہے کہ کائنات میں خلق کثیر اس سے استفادۂ باطنی کرتی ہے۔

اے دوست شکر خوشتر یا آں کہ شکر سازد
خوبی قمر بہتر یا آنکہ قمر سازد

اے دوست! شکر زیادہ بہتر ہے یا وہ جو شکر ساز ہے یعنی شکر کا خالق زیادہ بہتر ہے یا شکر؟ اور قمر کا حسن زیادہ بہتر ہے یا وہ جو قمر ساز ہے یعنی جو قمر کا خالق ہے۔

اس شعر میں تعلیم ہے کہ نعمت کو مُنعم سے افضل مت سمجھو اور کفار و مشرکین کی طرح نعمتوں میں مشغول ہو کر نعمت دینے والے کو مت بھولو۔

اے عقل تو بہہ باشی دردانش و در بینش
یا آنکہ بہر لحظہ صد عقل و نظر سازد

اے عقل تو بہتر ہوگی فہم ونظر کے اعتبار سے یا وہ جو ہر لحظہ صد عقل ونظر ساز ہے یعنی سینکڑوں عقل ونظر کا

Marfat.com

خالق ہے۔ اس شعر میں تعلیم ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہم پر واجب ہے خواہ ان کے احکام کی حکمت ہماری ناقص عقل میں نہ آئے کیونکہ ہماری عقل مخلوق اور حق تعالیٰ ہماری عقل کے خالق ہیں تو عقل کو عقل ساز کے سامنے سرنگوں ہونا ہی عین تقاضائے عقل ہوگا بشرطیکہ وہ عقل عقل سلیم ہو۔ اور کسی عقل کا خود عقل ساز ہی کے احکام پر تمسخر اور اعتراض انتہائی بے عقلی اور فتورِ عقلی کی دلیل ہے بلکہ یہ عقل بد ذات ہے یعنی اس کی ذات میں کوئی خرابی ہے۔ جیسا کہ شیطان بد ذات نے امر الٰہی میں چوں و چرا کیا اور مردود ہوا۔

اے باغ توئی خوشتر یا گلشن و گل در تو
یا آنکہ ببارد گل صد نرگس تر سازد

اے باغ تو بہتر ہے یا تیرے اندر جو پھول و چمن ہے وہ بہتر ہے یا وہ جو گل برساتا ہے اور سینکڑوں نرگسِ تر پیدا کرتا ہے اس شعر میں بھی دنیا کے باغ و بہار سے نظر ہٹا کر حق تعالیٰ کے بہارِ قرب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

شمس الحق تبریزی صد گونہ کند دل را
گاہیش کند تیغ گاہیش سپر سازد

شیخ شمس تبریزؒ کا فیض روحانی ہے کہ میرا دل سو قسم کے وار کرتا ہے کبھی تو تلوار کرتا ہے یعنی میرے قلب سے دوسرے زخمی ہوتے ہیں۔ اور کبھی میرا دل سپر بنتا ہے اور اس پر دوسروں کے تیر لگتے ہیں۔

مصرع اولیٰ میں مولانا نے اپنا کمال فیض باطنی بیان فرمایا ہے کہ فیض شمس سے میرا قلب اب دوسروں کو صاحب نسبت بنا رہا ہے اور مصرع ثانیہ میں مولانا نے اپنا صبر و تحمل ملامتِ خلق کے مقابل میں بیان فرمایا ہے کہ تیر طعن خلائق کے سامنے میرا قلب سپر بھی بنا ہوا ہے۔

آنجا کہ عشق آمد جاں را چہ محل باشد
ہر عقل کجا پرّد آنجا کہ جنوں باشد

جب عشق اپنا اثر کامل کسی دل پر کر لیتا ہے تو پھر جان کی محبت باقی نہیں رہتی جیسا کہ حضرات صحابہؓ بے دریغ بے جگری سے جنگ لڑ کر شہید ہوتے تھے اور روایت میں ہے کہ ایک صحابی کے تیر لگا تو حالت وجد میں فرمایا فُزت و ربّ الکعبہ ربِّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

سیمرغ دلِ عاشق در دام کجا گنجد
پرواز چنیں مرغے از کون بروں باشد

عاشق حق کا دل مثل سیمرغ کے کسی جال میں پھنس نہیں سکتا۔ جالوں میں چھوٹی چڑیاں پھنسا کرتی ہیں

Marfat.com

سیمرغ تو جال ہی کو پھاڑ ڈالے گا۔اسی طرح جولوگ اللہ والوں کو جال میں پھنسانا چاہتے ہیں ان کا جال ہی پھٹ جاتا ہے۔

مولانا رومی حضرت شمس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

ترجمہ: اپنا وجود کسی دنیاوی طمع سے فروخت نہیں کرسکتا ہاں حق تعالیٰ شانہ، کی محبت میں اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

جامِ مئے موسیٰ کش مخدوم ضیاء الحق

تا آب شود پیشت ہر بحر کہ خوں باشد

اے مخدوم ضیاء الحق! آپ توحید موسوی کا جام پی لیجیے تا کہ آپ کے لیے بحر خون بحر آب بن جائے یعنی حضرت موسیٰ علیہ لسلام جس طرح عافیت وسلامتی سے دریائے نیل کو عبور کر گئے حالانکہ وہ طوفان خیز دریائے نیل ہلاکت خیزی کے اعتبار سے دریائے خون ہو رہا تھا مگر حق تعالیٰ کا فضل بھی عجیب رنگ رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اے ضیاء الحق تم حضرت شمس تبریزی کی صحبت وخدمت سے جام معرفت ومحبت پی کر تو دیکھو پھر یہ کائنات اور اس کے تمام فتنے اور یہ صورتیں اور صورتوں کی دلبری کے ہنگامے سب تمہاری قوتِ ایمانی کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور بسلامت طریق کو طے کرلو گے۔

اے عشق از تو جملہ شادند

و از نورِ تو عاشقاں بزادند

اے عشق حقیقی (محبت با خدا) تجھ سے جملہ عاشقانِ خدا مسرور و فائز المرام ہیں اور اے عشق (حقیقی) تیرے ہی نور سے عشاق پیدا ہوتے ہیں یعنی عاشقانِ حق کی تمام ترقیاتِ باطنی اور قوتِ پرواز سوئے خدا تیرے ہی دم سے ہے۔

مولانا روم ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ زاہد خشک ایک ماہ میں صرف ایک دن کا راستہ طے کرتا ہے اور عاشقِ حق ہر وقت فیضانِ دردِ محبت و جذبِ عشق سے محبوبِ حقیقی کے تخت یعنی عرشِ اعظم تک پہنچتا ہے۔

جب اللہ والے خاموش بھی ہوتے ہیں تب بھی ان کے باطن میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت کے نعرہ ہائے دردِ محبوبِ حقیقی تک دور عرشِ اعظم تک پہنچتے رہتے ہیں۔

ہر کس کہ سر او دیدۂ داشت

دیدند ترا و سر نہادند

جس شخص کے سر میں دیدۂ حق بین ہے اس نے اے عشق! تجھے دیکھا اور دیکھتے ہی تیرے جلووں کے

Marfat.com

سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

چوں از در تو مدد نیابند
گر حمزہؓ و حیدرؓ اند بادند

اے عشق اگر تیرا فیض عشاق کو نہ پہنچے یعنی حق تعالیٰ اپنے کرم سے سالکین کی ارواح کو جذب نہ فرمائیں تو بڑے بڑے شیرانِ طریق بھی روباہ ہو جائیں اور ان کا پتہ بھی نہ چلے جس طرح ہوا آئی اور چلی گئی۔ پس جو بھی واصل ہوا جذبِ حق سے واصل ہوا اپنی سعی و طاقت اور ریاضت و مجاہدہ کو صرف بہانۂ رحمت سمجھے۔ جس طرح چھوٹے بچے کو جو چل نہ سکتا ہو ماں باپ چلاتے ہیں مگر جب گرنے لگتا ہے تو دوڑ کر گود میں لے لیتے ہیں اسی طرح بندہ اپنی طرف سے جب سلوک طے کرتا ہے تو مولائے قدوسی اپنی چال سے اسے آغوشِ رحمت میں لے لیتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ و حضرت علی حیدرؓ کو بطور استعارۂ شجاعت کے استعمال کیا ہے ان کے مسمیٰ مراد نہیں ہیں۔

ہاں اے دلِ بستہ سینہ بکشائے
کاں گمشدہ در کنار آمد

ہاں اے دلِ افسردہ غمِ فراقِ یار سے (قبضِ باطنی سے) اپنی سینے کو کشادہ کر یعنی خوش ہو جا کیونکہ وہ گمشدہ محبوب پھر جلوہ فرما ہے۔

سالک کی دو حالتیں ہوتی ہیں: قبض یا بسط۔ قبض میں تجلی مستتر ہوتی ہے جس سے افسردگی اور بے کیفی ہوتی ہے اور یہ حال سالک کے علاجِ عجب و کبر کے لیے اکسیر ہے پھر حق تعالیٰ اپنی حکمت اور علم کے پیشِ نظر حالتِ بسط عطا فرماتے ہیں جس میں تجلی قرب کا احساس اور انکشاف ہوتا ہے جس سے سالک پر کیف و سرور اور فرح طاری رہتا ہے۔

گفتی گفتی کہ بہ شہ چہ عذر گویم
خود شاہ بہ اعتذار آمد

اے مخاطب تو نے کہا کہ میں اپنے گناہوں کے متعلق کیا عذر احکم الحاکمین کے روبرو پیش کروں گا مگر وہ سلطان کرم و عفو خود سازندۂ عذر ہو کر جلوہ فرما ہے۔ یعنی تو استتار تجلی کا سبب کوتاہی و قصور سمجھ کر عذر خواہی کا عنوان سوچ رہا تھا کہ وہ شاہِ کرم تیرے قلب پر خود ہی مضمون معذرت تلقین فرما کر مائل بہ کرم جلوہ فرما ہے۔

واں دل کہ ز دام عشق دور است
بازے باشد کہ پر ندارد

جو دل کہ محبت حق کے دام سے دور ہے وہ اس باز کے مانند ہے جس کے پر نہ ہوں۔

Marfat.com

اول نظر ورطہ سرسری بود
سرمایۂ ناز دلبری بُود

پہلی نظر اگر چہ سرسری بھی کسی حسین پر پڑ جائے لیکن وہ نظر ناز دلبری کا سرمایہ ہوتا ہے۔ پس سر سری نظر سے بد نگاہی بھی تباہ کر دیتی ہے اور سینے سے دل کو غائب کرتی ہے اور سینۂ بے دل بے چین و سکون ہوتا ہے۔

آہ کہ بار دگر آتشے در من فتاد
دیں دلِ بیخود شدہ روئے بصحرا نہاد

آہ کہ پھر آتشِ عشقِ حقیقی نے دل کو شوقِ وصال سے مضطر کیا اور یہ دل بے خود ہو کر صحرا کی طرف رُخ کر گیا۔ مراد وہ کیفیاتِ خاصہ ہیں جو سالکین کے قلوب پر حق تعالیٰ کی رحمت سے وارد کیے جاتے ہیں اور اس جذبِ حق تعالیٰ کا راستہ طے ہوتا ہے۔

آہ کہ دریائے عشق بارِ دگر موج زد
از جگرم ہر طرف چشمۂ خوں بر کشاد

آہ کہ دریائے عشق دوسری بار پھر لہریں لے رہا ہے جس کے نتیجے میں ہر طرف میرے جگر سے خون کے چشمے اُبل پڑے۔

آتش دل سہل نیست ہیچ ملامت مکن
یا رب فریاد رس ز آتش دل داد داد

دل کی آگ آسان نہیں اہلِ عشق پر ملامت و اعتراض مت کرو۔ اے میرے رب میں آتشِ دل سے آپ کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہوں۔ یعنی یہ راہِ عشق آپ کا فضل ہی طے کرا سکے گا۔

دست تو دستِ خدا چشم تو مستِ خدا
بر ہمہ اُفتادہ باد سایۂ رب العباد

اے شیخ و مرشد حضرت شمس تبریزی! آپ کی عنایت دراصل عنایت حق ہی کا ظل و عکس ہے اور آپ کی آنکھیں مست خدا ہیں۔ جملہ طالبین پر مقبولانِ الٰہی کا سایۂ عنایت کہ وہ دراصل عکس سایۂ رب العباد ہے قائم رہے۔ مراد یہ کہ اللہ والوں کی عنایات اور ان کی مجالس و مصاحبت و محبت و مشاورت و اطلاع حال و اتباع تجویز کو مغتنم اور دولت عظمیٰ سمجھنا چاہیے کہ یہ مقبولان الٰہی خدا تو نہیں ہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہیں حق تعالیٰ کے محبوب و مقبول ہونے کے سبب ان کی صحبت میں کیمیا جیسی تاثیر ہے۔

Marfat.com

تلخی صبر اگر گلوگیر است

عاقبت خوشگوار خواہد بُود

صبر کی تلخی اگر گلو گیر ہے یعنی صبر کرنا اگرچہ مشکل ہوتا ہے لیکن اگر رضائے الٰہی کے لیے صبر کا مجاہدہ برداشت کر لے تو انجام صبر کا نہایت ہی خوشگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ نفس کو گناہوں سے روکنے کی تکلیف برداشت کرنے کا انعام جنت ہے۔

دامن جدّ وجہد را بکشا

کز فلک در نثار خواہد بُود

جدوجہد یعنی کوشش ومجاہدات کے دامن کو وسیع کر کہ آسمان تجھ پر دُر نثار ہوگا یعنی خالق آسمان سے رحمت کا نزول ہوگا وعدۂ ”والذین جا ھدوا الخ“ کی طرف اشارہ ہے۔

دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد

ایں دلم از جنوں می خسپد

آنکھ از انتظار خون ہوگئی یعنی خونریز ہوگئی۔ بس خون ٹپک پڑا نگاہِ انتظار سے۔ یہ میرا دل کیف وسرور دیوانگی سے سوتا ہے۔ یعنی قرب وحضور مع الحق کے بغیر مجھے نہیں نیند آتی ہے۔

ہر کہ در ذوق عشق دنگ آمد

سخت فارغ ز نام و ننگ آمد

جو شخص کہ ذوقِ عاشقی سے دیوانہ وحیران ہوا۔ یعنی خیال محبوب میں غرق ہوا وہ نام اور ننگ وناموس کی فکر وکاوش سے آزاد ہوا۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ محبت وہ نعمت ہے جو حب جاہ کو فنا کر دیتی ہے۔ جبکہ ہزاروں مجاہدات سے بھی یہ بیماری بہ مشکل جاتی ہے۔

شیشۂ عشق را فراغت ہاست

گر بر و صد ہزار سنگ آید

اللہ والوں کے نورِ قلب کو حاسدین اپنے اعتراض کی ہوا سے بجھانا چاہتے ہیں مگر ہزاروں پتھروں کی بوچھاڑ کے باوجود ان کے شیشۂ قلب کو حفاظت خداوندی حاصل ہے۔

اگر کائنات تمام تر آندھی سے بھر جائے پھر بھی مقبولانِ حق کا چراغ نہیں بجھ سکتا۔ اللہ والوں کے دلوں

Marfat.com

میں دردِ محبت کا جو ذرّہ ہوتا ہے وہ آفتاب اور ماہتاب سے زیادہ روشن ہوتا ہے کیونکہ ہزاروں مجاہدات سے یہ ذرّہ درد عطا ہوتا ہے۔ ہزاروں آرزوؤں اور تمناؤں کے خون کے شفق سے آسمان دل پر حق تعالیٰ شانہ کے قرب کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ اسے حاسدین اور متکبرین بجھا نہیں سکتے۔

صد ہزاراں چو آسمان و زمین
پیش جولان عشق تنگ آمد

حق تعالیٰ کی محبت کے درد کی وسعت کے سامنے لاکھوں آسمان و زمین کو وسعت تنگ معلوم ہوتی ہے۔ عاشقانِ حق کی فریاد اور آہ عرش تک جاتی ہے اور ہر وقت ان کی ارواح کا رابطہ ذات حق سے قائم رہتا ہے۔ اس وجہ سے اس ذات پاک غیر محدود اور غیر متنا ہی کے جمال و تجلی کے سامنے تمام کائنات محدود اور ان کی نگاہوں سے کالعدم ہو جاتی ہے۔

شمس تبریزؒ ہر کہ بے تو بزیست
عذر او پیش خلق لنگ آمد

اے شمس تبریزؒ! آپ کی صحبت اور محبت کے بغیر جو زندگی گزارتا ہے وہ کتنا ہی عذر پیش کرے عدیم الفرصتی کا مگر مخلوق میں آپ کی ایسی مقبولیت ہے کہ مخلوق ہر عذر کو عذرِ نا معتبر قرار دے دے گی۔ اس شعر میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس جذبۂ محبت کا اظہار کیا ہے جو اُن کو اپنے مرشد حضرت شمس تبریزؒ سے والہانہ تھا۔

پرّ و بال از جمال حق روئید
قفس و مرغ بیضہ پراں شد

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی ترقیاتِ باطنی اور پروازِ روحانی حق تعالیٰ کے مشاہدۂ جمالی اور حلاوتِ ذکر سے ہوتی ہے جس کو پر و بال سے تشبیہ دی ہے اور یہی وہ لذتِ قرب ہے جو ان کو تمام کائنات سے بے نیاز رکھتی ہے۔

شمس تبریز نردبانے ساخت
نام گردوں بر آ کہ آسان شد

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد شمس تبریزؒ نے سیڑھی بنا دی ہے، اب آسمان پر سفر آسان ہے۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا راستہ پیر کے ذریعہ بآسانی طے ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

عارفاں جانب نعیم روند
غافلاں خوار بے خبر میرند

عارفینِ حق جنت کی طرف منزل طے کر رہے ہیں اور خدا سے غافل لوگ خدا سے بے خبری کے سبب ذلت کی موت مر رہے ہیں۔

وانکہ ایں جا علف پرست برند
گا و بودند و ہمچو خر میرند

اور وہ لوگ جو یہاں یعنی دنیا میں خدا کے خوف سے بے پروا اور آخرت سے غافل ہو کر مثل جانور دنیا کے گھاس وبھوسے پر فدا ہیں ان کی زندگی گائے بیل کے مانند اور موت گدھے کے مانند ہوتی ہے۔حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں کفار کو فرمایا ہے کہ یہ مثل جانور ہیں بلکہ جانوران سے زیادہ افضل ہیں۔

بادہ فراواں و خم و جام مے
بوسہ بے اندازہ و لب ناپدید

بادہ اور خم اور جام مے ہے اور بوسہ بے انداز اور بے شمار ہے اور لب پردۂ غیب پوشیدہ ہے۔مراد یہ کہ پیہم عنایاتِ حق مخلوق پر ہو رہے ہیں اور حق تعالیٰ اپنی محبت و جذب پنہاں کے انعامات بصورتِ توفیقاتِ اعمالِ صالحہ اپنے اولیاء کو عطا فرما رہے ہے اور اعمالِ صالحہ میں حلاوت ولذت عطا فرما کر عبادت کو اس درجہ پر کیف وسرور بنا رہے ہیں یعنی عاشقانِ حق کو عبادت سے وہ ٹھنڈک آنکھوں کو عطا ہوئی اور وہ سرورروح کو عطا ہوا کہ وہ فانی مستی بادہ کو اپنی سرمدی مستی کا غلام وگدا سمجھنے لگے۔

ہر کہ ز عشاق گریزاں شود
عاقبت الامر پریشاں شود

جو شخص کہ عاشقانِ حق سے بھاگتا ہے بالآخر اسے پریشانی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔مراد یہ اہل اللہ کی صحبت سے فرار مضر ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

دل کہ سوئے عشق کشد عاقبت
در حرم عصمت سلطان شود

جو دل اللہ تعالیٰ کی محبت عاشقانِ خدا کی صحبت اور خدمت سے حاصل کرتا ہے انجام کار وہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور خصوصی حفاظت حق تعالیٰ کی اس کے ساتھ شامل حال ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

رو بہ دل اہل دلے جائے گیر
قطرۂ ایم لؤ لؤ مرجان شود

جاؤ کسی اہل دل کی صحبت میں خلوصِ دل سے کچھ مدت رہو کیونکہ ان کی صحبت کیمیا تاثیر سے جس طرح پانی کا قطرہ صدف کے اندر موتی بن جاتا ہے تم بھی موتی بن جاؤ گے اور جس طرح وہ پانی کا قطرہ صدف کے باہر موتی نہیں بن سکتا اسی طرح تم بھی صحبت اہل اللہ کے بغیر انسان کامل نہیں بن سکتے۔

بیا دلہا و جانہا را شہنشہ باز می خواند
بیا کہ گلّہ را چوپاں بسوئے دشت می راند

اے مخاطب آ کہ دلوں اور جانوں کو شہنشاہِ حقیقی پھر اپنی محبت سے جذب فرما رہے ہیں یعنی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔

منم مست و مرا اصل از مئے عشق
بگو از من بجز مستی چہ آید

میں مست ہوں اور میرا وجود ہی مئے عشق حقیقی سے ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنا عشق ہماری جان میں رکھ کر ہم کو دنیا میں بھیجا ہے اور ہمارا وجود ہم کو اپنی محبت کی شرط پر بخشا ہے پس معترض سے کہہ کہ جب اصل خمیر ہی میں ہمارے عشق کی چنگاری رکھی ہوئی ہے تو ہم مولائے حقیقی کے عشق سے بخوف ملامت و اعتراض کس طرح دستبردار ہو سکتے ہیں۔

اگر عالم ہمہ پر خار باشد
دل عاشق گل و گلزار باشد

اگر تمام دنیا کانٹوں سے بھر جائے لیکن حق تعالیٰ شانہ کے عاشق کا دل ہمیشہ گل و گلزار اور پر بہار ہوگا۔

کیونکہ دنیائے فانی کی ہر بہار فانی ہے اور حیّ و قیوم کی ذات باقی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے تعلق و محبت کی بہار بھی بہار بے خزاں اور باقی ہے۔

وہ ایسی بہار نہیں جسے خزاں زائل کر سکے یا نقصان پہنچا سکے۔ اللہ والوں کو اگر کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت و حکمت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پر سکون اور خنجر تسلیم کے سامنے سرِ تسلیم خم رہتے ہیں۔

Marfat.com

اگر بے کار گردد چرخ گرداں

جہاں عاشقاں بر کار باشد

اگر آسمان گردش کرنے والا اپنے کام سے کسی وقت بے کار ہو جائے اور جس کے سبب تمام نظام ارضی و فلکی درہم و برہم ہو جائے پھر بھی خدا کے عاشقوں کی کائنات سرگرم کار رہے گی یعنی عشاقِ حق ہر حالت میں با خدا رہتے ہیں اور ہنگامہ عشق حقیقی کا کبھی ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

ہمہ غمگین شوند و جان عاشق

لطیف و خرم و عیار باشد

کائنات میں ہر شخص پریشان ہے مگر اللہ والوں کے دل سکون اور چین میں ہیں۔ جسم زندہ ہے روح سے مگر روح زندہ ہوتی ہے حق تعالیٰ کے تعلق سے پس ذاتِ حق ہماری جانوں کی بھی جان ہے۔

دگر تنہا ست عاشق نیست تنہا

کہ با معشوق تنہا یار باشد

کائنات میں ہر شخص تنہا ہے مگر عاشقانِ حق اپنے باطن میں تعلق مع اللہ کی دولت رکھتے ہیں اور وہ ہمہ وقت باخدا ہوتے ہیں۔ صوفیہ اسی نعمت کو حضور دائم یا دوام حضور کہتے ہیں۔

سوار عشق شو در رہ میندیش

کہ اسپ عشق بس رہوار باشد

عشق کی سواری پر بیٹھ کر حق تعالیٰ کا راستہ طے کرو یعنی زہد خشک کے بجائے حق تعالیٰ سے والہانہ اور عاشقانہ تعلق پیدا کرو۔ مطلب یہ کہ زاہدوں کو حق تعالیٰ کے عاشقوں سے رابطہ قائم کر کے طریق عشق سے منزل طے کرنی چاہیے کیونکہ عشق کا گھوڑا ہی یہ راستہ طے کرنے والا ہوتا ہے۔

بیک ساعت ترا منزل رساند

اگرچہ راہ نا ہموار باشد

ایک ساعت میں عشق عاشقوں کو منزل تک پہنچاتا ہے اگرچہ راستہ کس قدر دشوار ہے یعنی خدا کی محبت ہی نفس کی خواہشات کو کچلنا اور احکام الٰہی کو بجالانا آسان کر دیتی ہے۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ محبت ہر تلخی کو شیریں بنا دیتی ہے۔

ع اور محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ جہاد میں مومن اپنا خون بہا کر جان بھی فدا کر دیتا ہے۔

Marfat.com

علف خواری نہ دارد مرد عاشق
کہ جانِ عاشقاں خمار باشد

اہلِ محبت صرف شکم پروری اور بھوسہ خوری نہیں کرتے کیونکہ عاشقوں کی جانیں حق تعالیٰ کی محبت سے مست ہوتی ہیں۔

مولانا روم نے اس کی تشریح خود ہی یوں کی ہے:

اے لوگو! اپنے معدہ کو چند دن گھاس اور جو سے باز رکھو یعنی التفات وانہماک ان سے ہٹا کر ریحان گل کھانا شروع کرو مراد یہ کہ روح کو غذائے ذکرِ حق دینا شروع کرو تا کہ انبیاء علیہم السلام کے علم وحکمت سے تمہیں بھی کچھ حصہ بہ فیضان نبوت عطا ہونے لگے۔

ہمہ را بیا زمودم ز تو خوشترم نیامد
چو فروشدم بدریا چو تو گوہرم نیامد

کائنات میں سب کو آزمایا لیکن سب کو ناپائیدار بے وفا پایا۔ ہاں اے محبوبِ حقیقی! آپ سے خوش ترکسی کو نہ پایا۔ جب دریائے موجودات میں غوطہ لگایا تو وجود کے ہر موتی سے سابقہ پڑا لیکن اے واجب الوجود محبوبِ حقیقی! آپ جیسا گوہر یکتا کوئی نہ پایا۔

رہ آسماں دراز ست پر عشق را بجنباں
پر عشق چوں کشودی غم نردباں نباشد

آسمان کا راستہ (راہ حق) دراز ہے اپنے عشق کے پروں کو حرکت دو جب تو عشق کے پروں کو کھولے گا تو عشق کا فیض تجھے افلاک پر لے جائے گا اور تجھے سیڑھی نہ ہونے کا غم نہ ہوگا۔ عشق حقیقی کی شان یہ ہے کہ عاشق کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔

اے شاد آن زمانے کز بخت ناگہانے
جاں بر کنار افتاد تن برکنار ماند

کیا ہی خوشی کا وقت ہوگا جب قسمت سے میری جان تن کے قفسِ عنصری سے علیحدہ ہو کر محبوب حقیقی سے واصل ہوگی۔

یہ شوق لقاء محبوب ہے جس کی دُعا رسول اکرم ﷺ نے اس عنوان سے مانگی ہے:

حدیث: ''اے خدا آپ سے آپ کی ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔''

Marfat.com

عشق را از کس مپرس از عشق پرس
عشق او بس خوش بیان است اے پسر

عشق کی تفسیر عشق ہی کی زبان سے پوچھئے۔حق تعالیٰ کی محبت نہایت خوش بیان مقرر ہے اے پسر۔
مولانا نے اس کی تشریح مثنوی میں یوں بیان فرمائی ہے ۔

عقل در شرحش چو خر گل بخفت
شرح عشق و عاشقی خود عشق گفت
گرچہ تفسیر زباں روشن گرست
لیک عشق بے زباں روشن ترست

عقل نے عشق کی شرح شروع کی تھی کہ عاجز ہوکر مٹی میں مثل گدھے کے سوگئی یعنی عناصر کے تقاضوں سے مغلوب ہوکر حُبِّ دنیا میں پھنس گئی اور عشق اور عاشقی کی شرح خود عشق نے بیان کرنا شروع کر دیا۔

عشق کار نازکاں و نرم نیست
عشق کار پہلوان است اے پسر

عشق نازک اور نرم لوگوں کا کام نہیں ہے۔یعنی عشق سینکڑوں ناز رکھتا ہے اور سینکڑوں ناز سے ہاتھ آتا ہے۔عاشقی بلاکشوں کا کام ہے۔

حدیث: الان سلمة الله غالية

''خوب سن لو کہ خدائی سودا بڑا مہنگا ہے۔''

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اہلِ ایمان کی ایسی ایسی آزمائش ہوئی کہ ان کے قلوب ان کے منہ تک آ گئے۔ لیکن دولت بھی تو وہ ملتی ہے کہ جو لاثانی ہے۔آہِ لاثانی کا لطف بھی لاثانی ہوتا ہے۔جس ذات پاک کا کوئی کفو اور ہمسر و مثل نہیں تو نعمت قربِ حق کے ساتھ کائنات کی کوئی نعمت کیسے ہمسری کا دعویٰ کر سکتی۔

ہر کہ بجز عاشقاں ماہی بے آب داں
مردہ و پژمردہ است گرچہ امیر وزیر

جو شخص کائنات میں عاشقِ حق نہ ہوا اور جس کی روح حق تعالیٰ کے قرب سے مشرف نہ ہوئی۔بس دنیائے مردار پر مثل کرگس گرا رہا اس کی روح امیر اور وزیر ہونے کے باوجود اس طرح بے سکون ہے جس طرح خشکی کے عیش میں مچھلی ہو اور پانی سے دور ہو۔

ایک بزرگ محدث عالم فرماتے ہیں کہ ہماری روح کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایسا ہے جیسے مچھلی کو

Marfat.com

پانی سے۔

گر چہ در خشکی ہزاراں رنگہا ست
ماہیاں را با یبوست جنگہا ست

فرماتے ہیں اگر چہ خشکی میں ہزاروں عیش رنگا رنگ ہوں لیکن مچھلیوں کے نزدیک یہ اسباب موت و ہلاکت ہیں۔ ان کو تو پانی میں ڈال دو پھر پانی کے طوفان و حوادث میں بھی یہ پُر خمار اور مست رہتی ہیں۔ آدمی اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دور ہو کر اور غفلت میں مبتلا ہو کر دنیا کے تمام اسباب عیش کے باوجود بے چین و بے سکون رہتا ہے۔

گر تو خواہی وطن پر از دلدار
خانہ را رو تہی کن از اغیار

اگر تو چاہتا ہے کہ محبوبِ حقیقی دل میں جلوہ فگن ہو۔ تو جا (کسی اہل دل کامل کی صحبت میں) دل کو غیروں سے پاک کر لے۔

شہوت و خشم مرد صاحبدل
بہتر از زہد و حلم دنیا دار

اللہ والوں کے غصے اور نفس کے تقاضے فانی فی الحق ہونے کے سبب سب للحق ہوتے ہیں یعنی ان کی محبت و خوشی بھی اللہ کے لیے ہوتی ہے اور ان کا غصہ و ناراضگی بھی خدا کے لیے ہوتا ہے برعکس دنیا دار اگر زہد اور حلم بھی اختیار کرتا ہے تو وہاں بھی اس کی نیت دنیا ہوتی ہے تاکہ لوگ مجھے زاہد کہیں یا حلیم کہیں۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ دنیا چار طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) بعض کے قلب میں بھی ہوتی ہے اور ہاتھ میں بھی ہوتی ہے یہ امرائے دنیا دار ہیں۔

(۲) بعض کے قلب میں دنیا ہوتی ہے مگر ہاتھ میں نہیں ہوتی یہ دنیا دار تو ہے مگر بظاہر زاہد ہے کیونکہ بے چارہ محروم ہے دنیا سے۔

(۳) دنیا صرف ہاتھ میں ہوتی ہے مگر قلب میں نہیں ہوتی یہ امرائے صالحین بھی زاہدین کہلاتے ہیں۔

(۴) دنیا نہ دل میں ہوتی ہے نہ ہاتھ میں ہوتی ہے یہ اولیائے زاہدین امت کے ہیں جو ظاہراً و باطناً زاہد ہی نظر آتے ہیں۔

تا نہ گرید صبّی گہوارہ
کے دہد شیر مادر غمخوار

جب تک طفل شیر خوار (دودھ پیتا بچہ) روتا نہیں مادرِ مشفقہ کب دودھ اس کو دیتی ہے۔

Marfat.com

مولانا رومیؒ نے اسی مضمون کو اس عنوان سے مثنوی میں پیش کیا ہے۔

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن
تا نہ گرید ابر کے خند و چمن

جب تک بچہ نہیں روتا ماں کے پستان میں دودھ نہیں جوش کرتا اس طرح جب تک بادل نہیں ہوتے یعنی نہیں برستے باغات نہیں سرسبز ہوتے۔

ہرچہ غیر خیال معشوق ست
خار عشق است اگر بُود گلزار

محبوبِ حقیقی کے علاوہ یعنی یا ان کا خیال ہو یا ان کے لیے کسی کا خیال ہو اس کے علاوہ جو خیال بھی ہے سب خار ہی خار ہے اگر چہ صورت میں گلزار معلوم ہوتا ہے۔

دل کی دنیا جب روشن ہوتی ہے جب دل کا خالق اور مالک کا نور دل میں آجائے۔ گھر آباد وہی کہلاتا ہے جس میں گھر کا مالک آجائے۔ ورنہ وہ دل ویران ہے۔

از لب یارم شکر را چہ خبر
و از رخش شمس و قمر را چہ خبر

محبوبِ حقیقی کے قرب کی مٹھاس کو شکر کیا جانے اور ان کے تجلیات کی دلکش روشنی کو شمس و قمر کیا جانیں۔

بادمش باد بہارے چہ زند
و از قدش سرد شجر را چہ خبر

ان کی نسیم کرم کو باد بہاری کیا جانے اور ان کے حسن و جمال کو سرو شجر کے قد و قامت کیا جانیں۔

ع اگر تو ایک لحہ کو بھی حق تعالیٰ کا حُسن و جمال دیکھ لے تو غلبۂ شوق بے خودی میں اپنی محبوب تر جان کو آگ میں ڈال دے یعنی ہر مجاہدہ تجھ پر آسان بلکہ جان دینا اور جان دے کر یہ کہنا آسان ہوگا۔

رُخ عاشقاں مزعفر رخ جان و عقل احمر
منگر برون شیشہ بنگر درون ساغر

عاشقانِ حق کا چہرہ نالۂ شب اور آہ سحر اور مجاہدات سے زرد ہے لیکن عقل و روح انوار الٰہیہ سے معمور و سرخ ہے۔ پس اللہ والوں کے زرد چہرہ کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ ان کے باطنی انوار کے پیشِ نظر ان کو بہ نظر احترام دیکھو شیشہ کو ظاہری رنگ کو مت دیکھو اندرونِ ساغر دیکھو کہ مئے محبت الٰہیہ

Marfat.com

چھلک رہی ہے۔

بہ ہیچ سیر نہ گردی چو معدۂ دوزخ
مگر کہ بر تو نہد پائے خالق جبار

انسان دنیا میں کبھی اپنی خواہشات کی تکمیل سے سیر نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ جہنم کا پیٹ نہیں بھرے گا اور وہ **ھل من مزید** پکارتی رہے گی یعنی جب دوزخی سارے ڈال دیے جائیں گے تب بھی دوزخ کہے گی کہ اے خدا اور کچھ بھی ہے ابھی میرا پیٹ تو بھرا نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ پھر حق تعالیٰ اپنا قدم دوزخ کے اوپر رکھ دیں گے۔

چناں کہ بر سر دوزخ قدم نہد خالق
ندا کند کہ شدم سیر ہیں قدم بردار

اس وقت دوزخ سے آواز نکلے گی قط قط یعنی بس بس پیٹ بھر گیا۔ قدم اٹھا لیجیے۔ جب انسان خدا کا ذکر کرے گا اور حق تعالیٰ اپنا قدم نفس پر رکھ دیں گے تو یہ نفس بھی سیر ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ کے قدم سے مراد تجلّی خاص ہے جس کو آخرت ہی میں سمجھا جا سکے گا۔ دنیا میں حق تعالیٰ کے عاشقین اور عارفین کے پرسکون ہونے کا سبب یہی ہے کہ یہ حضرات ذاکر ہوتے ہیں اور ذکر اللہ کا نور خاص ان کے قلوب کو قناعت عطا کرتا ہے اور **ھل من مزید** سے باز رکھتا ہے۔ اور گناہ کے تقاضوں کو توڑ دیتا ہے اور نفس سے مقابلہ کو آسان کرتا ہے۔

دلے بہ ہیں کہ نہ گردد ز جاں سپاری سیر
اسیر عشق نہ گردد رنج و خواری سیر

عاشقانِ خدا کے دلوں کو دیکھو کہ حق تعالیٰ کی راہ میں جان دے کر بھی سیر نہ ہوئے یعنی بار بار جامِ شہادت نوش کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

گر مرا صد بار تو گردن زنی
ہمچو شمع و بر فروزم روشنی

اگر بار بار اے عشق تو میری گردن مارے تو میں شمع کے مانند اور روشنی بڑھاؤں گا یعنی جس طرح چراغ کی بتی کو جب قینچی سے کاٹ دیتے ہیں تو گل ختم ہونے سے روشنی اور بڑھ جاتی ہے اسی طرح شہداء کی گردن کٹنے سے ان کا نورِ باطن اور قوی ہو جاتا ہے۔ عشق کا قیدی محبوب کی راہ میں زخمِ مجاہدہ سے سیر نہیں ہوتا۔

Marfat.com

ز زخمہائے نہانے کہ عاشقاں دارند
بخوں درست نہ گردد ز زخم خواری سیر

جو زخم پنہاں کہ عشاق اپنے باطن میں رکھتے ہیں وہ خون پیدا ہونے سے اچھا نہیں ہوتا بلکہ زخم کھانے سے سیر ہوتا ہے۔

مراد یہی ہے کہ عشاق حق تعالیٰ کی راہ میں ہر وقت مجاہدات کے زخم کو بصد شوق برداشت کرتے ہیں اور اہل تنعم و عیش اس حالت کے تصوّر سے بھی کانپتے ہیں۔ لیکن ان کو نہیں معلوم کہ کباب کھانے والے کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو غم و صدمہ سے نہیں ہیں بلکہ انتہائی لذت و چٹ پٹے ہونے کے سبب سے یہ آنسو نکل رہے ہیں اسی طرح اللہ والوں کی ظاہری خستہ خالی پر نہ جانا چاہیے ان کے باطن کے عیش کا ادراک حاصل کرو۔

ہزار جان مکرم سپرد ہر نفسے
در آں شکار نہ شو زاں شکار داری سیر

ہزاروں مکرم جانیں انبیاء علیہم السلام اولیائے کرام کی ہر نفس اس ذات پاک پر قربان ہوتی ہیں۔ پس جس شکار سے تو سیر ہو جائے وہاں شکار نہ ہونا کیونکہ یہ سیری محدود ہونے کی علامت ہے اور ہر حادث فانی ہے اور فانی سے محبت کرنا یا اس پر جان دینا جان و دل کو رائیگاں کرنا ہے۔ برعکس حق تعالیٰ کی ذات پاک چونکہ غیر محدود ہے وہاں سیری نہیں ہوتی رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں محبوب رکھتا ہوں خدا کی راہ میں قتل ہونا پھر زندہ ہونا پھر قتل ہونا پھر زندہ ہونا پھر قتل ہونا۔

اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

عشق را باحیّ با قیوم دار
عشق با مردہ نباشد پائیدار

عاشقی زندہ حقیقی سنبھالنے والی ذات سے کرو۔ مردہ سے عشق پائیدار نہیں ہوتا۔

بکش بکش کہ چہ خوش میکشی بیار بیار
حزیمتاں رہ عشق را قطار قطار

اے عشق! قتل کر قتل کر کیا ہی اچھا تو قتل کرتا ہے اے عشق اپنے حزیمت خوردوں کو قطار در قطار برائے قتل لے آ لے آ۔ غالباً مولانا نے اس وقت غلبۂ شوق شہادت میں یہ شعر کہا ہے۔

Marfat.com

بجاں بر آسمانِ عشق رفتم
بصورت گرچہ دریں پستم بامروز

عشق کے آسمان پر میری روح نے سفر کیا ہے اگرچہ میرا جسم آج اس پستی میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے سالک کی وہ حالت بیان فرمائی ہے کہ جب کوئی کوتاہی میں ابتلا ہوتا ہے اور سالک زار و قطار ندامت سے حق تعالیٰ کے حضور روتا ہے پس صورۃً تو وہ پستی میں ہے مگر روح کو عروج و قرب حاصل ہے۔ کیونکہ صدورِ خطا سے تقدس کا دعویٰ ختم ہو گیا۔ اور پندار و عجب و خود بینی کا صنم کدہ مسمار ہو گیا اور ندامت و تذلل کہ حاصل عبدیت ہے اسے حاصل ہو گئی پس یہ داغ دامنی اس پاک دامنی سے افضل ہے جس سے تکبر و ناز میں مبتلا تھا۔

سوئے لبش ہر آنکہ شد زخم خورد ز پیش و پس
زانکہ حوالی عسل نیش زناں بُود مگس

محبوبِ حقیقی سے قرب جس قدر ہوتا ہے اسی قدر اسے آزمائش کی راہ سے گزرنا ہوتا ہے کیونکہ شہد کے گرد و پیش ڈنک مارنے والی مکھیاں بھی ہوتی ہیں۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "والذین جاھدوا فینا الخ" جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدات کی تکالیف جھیلتے ہیں ہم ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں پھر جو ان سے قریب تر ہوتا ہے یعنی ہر شخص پر بقدر اس کے دین کے آزمائش آتی ہے۔

امتحاں عاشق کا ہوتا ہے منافق کا نہیں

دوش رفتم درمیان مجلس سلطان خویش
برکف ساقی بجام اندر بدیدم جان خویش

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ کل میں اپنے مرشد شمس تبریزیؒ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ میں نے شیخ کی نسبت مع اللہ کی روشنی کو اس قدر قوی النور پایا کہ اس نے میری جان کی روشنی کو بھی پہلے سے کہیں اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا۔

ساغرے آورد و بوسید و نہادش بر کفم
پُر مئے رخشندہ ہمچو چہرۂ رخشاں خویش

جامِ محبتِ حق میرے ہاتھ پر رکھا جیسا کہ خود میرا مرشد چہرۂ تاباں رکھتا تھا ویسا ہی وہ جام محبت بھی

Marfat.com

نہایت آتش برنگ تھا یعنی حضرت تبریزؒ کی صحبت نے مجھے حق تعالیٰ کا دیوانہ بنا دیا۔

بولہب را دیدم آنجا دست می خائید سخت
بوہریرہؓ روئے اندر ماہ بے نقصان خویش

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی طالب اپنے مرشد سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرتا ہے تو کچھ حاسدین مرشد سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس بندۂ مقبول کی خلق میں قدر و منزلت کو دیکھ کر حسد سے ہاتھ چباتے ہیں جس طرح کہ ابولہب رسول اکرم ﷺ کی محبوبیت و مقبولیت پر حسد سے ہاتھ چباتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس رشک ماہ کامل دائم النور و متصاعد النور ذات اقدس سید الانبیاء ﷺ پر ہمیشہ جان و مال و عزت کے ساتھ فدا رہے۔

بولہب در فکر غرقہ حجت خویش برہان طلب
بوہریرہ حجت خویش است ہم برہاں خویش

ابولہب ملعون و مردود تو بارگاہ رسالت ﷺ کے فیضان سے اس وجہ سے محروم رہا کہ وہ حجت و بُرہان اور دلائل و معجزات طلب کرنے میں رات دن غلطاں و پیچاں رہا۔ اور جب معجزہ نظر آتا تو حسد و جہالت سے اسے جادو قرار دے دیتا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی نگاہِ عاشقانہ خود برہان اور حجت کے قائم مقام ہو رہی تھی بلکہ اس سے بھی فائق تر تھی۔

جان سر گرداں کہ گم شد در بیابان فراق
از بیاباں ہا سوئے دارالاماں آوردمش

مولانا فرماتے ہیں کہ ان جانوں کو جو حق تعالیٰ کی جدائی کے جنگل میں سرگرداں و پریشان ہیں یعنی خدا سے غفلت کی زندگی گزارنے کے سبب بے سکون اور بے اطمینان ہیں اللہ والے ایسے لوگوں کی رہنمائی اور رہبری فرما کر انھیں دارالامن اور دارالسکون کی طرف لاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ کچھ مدت جو لوگ حق تعالیٰ کے خاص اور محبوب بندوں کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کی اصلاح کرا لیتے ہیں تو حق تعالیٰ کے خاص تعلق کی برکت سے یہ بندے بھی اطمینان کی دولت پا جاتے ہیں۔ اور قاعدہ کلیہ ہے کہ جب بندہ ہدایت کی راہ پر پہلا قدم رکھتا ہے اسی وقت سے اس کو اطمینان اور سکون ملنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح بندہ جب گمراہی کی راہ پر پہلا قدم رکھتا ہے اسی وقت سے اطمینانی اور پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

عاشقاں را شمع و شاہد نیست از بیرون خویش
آب انگورے بخوردہ بادہ شاں از خوں خویش

عاشقانِ حق کا چراغ یعنی اُن کا نوران کے باہر نہیں ہوتا ان کے قلب و روح میں ہوتا ہے کیونکہ وہ اعمال صالحہ کے انگور کا پانی پیتے ہیں اور ان کے اعمال صالحہ کے انوار ان کے خون میں گردش کرتے ہوئے انھیں دائمی مستی و کیف اور سرور عطا کرتے ہیں۔ برعکس دنیا کی تمام فانی لذتوں کا سرور عارضی ہوتا ہے۔

ہر کسے اندر جہاں مجنون وہم لیلائے شدند
عارفاں لیلائے خویش و نیز ہم مجنوں خویش

ارواح میں محبوبِ حقیقی کا نورِ خاص جلوہ فگن ہوتا ہے بلکہ ان کے ظاہر و باطن کے ذرہ ذرہ میں بھی وہ نورِ صمد متجلی ہوتا ہے۔

نور او در یمن و یُسر تحت و فوق
بر سرم بر گرد تم مانند طوق

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا نور میرے دائیں بائیں تحت وفوق ہر طرف ہمارے سر اور گردن میں مانند طوق محیط ہے۔ پس عارفین کے علاوہ دنیا میں اور لوگ تو الگ الگ کوئی مجنوں ہے کوئی لیلیٰ ہے مگر عارفین اپنے ہی نور باطن پر عاشق ہونے کے سبب گویا اپنے ہی مجنوں ہیں اور چونکہ محبوبِ حق بھی ہیں پس وہ خود ہی اپنے لیلیٰ بھی ہیں۔

گر تو فرعون منی از مصر تن بیروں کنی
در درون خانہ بینی موسیٰ و ہارون را

اگر تو اپنی انانیت فرعونی کو اپنے نفس کے مصر سے باہر کر دے تو اپنے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو مشاہدہ کرے گا یعنی اپنی روح میں انوارِ ولایت کا مشاہدہ کرے گا جس کا حاصل قربِ حق ہے اور قربِ حق کُلی مشکک ہے جس کے درجات متفاوت المراتب ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو اصالتہً عطا ہوتا ہے۔ قربِ نبوت اور قربِ ولایت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے چنانچہ قربِ ولایت کا سب سے اعلیٰ مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا مگر غارِ ثور میں دشمنانِ اسلام کی آہٹ پاکر معیت و قرب۔ ونسبتِ صدیقیت خائف اور متاثر ہوگئی مگر قربِ نبوت نے لاتحزن کہا۔ حالانکہ ان اللہ معنا کی معیت میں صدیق اکبرؓ کی شمولیت مخصوص ہو رہی ہے لیکن معیتِ رسالت ونبوت کے مقام کی بلندی بھی واضح فرمائی جا رہی ہے۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ اے صدیق! غم واندیشہ مت کرو خدا ہمارے ساتھ ہے یہ جملہ

Marfat.com

معیتِ رسالت ومعیتِ صدیقیت کے فرقِ مراتب کو بیان کرتا ہے۔

شغل ما بر غم حرام و خون ما برا حلال
ہر غمے کاں گرد ما گرد و شو در خون خویش

ہمارا شغل (عاشقی مع الحق) غم دنیا اور دنیا کے غمزدوں پر حرام ہے یعنی دنیا کو دل سے نکالیں پھر وہ اہل محبت سے فیض یاب ہوسکیں گے۔ اور ہمارا خون ہمارے اوپر حلال ہے یعنی حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی خواہشات نفسانیہ کا ہر وقت خون کرنا ہمارے اوپر حلال ہے کیونکہ یہ عین منشائے حق ہے۔ اور دنیا کے غم ہم کو خوفزدہ اس لیے نہیں کر سکتے کہ بہت بڑا غم یعنی آخرت کا غم ہماری رگوں میں ہمارے خون کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔

من نیم موقوف نفخ صور ہمچو مردگاں
ہر زمانم عشق جانے می دہد ز فسوں خویش

عام لوگوں کو تو نفخ صور سے حیاتِ ثانی عطا ہوگی لیکن خدا کے عاشقوں کو عشق ہر وقت جان کو عطا کرتا ہے۔

ع حق تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہنا اور خنجر تسلیم کے سامنے گردن رکھا جن کو نصیب ہے حق تعالیٰ کا کرم ہر وقت غیب سے انھیں حیاتِ تازہ عطا کرتا ہے۔

باز در آمد طبیب از در رنجور خویش
دست عنایت نہد بر سر مہجور خویش

سالک پر قبض باطنی کے بعد جب پھر بسط کی حالت عطا ہوتی ہے اس خوشی کو مولانا فرماتے ہیں کہ وہ محبوبِ حقیقی حالت استتار کے بعد حالت حضوری اپنے عاشقوں کو عطا فرماتے ہیں اور اپنے مہجورین کے ہجر کو (یعنی قبض باطنی کو) حالت وصل (بسط وحضوری) سے تبدیل فرماتے ہیں۔

اے مونس و غمگسار عاشق
اے چشم و چراغ یار عاشق
اے داروئے فربہی و صحت
از بہر تن نزار عاشق

اے عشق تو عاشقوں کے لیے مونس وغمگسار ہے اور عاشقوں کا چشم و چراغ و یار ہے اور عاشقوں کے

Marfat.com

کمزور چشم کی فربہی وصحت کے لیے تو دوا ہے۔

اے عاشقاں چوں نیم شب جاں در پے جاناں رود
جاں چوں نباشد در تنم من زندگانی چوں کنم

اے عاشقو! آدھی رات کو ذکر و نماز تہجد اور استغفار اور سحر گاہی کے ذریعہ جب محبوبِ حقیقی کی یاد میں جان مست و بے خود ہوتی ہے تو پھر جسم کے ساتھ روح کا رابطہ کمزور اور مغلوب ہوتا ہے اور غلبہ تعلق مع اللہ کا ہو جاتا ہے اور پھر دنیا کی زندگانی یعنی دنیا کے مشاغل ایک دردِ سر میرے لیے معلوم ہوتے ہیں۔

پیش آمد آں دلبر مرا گفتم شہا کم کن بلا
گفتا برو گر عاشقی ہر دم بلا افزوں کنم
گفتم شہا بس قطرہ ہا در ہجر تو باریدہ ام
گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لولوئے مکنوں کنم
گفتم شہا در پردہ ہا خود را چرا داری نہاں
گفتا گر بیروں شوم سی صد چوں تو مجنوں کنم

مولانا پر بحالت ذکر کوئی خاص تجلی قرب کی وارد ہوئی اور الہامات اور مناجات کا سلسلہ شروع ہوا۔ پس مولانا نے عرض کیا اے محبوب حقیقی! آپ کی جدائی میں بہت قطرہائے اشک آنکھوں سے برسائے ہیں الہام ہوا کہ کیا غم ہے میں ہر قطرہ کو محفوظ موتی کر دیتا ہوں۔

پھر عرض کیا کہ اے محبوب حقیقی آپ پردۂ غیب میں اپنے کو کیوں چھپائے ہوئے ہیں۔ الہام ہوا اگر یہ پردہ نہ ہوتا تو تیرے جیسے تین ہزار مجنوں کرتا۔ یعنی عالم درہم برہم ہوتا اور پھر یہ عالم امتحان نہ رہتا۔

چوں ابر بسے اشک دریں خاک فشاندیم
و از ابر گذشتیم و براں ماہ رسیدیم

جب ابر کی طرح اس زمین پر ہم نے آنسو برسائے تو ہمارے اشک ہائے ندامت پر حق تعالیٰ کے دریائے رحمت کو جوش ہوا اور ہمارے گناہوں کو عفو فرما کر اپنے قرب کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا یعنی گریہ وزاری مناجات میں جو کرتا ہے اور گڑگڑا کر جو گناہوں کی معافی مانگتا ہے اس کی ماضی کی کوتاہیوں کی تلافی ہو جاتی ہے اور اس کا حال درست ہو جاتا ہے اور اس کا مستقبل بھی روشن ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

نفس را چوں خار دیدم سوئے گل بگریختم
عقل را چوں سرکہ دیدم با شکر آمیختم
نام و ننگ و کبر و ناموس و رعونت فخر و عجب
ہر چہ بودم زیں قبل از جملگی بگریختم

ہم نے اپنے روحانی بنانے کے لیے چمن اور اعمالِ صالحہ کے باغ کے لیے جب نفس کو دشمن (خار) پایا تو حق تعالیٰ کی طرف راہ فرار اختیار کی یعنی رضائے نفس کو ترک کر کے رضائے مولیٰ کی کوشش میں لگ گئے اور چونکہ حق تعالیٰ کی یاد سے قلب و روح کو اطمینان عطا ہوتا ہے اس لیے محبوبِ حقیقی کو گل سے تشبیہ دی عقل کو جب ہم نے ناقص پایا تو اس کو کامل بنانے کے لیے عشق کی آمیزش کر دی پس عقل کا سرکہ عشق کی شکر سے مل کر لذیذ اور مفید ہو گیا اور عشق سے مراد عشقِ خدا ہے (نہ کہ مجازی فانی جو ننگ انسانیت ہے۔ خدائے پاک اس سے پناہ میں رکھیں) اور عشقِ حقیقی کی برکت سے نام و نمود اور تکبر و عجب اور ناموس و رعونت و فخر سب روحانی بیماریوں سے نجات مل گئی۔

یعنی عشق حق غیر حق کو سوختہ کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ والے طالبین کے دلوں میں حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہونے کے لیے ذکر بتاتے ہیں۔

سالکانِ راہ را محرم شدم
سالکانِ قدوس را ہمدم شدم

راہِ حق کے چلنے والوں کا محرم ہوں اور سالکین عالم قدس کا ساتھی ہوں۔

گہہ شدم خلوت نشیں چوں مشتری
گاہ چو خور مظہر عالم شدم

کبھی مشتری ستارہ کے مانند خلوت نشین و مخفی ہوں کبھی خورشید جہاں تاب کی طرح عالم میں ظاہر ہوں یعنی جب حق تعالیٰ مجھ پر اپنے اسم باطن کی تجلی فرماتے ہیں تو میں کائنات میں مخفی ہو جاتا ہوں اور اہل کائنات کی نظر مجھے پہچاننے سے قاصر ہوتی ہے اور جب اسم ظاہر کی تجلی مجھ پر فرماتے ہیں تو مجھے خلق پہچاننے لگتی ہے اور میں مشہور اور متعارف بین الخلق ہو جاتا ہوں۔

گہہ چو عیسیٰ جملگی گشتم زباں
گاہ لب خاموش چوں مریم شدم

کبھی فیضانِ غیبی سے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح سراپا زبان بن جاتا ہوں یعنی ہر وقت

Marfat.com

مضامین کی آمد اور واردات علمیہ کا خلق میں افادہ کرتا ہوں اور کبھی مضامین کا ورود اور فیضان غیب رُک جاتا ہے جس کی وجہ سے مثل حضرت مریم علیہا السلام سراپا خاموش اور غیر قادر علی الکلام ہو جاتا ہوں۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نومولود طفل شیر خوار تھے اور بطور معجزہ کلام فرمایا اور حضرت مریم علیہا السلام نے باوجود قدرۃ علی الکلام کے خود سراپا بے زبان ہو کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ جواب دیں گے اس بچے سے دریافت کرو۔

چوں شدم جوشیدہ اندر غرق عشق
درد و چشم عاشقانش یم شدم

جب دریائے عشق حقیقی میں غرق ہو گیا تو حق تعالیٰ کے عاشقوں کی نظر میں سمندر (بحر بے کراں) ہو گیا۔ جس مٹکے کو سمندر سے خفیہ تعلق ہو تو بڑے بڑے دریائے شیریں جیحون و فرات جیسے اس مٹکے کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں۔

عید جانم شمس تبریزی بدست
عید را قربانی اعظم شدم

میری روحانی عید حضرت شیخ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہے اور میں اپنے شیخ پر فدا ہونے کے سبب عید القائے مرشد کے لیے قربان اعظم ہوں۔

ما ز بالائیم و بالا می رویم
ما ز دریا ایم و دریا می رویم

ہم عالم ارواح سے عالم دنیا میں اتارے گئے ہیں اسی لیے ہماری ارواح کا میلان عالم بالا کی طرف ہونے کے سبب ہم عالم بالا کی طرف جاتے ہیں یعنی حق تعالیٰ کا قرب و رضا تلاش کرتے ہیں۔ عالم بالا کی طرف جانے سے مراد حق تعالیٰ کے قرب اور اعمال قرب کی تلاش ہے۔

ما ازانجا و ازیں جائیتم
ما ازینجائیم و آنجا می رویم

ہماری روحوں کا تعلق عالم ارواح سے ہے اس فانی جہاں سے نہیں ہے ہماری جسم کی خاک البتہ اس جہان خاکی سے ہے لیکن روح چونکہ یہاں سے نہیں ہے اوپر سے آئی ہے پس ہم عالم بالا کی طرف جاتے ہیں یعنی ترقیات قرب خدا کے لیے بے چینی ہماری عین فطرت کا تقاضا ہے کیونکہ ہر شے اپنے مرکز کی

Marfat.com

شرف جانا چاہتی ہے۔

لا الٰہ اے جاں رہ الا اللہ ہست

ما ہم از لا تا بہ الا می رویم

اے میری جان! لا الٰہ یعنی قلب کو غیر اللہ سے خالی کرنا ہی الا اللہ تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ غیر کی نفی سے محبوب حقیقی کا اثبات ہوتا ہے۔

قل تعالوا آیت است از جذب حق

ما بجذب حق تعالیٰ می رویم

جب اپنے پیغمبر ﷺ کی زبان مبارک کے واسطے سے ہم کو تعالوا کا حکم قرآن میں ہو رہا ہے کہ آؤ ہماری طرف سے اس جذب وکشش کے فیض سے ہم حق تعالیٰ کی طرف تیزی سے منزل طے کر رہے ہیں۔

کشتیٔ نوحیم در طوفاں نوح

لا جرم بے دست و بے پا می رویم

ہم گویا حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بیٹھے ہیں (بوجہ جذبِ حق کے فیضان سے) پس ہم بے دست و پا یعنی عاجز فی الطریق ہونے کے باوجود بھی حق تعالیٰ کے جذب کی برکت سے قرب حاصل کر رہے ہیں۔

آخر ما نیست در دور قمر

لا جرم فوق الثریا می رویم

رفتارِ سلوک کی انتہا صرف قمر تک نہیں ہے (جیسا کہ اہل کفر صرف چاند پر پہنچ کر فخر محسوس کر رہے ہیں حالانکہ قلوب ان کے بے نور اور کفر سے تاریک ہیں)۔ اللہ والوں کی رفتار چاند سے بھی تیز رفتار ہے۔

عارفین دنیا کے معاملہ میں تو سب سے کاہل ہیں (بوجہ اسے فانی اور ناپائیدار اور بے وفا اور آخرت کے مقابلے میں عارضی اور بے قیمت سمجھنے کے) لیکن آخرت کے امور اور اعمال اور مجاہدات میں یہ چاند سے بھی بازی لے جاتے ہیں۔ پس اللہ والے حق تعالیٰ کے قرب کے معاملہ میں تیز رفتاری کے سبب ثریا سے بھی اوپر بالیقین قدم رکھتے ہیں۔

اے زباں خامش کن و با من میا

ہیں کہ ما از عشق بے ما می رویم

اے زبان تو خاموش ہو جا کہ اب تیرا کام نہیں یہاں لغت اور اس کے الفاظ قاصر ہیں کیونکہ ہم عشق

Marfat.com

حقیقی کی برکت سے بدون جسم کے پاؤں کے صرف اپنے قلب و روح کے پروں سے حق تعالیٰ کی طرف اُڑ رہے ہیں۔

همت عالیست در سر ہائے ما
از ثریٰ تا عرش اعلیٰ می رویم

ہمارے سروں میں تعلق مع اللہ کے فیض سے ایسی عالی ہمتی ہے کہ ہم ثریا سے بھی آگے عرش اعلیٰ تک اڑ رہے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب مومن سجدہ کرتا ہے تو اس کا سر حق تعالیٰ شانہ کے مبارک قدموں پر ہوتا ہے اسی سبب سے نماز کو مومن کی معراج بھی فرمایا ہے۔ گویا سر تو فرش پر ہے اور روح عرش پر ہے اس عروج و ترقی کو کفار کیا پا سکتے ہیں۔

عاشقی بر من پریشانت کنم
کم عمارت کن کہ ویرانت کنم

محبوبِ حقیقی کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ اے طالب و عاشق اگر تو میرے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو میں تیری آزمائش کروں گا و لَنَبْلُوَنَّكُمْ الخ اور اپنے امتحاناتِ خوف و جوع و نقصان اموال و اموات سے تمہارا امتحان کروں گا۔ امتحان کا لفظ محنت سے ہے جس میں مشقت و پریشانی ضرور ہوتی ہے (مگر وہ نعمت قرب و معیت خاصہ کی بشارت سے لذیذ تر کر دی جاتی ہے جس طرح تیز مرچوں والے کباب کھانے سے آنسو تو بہتے ہیں مگر زبان چٹخارے کس لطف سے لیتی ہے اور قلب کس درجہ پُر کیف ہوتا ہے۔) اور عمارت کم بنا کہ میں ویران کرتا ہوں (اگرچہ اس ویرانی میں خزانہ اپنے قرب خاص کا منکشف فرماتے ہیں جس سے انہدام عمارت پر عاشق بجائے حسرت صد آفرین کہتا ہے)۔

تو در آں کہ خلق را حیراں کنی
من بر آں کہ مست و حیرانت کنم

اے عاشق تو اس فکر میں ہے کہ اپنے صفات سے مخلوق کو محو حیرت کرے اور جاہ حاصل کرے اور میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ تجھے اپنے درد محبت سے مست اور محو حیرت کروں۔

چنانچہ عارفین خالق کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ ان کی محبت و خدمت للحق ہوتی ہے یعنی جو رضائے حق کا ہر وقت اہتمام عشق حق کے سبب کرتا ہے۔ وہ مخلوق خدا پر بھی نسبت الی الخالق کا لحاظ رکھتے ہوئے بہت مشفق و مخلص و کریم ہوتا ہے اس کی اس مثال سے توضیح خوب ہو جاتی ہے کہ اپنے باپ سے جس

Marfat.com

قدر تعلق قوی اور صحیح اور مخلصانہ رکھے گا اسی قدر باپ کی خوشنودی کی خاطر بھائیوں کے ساتھ بھی کریم اور مخلص ہوگا اور جو باپ کے ساتھ نڈر اور ظالم ہوگا۔ وہ بھائیوں کے ساتھ کبھی مخلص نہیں ہوگا۔ کیونکہ بھائیوں کے رشتہ کے سبب تو باپ تھا اور وہ کٹا ہوا ہے۔ ہاں کسی دینوی غرض کی بنا پر اس کے خلاف بعض لوگ باپ سے رشتہ کاٹ کر بھائیوں پر اظہار مہربانی کرتے ہیں جس طرح اہل کفر وشرک ربّ تعالیٰ سے رشتہ کاٹ کر اپنی جاہ یا کسی دیگر مفاد کی خاطر امداد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اہل تجربہ اور اہل فہم ان کی امداد کے اندر جو پہلو مضمر ہوتے ہیں بخوبی سمجھتے ہیں۔

گر کُہِہ قافے تو ہمچو آسیا
آر مت در چرخ و گردانت کنم

اے عاشق و طالب تو اگر کوہ قاف اور چکی کے مانند جامد ہے تو میں اپنے عشق سے چرخ اور گردش میں تجھے سوگرداں کروں گا۔

در تو افلاطون و لقمانے بعلم
من بیک دیدار نادانت کنم

اے عاشق! اگر تو علم کے اعتبار سے افلاطون اور لقمان علیہ السلام کے مثل ہے تو میں تجھے اپنی ایک تجلّی کے دیدار سے مجنوں اور دیوانہ بنا دوں گا اور خرد کے پُرزے اڑا دوں گا۔

بر سر گنج چو مارے خفتۂ
من چو مارے خستہ بے جانت کنم

اے عاشق تو دنیا کی محبت اور ہوائے نفسانی کی خزانے پر مثل سانپ بیٹھا ہوا ہے اور میں تجھے اپنی محبت کے فیضان سے بے نفس اور فانی کرنا چاہتا ہوں یعنی تیرے نفس امارہ با السوء کو نفس لوامہ پھر نفس مطمئنہ بنانا چاہتا ہوں۔ یعنی تیرے نفس سرکش کو کمزور اور بے جان کرنا چاہتا ہوں جو تیرے اندر کا سانپ ہے۔

اے کشف چو آمدی در بحر ما
چوں صدف من گوہر افشانت کنم

اے عاشق! تو بھی تو مثل کچھوے کے ہے لیکن میرے بحر محبت و معرفت میں جب قدم رکھے گا تو میری عطا تجھے مثل صدف گوہر افشاں بنا دے گی یعنی تمہاری زبان سے کلام معرفت کے موتی برسیں گے۔

Marfat.com

بر گلویت تیغ ہا را دست نیست
گر چو اسماعیل قربانت کنم

اے عاشق تو خدا کے راستے میں خوف مت کر۔ اگر تیرے نفس کو مٹانے کے لیے میں تجھے ذبح کروں گا تو تیری گردن پر خنجر کو دسترس نہ ہوگی جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن مبارک پر چھری نہ چل سکی۔ مراد یہ کہ حق تعالیٰ کے راستے میں ہر مجاہدہ کے لیے تو تیار ہو جا اگر چہ جان بھی دینا پڑے اور حق تعالیٰ کی نصرت تیرے لیے کافی ہوگی۔ اور تو مشاہدہ کرے گا۔

دامن من گیر گر تر دامنی
تا چو مہ از نور دامانت کنم

اگر تو گنہگار ہے تو میرا دامنِ رحمت پکڑ لے تا کہ مثل چاند تیرے دامن کو نور سے بھر دوں اور تیری تر دامنی پاک دامنی سے مبدل ہو جائے گی۔

گر تو صد خانہ کنی زنبور دار
چوں مگس بے خان و بے مانت کنم

اگر تو شہد کی مکھی کی طرح سینکڑوں گھر بنا ڈالے گا پھر بھی اے عاشق تجھے میرا عشق بے خانہ اور سر و ساماں کر دے گا۔

من ہمانم سایہ لازم برسرت
تا کہ افریدون و سلطانت کنم

اے عاشق میری رحمت تیرے لیے ہما ہے (بلکہ ہما ساز ہے) پس میری رحمت تیرے سر پر سایہ کیے ہو تا کہ تجھے سلطان فریدوں بلکہ رشکِ فریدوں بنا دے اور سلطانیت عطا کر دے۔ اور باطنی دائمی سلطنت ظاہری سلطنت فانی سے بے شمار درجہ افضل ہے۔

اے امشب اے دلدار مہمان تو ایم
شب چہ باشد روز و شب آن تو ایم

ایک رات اے محبوب ہم آپ کے مہمان ہیں اور رات ہی کی کیا تخصیص ہم تو رات دن آپ ہی کی مختلف شانوں کے مظہر ہیں۔

Marfat.com

گر کجا شیم و ہر جا کہ رویم
حاضراں کاسئہ و خوان تو ایم

ہم جہاں بھی ہیں اور جہاں بھی جائیں گے آپ ہی کے خوانِ نعمت اور کاسئہ کرم کے گدا ہیں۔

نقش ہائے صنعت دست تو ایم
پروریدہ نعمت نان تو ایم

ہم آپ ہی کے دستِ قدرت اور دستِ کرم کی مصنوعات ہیں اور آپ ہی کی روٹیوں کے پروردہ ہیں۔

ہر زباں نقشے کنی در مغز ما
ما صحیفہ خط و عنوان تو ایم

جو زبان بھی آپ ہمارے مغز دماغ میں عطا کرتے ہیں تو ہم دراصل آپ ہی کا عنوان اور خط اور صحیفہ بن جاتے ہیں۔

ایمن ام از مکر دزد و راہزن
زانکہ چوں زر در چرمدان تو ایم

ہم چور اور راہزن کے مکر سے محفوظ ہوتے ہیں جب آپ کا کرم ہماری حفاظت کرتا ہے۔ جس طرح سونے کو چرمدان میں حفاظت سے رکھتے ہیں۔

زانچناں مست است و خوشبو جان ما
کہ سبک روح و گراں جان تو ایم

آپ کے قرب کی خوشبو سے ہماری جان اس طرح مست ہے کہ کبھی تجلی قبض کے وقت گراں جاں اور کبھی تجلی بسط کے وقت سبک روح ہو جاتے ہیں۔

گوئے زریں فلک رقصان ما ست
چو نباشد زانکہ چوگان تو ایم

آسمان کا زرین گیند ہمارے لیے رقصاں ہے (یعنی یہ گردش افلاک ہماری تربیت و مصلحت کے لیے ہے) اور کیوں ایسا نہ ہوگا جبکہ ہم آپ کے چوگان ہیں۔

اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی اور تم آخرت کے لیے۔

Marfat.com

خواہ چوگاں گوئی ما را خواہ گوئے

دولت ایں بس کہ میدان تو ایم

آپ ہم کو خواہ چوگان فرمائیں یا گیند فرمائیں ہمارے لیے یہی دولت کافی ہے کہ ہم آپ کے میدان ہیں یعنی انسان آپ کا مظہر اتم ہے۔

خواہ مارا مار کن خواہی عصا

معجز موسیٰ و برہان تو ایم

خواہ ہم کو آپ اژدہا کہیں یا عصا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تو معجزہ ہو گئے اور آپ کے لیے بُرہان (دلیل) ہو گئے۔ یعنی عصائے موسوی (علیہ السلام) کو آپ ہی کے قدرت نے اژدہا بنا کر معجزہ اور دلیل رسالت بنا دیا۔

عشق ما را پشت داری می کند

زانکہ خنداں روئے بستان تو ایم

آپ کا عشق عبادات میں بڑی اعانت کرتا ہے اور اسی کے فیض سے ہم آپ کے گویا خوشنما سبزہ زار باغ ہیں۔

داغ ہر پروانہ از شمع الست

خدمت شمع ہماں سلطان کنم

ہر پروانہ فطرت عاشق کا داغ شمع ازل کے سبب ہے پس ہم اسی شمع حقیقی سلطان کائنات کی خدمت میں یعنی عبادت میں لگے ہیں۔

عشق شد مہمان ہر دل سوختہ

جان و دل از بہر او قرباں کنم

حق تعالیٰ کا عشق ہر سوختہ دل کا مہمان ہوتا ہے۔ جان و دل کو میں حق تعالیٰ ہی کے اوپر قربان کرتا ہوں۔ اور محبت للحق جو ہو وہ بھی بالحق ہی میں داخل ہے یعنی اللہ والوں سے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے جو محبت ہوتی ہے وہ بھی حق تعالیٰ ہی کی محبت ہے۔

اے خواجہ سلام علیک من عزم سفر دارم

ہر بام فلک پنہاں من راہ گذر دارم

اے خواجہ السلام علیکم میں سفر (سیر الی اللہ) کا ارادہ رکھتا ہوں میں مخفی آسمان کی چھت پر اپنی راہ گز... رکھتا

Marfat.com

ہوں۔ مرادسلوک طے کرنا ہے جس کا حاصل مرضیاتِ الٰہیہ کے سامنے اپنے نفس کی خواہشات کے تابع کرنے کی مشق ہے مرشد کامل کے مشورہ سے۔ پھر اس فناء نفس کی برکت سے حق تعالیٰ کے قرب کے آفتاب سے سالک کے قلب کا چاند روشن ہو جاتا ہے۔

اے گلشن و گلزارم اے صحت و بیارم
اے یوسف و دیدارم اے رونق بازارم

آپ کی یاد ہی میرے لیے گلزار اور چمن ہے اور اگر آپ کی یاد میسر نہ ہو تو چمن صحرا سے زیادہ وحشت ناک ہو آپ ہی ہمارے لیے یوسف دیدار اور رونق بازار ہیں۔

دیدہم ہمہ عالم را نقش در و دیوارے
اے بردہ تو دستارم ہم سوئے تو دست آرم

تمام کائنات کو میں نے آپ ہی کے در و دیوار کا نقش دیکھا۔ اے ذات پاک آپ کی شان عظمت نے ہمارے سر سے ہماری دستار گرادی اور نہایت تذلل اور خواری سے میں نے آپ کی طرف ہاتھ سوال کا پھیلا دیا۔

در زیر قبائے خود چقماق نہاں داری
خواہی کہ زنی آتش در خرمن و انبارم

آپ نے زیر قبا چقماق مخفی رکھا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ میرے وجود کے انبار و خرمن میں آگ لگا دیں مراد یہ کہ عشق محبوب کا تقاضا یہ ہے کہ۔

تو مباش اصلا کمال این ست و بس
رو درو گم شو وصال ایں است و بس

اے عاشق تو اپنا وجود ختم کر دے یہی کمال تصوف و سلوک ہے اور جا اپنے کو محبوب کی یاد میں گم کر دے یہی وصال ہے۔

چوں سرو قد و سوسن استادہ و آزادم
چوں سنگم و چو آہن در سینہ شرر دارم

مثلِ سرو و سوسن کے قد کے میں آزاد کھڑا ہوں لیکن مثل پتھر اور لوہے کے اندر سینے میں آتشِ عشق رکھتا ہوں۔

تک میبرد آں سلیم آں سوئے بداں میلم
کز فرقت آں دریا بس گرم جگر دارم

مجھ کو میرا سیل اشک اور میلان وصال جلد محبوب تک پہنچائے گا کیونکہ اس دریا کے فراق سے میں بہت

Marfat.com

ہی گرم جگر رکھتا ہوں۔

کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہا دے ادھر مجھے

چوں لعل ز خورشیدت از گرمی و ز تابش
من فر دگر دارم من زیب دگر دارم

جس طرح لعل آپ کے خورشید جہان تاب سے گرمی اور چمک رکھتا ہے اسی طرح آپ کا یہ عاشق بھی کر و فر کی ہر وقت نئی نئی شان رکھتا ہے۔

اے عشق صلا گفتی می آئیم و بسم اللہ
آخر بچہ آرام گزار تو خضر دارم

اے عشق! تو انعام پیش کرنے کا اعلان کرتا ہے تو میں بھی آتا ہوں اور عشق کی بسم اللہ شروع کرتا ہوں۔ اور آخر مجھ کو تیرے سوا آرام بھی کس چیز سے ملے گا اگر میں تجھ سے قریب تر ہوں۔

گر پیش تو ناسوتم حب ست ز لاہوتم
قوت ملکی ہستم گر شکل بشر دارم

اگر تیرے سامنے میں ناسوتی ہوں مگر عالم لاہوت سے میرا رابطہ ہے اور قوتِ ملکوتیہ اپنے باطن میں نہاں رکھتا ہوں اگرچہ شکلِ انسان رکھتا ہوں۔

جز خون دلِ عاشق آن شیر نیاشامد
من زادۂ آن شیرم دلخونم و خونخوارم

عشق صرف دلِ عاشق کا خون پیتا ہے وہ دودھ نہیں پیتا ہے اور میں اس دودھ سے پیدا ہوا ہوں کہ جس سے ہمارا دل خون ہے اور خون پیتا بھی ہے یعنی سالک جو مجاہدات برداشت کرتا ہے اس سے زمیں اور آسماں بھی لرزتے ہیں۔ نفس کی خواہشات کو مارنا آسان نہیں۔ نفس کے شیر کو شکست دینا خرگوش کا کام نہیں ہے۔ یہ اللہ والوں کے تعلق و فیضان صحبت اور ان کی دعاؤں کا صدقہ ہے اور ان کو اپنی حالت سے اطلاع کرنا اور ان کے مشوروں پر اتباع کرنے کا ثمرہ ہوتا ہے کہ طالب کا نفس آہستہ آہستہ مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع ہو جاتا ہے۔ اگر نفس کو مسخر کرنا اور تابع بنانا اس قدر آسان ہوتا تو آج ہر ایک ولی اللہ نظر آتا۔ لیکن یہ خدائی سودا ایسا سستا نہیں ہے۔

Marfat.com

درخواست مکن خواجہ من با تو نمی گویم
من مردہ نمی شویم من خار نمی کارم

اے خواجہ تو مجھ سے اسرارِ عشق و مستی مت پوچھ کہ تو زاہد خشک اس کا اہل نہیں نا اہل سے ایسی گفتگو کرنا چونکہ بے سود ہے اس لیے مردہ نہلانے اور کانٹا بونے کا کام میں نہیں کرتا۔ یہاں مردہ نہلانا اصطلاحی لفظ ہے یعنی بے کار کام کرنا۔ اصطلاح نہ سمجھنے سے نا اہل اور نادان لوگ صوفیہ کے کلام پر اعتراضِ بے جا کرتے ہیں۔

ز تو سرمست خمارم خبر از خویش ندارم
سرِ خود نیز ندارم کہ تقاضائے تو دارم

آپ کی محبت سے سرمست و بیخود ہوں حتیٰ کہ میں اب اپنی خبر بھی نہیں رکھتا ہوں آپ کی طلب کے صدقے اپنی خودسری بھی فنا ہو چکی ہے۔

دیدہ از ہمہ بستم چو جمالش دیدم
مست بخشائش او گشتم و جاں بخشیدم

جب سے آنکھوں نے اس کا جمال دیکھا ہے تب سے آنکھوں کو بند کر لیا ہے اس ذاتِ پاک کی عطایا و عنایات سے مست ہوں اور جان فدا کر دی میں نے۔

قمر سارا لینا حبہ فرض علینا
سکن العیش لدینا بجز از دوست ندارم

چاند میری طرف آیا اس کی محبت ہم پر فرض ہے زندگی کا سکون بغیر اس محبوب کے میں نہیں پاتا ہوں غالباً چاند سے حضرت شمس تبریزؒ مراد ہیں کیونکہ مولانا رومی کے پاس تشریف لائے تھے تربیت کے لیے الہامِ غیبی سے۔ پس مولانا کو جو لطف ان کی صحبت اور دوستی سے ملا ہے اس کو مصرعِ ثانیہ میں بیان فرمایا۔

شمس تبریز کہ نور مہ و صد اختر ازو دست
گرچہ زارم ز غمش ہمچو ہلال عیدم

حضرت شمس تبریزیؒ کہ لاکھوں ستاروں نے اور چاند نے اُن سے نور حاصل کیا یعنی ان کی صحبت سے کتنے اولیاء پیدا ہوئے۔ اگرچہ میں حضرت شمس کی جدائی کے غم سے لاغر و کمزور ہوں مگر مثلِ ہلالِ عید کے روشن ہوں ہلال عید لاغر تو ہوتا ہے لیکن باعث مسرت و پیغام عید ہوتا ہے۔

Marfat.com

من ازیں خانۂ پر نور بدر می نروم
من ازیں شہر مبارک بسفر می نروم

میں حضرت شمس تبریزی کی پُر نور مجلس سے باہر نہ جاؤں گا اور میں تبریز جیسے مبارک با فیض شہر سے باہر سفر نہ کروں گا۔ یعنی خوب جم کر فیض مرشد حاصل کروں گا۔

گر جہاں موج شود بحر شود سر تا سر
من بجز جانب قعرش بگہر می نروم

یہ جہاں موج حوادث ہو یا بحر حوادث ہو سر تا سر لیکن میں اپنے مرشد کے دریائے معرفت کی گہرائی میں جستجوئے گُہر کے سوا کہیں نہ جاؤں گا۔

منم و ایں صنم و عاشقی و باقی عمر
گر مرا تو نبری جائے دگر می نروم

میں ہوں اور میرا محبوب مرشد شمس تبریزی ہے اور میری عاشقی ہے اور میری عمر باقی رہے اے محبوب اگر مجھے تو اپنے ہمراہ نہ بھی لے جائے گا تب بھی اب کسی غیر کے پاس میں نہ جاؤں گا۔

شہر ما تحت گہہ و منزل آں سلطانست
من ز سلطان سلاطین بدر می نروم

میرا شہر وہی ہے جہاں وہ سُلطان شمس تبریزی قیام پذیر ہوں ایسے سلطان الاولیاء اور شیخ المشائخ کی صحبت سے باہر نہ جاؤں گا۔ سلطانِ سلاطین یہاں مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔ ترجمہ میں اسی معنیٰ کی رعایت ہے۔

شہر ما از شہہ ما جنت ماوئے خوش ست
من ز فردوس بریں سوئے سقر می نروم

میرا شہر میرے مرشد کی برکت سے ۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

کے مصداق ہے پس میں اس فردوس بریں کو چھوڑ کر نا جنسوں کی صحبت میں جو مترادف سقر ہے نہ جاؤں گا۔

ایں خبر رفت بہر سود بہر گوش رسید
من ازیں بے خبری سوئے خبر می نروم

یہ خبر ہر طرف اڑ رہی ہے اور ہر کان میں پڑ رہی ہے کہ اب حضرت رومی فیضانِ شمس سے عالم بے خودی

Marfat.com

و بے خبری سے نکل کر عالم ہوش و خبر کی طرف نہ آئیں گے۔

منم آں بندہ مخلص کہ ازاں روز کہ زادم
تن و جاں راز تو دیدم دل و جاں را بہ تو دادم

میں وہ بندۂ مخلص ہوں کہ جس روز سے پیدا ہوا ہوں یعنی حیاتِ روحانی بہ فیضانِ شمس عطا ہوئی ہے اسی دن سے نورِ معرفت کی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ یہ جسم و جان صرف اے خدا آپ کی عطا ہے پس یہ آپ کے ہیں تو اے خدا آپ ہی پر ان کو فدا کرتا ہوں۔

تو چہ از کار فزائی سر و دستار نمائی
کہ من از ہر سر دوئے سر و دستار بر آرم

اے مخاطب تو کس کام سے میرا مرتبہ بلند کرنا چاہتا ہے اور مجھے دستار فضیلت کیا دکھاتا ہے میں نے تو روز اول ہی راہ عشق میں قدم رکھتے یہی اپنے ہر بن مو سے دستار فضیلت کو اتار پھینکا ہے۔

یعنی اگر اہل علم اپنے احساس علم کو فنا کر کے کسی اللہ والے کی کچھ دن صحبت اٹھالیں تو پھر ان کا علم غلغلہ مچا دے گا اور ان کے اخلاص کا دھواں بالائے فلک ہلچل مچا دے گا۔ ان کے درد کی خوشبو آفاقِ عالم تک نشر ہوگی۔

علی و خالد و رستم بگر و من نرسد
بدست نفس مخنث چرا زبوں باشم

بڑے بڑے پہلوانوں کو جو علی و خالد و رستم کے لقب سے مشہور تھے میرے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ کر سکے لیکن اس نفس مخنت کے مکر و فریب سے گناہوں میں مبتلا ہو ہو کر ذلیل و خوار ہوں مطلب یہ کہ نفس کو پچھاڑنا جسمانی طاقت سے ممکن نہیں یہ کسی اللہ والے کا دامن مضبوط پکڑنے سے جو روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے اس سے یہ زیر ہوگا۔

دریں گلستاں من عندلیب رحمانم
مجوے حد و کنارم ز حد بروں باشم

میں دنیا کے اس چمن میں دنیا کے گلوں کا بلبل نہیں ہوں۔

بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں دنیا میں رہتے ہوئے اپنے مولیٰ ہی کا عاشق اور بلبل ہوں۔ لہٰذا میرے حدودِ پرواز کی تم سے تعیین نہ ہو سکے گی کیونکہ میں غیر محدود ذات کی طرف اڑ رہا ہوں۔

Marfat.com

مرا بعشق پرورد شمس تبریزی
بدرد از ہمہ روحانیاں فزوں باشم

چونکہ حضرت شمس تبریزؒ نے میری پرورش عشق کے ذریعہ سے کی ہے اس وجہ سے میرا مقام درد و محبت دوسرے روحانی لوگوں سے بلند و بالا ہے۔

گر بر دل تو غبار بینم
از اشک خویش گرو نشانم

اے محبوب! اگر آپ کو ناراض دیکھتا ہوں تو اپنے ندامت کے آنسوؤں سے آپ کو راضی کرتا ہوں۔

ہم خانہ گریخت از نفیرم
ہمسایہ رمید از فغانم

میری گریہ وزاری کی آواز سے گھبرا کر میرے ہم خانہ بھاگ نکلے اور میری آہ و فغاں سے عاجز و تنگ ہو کر میرے پڑوسی بھی بھاگ گئے۔ مراد یہ نہیں کہ ایسا واقعی ہوا ہے کیونکہ ہمسایہ اور ہم خانہ کو تنگ کرنا تو گناہ ہے پس مراد مجازی معنیٰ ہوں گے یعنی انتہائی گریہ کی عادت عشاق کو ہوتی ہے۔

اے طالب مال و جان بندہ
آتش زدۂ بجان و مانم

اے محبوب اپنے بندوں کے جان و مال کا طالب تو نے ہمارے سامان زندگی کو آتش عشق سے سوختہ کر دیا۔

روزے کہ گذر کنی بگورم
یاد آوری از نگیر شورم

اے محبوب جس دن تو میری قبر پر آئے گا اس دن بھی تو میرا آہ و نالہ یاد کرے گا۔

پر نور کنی تنگ لحد را
اے دیدۂ داے چراغ نورم

میرے قبر کی گہرائیوں کو بھی تو پر نور کر دے گا کہ تو ہی میرے دیدہ اور چراغ کا نور ہے۔

من ہدہد تو ام سلیماں
یکدم مگذار بے حضورم

(اے محبوب!) میں بھی آپ کا ہدہد ہوں ایک سانس کو بھی اپنے سے مجھے جدا نہ کیجیے۔

Marfat.com

خامش کردم تو گوی باقی
کز گفت و شنود خود نفورم

میں اپنے آپ کو خاموش کرتا ہوں اب آپ ہی شرحِ عشق بیان فرمایئے کہ میں خود اپنی گفت وشنود سے متنفر ہوں۔

گر با غم عشق یار داریم
بر دل غم او ہزار داریم

اگر غم کے ساتھ ہوں لیکن عشق یار کی دولت بھی حاصل ہے اس لذتِ عشق کے ساتھ اپنے دل پر ہزاروں غم محبوب کا رکھتا ہوں۔ یعنی اطاعات ومجاہدات عشق الٰہی سے آسان اور لذیذ ہو جاتے ہیں۔

یا رب تو مدہ قرار ما را
گر بے رخ او قرار داریم

آپ کے بغیر اگر میں سکون سے رہوں یا رب! آپ میرا سکون وقرار چھین لیجیے۔

روے تو چو نو بہار دیدم
گل را ز تو شرمسار دیدم

آپ کا چہرہ (تجلیاتِ خاصہ الٰہیہ) مثلِ نوبہار دیکھا تو تمام کائنات کے گل وچمن کو اس کے سامنے شرمندہ دیکھا۔

تا در دل من قرار کردی
جان را ز تو بے قرار دیدم

اے محبوب! جب سے آپ میرے قلب میں آئے ہیں (یعنی نسبت مع اللہ خاصہ علیٰ سطح الولایت جب طالب کے قلب کو عطا ہوتی ہے) اپنی جان کو آپ کے بغیر بے قرار پاتا ہوں۔

من چشم شدم ہمہ چو نرگس
کاں نرگس پُر خمار دیدم

جب سے اس نرگس پُر خمار کی تجلی دیکھی ہے میں خود سراپا چشم نرگس ہو رہا ہوں۔

از جملہ جہاں و عیش عالم
من عشق تو اختیار دیدم

اے محبوبِ حقیقی! تمام کائنات کے عیش وآرام سے رخ پھیر کر آپ کی محبت کو میں نے انتخاب کیا ہے۔

Marfat.com

چوں ملک تو گشت عالم جاں
در یک تو بشر ہزار دیدم

میرے رُوح کا مُلک جب سے آپ کی جلوہ گاہ ہے۔ ایک بشر میں ہزاروں بشر میں نے دیکھے یعنی باعتبارِ روحانیت کے صفات کے ایک تعلق مع اللہ والا بشر ہزاروں بزر بلکہ لاکھوں بشر سے افضل ہے۔

من مردم و از تو زندہ گشتم
ایں عالم را دو بار دیدم

میں آپ سے غافل ہونے کے سبب مثل مردہ تھا۔ آپ کے تعلق خاص کے فیض سے اب زندہ ہو گیا۔ پس اس ایمانی حیات کے صدقے گویا کہ مجھے حیات بعد الممات عطا ہوئی یعنی دوسری حیات نورانی عطا ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ خدا سے غافل مثل مردہ ہے اور ذاکر مثل زندہ ہے۔

بردار کلہہ کہ اندریں راہ
بسیار کلاہ دار دیدم

اے سالک تکبر کا کلاہ اتر کر پھینک دے کہ میں نے خدائے پاک کی راہ میں ہزاروں کلاہ دار دیکھے ہیں جن کی کلاہ کا پتہ بھی نہ چلا یعنی اپنے رب کی عظمت کے سامنے فنا ہو گئے کہ ہستی کا تارو پود بھی باقی نہ رہا۔ یعنی مرضیاتِ الٰہیہ کے تابعدار ہو گئے اور اپنی مرضیات کو فنا کر دیا۔

بس کن کہ ملول گشت دلبر
بر خاطر او غبار دیدم

اے رومی! خاموش ہو جا کہ زیادہ گوئی سے محبوب ملول خاطر ہو گیا اور اس کی خاطر پر غبار دیکھا میں نے۔

آتش از تو میان جاں دارم
لیک صد مہر بر زباں دارم

آپ کی محبت کی آگ جان کے اندر رکھتا ہوں لیکن زبان پر ہر وقت سینکڑوں عنایات بیان کرتا ہوں۔ یعنی آتش محبت کو خلق سے مخفی رکھتا ہوں کیونکہ اس آگ کا لذیذ ہونا عامۃ الناس کے عقول متوسطہ کے ادراک سے بالاتر ہے۔

Marfat.com

دو جہاں را کند یکے لقمہ
شعلہ ہائے کہ در نہاں دارم

جو شعلہ ہائے عشقِ حق کے میرے سینے میں اٹھتے رہتے ہیں وہ دونوں جہاں کے فکر و غم کو ایک لقمہ بنا ڈالتے ہیں مطلب یہ کہ عاشق ذات حق ہر وقت ذات حق ہی کی فکر و ذکر میں مشغول ہے اور ان کے تو ذرۂ غم میں یہ تاثیر ہے چہ جائیکہ شعلہ ہائے عشق جسے عطا فرمائے گئے ہوں۔

گر جہاں را ہمہ فنا برسد
بے جہاں ملک صد جہاں دارم

اگر تمام کائنات کو فنا طاری ہو جائے تو بھی حق تعالیٰ کی ذات پاک کے تعلقِ خاص کے صدقے میں ہم اپنی روح میں سینکڑوں جہاں رکھتے ہیں یعنی ہم اس جہاں کے محتاج نہیں رہے بسبب اس کہ ہم خالق جہاں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور کبھی کبھی کا لفظ صرف صاحبِ تمکین کے لیے مناسب ہے ورنہ صاحب تمکین کو یہ مقام علیٰ سبیل دوام حاصل رہتا ہے۔اور یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہیں فرمائیں۔ اللّٰھمہ اتنا منه نصیبا

شکر آں را کہ جاں و ہد تن را
دل از و شاد و جاں رواں دارم

شکر اس ذات کا کہ جو خاکی تن میں روح مرحمت فرماتا ہے میرا دل انہیں کے تعلق سے شاد رہے اور روح اسی ذات کی طرف رواں ہونے والی ہے کیوکہ ہر شے اپنے اصل مرکز کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔

آنچہ داد ست شمس تبریزی
از من آن جو کہ من ہماں دارم

جو فیوض و برکات کہ مجھے حضرت شمس تبریزیؒ سے حاصل ہوئے ہیں اس کے علاوہ مجھ میں اور کچھ مت ڈھونڈو کہ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں رکھتا ہوں۔

ایں نشاں ہا کہ بر رخم پیدا ست
دانکہ از شاہمنشیں دارم

یہ نشانیاں میرے چہرے سے نمایاں ہیں تم اے دیکھنے والو یقین کرلو کہ ہم اپنے باطن میں اس شاہِ حقیقی

Marfat.com

کو ہم نشین رکھتے ہیں۔ پس میرے قلب سے اس خالق آفتاب و ماہتاب کا نور چھلک کے میرے چہرے سے بھی نمایاں ہو رہا ہے۔

آں یکے گنج کز جہاں بیش است
درد دل و جاں خود دفیں دارم

تعلق مع اللہ اور نسبت مع اللہ کا وہ خزانہ جو تمام کائنات اور اس کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے میں اپنے دل و جان میں مدفون رکھتا ہوں۔

مرکب زہد را ببرم پے
زآنکہ بر پست عشق زیں دارم

زہد خشک کی سواری کو میں نے پیچھے چھوڑ دیا کیونکہ میں نے عشق (تیز رفتار) کے پشت پر اپنا زین رکھ دیا ہے۔ یعنی مرکب عشق ہمارا مرکب (سواری) ہے۔

پائیدار ست جان من در عشق
زآنکہ پا ہائے آہنیں دارم

میری جان عشق میں نہایت مضبوط ہے کیونکہ میں آہنی پاؤں رکھتا ہوں یعنی تعلق مع اللہ کی باطنی طاقت کے سبب میں کوہِ استقامت ہوں۔

از دم بوے گل ازاں آید
کز دروں باغ و یاسمیں دارم

میری گفتگو اور سانس سے حق تعالیٰ کی خوشبوئے قرب اس سبب سے آتی ہے کہ میرے باطن میں (قلب و روح میں) قرب بارگاہِ حق کا باغ و یاسمین ہے۔

از فرح پایم از زمیں دور ست
زانکہ در لامکاں مکیں دارم

غلبۂ فرحت روحانی سے میرا پاؤں زمین پر نہیں زمین سے دور ہے کیونکہ میری روحانیت لامکاں میں مکین ہے۔

نالہ بلبل بہار کنیم
تا ازاں بلبلاں شکار کنیم

بلبلوں کے شکار کے لیے میں نے نالۂ بلبل مشق کیا ہے اور یہ تبلیغ کا نہایت جاذب اور مؤثر طریقہ ہے

Marfat.com

کہ جس ذوق کا آدمی مجلس میں آئے اس سے کچھ دیر اسی کی مذاق میں گفتگو کر کے اس کو مانوس کیا جائے اور پھر اس کو دامِ محبت الٰہیہ میں شکار کر لیا جائے۔

بار دگر جانب یار آمدیم
خیرہ نگر نزد نگار آمدیم

غفلت دور کر کے دوبارہ اس یارِ حقیقی کی جانب ہم آ گئے یعنی قبض کی حالت سے بسط کی حالت کی طرف آ گئے اور اس حالت بسط میں مشاہدۂ تجلیات سے خیرہ نگاہ ہم مقرب بارگاہ حق ہیں۔ (خیرہ نگاہی شوکتِ تجلی سے نگاہوں کا محو حیرت ہونا)۔

نافۂ آہو چو بزد بر دماغ
دام گرفتیم و شکار آمدیم

خوشبوئے قرب (مشک نافۂ آہو) سے دماغ کو اس طرح بے خود کر دیا کہ ہم دیوانہ وار دامِ محبت کو پکڑتے ہوئے محبوب حقیقی کے شکار ہو گئے۔

اے ہمہ ہستی مکن از ما کنار
جانکہ ز ہستی بکنار آمدیم

اے حَیّ و قیوم مجھے اپنے سے دور نہ فرما کیونکہ آپ کے بعد سے ہم اپنی ہستی ہی سے دور ہو گئے یعنی ہلاکت کے قعر میں گر گئے۔

باز چو دیدم رُخِ عاشقاں
جملہ خوشاں بہ نثار آمدیم

ہم نے پھر اہل اللہ (عاشقانِ حق) کے مبارک چہروں کو دیکھا نہایت خاموشی کے ساتھ ہم ان پر نثار ہو گئے۔

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہ ہمنشیں دارم
رخ زریں من منگر کہ پائے آہنیں دارم

اے مخاطب تو میرے اس باطنی نعمت عظمیٰ کو کیا جانتا ہے کہ میں باطن میں کیسے سلطان السلاطین اور احکم الحاکمین کو ہم نشیں رکھتا ہوں میرے پیلے چہرے کو مت دیکھ کے یہ مجاہداتِ عشق حق سے زریں ہو رہا ہے میرے آہنی پاؤں کو دیکھ (یعنی نسبت مع اللہ) کی طاقت کو غیر اہم سمجھ۔

Marfat.com

گہے خورشید را مانم گہے دریائے پُر دُر را
درونِ دل فلک دارم برونِ دل زمیں دارم

کبھی تو آفتاب کو اپنے نورِ باطن سے شرمسار کرتا ہوں اور کبھی باطنی نسبت مع اللہ کے دُر یکتا سے زمین پر دریائے پُر دُر کو نادم کرتا ہوں اپنے قلب کے اندر فلکِ تاباں از آفتابِ حق رکھتا ہوں اور دل کے باہر زمین رکھتا ہوں۔ مراد اس سے تعلق خاص اور معیت خاصہ ہے جو انبیاء اور اولیا کے ساتھ مختص ہے۔ پس اہل ظاہر کو ظاہری الفاظ پر معترض ہونا نادانی ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات مکان سے اور زمان سے پاک ہے۔ صوفیا کے الفاظ کو اصطلاحِ تصوف سے سمجھنا چاہیے۔ اور یہ ہر فن کا قاعدہ ہے کہ اس کے مضامین کو اسی فن کے اصطلاح سے سمجھتے ہیں۔ مثلاً شریعت میں صلوٰۃ کا مفہوم شارع علیہ السلام کی اصطلاح میں سمجھا جائے گا نہ کہ لغوی مفہوم صرف دُعا کو مراد لیں گے۔

چرا پژمردہ باشم کہ بشگفت ہر جزوم
چرا خر بندہ باشم براقے زیر زیں باشم

میں کس طرح افسردہ ہوسکتا ہوں جبکہ میرا ہر جز تعلق مع اللہ کے فیض سے زندہ اور شگفتہ ہوگیا ہے اور گدھے کا غلام کیسے ہوسکتا ہوں جبکہ براقِ عشق پر میرا زین ہے۔

شعاع آفتابم من اگر در خانہا گردم
عقیق و لعل و دُرّم من ولادت ز آب و طیں دارم

اگر میرا فیض سالکین کے قلوب میں منور ہو رہا ہے تو کیا تعجب کہ آفتاب کی شعاعیں ہر گھر میں داخل ہوتی ہیں پھر خالص آفتاب کا نور تو کیا کچھ قوی تر ہوگا۔ اور اگر میں پانی اور کیچڑ سے مولود ہوں تو یہ بات میری حقارت کا سبب نہیں ہے کیونکہ اسی مٹی سے لعل اور عقیق اور موتی بھی پیدا ہوتے ہیں جو اپنی قیمت کے سبب سلاطین کے سروں پر بیٹھتے ہیں۔ پس حق تعالیٰ اسی آب و گل سے دُرِ نبوت اور دُرِ ولایت پیدا فرماتے ہیں اور ان کے فضل کا تو عجیب عالم ہے۔

بیا اے شمس تبریزی مکن سنگین دلی با من
کہ بے تو لعل و لؤ لؤ را نمیدانم نمیدانم

اے مرشد حضرت شمس الدین تبریزیؒ میرے ساتھ عنایت کا معاملہ فرمایئے کہ آپ کے بغیر لعل اور موتی بھی مجھے بے قدر معلوم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

نہ آں بے زہرہ دل دارم کہ از دلدار بگریزم
نہ آں خنجر بکف دارم کہ از پیکار بگریزم

میں ایسا بے پتہ والا دل نہیں رکھتا ہوں یعنی بے ہمت اور پست حوصلہ نہیں ہوں کہ خوف مجاہدات سے محبوب حقیقی سے بُعد پر صابر نہ ہوں اور میں اپنے ہاتھ میں وہ خنجر نہیں رکھتا ہوں کہ جہاد سے بھاگوں۔

زہے دریائے بے ساحل پر از ماہی درون دل
چنیں دریا ندید ستم چنیں ماہی نمی دانم

اے محبوب! تو دریائے بے ساحل کی طرح میرے قلب میں پُر ماہی ہے یعنی آپ نے اپنی تجلیات و صفات سے میرے قلب کو پرکیف کیا ہوا ہے میں نے کائنات میں ایسا دریا نہ دیکھا اور نہ ایسی مچھلی دیکھی۔

ہزاراں جان یعقوبی ہمی سوزد ازیں خوبی
چرا اے یوسف خوباں دریں چاہے نمیدانم

آپ کے ہزاروں عاشق مثل حضرت یعقوب علیہ السلام گریاں وسوزاں ہیں اے یوسف خوباں! آپ کنوئیں میں یعنی قلوبِ خواص عُشاق میں کیوں جلوہ فرما ہیں۔ میں نہیں جانتا ہوں۔

من از اقلیم بالایم سر عالم نمیدارم
نہ از خاکم نہ از آبم دلِ آبم نمیدارم

میں آفاقِ عالم اور حدودِ کائنات سے غیر ملتفت ہو کر اپنی روح کا (بہ فیض مرشد کامل) مولائے عرشِ کریم سے رابطہ رکھتا ہوں اور تکوینی امور کائنات کا سرچشمہ اور مرکز چونکہ عالم امر ہے اور وہ مافوق الافلاک ہے پس حق تعالیٰ کے رابطۂ خاص کا ایک فیضان منجملہ یہ بھی ہے کہ سرِّ عالم کی طرف بھی توجہ نہیں رکھتا ہوں کیونکہ میں مرتبۂ روح کے اعتبار سے نہ خاکی ہوں نہ آبی ہوں (بلکہ ایک طائرہ لاہوتی ہوں) اور یہ دل بھی ان پر فدا کرنے کے سبب دل بھی نہیں رکھتا ہوں۔

نہ شادیہا چو بیزارم سر غم از کجا دارم
بغیر او چو من خود را خوش و خرم نمیدارم

میں تو دنیا کی خوشیوں سے بھی بیزار ہوں بوجہ ان کے عارضی اور حادث ہونے کے تو پھر دنیا کے غم کے اسرار کی کیا پرواہوگی۔

اور یہ میری روح کو یہ مقام عدم التفات کا حق تعالیٰ کے تعلق پاک سے عطا ہوا یعنی میری روح اس قدر

Marfat.com

مانوس اس ذات پاک سے ہے کہ بدون ان کی معیت کے میں اپنے کو خوش و خرم نہیں رکھ سکتا ہوں اگر چہ قدموں میں ہفت اقلیم کی دولت ہو۔

در آں شربت کہ جاں ساز دل مشتاق جاں بازو
خرد خواہد کہ درتازد منش محرم نمیدارم

تعلق مع اللہ کی جو لذت محسوس ہوتی ہے اس شربتِ وصال نے ہی دل مشتاق کو جانبازی سکھائی ہے اور عقل جو اس راہِ عشق میں دوڑنا چاہتی ہے میں اسے تو اس راہ کا محرم نہیں قرار دیتا۔

پئے آں خمر چوں عیدم شکم را روزہ بر بندم
کہ من آں سرو آزادم کہ برگ غم نمیدارم

جب سے حق تعالیٰ کی محبت کا جام نوش کر کے روح مسرور ہوئی ہے پیٹ کی طرف سے التفات جاتا رہا۔ بلکہ نفلی روزوں سے شکم کو خالی رکھتا ہوں۔ میں ذاتِ حق سے رابطہ کی بدولت ایک ایسے آزاد درخت سرو کے مانند ہوں کہ جس میں غم کے برگ نہیں رکھتا ہوں۔

نہ بر منہاج روز و شب بود عشاق را مذہب
کہ من مسلک بزیر ایں کہن طارم نمیدارم

چونکہ میری رفتار مرتبۂ روح میں مافوق الافلاک ہے اس لیے یہاں کے روز و شب کے راستوں سے عشاق حق کو کوئی واسطہ نہیں۔

طواف حاجیاں دارم بگرد یار می گردم
نہ اخلاق سگاں دارم نہ بر مردار می گردم

میں اپنے محبوب کے گرد مثل حاجیوں کے طواف کرتا ہوں یعنی مرتبۂ روح میں حق تعالیٰ کی صفات میں غور وفکر سے مست رہتا ہوں نہ کتوں جیسے حسد و حرص و طمع کے اخلاق رکھتا ہوں نہ دنیائے مردار اور اس کے عاشقوں کے گرد پھرتا ہوں۔

جہاں ما را ست زیر او یکے گنجست پنہائی
سر آں گنج می دارم بگرد مار می گردم

میرے باطن میں تعلق مع اللہ کا ایک پنہاں خزانہ ہے اسی کی بدولت میری کائنات اور میرا جہان ہی الگ ہے اور میرا جہاں پُر لطف ہے۔

Marfat.com

میں اس خزانہ مخفیہ باطنیہ نسبت الٰہیہ پر عاشق ہوں اور ظاہر ہے کہ ہر خزانہ پر سانپ ہوتا ہے پس اس خزانہ کے گرد بھی سانپ (مجاہدات کے) ہیں جن کے گرد میں مست پھرا ہوں یعنی حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہر تکلیف کو میں دیوانہ وار قبول کرتا ہوں۔

نمیدانی کی رنجورم کہ جالینوس می جویم
نمیدانی کہ عطارم کہ بر گلزار می گردم

اے مخاطب! تو نہیں جانتا کہ میں روحانی عشق کا بیمار ہوں اور جالینوس یعنی مرشد کامل ڈھونڈتا ہوں۔ تو نہیں جانتا کہ میں عطار ہوں یعنی خوشبوئے محبت الٰہیہ کی دوکان لگاتا ہوں پس چمن اور گلزار کے گرد پھرتا رہتا ہوں کہ گلوں کی خوشبو حاصل کروں یعنی عاشقانِ حق اور اہل نسبت و حاملان درد و آتش پنہاں کی تلاش میں پھرتا ہوں کہ اُن سے حق تعالیٰ کی محبت کا کوئی ذرہ درد کا حاصل ہو۔

نمیدانی کہ سیمرغم کہ گرد قاف می گردم
نمیدانی مخورم کہ بر خمار می گردم

تو نہیں جانتا کہ میں روحانی چڑیوں میں بوجہ قوی نسبت مع اللہ رکھنے کے جنس اعلیٰ سیمرغ سے ہوں۔ نسبت مع اللہ چونکہ کُلّی مشکک ہے جس کے افراد متضاد المراتب ہوتے ہیں ضعف اور قوۃ کے اعتبار سے پس قویُ النسبت کو سیمرغ سے تشبیہ دی کہ صنف طیور میں سب سے اعلیٰ جنس شمار ہوتا ہے اور اس کا نشیمن کوہ قاف مشہور ہے۔ اسی طرح ہمارا نشیمن بھی عالم لاہوت ہے اور اے مخاطب تو نہیں جانتا کہ میں مست ہوں پس مستانِ حق و عاشقانِ حق کے گرد پھرتا ہوں۔

ہر نقشے کہ پیش آید در و نقاش می بینم
برائے عشق لیکن داں کہ مجنوں دار می گردم

جو نقش اور جو صورت میرے سامنے آتی ہے میں نقش نگار اور نقاش کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔
یعنی مصنوع سے صانع اور مخلوق سے خالق پر استدلالی اور استحضاری حالت میں مشغول ہو جاتا ہوں لیکن یہاں بھی مخلص ہوں یعنی دینوی اغراض کے لیے یہ نہیں ہوتا بلکہ اس کیفیت پر مجھے عشق صانع اور عشق خالق مجبور کرتا ہے۔

بہانہ میکنم نان را و لیکن مست خبازم
نہ اند دینار مینالم نہ از دلدار می گردم

میں نان بائی کا عاشق ہوں اور روٹی کو میں نے بہانہ بنایا ہوا ہے یعنی حق تعالیٰ کی نعمتوں کو بہانہ

Marfat.com

بنایا ہوا ہے میں تو اس نعمت دینے والے پر فدا ہوں۔ میں دینار نہ ہونے سے نہیں روتا ہوں کہ میرے پاس پیسہ نہیں تو روٹی کیسے خریدوں گا۔ میں تو حالات افلاس میں بھی خباز سے مست ہوں (یعنی نانبائی سے) مطلب یہ ہے کہ میں ہر حالت میں تنگدستی سے پریشان ہو کر اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد سے نہیں بھاگ سکتا۔

بیا اے شمس تبریزی بصورت گرچہ پرہیزی
شفق دار از دل شمست بریں اثار می گردم

اے مرشد تبریزی آپ میرے پاس آیئے۔ اگرچہ آپ صورت سے مستغنی ہو کر غرق معنی ہیں اجسام اور صورتوں سے بے پروا ہو کر ہمہ تن حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں میری طلب تو دیکھے کہ میں مثل شفق آپ کے آفتابِ قلب سے انوارِ نسبت کے آثار پر فدا ہو رہا ہوں۔

ز عالم من ترا تنہا گزینم
رواداری کہ من تنہا نشینم

اے محبوبِ حقیقی! کائنات میں ہم نے لا الہ سے سب کی محبت منفی کی ہے اور الا اللہ سے صرف آپ کو اپنا مقصود و مراد بنایا ہے پس جبکہ کائنات و موجودات سے سب کو نظر انداز کر کے صرف آپ کو ہم نے انتخاب کیا ہے تو آپ ازراہ کرم مجھے تنہا نہ چھوڑیے اور اپنے نبی رحمت علیہ السلام کے صدقے میں اپنی معیت خاصہ اور تعلق خاص کو علی سطح الولایت ہمیں عطا فرما دیجیے۔ یعنی جس درجہ تعلق و محبت پر آپ بندوں کو اپنا ولی بناتے ہیں اس درجہ کی محبت ہمیں بھی عطا فرما دیجیے۔

دل من چو قلم اندر کف تست
ز تست ارشاد مانم در حزینم

جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے اسی طرح آپ کے ہاتھ میں میرا قلب ہے۔ پس میرے قلب کی خوشی اور غم آپ ہی کے قبضے میں ہے۔ میرا مسرور ہونا آپ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

گر تو خواہی عین غم شادی شود
عین بند پائے آزادی شود

لہٰذا اگر آپ چاہیں تو عین حقیقت غم کو حقیقت خوشی سے تبدیل فرما دیں یعنی غم ہی کو خوشی بنا دیں اور عین قید کو آزادی بنا دیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اہل اللہ کو اسباب غم میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود سکون اور اطمینان میسر رہتا ہے۔

Marfat.com

بجز آنچہ تو خواہی من چہ خواہم
بجز آن کت نمائی من چہ بینم

اے خدائے قادرِ مطلق! میری مشیت بھی آپ کی مشیت کی غلام ہے۔ اور آپ ہمارے جس طرح قلوب کے مالک ہیں ابصار کے بھی مالک ہیں (لہٰذا اپنے کرم سے حق پسندی اور حق بینی کی توفیق ہم کو عطا فرمایئے۔)

گہہ از من گل بردید و گہے خار
گہے خارم خلد گہہ گل بچینم

کبھی آپ کا کرم اعمالِ صالحہ کے پھول مجھ میں اُگاتا ہے اور کبھی ہماری شامتِ عمل سے آپ کی نگاہِ کرم ہٹ جاتی ہے اور نفس و شیطان ہم پر غالب ہوتے ہیں اور سیئات کے خار اگنے لگتے ہیں۔ پس ہم کو کبھی خار چبھتے ہیں اور کبھی ہم پھول چنتے ہیں۔ یعنی سالک پر مد و جزر قبض و بسط کے مختلف حالات طاری ہوتے رہتے ہیں۔

تو بودی اول و اخر تو باشی
تو بہ کن آخرم از اوّلینم

آپ ہی اوّل ہیں آپ ہی آخر ہیں پس اے قدیم ذات تو میری آخری حالت کو میری پہلی حالت سے بہتر فرما یعنی حسن خاتمہ عطا فرما۔

چو تو پنہاں شدی از اہل کفرم
چوں تو ظاہر شدی از اہل دینم

جب آپ مجھ سے پنہاں ہو جاتے ہیں یعنی حالت قبض طاری فرماتے ہیں تو ہم قلب میں انتہائی گھٹن محسوس کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب میں ایمان بھی ہے یا نہیں۔ یعنی بسط کی اعلیٰ حالت ایمانی کے مقابلے میں یہ ادنیٰ حالت اور عدم حضوری و اضمحلال نسبت مع الحق سے شبہ ہونے لگتا ہے جیسا کہ روایت میں ہے حضرت حنظلہؓ کو گزرا اور اپنا حال بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا کہ جو حالت ایمانی آپ کی مجلس میں رہتی ہے وہ آپ سے دوری میں اور دوسری مشغولیوں میں نہیں رہتی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ساعةً کذا و ساعةً کذا“

یعنی یہ نفاق نہیں ہے بلکہ یہ حالت اسی طرح بدلتی رہتی ہے کبھی ایسی کبھی ایسی۔ یکساں حالت نہیں رہتی۔ دوسرے مصرع کا ترجمہ یہ ہے جب آپ پھر حالت بسط عطا فرماتے ہیں تو ہم اہل دین معلوم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

بجز چیزے کہ دادی من چہ دارم
چہ میجوئی ز جیب و آستینم

اے خدائے پاک بجز اس کے کہ آپ جو کچھ ہم کو عطا فرمائیں ہمارے پاس اور کیا ہو سکتا ہے۔ پس میرے آستین و جیب کی تلاشی کی آپ کو چنداں ضرورت نہیں کیونکہ آپ تو عالم غیب ہیں۔

ز شوقت من ز تن بیگانہ گردم
شراب عشق را بیگانہ گردم

آپ کے شوق میں اپنے جسم سے بیگانہ ہو رہا ہوں یعنی آپ کی لقاء و رضا کی فکر و عمل میں اس درجہ محویت و استغراق ہے کہ اپنے تن پروری و تن آرائی کے اسباب سے بے پروا ہو گیا ہوں اور آپ کی محبت کی شراب کا پیمانہ بن گیا ہوں۔

شوم آزاد و فارغ از دو عالم
غلام خوبئے جانانہ گردم

میں دونوں جہان کو عشقِ حق کی بازی میں ہار چکا ہوں اس لیے میں ایسا عاشق ذاتِ حق ہوں کہ بس انھیں کی خوبیوں کا غلام ہوں۔

رسانم عشق را از سوز جائے
کہ در اقلیمہا افسانہ گردم

میں اپنے دردِ محبت کو سوزِ عشق سے اس طرح نشر کر رہا ہوں کہ تمام آفاق عالم و اقلیموں میں میرا افسانہ و چرچا ہو رہا ہے۔

حدیثم بعد ازیں مستانہ باشد
ببازار اندروں مستانہ گردم

جب سے میں نے بازاروں میں نعرہ مستانہ شروع کیا ہے میری گفتگو بھی مستانہ ہونے لگی ہے مراد یہ کہ میری محبت و نسبت مع الحق کا اثر صرف مسجد و خانقاہ تک نہیں بلکہ بازاروں اور مخلوقات کے ہنگاموں میں بھی میں اپنا درد محبت سناتا ہوں۔

بہ پیش عشق چو شیراں در آئیم
چو طفلاں چند در کاشانہ گردم

میں عشق کے میدان میں مثلِ شیر آیا ہوں (یعنی تمام اعمال رضائے حق اور تمام معاصی سے بچنے کی

Marfat.com

تکلیف کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو کر طریق سلوک میں داخل ہوا ہوں) مثل بچوں کے کب تک آخر دودھ پیتا رہتا یعنی غفلت کی زندگی میں فانی دنیا کہ مقصود کب تک بنائے رکھتا یہی دنیا تو ایسی دھوکہ باز معشوقہ ہے جو موت کے وقت ہماری ران سے کھسک کر ہمیں قبر میں کیڑوں کے حوالے کر دے گی اور خود دوسرے عشاق کو تلاش کرے گی۔

ع یہ جہاں کسی کے ساتھ بھی وفادار نہیں

لہٰذا اے بھائی دل کو جہاں کے خالق سے رابطہ قائم کرنے پر تیار کر اور اسی پر قناعت کر کہ ایک باوفا لاکھوں بے وفا سے بہتر ہے۔

چرا باشم ز بازاں و ز همایاں
چو چغداں چند در ویرانه گردم

میں بازاروں اور ہما سے کب تک دور رہوں گا اور اُلوؤں کے اُلوستان میں کب تک پھرتا رہوں گا یعنی اہل اللہ اور شیرانِ خدا سے بے گانہ رہ کے میں دنیا داروں میں اپنے ایام زندگی کو کب تک رائیگاں کرتا رہوں گا۔

چرا در دام ہمچوں مرغ ناداں
فتادہ از پئے یکدانہ گردم

میں خود کو مرغ ناداں کی طرح ایک دانہ کے لیے (یعنی دنیائے حقیر کے لیے) کب تک اپنے آپ کو دامِ طمع میں گرفتار رکھوں گا۔

چرا در شعلۂ ایں شمع ہستی
برائے سوختن پروانہ گردم

میں کیوں فانی ہستی کے چراغ پر نادان کی طرح اپنی ہستی کو برباد کروں۔ خلاصہ یہ کہ عشق حی و قیوم کسی عاشق حق سے سیکھنا چاہیے کہ جسے کبھی فنا نہیں اور خدا کی یاد میں نکلی ہوئی آہیں اور نکلے ہوئے آنسو بھی رائیگاں نہیں ہوتے بلکہ اشک محبت و خوف حق شہیدوں کے خون کے ہمسر ہیں۔

خمش گردم چو در بازم جہاں را
یگانہ عاشق دیوانہ گردم

میں خاموش ہوں اور جہان سے کھیلتا ہوں یعنی دنیا کو ایک کھیل سمجھتا ہوں اور تنہا عاشق دیوانہ پھرا ہوں۔

Marfat.com

ز بوئے یوسفے سر مست بودم
کہ خُسنش ہر دمے گوید الستم

میں حق تعالیٰ کی خوشبو سے سرمست ہوں کیونکہ ہر وقت تجلیاتِ خاصہ (ذکر کی برکت اور مرشد کامل کے فیض سے) کا پیہم توارد مجھے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کی آواز دے رہا ہے۔

مبادم سر اگر جز تو سر ہست
بسوزاں ہستیم گر بے تو ہستم

اے خدائے پاک اگر میرے سر میں آپ کے علاوہ کسی کا خیال ہے تو اس سر سے مجھے بے سر کر دیجیے اور اگر آپ کے بغیر ہم زندہ رہیں تو میری زندگی میں آگ لگا دیجیے۔

مولانا نے غلبۂ عشق میں یہ دعا مانگی جس کا حاصل یہ ہے کہ اے خدا مجھے مجبور محبت کر دیجیے یعنی میں آپ کا نہ بھی ہونا چاہوں تو بھی آپ اپنے کرم سے ہمیں اپنا بنا لیجیے۔

با اے شمس تبریزی نظر کن
دلم را بر تو بر خیرہ بہ بستم

اے شمس الدین تبریزی مجھ پر نظر عنایت فرمائیے کہ میں نے دل کو آپ کے خصوصی عنایات کے ساتھ وابستہ کر لیا ہے۔

ز زنداں زہرہ را آزاد کردم
رواں عاشقاں را شاد کردم

میں نے زہرہ کو آزاد کیا قید خانہ سے اور عاشقوں کے قافلے کو میں نے مسرور کیا۔

زہرہ نام ہے ایک ستارہ کا جو تیسرے فلک پر تاباں ہے اور رنگ اس کا سفید ہے۔ لیکن یہاں یہ معنیٰ مراد نہیں بلکہ زہرہ سے مراد وہ عورت ہے جس پر ہاروت و ماروت عاشق ہو گئے تھے۔ کیونکہ سالک کی روح پر بھی نفس و شیطان (مثل ہاروت و ماروت) اظہارِ شیفتگی اور دعوتِ لذت معاصی دیتے ہیں اور مرشد کامل روح کو نفس و شیطان سے آزادی دلاتا ہے اور نفس و شیطان سے خلاصی کے بعد حق تعالیٰ کے راستے پر چلنے والوں کا قافلۂ عشاق نہایت عمدہ و احسن طریق سے راستہ طے کرتا ہے اس وجہ سے طالبان حق مرشد کامل کے اس فیض سے (یعنی قید نفس و شیطان سے آزاد ہو کر) جب وصول الی اللہ کے منازل بآسانی طے کر لیتے ہیں تو نہایت مسرور اور شکر گزار مرشد ہوتے ہیں۔

Marfat.com

دہاں اژدہا را بر دریدم
جہان عیش را آباد کردم

نفس سانپ کا منہ اور گلہ میں نے پھاڑ دیا ہے اور روح کے اندر عیش کا جہاں (تعلق مع اللہ کا عالم) میں نے آباد کیا ہے۔

ز چاہے یوسفے را بر کشیدم
چو از یعقوب محزوں یاد کردم

حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کی طرح جب ہم نے گریہ وزاری اپنے محبوبِ حقیقی کے لیے شروع کر دی تو جس طرح ان کی آہ نے اثر دکھایا اور حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو چاہِ کنعان نے باہر نکال لیا اور لذتِ وصالِ پسر سے آنکھیں پرنور اور مسرور ہوئیں اسی طرح گریہ وزاری کر کے ہم نے بھی اپنے مولائے کریم کو راضی کر لیا اور لذتِ قربِ دوام سے ہم بھی مسرور رہیں۔

زہے باغے کہ من ترتیب دادم
زہے شہرے کہ من بنیاد کردم

کیا عمدہ باغ ہے کہ جس کی ہم نے ترتیب دی ہے (باغ سے مراد باغِ قربِ الٰہی ہے) ترتیب سے مراد اعمالِ صالحہ کی ترتیب ہے اور کیا ہی عمدہ شہر ہے جس کی ہم نے بنیاد ڈالی ہے (یہاں شہر سے مراد شہرِ عشقِ حقیقی ہے جو قلب وروح میں عارفین آباد کرتے ہیں۔)

چو شیرانے کہ می غرند بر من
چو روبہ عاجز و منقار کردم

مثل شیروں کے غراتے ہوئے مجھ پر نفس نے گناہوں کے تقاضوں سے حملہ کیا لیکن خدا کے خوف سے میں نفس کو اس طرح چت کرتا ہوں کہ اس کے تقاضوں کے شیروں کو لومڑی بنا دیتا ہوں اور عاجز و درماندہ کر دیتا ہوں۔ نفس کو ہماری روح نے شکست دے کر نافرمانی کے وبال سے محفوظ اور نورِ تقویٰ سے منور اور قربِ حق سے مسرور کر دیا۔

غلام خواجہ را آزاد کردم
منم کے اُستاد را استاد کردم

روح جو خواجہ ہوتے ہوئے نفس کی غلام ہو رہی تھی حالانکہ تن سواری اور روح سوار ہے جب روح نہ ہو تو یہ سواری بے کار ہے روح جسم کو جدھر چاہتی ہے چلاتی ہے مگر اس سرداری کے باوجود نفس مکار نے

Marfat.com

گناہوں کی عارضی لذت کا سبز باغ دکھا کر روح کو اپنا غلام بنالیا تھا۔ میں نے اس خواجہ کو آزادی دلائی اور اس غلامی سے نجات پا گئی۔ پس میں وہ ہوں کہ استاد کو استاد بناتا ہوں یعنی خواجہ کو خواجگی دلاتا ہوں۔ میں سے مراد بظاہر دعویٰ اور تفاخر معلوم ہوتا ہے مگر مولانا نے جو میں استعمال فرمایا یہاں مراد ہر مرشد کامل کی روحانیت ہے۔

عجب خاکم کہ من از آتش عشق
دماغ چرخ را بر باد کردم

میں عجیب خاکی بشر ہوں کہ عشق حق کی آگ نے مجھے وہ بلندی بخشی ہے کہ آسمان کا دماغ بھی ہم نے ڈھیلا کر دیا یعنی اولیائے حق کی روحانی رفعت کے سامنے افلاک بھی محو حیرت و سرنگوں ہیں۔

ملامت نیست چوں مستم تو کردی
بزن من نفس را منقار کردم

اے مرشد! جب آپ نے ہمیں عشق الٰہی سے مست کر دیا تو اب مجھے ملامت کا خوف نہ رہا۔ آپ ہر طرح ہمارے نفس کی اصلاح کے لیے میری ڈانٹ ڈپٹ روک ٹوک فرمایئے میں نے نفس کو مغلوب اور تابع کر لیا ہے۔

دُہل کو باں بروں آئیم از خود
کہ مارا عزم رفتن شد مُصَمَّم

ببانگ دہل (ڈھول پیٹتے ہوئے) خوشی خوشی ملامت کائنات سے بےخوف ہو کر میں خودی سے بے خودی کی طرف جا رہا ہوں اور ہمارا عزم سفر سیر الی اللہ کا اب پختہ ہو چکا ہے۔

دہل زن گر نباشد عید عید ست
جہاں پُر عید شد واللہ اعلم

اور اگر خوشی کا سماں ہو اور خوشی کا نقارہ بجانے والا نہ ہو تو بھی عید کا دن تو عید کا دن ہے اور عاشقوں کے لیے تو یہ سارا جہاں خوشی سے پُر ہے واللہ اعلم۔

بیا نزدیک در رویم نظر کن
نشانیہا نگر کز عشق دارم

اے مرشد! میرے قریب آیئے اور میرے چہرہ میں غور فرمایئے اور ان نشانیوں کو دیکھیے جو عشق پنہاں میرے چہرہ پر ہویدا ہیں۔

Marfat.com

بسوزم پردۂ ہفت آسماں را
اگر از آہ دل دودے بدارم

جس وقت حق تعالیٰ کی یاد میں دل سے آہ نکلتی ہے تو اس آہِ سوزاں کے دھواں سے (جو سوختہ جانی کے سبب نکلتا ہے) میں ہفت آسمان کو جلا دیتا ہوں یعنی آسمان کے حجابات میری آنکھوں سے (بوجہ غایۃ قرب و انکشاف تجلیات خاصہ) دور ہو جاتے ہیں۔

خزاں گر باغ و بُستاں را بسوزد
بخنداند جہان نو بہارم

اگر یہ موسم خزاں باغات و بستان و چمن کو جلا دیتا ہے تو میرے باطن کی بہار (قرب حق کا فیض) ایک جہانِ نو کو خنداں کرتا ہے یعنی اہل اللہ کو جو قربِ حق تعالیٰ کا عطا ہوتا ہے وہ ان کی زندگی کو اس قدر پُر لطف کر دیتا ہے کہ ان کے پاس جو بھی بیٹھتا ہے اگر ہزاروں غم رکھتا ہوگا تو سکون و اطمینان کی دولت لے کر اٹھتا ہے۔

منم آں رند سر مست شکر خا
میاں جملہ رنداں ہائے ہایم

میں ان کا وہ دیوانہ و سرمست ہوں کہ تمام دیوانوں میں میری آہ پُر اثر مشہور ہے۔

بدیم عشق را سور مست میگفت
بلایم من بلایم من بلایم

میں نے عشق کو دیکھا کہ سرمست تھا اور یہ کہتا تھا کہ میں بلا ہوں مراد یہ کہ عاشقی میں ناز پروردہ نازک مزاج لوگوں کا کام نہیں، یہ ایک دریائے خون ہے جس سے عبور کرنا ہے اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑنا آسان نہیں۔

اگر تو نیستی در عاشقی خام
بیا مگریز از یاران بدنام

اے شخص اگر تو خام (کچا) عاشق نہیں ہے تو ملامتِ خلق سے بے خوف ہو کر ہم یارانِ بدنام کے پاس آیا کر یعنی صوفیا و مشائخ کو چونکہ علمائے ظاہر طعن و اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں اس لیے تو ان کے پاس آنے سے اگر گھبرایا تو سمجھ لے کہ تو ابھی خام ہے۔

Marfat.com

مراد یہ کہ زاہد خشک نہ بنو کہ اعمال بدون دردِ محبت وعشق حق کے جسم بے روح ہوتے ہیں پس کسی خدا کے عاشق دیوانے متبع سنت و شریعت کی صحبت میں رہ کر عشق و محبت اپنی روح میں پیدا کرو۔ مے اچھالنا ایک اصطلاح ہے مراد ظاہری شراب حرام اور لغت والی نہیں بلکہ زاہد خشک سے طریق عشق میں آنا ہے۔

تو آں صیدی کہ میل دانہ داری

نباشد در جہاں یکدانہ بے دام

اے مخاطب! تو وہ شکار ہے کہ دانہ کا حریص ہے اور اس جہاں میں ایک دانہ بھی ایسا نہیں جو بدون جال کے ہو۔

اگر ناموس راہ تو بگیرد

بکش اور او خونش را بیا شام

اے عاشقِ حق! اگر حق تعالیٰ کی راہ میں تجھے دنیا کی جاہ و عزت و ناموس رُکاوٹ ڈالے کہ لوگ مُلّا یا دیوانہ کہیں گے تو ایسے دشمنِ راہِ خدا کی یعنی ناموس کی گردن اڑا دے اور اس کا خون پی لے۔

مکن ناموس با قلاش بنشین

کہ پیش عاشقاں چہ خاص و عام

ناموس ترک کر اور ہم قلاشوں اور مستوں کے پاس بیٹھا کر کیونکہ عاشقوں کی مجلس میں خاص و عام کچھ نہیں یعنی تفاخر و تکبر اور برتری کا احساس نہیں ہوتا سب اپنے کو فنا کیے ہوتے ہیں۔

برفتم در کنار شمس تبریز

گذر کردم ز خویش و باب و ز بام

میں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر اور اپنے نفس سے بھی آزاد ہو کر حضرت شمس تبریزیؒ کی گود میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہے یعنی مرشد کامل کی صحبت میں رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

بیا تا قدر یک دیگر بدانیم

کہ تا ناگہ ز یک دیگر نمانیم

اے ہم خیال عاشقِ حق میرے پاس آ تا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت و معرفت کی باتیں کر کے ایمان تازہ کریں ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے کوئی جدا ہو جائے یعنی رحلت کرے پس زندگی کو غنیمت شمار کرو۔

Marfat.com

چو مومن آئینہ مومن یقین شد

چرا با آئینہ مار و گرانیم

جب روایت حدیث کے مطابق مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے پھر ہم آپس میں دوستی و صلح اور مجالست اور شیر وشکر ہونے سے کیوں گریز کرتے ہیں اور ثقیل سمجھتے ہیں مراد یہ کہ ملاقاتِ دوستاں کو بوجھ مت سمجھو۔

کریماں جاں فدائے دوست کردند

سگے بگذار باہم مرد مانیم

اہلِ کرم نے تو دوستوں پر جان فدا کر دی سگیت چھوڑو ہم لوگ تو انسان ہیں یعنی یہ کُتے کی خصلت ہے کہ کسی کتے سے نہ ملے اور اپنے بھائی کو دیکھ کر بھونکے۔

غرضہا تیرہ دارد دوستی را

غرضہا را چرا از دل نرانیم

یہ خودغرضی والی دوستی، دوستی کو تاریک بے نور بے کیف کرتی ہے پس اللہ کے لے مخلصانہ ملاقات کریں اور اغراض دنیویہ کو قلب سے نکال پھینکیں۔

چو بر گورم بخواہی بوس دادن

رخم بوسہ دہ اکنون ہمانیم

اے محبوب! جب آپ کو میری قبر پر بوسہ دینا ہی ہے تو ابھی میں زندہ ہوں اس زندگی میں بھی مجھ پر عنایت فرما دیجیے۔

دو صد افسوں دو صد داروے نافع

توئی جان را چو من رنجور باشم

اے خدا آپ ہی میری بیمار و رنجور جان کے لیے باعثِ شفا ہیں یعنی جب تک میرے لیے وہ بیماری حکمت ہے آپ کی یاد کی حلاوت اس بیماری کو محسوس ہی نہیں ہونے دیتی اور جب حکمت ختم ہوئی تو کرم مطلق آپ کا ہم کو شفا عطا کرتا ہے۔

شوم شیریں ز لطف جوہر تو

اگر چوں بحر تلخ و شور باشم

اگر رنج وغم کی تاریکی مثل رات کے تمام عالم میں پھیل جائے تب بھی مثل صبح کے میں آپ کے نور

Marfat.com

سے مدد پاتا ہوں۔

اگر غم ہمچو شب عالم بگیرد
چو صبح از نور تو منصور باشم

اور اگر کردار و اعمال کی خرابی سے مثل دریائے شور و تلخ رسوا ہو جاتا ہوں تو آپ کا لطف و کرم مجھے توفیق توبہ اور اصلاح اعمال و اخلاق سے پھر دریائے شیریں بنا دیتا ہے۔

بمن شادند وقت صبح نیکاں
کہ پیش آہنگ تو چوں نور باشم

آخر شب کی عبادت کے انوار جو میرے چہرہ پر آپ کے قرب سے ہویدا ہوتے ہیں اس کو دیکھ کر آپ کے نیک بندے نہایت مسرور و شاداں ہوتے ہیں (اور اپنی روح میں آپ کے تعلق و قرب میں ترقی محسوس کرتے ہیں۔)

بداں دورم ہمیداری ز اعدا
کہ تا از کید شاں مہجور باشم

نفس و شیطان سے آپ اس لیے ہم کو دور رکھتے ہیں کہ ہم ان کے کید و مکر سے محفوظ رہیں یعنی گناہوں سے محفوظ رہیں۔

چہ غم داری ز نیشِ عقرب اے ماہ
کہ غرق شہد چو زنبور باشم

میں بچھو کے ڈنک سے کیا غم کروں جبکہ میں شہد کی مکھی کی طرح شہد میں غرق ہوں یعنی دنیا کا بے ہودہ غم میرے سامنے ذلیل اور بے حقیقت بن چکا ہے کیونکہ ہم نے آخرت کے غم لذیذ کو حاصل کر لیا ہے اور ہم غرق یادِ محبوبِ حقیقی ہو چکے ہیں۔

الٰہی آں شکر لب را مدہ غم
مبادا قامت آں سرو را خم

اے خدا میرے مرشد (غائتہ محبوبیت سے شکر لب فرمایا) کو دنیا کے غم سے محفوظ فرما اور اس قامت سرو محبوبانہ کو خم نہ کرنا یعنی دنیا کے افکار و حوادث سے خمیدہ کمر نہ کیجیے تجربہ ہے کہ زیادتی غم سے کمر سیدھی نہیں رہتی۔

Marfat.com

تو میدانی کہ باغ جان ما اوست
مباد آں سروِ جاں از باغ ما کم

اے خدا تو جانتا ہے کہ میری روح کا باغ میرے مرشد کی صحبت کے فیض سے ہرا بھرا اور تازہ ہے پس میری جان کے سرو کو میرے باغ سے دور نہ فرمایئے یعنی مرشد کے فراق سے مجھے محفوظ رکھیے۔

ہمیشہ تازہ سرسبز دارش
برو افشاں کرامتہا و مادم

اے خدا! میرے مرشد کو تازہ سرسبز رکھیے اور ان کی روح پر ہر وقت کرامتیں برسایئے۔ یعنی اقبال و عزت عطا فرمایئے۔

معظم دارش اندر۔ دین و دنیا
بحق حرمت آں اسم اعظم

اے خدا! دین اور دنیا میں میرے مرشد کو معظم (بزرگ ترین شخصیت) رکھیے اور یہ دعا اپنے اسم اعظم کی برکت سے قبول فرمایئے۔

وجودش در نبی آدم غریب است
بدو صد فخر دار و جان آدم

میرے مرشد کا وجود مخلوقات میں اہم وجود ہے اور روحِ انسانیت ان کی ہستی پر فخر کرتی ہے (بوجہ کمالاتِ انسانیت کے)

مخلد دار او را ہمچو جنت
کہ او نعماء جنا تست باہم

مثل جنت کے میرے مرشد کو بھی ہمیشہ حیات جاودانی عطا فرمایئے کہ میرا مرشد بھی ہمارے لیے جنت کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔ یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے (اصلاح اخلاق و اعمال کے ذریعہ)۔

دُعا ہائے کہ آن بر لب نیاید
کہ براد صاف روحت آن مُقسّم

اے مرشد بہت سی دعائے ناگفتۂ اب ہمارے قلب میں مخفی ہے اور آپ کی روح مبارک کے اوصاف پر تقسیم ہو چکی ہے یعنی دل آپ کے مسلسل فیضان روحانی کو محسوس کرتا رہتا ہے اور دعائیں دیتا رہتا ہے۔

Marfat.com

صلاح دین و دنیا ما چو اویست
بپادا دولتش باقی بعالم

جبکہ دین و دنیا کی اصلاح کا ذریعہ ہمارا مرشد ہے تو اے خدا تو اس مبارک ہستی کو عالم میں باقی رکھیو۔ (یہ دعائے برکت عمر ہے)۔

بیا تا عاشقی از سر بگیرم
سر و پائے جہاں و زر بگیرم

اے محبوب مرشد! آیئے تا کہ ہم عاشقی باللہ کا کام شروع کریں (سر سے شروع کرنا محاورہ ہے) اور عشق حق کی شان یہ ہے کہ عاشق پر ذات حق غیر محدود کے آثار مرتب ہونے سے وہ تمام آفاق عالم کو اپنے دائرہ خیال سے محیط ہوتا ہے اور جہان کے پاؤں و سر کو میدان عشق حق بنالیں چونکہ مومن کے لیے تمام کائنات سجدہ گاہ رب ہے اس لیے پوری کائنات اس کے لیے میدان عبادت و میدان محبت و معرفت ہے۔

بیا تا در جوار عشق باشم
نویم از مشک و از عنبر بگیرم

اے مرشد آیئے تا کہ ہم آپ کے عشق تام سے استفادہ کرنے کے سبب جوار عشقِ الٰہی میں مقیم رہیں اور محبوبِ حقیقی کے نسیم قرب سے مشک و عنبر کی خوشبو حاصل کریں۔

زمین و دشت و کوہ و باغ جانرا
ہمہ در حُلّہ اخضر بگیرم

اور زمین و جنگل و پہاڑ و باغ کو اپنی جانِ مضطر کے لیے ذکرِ محبوب کے فیض سے یعنی سرسبز و شاداب بنالیں۔

چو لالہ از شراب لامکانے
بکف خود مئے احمر بگیرم

اور مثل لالہ کے شراب لامکاں سے (نور محبت و معرفت حق سے) اپنے ہاتھ میں جام معرفت احمر (تیز والی) رکھیں۔

گہہ در گیرم و در بام گیرم
چو بینم روئے تو آرام گیرم

اے مرشد! آپ کی جدائی میں کبھی دروازہ پہ کھڑا منتظر ہوں کبھی بالا خانہ سے جھانکتا ہوں جس کا حاصل

Marfat.com

یہ ہے کہ میں آپ کی جدائی سے بے حد مضطر ہوں۔ جب آپ کے چہرۂ انور کو دیکھوں گا تبھی آرام وقرار و سکوں پاؤں گا۔

دلم از غم گریبان می دراند
کہ کے دامان آن خوش نام گیرم

میرے دل کی شدتِ فراق میرا گریبان پھاڑے ڈالتی ہے اور مجھے مضطر کیے ہوئے ہے کہ میں کب اے مرشد آپ کا دامن ہاتھ میں پکڑوں۔

چو زلف انداختہ ساقی در آید
بدستے زلف و دستے جام گیرمی

یہاں ظاہری مفہوم مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر مرشد ظاہر الکرم ہوگا تو ایک ہاتھ میں ہمارے اس کی عنایت وکرم کا جام ہوگا اور ایک ہاتھ میں جامِ معرفت ہوگا۔

دفر در خرقۂ صوفی در آمد
شوم حاجی دراہ شام گیرم

اور اگر ساقی صوفی کا لباس وخرقہ پہن کر آئے گا تو میں بھی حاجی بن جاؤں گا اور راہِ شام اس کی معیت میں اختیار کروں گا یعنی ہمراہی مرشد کی اختیار کروں گا۔ ساقی سے مراد مرشد ہے۔

دگر چوں مرغ اندر دل پرّد
شوم صیاد و مرغاں دام گیرم

اور اگر ساقی میرے قلب میں مثل مرغ اڑے گا (یعنی یادِ مرشد مجھے بے چین کرے گی) تو میں بھی صیاد بن کر چڑیوں کا شکار کروں گا۔ یعنی طالبانِ حق کو دعوت الی اللہ پیش کروں گا۔

بیا کز عشق تو دیوانہ گشتم
دگر گنجے بدم ویرانہ گشتم

آیئے اے مرشد! آپ کے عشق نے تو مجھے دیوانہ کر دیا۔ اور اگر میں خزانہ تھا تو آپ کے عشق نے تو مجھے ویرانہ بنا دیا ہے۔ مراد یہ کہ آپ کی محبت نے مجھے میرے صفاتِ علم ومنطق وفلسفہ سے بیگانہ کر رکھا ہے اور میری مذموم انا کو فنائے محمود بخشا ہے۔

Marfat.com

ز عشق تو ز خان دما بریدم
بدرد عشق تو ہم خانہ گشتم

آپ کی محبت سے میں اپنے مال و متاع اور گھر سے دست بردار ہو گیا ہوں آپ کے دردِ محبت سے میں ہم خانہ ہو گیا ہوں یعنی آپ کا دردِ محبت میرا ہم نشین و رفیق بن گیا ہے۔

چناں کاہل بدم کز حد بروں بود
چو دیدم روئے تو مردانہ گشتم

میری کاہلی وسستی تو حد سے گزر گئی تھی لیکن آپ کے چہرۂ انور کی زیارت سے مردانہ ہو گیا ہوں یعنی طاقت وچستی آ گئی ہے۔

ہر چند پیر و خستہ وبس ناتواں شدم
ہر گہہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

ہر چند میں بوڑھا و ناتواں اور خستہ ہوں لیکن جب آپ کو دیکھتا ہوں تو مثلِ جوان طاقتور ہو جاتا ہوں۔

ترا بہتر ز خویش دیدم
ز خویش از بہر تو بیگانہ گشتم

آپ کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور آپ کے لیے خود کو خود سے بیگانہ پاتا ہوں۔

ز عکس شمس تبریزے حقائق
بماندم مسجد و میخانہ گشتم

حضرت شمس الدین تبریزی کے فیضِ روحانی سے وہ جلال الدین رومی جو پہلے زاہدِ خشک تھا اب عاشقِ حق ہو گیا اور اخلاص و درد کی حلاوت سے اب ایمان و اسلام درجۂ احسان عطا ہو گیا۔

کار مرا چو او کند کار دگر چرا کنم
خون کہ چشیدم از لبش یاد شکر چرا کنم

جب حق تعالیٰ ہمارا کام اپنے کرم سے بنا دیتے ہیں تو پھر ہم اغیار کی خوشامد یا غیرِ حق میں مشغولی کیوں اختیار کریں۔ جب شکر کے خالق کی یاد سے میں حلاوتِ قربِ حاصل کر رہا ہوں تو پھر شکر کو کیوں یاد کروں۔

Marfat.com

از گلزار چوں روم جانب خار چوں شوم

از پئے شب چو مرغ شب ترک سحر چرا کنم

جب توفیقِ خداوندی سے میں اعمالِ قرب و رضا اختیار کر کے گلزارِ قرب میں ہوں تو پھر غیرِ حق کی طرف التفات کر کے کانٹوں کی طرف کیوں جاؤں اور میں رات کی خاطر مثل خفاش (شب پرست چڑیا چمگادڑ) کے ترکِ سحر یعنی روشنی سے روگردانی کیوں کروں۔

بادہ اگرچہ میخورم عقل نرفت از سرم

گلشن چو بہشت را زیر و زبر چرا کنم

بادہ معرفت پینے کے باوجود میرا سر عقل وحواس سے محروم ہونے کے بجائے اور صاحب عقل ہو گیا پس میں حق تعالیٰ کی محبت کے اس چمن و بہشت کو دنیا کے عوض کیسے نظر انداز کروں۔

چونکہ کمر بہ بستہ ام بہر چناں مہے بجد

از پئے ہر ستارۂ ترک قمر چرا کنم

جب ہم نے کمر باندھ لی اس اچانک چاند کی تلاش کے لیے (یعنی وصول الی الحق کے لیے) تو پھر ہر ستارہ کی خاطر تلاش قمر کو کیوں ترک کروں۔ یعنی فانی حسینوں کے عارضی حسن کو دیکھ کر میں اگر حق تعالیٰ سے غافل ہوا تو میری مثال ایسی ہوگی کہ کوئی آفتاب کے عکس کو دیوار پر دیکھے اور دیوار کی روشنی پر فدا ہو جائے تو حیران اور غمزدہ، کف افسوس ملتا ہوا اپنی رائیگاں عمر پر نوحہ خواں ہو پس دنیا کے ان حسینوں کے حُسن دراصل ہمارے امتحان کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک مستعار عکس ہے کچھ دن کے بعد چہرہ کی چمک دمک خاک میں مل جاتی ہے اور شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ پس جو حکم خدا سے اپنی آنکھیں ان حسینوں سے بچائے گا مطابق وعدۂ حدیث دل میں خوشی اور حلاوت ایمان کی پائے گا۔ اور جوان کے حسن کو دیکھے گا وہ دشمن شیطان کے جال میں پھنس کر پریشان ہوگا۔

دل ز سخن ملول شد و زخمشی خمول شد

چوں رہ امن یافتم یاد خطر چرا کنم

دل تو زیادتی سخن سے افسردہ ہوگا اور خاموشی سے زیادہ سے زیادہ گمنامی ہوگی پس کیوں نہ راہ خطر سے بچا جائے جب کہ امن و بے خطر راہ سکوت کا ہے۔ یعنی کثرتِ کلام سے احتیاط چاہیے۔ مراد یہ کہ غیر مفید گفتگو سے بچے۔

Marfat.com

چوں رُخ آفتاب شد دور ز دیدۂ زمیں
جامہ سیاہ میکند شب ز فراق لا جرم

جب آفتاب زمین کی آنکھوں سے روپوش ہوگیا تو رات سورج کی جدائی سے جامہ سیاہ پہن لیتی ہے اسی طرح قلب کے مُحاذات سے جب تجلی خورشید حق کا استتار ہو جاتا ہے تو سالک پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں۔

بر دل سالک ہزاراں غم بُود
گر ز باغ دل خلالے کم بُود

سالک کے قلب پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں جب اس کے باطنی نور کے باغ سے ذرا بھی کمی محسوس ہوتی ہے۔

خور چو بہ صبح سرزند جامہ سپید کرد روز
اے رخت آفتاب جاں دور مشو ز محضرم

آفتاب صبح طلوع ہوتا ہے تو دن کو نور کا لباس عطا ہوتا ہے آپ کا چہرہ میری روح کا خورشید ہے پسِ اے میری جان کے آفتاب! اپنے چہرہ کو میری محاذات سے محجوب نہ فرمایئے۔

چو ز تو دور می روم غیرت خاک تیرہ ام
چون برسم بہ ماہ نور رونق چرخ اخضرم

اے میری جان کے آفتاب! آپ کی دوری سے تو قلب میں ایسی تاریکی پیدا ہو جاتی ہے کہ خاکِ تیرہ کو بھی مجھ سے غیرت آتی ہے اور جب آپ کا نور پاک میری روح و قلب کو تاباں اور روشن کرتا ہے تو آسمان نیلی فام کے لیے میں رونق بن جاتا ہوں۔

داردے فربہی ز تو یافت زمین و آسماں
تربیتی نما مرا از بر خود کہ لا غرم

آسمان اور زمین نے آپ ہی سے وجود اور رونق وجود پایا ہے پس ہماری بھی تربیت اپنے خصوصی کرم سے فرمایئے کہ روحانی اعتبار سے ہم لاغر ہیں یعنی اعمال و اخلاق میں نہایت نااہلی ہے ہمیں اچھے اخلاق و اعمال کی توفیق بخش دیجیے۔

باز آدم خراماں تا پیش تو بمیرم
اے بار ہا خزیدہ در غصۂ و ز حیرم

اے محبوب مرشد آپ کے پاس خراماں خوش خوش حاضر ہوگیا تا کہ آپ کے قدموں ہی میں مجھے موت آئے۔

Marfat.com

من چو زمیں خشکم فضل تو ابرو مشکم
جزو عد تو نخواہم جز حفد تو نگیرم

اے مرشد! میں مثل خشک زمین ہوں اور آپ کے عنایات و فیوض اور آپ کی قلبی دعائیں میری بنجر زمیں قلب کے لیے ابر باراں ہے اور بوئے محبوب آپ سے پاتا ہوں بس آپ کے وعدۂ کرم اور آپ کی خدمات کے سوا مجھے کچھ نہ چاہیے۔

اے جانِ جاں مستاں زنہار تنگ دستاں
در جنت جمالت من غرقِ شہد و شیرم

اے مستان خدا کے جانِ جان! ہم تنگدستوں سے یعنی تہی دامنوں سے جو اخلاق و اعمال سے صفر الید ہیں بے پروائی نہ فرمایئے۔ میں آپ کے روحانی جمال یعنی آپ کی نسبت مع اللہ کے بروں کے چمن میں غرقِ شہد و شیر ہوں۔ یعنی آپ کی نسبت اس قدر قوی النور اور متعدی ہے کہ ہماری جانیں بھی صاحبِ نسبت ہوتی جارہی ہیں۔

خوش تر اسیرئے تو صد بار از امیرے
خاص آنزماں کہ گوئی خستہ دلِ اسیرم

اے مرشد! سینکڑوں بار ترکِ سرداری کر کے آپ کی غلامی کی زنجیر میں گرفتار ہو کر مسرور و شاداں ہوں بالخصوص وہ وقت نہایت ہی قابل فخر و مسرت میرے لیے ہوتا ہے جب آپ کا کرم مجھے ''اے خستہ دل اسیر'' سے خطاب کرتا ہے۔

خاکے بتو رسیدہ بہہ از مہے دمیدہ
خاصہ دمے کہ گوئی کاے بینوا فقیرم

اے خدا! جو خاکی تن آپ تک رسائی حاصل کرتا ہے وہ اُس روشن قمر سے بہتر ہے جو فلک پر تاباں ہے بالخصوص جب آپ کا کرم اس خاکی تن والے بے نوا فقیر سے خطاب فرمائے تو پھر آپ کے عاشقوں کو جو لطف آتا ہے وہ احاطۂ بیان و تحریر سے باہر ہے۔

خاکے بذم زیادت بالا گرفت خام
بے تو کجا روم من ہستی تو ناگزیرم

اے خدا! میں خاکی تھا آپ کی عنایت سے میری خاک آپ کے قرب سے بالاتر ہوگئی۔ آپ کے بغیر

Marfat.com

میری زندگی موت ہے۔

تا خوان تو بدیدم از او از شریدم

تا پیش تو رسیدم از خویش در نفیرم

اے خدا! جب سے آپ کا خوانِ کرم روحانی مشاہدہ کرلیا تو آپ کے قرب کی لذت وحلاوت کے سامنے میں اپنا تن من کا ثرید بھول گیا۔ جب سے آپ کی تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کیا، اپنی ذات سے بے پروا ہوں یعنی خود کو بھول گیا۔

در قعدہ ام سلامے اخر قرین من کن

تا بے سلام نبود ایں قعدۂ آخیرم

اے خدا میں قعدہ میں ہوں (یعنی زندگی کا آخری حصہ ہے) پس میرے قعدہ کے آخری حصے کو سلام عطا فرمایئے میری زندگی کے قعدہ کو بے سلام نہ فرمایئے اور حُسن خاتمہ مرحمت فرما دیجیے مراد یہ کہ جس طرح نماز کا خاتمہ سلام سے ہوتا ہے اس طرح میرا خاتمہ بھی اچھا کر دیجیے۔

من کف چرا نکو بم چوں در کف ست چو بم

من پا چرا نکو بم چوں بم شدست زیرم

میں کیوں خوشی نہ مناؤں کہ جب ہاتھ میں آپ کے قرب کی نعمت ہے۔ میں جب پستی سے عبدیت کی بلندی پا رہا ہوں تو کیوں نہ خوشی سے کودوں۔

تبریز شمس دیں را از ما رساں تو خدمت

خدمت بہ مشرقے بر کز روش مُستیزم

اے شمس دیں تبریزی! مجھے اپنی خدمت کا موقع عنایت فرمایئے۔ میرے قلب کا چاند جس خورشید سے اخذ نور اور استفادۂ نور کر رہا ہے اس خورشید کی خدمت مجھے عنایت کیجیے۔

منم آں نیاز مندے کہ بتو نیاز دارم

غم چو نتو نازنینے بہزار ناز دارم

اے مرشد! میں صرف آپ ہی کا نیاز مند ہوں اور آپ جیسے محبوب عبد کامل کی غلامی پر میں ہزاروں ناز کرتا ہوں۔

توئی آفتاب و چشم بجمال تست روشن

اگر از تو باز گردم بکہ چشم باز دارم

اے مرشد ہمارے باطن کے لیے آپ ہی آفتاب ہیں میری باطنی آنکھیں آپ ہی کے فیوضِ

Marfat.com

روحانی سے روشن ہیں اگر آپ سے محرومِ ملاقات ہوں گا تو یہ آنکھیں آپ کے علاوہ کس کو دیکھنا گوارا کریں گی۔

غم دل نگویم اے جاں کہ سخن دراز گردد
کنم ایں حدیث کوتہ کہ رفیقِ راز دارم

دل کا غم اے میری جان! اب نہ بیان کروں گا کہ مضمون دراز ہوا جاتا ہے اب اس گفتگوئے درد کو مختصر کرتا ہوں تاکہ ان کو رفیقِ راز رکھوں۔

بہ سفر توئی فتوحم بسحر توئی صبوحم
بدل توئی بہشتم بہ عمل توئی ثوابم

اے خدائے پاک! آپ ہی میرے لیے سفر میں فتوح ہیں یعنی آپ ہی کا قرب مقصود اور باعث سرور ہے اور بوقت سحر آپ ہی کی یاد ہمارا جام صبوح ہے اور قلب میں آپ ہی کا تعلق میرے لیے بہشت ہے اور اعمال سے آپ ہی کی رضا ہمارا ثواب ہے۔

گونید سوز آتش باشد نصیب کافر
محروم ز آتش تو جز بولہب ندیدم

لوگ کہتے ہیں کہ آگ کافروں کے لیے ہے اور میں نے ابولہب کو سب سے بڑھ کر آپ کی آتش محبت سے محروم دیکھا۔

من بر دریچۂ دل بس گوش جاں نہادم
راز نہاں شنیدم دنداں و لب ندیدم

میں نے قلب کے دریچہ پر اپنی روح کا کان لگا رکھا ہے اور عالم قرب خداوندی کے اسرارِ مخفیہ کو ہاتف غیبی بے دندان و بے لب سے سُنا ہے۔

بر بندہ ناگہانے کردے نثار رحمت
جز لطف بیحد تو آں را سبب ندیدم

اس گنہگار بندہ پر اچانک حق تعالیٰ کی رحمت نے بارش فرمائی اے خدائے پاک اس رحمت کا سبب بجز آپ کے کرم و لطف کے اور کچھ نہیں۔

Marfat.com

اے ساقی گزیدہ مانندت اے دو دیدہ

اندر عجم نیابد اندر عرب ندیدم

اے مرشد کامل شمس دین تبریزیؒ اس زمانہ میں آپ سے بڑھ کر بافیض ہم نے اپنی جستجو میں عرب و عجم کے اندر نہ پایا۔

چنداں بریز بادہ کز خود شوم پیادہ

کاندر خودیٔ ہستی غیر از تعب ندیدم

اے مرشد مجھے اس قدر پلا دیجیے جامِ قرب و عرفان کو کہ میری انا فنا سے تبدیل ہو جائے۔ کیونکہ تکبر اور خود بینی میں بجز عذاب روح و رسوائی کے میں نے کچھ نہ دیکھا۔

جز در جمال شہرت جائے حزن نیاید

جز در خمول وحدت طائے طرب ندیدم

آپ ہی کے جمال کا غم دراصل غمِ جاودانی اور لذیذ تر اور باعثِ کامرانی ہے (یہ غم دنیا میں کہیں نہیں ملتا بجز آپ کے خاصان سے) اور آپ کے ساتھ تنہائی میں ذکر و فکر کی مشغولی کے سوا دنیا میں کہیں عیش نہیں۔

اے شمس و اے قمر تو اے شہد و لے شکر تو

اے مادر و پدر تو جز تو نسب ندیدم

اے مرشد آپ ہی ہمارے شمس و قمر ہیں اور آپ ہی ہمارے شہد و شکر ہیں اور آپ ہی ہمارے روحانی ماں باپ ہیں، آپ جیسا عالی نسب میں نے کہیں نہ دیکھا۔

اے شاہ شمس تبریز اے اصل و افضل دلہا

بے بصرۂ وجودت من یک رطب ندیم

اے شاہ شمس تبریز، اے قلوب طالبین و سالکین کے لیے بابِ فضل و رحمت، آپ ہمارے لیے معرفت کی کھجوروں کے بصرہ ہیں۔

چو غلام آفتابم ہمہ از آفتاب گویم

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چونکہ میں آپ جیسے آفتاب کا غلام ہوں تو میں آفتاب کی روشنی کی باتیں کرتا ہوں، نہ میں رات ہوں اور نہ رات کا غلام ہوں کہ خواب کی باتیں کروں۔

Marfat.com

بقدم چو آفتابم بخرابہا بتابم
بگریزم از عمارت سخن خراب گویم

جب میری رفتار سنت کے مطابق ہے تو میں سنت کے آفتاب سے ویرانوں میں بھی روشن ہوں اور میں عیش وتن پروری سے گریزاں گفتگوئے مجاہدات وخرابیٔ تن کرتا ہوں کیونکہ ویرانیٔ تن یعنی خواہشات کے قلعہ کو ڈھانے ہی سے روح نورِ قربِ خداوندی سے روشن ہوتی ہے گویا تعمیر روح موقوف ہے تخریب تن پر۔

ز جبین زعفرانی کروفر لالہ گیرم
بسر شک ارغوانی صفت سحاب گویم

اے مرشد! آپ کی زعفرانی پیشانی سے میں گل لالہ کی شان وشوکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کے ارغوانی اشک محبت سے صفت سحاب بیان کرتا ہوں۔

چو ز آفتاب زادم بخدا کہ کیقبادم
نہ زنیرم ز زہرہ نہ ز ماہتاب گویم

جب میری پرورش روحانی آفتابِ دیں (شمس الدین تبریزیؒ) سے ہوئی ہے تو میں بخدا کیقباد سے (جو عظیم الشان بادشاہ ایران میں گزرا ہے) کم نہیں ہوں یعنی نسبت مع الحق کی دولت بڑی دولت ہے، کیقباد کیا ہفت اقلیم کی دولت بھی اس کے سامنے بے وقعت ہے۔

چو برو دل ز دستم بکند خموش و مستم
چو من رسد حسامش سخن از قراب گویم

جب میرے مرشد نے میرا دل خرید لیا تو مجھے خاموش رہنے کا حکم دے رہا ہے اور میں مست ہوں کیونکہ جب میرے مرشد کی طرف سے تیغِ محبت مجھ تک واصل ہو چکی ہے تو میں اب میانِ تیغ کی گفتگو کروں گا۔یعنی جس طرح تیغ میان میں ہوتی ہے اور آپس میں علاقہ ظرف ومظروف کا ہوتا ہے اسی طرح میرا دل اپنے مرشد کے لیے مثل میان کے ہے اور وہ میرے دل میں ہیں۔

خبرے اگر شنیدی ز جمال حسن یارم
سر مست گفتہ باشم من زیں خبر ندارم

مخاطب اگر تو نے مجھ سے میرے محبوب مرشد شمس الدین کے کمالات کا بیان سنا ہے تو میں نے دیوانگی اور وارفتگی میں بیان کیا ہوگا مجھے اپنے مضمونِ بیان کی کچھ خبر نہیں۔

Marfat.com

تو بیا ز ما گلے را بتگ زمیں نہاں کن

بہ بہار سر بر آرد کہ من آں قمر عذارم

تو بھی اے مخاطب اگر میرے گل (مرشد کی محبت) کو اپنے قلب کی زمین میں پوشیدہ کر لے تو تیرے اندر سے بہارِ معرفت و محبت الٰہیہ رونما ہو کر میرے شمس کی کرامت کا اظہار کرے گی کہ میں فلاں قمر عذار (رخسار) کا فیض ہوں۔

ہمہ پرد ہا بدراں دل خفتہ را پراں

ہلہ اے تو اصل اصلم بجناب تو مطارم

تمام پردوں کو چاک کر دو اور سوئے ہوئے دل کو بیدار کر دو اور خوب سُن لیجیے کہ آپ ہی ہمارے اصل کے بھی اصل ہیں پس آپ ہی کی طرف ہماری پرواز کی جگہ ہے۔

بخدا کہ روز نیکو ز پگہ پدید باشد

کہ در آید آفتابش بوصال درکنارم

بخدا کہ وہ دن نہایت مبارک اور اچھا ہوگا کہ جس دن کی صبح کو میرے محبوب مرشد کا آفتابِ کرم مجھ سے قریب تر ہوگا۔

تو خموش کن کہ سوسن بکند حکایت گل

بر شاہدان گلشن کہ رسید نوبہارم

اے رومی! تو خاموش ہو جا کہ تیرا حال خود فیضان شمس تبریزی کو آشکار کر رہا ہے جس طرح کہ سوسن بزبان حال گلہائے چمن کی بہارِ نو کو بیان کرتا ہے۔

چوں رشید شاہد من ببرد زمن قرارم

چو مقابل من آمد بزند بدل شرارم

جب میرے مرشد شمس تبریزی میرے پاس ہوتے ہیں تو ان کے آتشِ عشق حق کے انعکاسِ فیض سے میرا قرار و سکون اُڑ جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے قلب کی آگ کو میرے قلب کے مقابل رکھ کر میرے اندر عشق کی چنگاریاں اڑاتے ہیں۔

چوں گذر کنی خراماں بقد چو سرو نازاں

بشوم زر دست حیران پئے تو فغاں بر آرم

اے محبوب مرشد! جب آپ خراماں میرے پاس مثل سرو نازاں کے تشریف لاتے ہیں تو میں بے خودو

Marfat.com

حیران آپ کو دیکھ کر غلبۂ خوشی سے نالہ و فغان بلند کرتا ہوں۔ اس کو خوشی کا رونا کہتے ہیں جس کو اہل ذوق اور اہل عشق خوب سمجھتے ہیں۔ جس طرح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر سن کر رونے لگے کہ ابھی حق تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر یہ فرمایا ہے کہ میں تمہیں سورۃ البینہ سناؤں۔ علماء فرماتے ہیں کہ بندہ کے لیے کس قدر مقام مسرت ہے کہ خالق کائنات مولائے کریم اس کا نام اپنی زبان سے لیں۔ پس اس وقت یہ رونا خوشی کا رونا تھا۔

بخدائے کن تو لطفے مزید پیش چاکر

کہ براں دے کہ بردی بمزید جاں سپارم

بخدا اے مرشد شمس تبریزی! آپ اپنے اس غلام رومی پر اور عنایت مزید فرمایئے کہ آپ نے جو دل میرا لیا ہے اس سے بھی بڑھ کر ہم آپ پر جان قربان کرنا چاہتے ہیں۔

و اگر برم نیائی تو ز دور سر بجنباں

بعنایتم نظر کن کہ کنی امید دارم

اے مرشد! اگر آپ کو میرے قریب قیام کا موقع نہیں تو آپ دور سے اپنی دعائے خصوصی اور توجہ خاص سے ہماری روح پر عنایت فرمایئے اور ہم کو مایوس نہ فرمایئے۔

زمن ایں ہمہ شنیدی تو و ناشیدہ کردی

بہ بہانہ چشم بستی چہ کہ میل خواب دارم

اے مرشد! آپ نے میری داستانِ دردسنی اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سنا ہی نہیں، اور نیند کے غلبہ کا بہانہ فرمادیا۔

بنشاندم بہ پیشت کندم انیس و خویشت

برسد دوائے دردم برسد گلت بخارم

میرے مرشد شمس تبریزی مجھے اپنے سامنے بٹھاتے ہیں اور مجھے مانوس و اپنا بناتے ہیں اور ان کی اس عنایت سے میرے دردِ ہجر کو دوائے وصال (قرب حق) عطا ہوتی ہے اور اس طرح اے مرشد آپ کے اخلاقِ حمیدہ میرے اخلاقِ رذیلہ کو بھی اخلاقِ حمیدہ بنا رہے ہیں یعنی آپ کا گل میرے خار کو متاثر کر رہا ہے۔

شدم اے نگار خامش چو دگر نماند طاقت

کہ ز روئے ہمچو بدرت چو ہلال سر بر آرم

اے مرشد! میں آپ کے سامنے خاموش ہوتا ہوں کیوں کہ آپ جیسے بدر کامل کے سامنے ہلال کی طرح

Marfat.com

میں کیسے سرنمودار کروں۔

برخ چو آفتابت بحلاوت خطابت

کہ ہزار سالہ رہ میرود آہ گرم و سردم

آپ کے آفتاب جیسے چہرۂ نورانی (جیسا کہ ہر صاحب نسبت کا ہوتا ہے) اور آپ کے نورانی ارشادات کے فیض سے حق تعالیٰ کے ہزاروں سال کا راستہ میری آہ گرم دآہ سرد طے کرلیتی ہے۔

یا رب چہ کار کردم شیرے شکار کردم

در سینہ از پیئے او صد مرغزار دارم

یارب میں نے عشق کا ورد لے کر گویا شیر کا شکار کیا ہے اور اپنے سینے میں اپنی تمناؤں کے چراگاہ اور سبزہ زار کو اس کے حوالے کر دیا یعنی عاشق کا فرض ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا تمام تمناؤں کو نظر انداز کر دے۔

من خود اگر گریزم با عشق می ستیزم

گوید کجا گریزی من با تو کار دارم

اگر میں اس ظالم عشق سے جان چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہوں تو مجھے یہ آواز دیتا ہے کہ کہاں جاتا ہے مجھے تجھ سے کام ہے۔ یعنی یہ جنم روگ ہے زندگی بھر کے لیے خریدتا ہے۔

بگذر ازیں عناصر ما را خدا ست ناصر

در جان ما ست ناظر گر اضطرار دارم

عشق کے مجاہدات سے جسم کے لاغر وضعیف ہونے پر مولانا فرماتے ہیں کہ اے عاشق تو عناصر کے تحفظ سے بے پروا ہو جا کہ عاشقوں کا خدا ناصر ہے۔

چو قضا بہ سخرہ خواہد کہ بہ سبلتے بخندد

سگ لنگ را بگوید کہ برس دریں شکارم

جب قضا چاہتی ہے کہ میرا تکبر خاک میں ملا دے اور میری مونچھوں کے متکبرانہ تاؤ کو نیچا دکھا دے تو ایک لنگڑے کُتے کو اشارہ کر دیتے ہیں کہ وہ ہم کو شکار کرے۔

چو دانہ کہ بمیرد ہزار دانہ شود

شدم بفضل خدا صد ہزار چوں مردم

جب ایک دانہ زمین کے نیچے اپنے کو مٹا دیتا ہے تو وہ ہزار دانے ہوتے ہیں۔ اسی طرح میں اپنے کو

Marfat.com

جب مٹا دوں گا (یعنی اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دوں گا) تو میں خدائے پاک کے فضل وکرم سے قائم مقام سو ہزار ہو جاؤں گا یعنی روحانیت اور عروج انسانیت کے اعتبار سے فانی فی اللہ لاکھوں باقی بالنفس سے افضل ہوتا ہے۔

رہد ز تیر فلک و ز سنان بہرامش
ہر آں مرید کہ او را بعشق پروردم

وہ شخص فلک کے تیر اور اس کے مرّیخ کے سنان (نیزہ) سے خلاصی پاتا ہے جس مُرید کو میں نے عشق سے پرورش کیا ہے۔ مراد یہ کہ جس مرید کی تبریت شیخ کامل دردِ محبت سے کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کی نہایت قوی نسبت سے مشرف ہوتا ہے اور وہ عاشقِ حق، حق تعالیٰ کی خاص عنایت کے سایہ میں حوادثِ کائنات سے بے فکر اور مطمئن ہوتا ہے۔

بغم فرونشوم باز سوئے یاد روم
بداں بہشت و گلستان و سبزہ زار روم

میں غم سے صاحب فراش نہ بنوں گا میں سوئے مسجد جاؤں گا اور بارگاہِ حق میں فریاد کروں گا اور حق تعالیٰ کا قرب میرا بہشت و گلستاں و سبزہ زار ہے اس طرح وہ غم قربِ حق کا سبب ہو جاتا ہے جو غفلت دور کر کے خدا سے مناجات و فریاد کے لیے مضطر کرتا ہے۔

نمی شکیبد ماہی ز آب من چہ کنم
چو آب سجدہ کناں سوئے جوئبار روم

یعنی اضطرار سے روح و قلب حق تعالیٰ سے اس طرح وابستہ ہوتے ہیں کہ آسمان کے حجابات گویا کہ ختم ہو جاتے ہیں۔

میں کیا کروں کہ مچھلی کو پانی سے صبر نہیں آ سکتا اور میری روح بھی مچھلی ہے اور اس کا پانی حق تعالیٰ کا قرب ہے پس جس طرح پانی نشیب کی طرف سجدہ کرتا ہوا جوئے بار سے جاملتا ہے میں بھی اپنے محبوب کی طرف سرنگوں بہا جا رہا ہوں۔

ز داد عشق بُوَد کاروبار سلطاناں
بعشق و رنروم در کدام کار روم

حق تعالیٰ کا عشق سلطانی کاروبار عطا کرتا ہے جو ہفت اقلیم اور تمام کائنات کی لذت سے افضل ہے بلکہ اس لذت کے بدون تو عاشقوں کا جینا محال ہے پس اگر کاروبارِ عشق کی طرف میں نہ جاؤں تو پھر اور کون سا

Marfat.com

کام کروں؟

چو شاہ عشق فرستد سگاں خود بہ شکار

بعشق دل بدہان سگاں شکار روم

اگر وہ سلطان عشق شکار کے لیے اپنے کتوں کو چھوڑتا ہے تو میں اُن کتوں کے منہ میں دل سے شکار ہونے کو انھیں کی طرف بھاگوں گا۔ مراد یہ کہ جس طرح شکاری جس جانور کا شکار کرتا ہے تو اسے کچھ پریشان ہر طرف سے کراتا ہے تاکہ نشانہ کی طرف بھاگ کر آجائے پس اسی طرح اگر وہ محبوبِ حقیقی ہمارے شکار کے لیے ہمارے اوپر پریشانیاں بھیجتا ہے کہ یہ روتا ہوا مسجد میں بھاگ کر آئے اور غفلت سے باز آئے تو میں خوش خوش اس بلا کو نعمت سمجھوں گا کہ یہ بلا نہیں دراصل یہ کمندِ محبت ہے ارے یہ محبت کی رسی ہے مجھ نالائق کو اسی رسی میں باندھ کر اپنا بنانا چاہتے ہیں۔

جہاں عشق بزیر لوائے سلطانیست

چو از رعیت عشقم بداں دیار روم

عشق کا جہاں سلطانی جھنڈے کے نیچے آباد ہے اور جبکہ میں عشق کی رعایا ہوں تو دیارِ عشق ہی کی طرف میں جاتا ہوں۔ مراد یہ کہ عشق خدا ہی سے بندوں کی عزت ہے عبدالمالک کو اپنے مالک کی محبت و اطاعت ہی میں لگنا چاہیے اور اسی صورت سے مالک کی رضا و عنایت حاصل ہوگی۔

جواز مفخر افاق شمس ملت و ملک

بہشت عدن بُوَد ہمدراں جوار شوم

میں اس زمانے کے قطبِ حضرت شمس تبریزی کے جوار و قرب میں رہوں گا کیونکہ وہ قوم و ملک کے اس وقت آفتاب ہیں اور مجھے اُن کے پاس ایسا سکون ملتا ہے کہ جیسے جنت زمین پر اتر آئی یعنی ذکر خالق جنت کے فیض سے ذاکرِ حق کو لطف جنت دنیا ہی میں محسوس ہونے لگتی ہے۔

ہمہ جمال تو بینم چو چشم باز کنم

ہمہ شراب تو نوشم چو لب فراز کنم

اے خدا جب بھی آنکھیں کھولتا ہوں تو ہر طرف آپ ہی کا جمال نظر آتا ہے کیونکہ مصنوعات کی خوبی صانع کی خوبی پر دلالت کرتی ہے۔

اور جب لب کھولتا ہوں تو تمام کائنات میں ہر طرف آپ کی محبت کو اور معرفت کو تیز کرنے والی نشانیوں کا جام معرفت نوش کرتا ہوں۔ مراد یہ کہ کائنات کا ہر ذرہ آپ ہی کا پیغام دیتا ہے۔

Marfat.com

اگر تو عاشق عاشقی و عشق را جویا
بگیر خنجر و ببر گلوی حیا

اگر تو کسی کے عشق کا عاشق اور عشق کی جستجو کرنے والا ہے تو پھر تو ایک تیز خنجر پکڑ اور اسے حیا کے گلے پر چلا دے۔

بدان کہ سد عظیم است در روش ناموس
حدیث بی غرضت این قبول کن بصفا

تو جان لے کہ ظاہرداری بہت بڑا حجاب ہے تو پھر تو راہِ صفا میں بے لوث طریقہ کو اختیار کر لے۔

ہزار گونہ جنون از چہ کرد آں مجنون
ہزار شید برآورد آں گزین شیدا

ایک مجنون نے اپنی جدوجہد میں ایک جنون سے ہزار جنون کا ارتکاب کیا۔ اس نے مکروفریب سے اپنی فریفتگی کا اسیر بنا لیا۔

گہی قبا بدرید و گہی بکوہ دوید
گہی ز زہر چشید و گہی گزید فنا

کبھی تو اس نے اپنی قبا کو پھاڑ ڈالا اور کبھی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ کبھی تو اس نے زہر پی لیا اور کبھی فنا کا متلاشی ہوا۔

چو عنکبوت چنیں صید ہائے زفت گرفت
بہ بین کہ تا چہ کند دام ''ربی الاعلیٰ''

جیسے مکڑی اپنے جالے میں شکار کے لیے کئی پھندے رکھتی ہے تو پھر تو بھی نگاہ کر کہ ''ربی الاعلیٰ'' کا پھندہ کیا کرتا ہے۔

چوں عشق چہرہ لیلیٰ ھمی بدیں از زید
چگونہ باشد اسریٰ بعبدہ لیلا

جب لیلیٰ کے چہرے کی فریفتگی کے دام اس قدر ارزاں ہو جاتے ہیں تو پھر ''اسریٰ بعبدہ لیلا'' کے مقام کا کیا حال ہوگا۔

Marfat.com

ندیدۂ تو دواوین ویسہ و رامین
نخواندۂ تو حکایات وامق و عذرا

تو نے ویسہ اور رامین کے دیوان نہیں دیکھے؟ کیا تو نے وامق و عذرا کے افسانے نہیں پڑھے؟

تو جامۂ گرد گنی تازآب تر نشود
ہزار غوطہ ترا خورد نیست در دریا

تو نے اپنے جامہ کو سمیٹ لیا کہ وہ پانی سے تر نہ ہو جائے، تمہارا ہزار مرتبہ سمندر میں غوطہ زنی کرنا کچھ بھی نہیں۔

طریق عشق ہمہ پستی آمد و مستی
کہ سیل پست رود کئی رود بسوی علا

راہِ عشق میں تمام تر عاجزی اور مستی ہے۔ بھلا پستی کے رخ پر بہنے والے پانی کا ریلا بلندی کی جانب کیسے جا سکتا ہے۔

میان حلقہ عشاق چو نگین باشی
اگر تو حلقہ بگوش نیگنی ای مولا

تو اپنے عشاق کے درمیان نگینے کی طرح ہے۔ اگر اے مولا! تو مجھے اپنے غلاموں میں سے بنالیتا۔

چنانکہ حلقہ بگوش است چرخ را این خاک
چنانکہ حلقہ بگوش است روح را اعضاء

یہ جسم خاکی اس طرح قدرت کا حلقہ بگوش ہے کہ جیسے اعضائے جسمانی روح کے تابع فرمان ہیں۔

بیا بگو چہ زیان کرد ازیں پیوند
چہ لطفہا کہ نکرد ست عقل با اجزاء

اے محبوب آ! تو یہ بتلا تو سہی کہ اس تعلق سے جسم خاکی نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ عقل نے اجزاء کے اتصال سے کون سے لطف نہیں اٹھائے ہیں۔

دہل بزیر گلیم ای پسر نشاید زد
علم بزن چو دلیراں میانہ صحرا

اے طالب صادق! گدڑی کے نیچے ڈھول نہ پیٹنا چاہیے۔ تمہیں بہادروں کی طرح علم ہاتھ میں لے کر

Marfat.com

میدان میں نکل جانا چاہیے۔

بگوش جان بشنو از غریو مشتاقان
ہزار غلغلہ در جوف گنبد خضرا

اے طالب صادق! توجہ سے سن لو مشتاقانِ دید کے غلغلہ کو کہ اس نیلے آسمان کے گنبد کی فضا میں ہزاروں شور و غلغلے سنائی دیتے ہیں۔

چوں بر کشاید بندِ قبا ز مستی عشق
تو ھای و ھوی فلک بین و حیرت جوزاء

جب عشق کی مستی سے اپنا بند قبا کھول دیتا ہے تو پھر فلک کے شور و غوغا اور جوزاء کی حیرت و استعجاب کو بھی دیکھ لے۔

چہ اضطراب کہ بالا و زیر عالم است
ز عشق کو ست منزہ ز زیر و از بالا

اس میں پریشان خاطر ہونے کی کیا بات ہے کہ جہان اس کے سامنے زیر و زبر ہے۔ کون سا انسان ہے جو بلندی و پستی میں عشق سے منزہ ہو!

چوں آفتاب برآید کجا بماند شب
رسید رعیش غائت کجا بماند عنا

جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو پھر وہ شب بھر کہاں رہتا ہے؟ جب وہ محبت میں مشغول ہوا تو پھر احساسِ مشقت کب رہا؟

خموش کردم ای جانِ جاں جان تو بگو
کہ ذرہ ذرہ ز شوق رخ تو شد گویا

اے محبوب کے محبوب میں نے تو خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اب تو ہی کچھ سن! ذرہ ذرہ تیرے حسین چہرے کی دید کے شوق میں زبانِ حال سے گویا ہو چکا ہے۔

کناری ندارد بیابان ما
قراری ندارد دل و جان ما

عشقِ الٰہی میں کیفیات و اراداتِ روحانی کے باوصف میرا بیابان ناپیدا کنار ہے۔ عشق الٰہی کی کیفیات و

Marfat.com

ارادتِ روحانی کے باعث میرے دل و جان کو قرار نہیں ہے۔

جہاں در جہاں نقش صورت گرفت
کدامست ازیں نقشہا آن ما

جہاں در جہاں میں تیری صورت کا نقش مرتسم ہے۔ تو پھر کہاں تک میرے حاشیہ خیال میں وہ سما سکتا ہے۔

چوں در رہ ببینی بریدہ سری
کہ غلطاں رود سوی میدانِ ما

جب تم نے گرفتارِ عشق و محبت کا کٹا ہوا سر سرِ راہ دیکھا تو پھر پیچ و تاب کھائے ہوئے تم میرے میدان کی طرف جاتے ہو۔

ازو پرس ازو پرس اسرار دل
کزو بشنوی سر پنہاں ما

تم اس سے ہی پوچھ لو۔ اس سے ہی استفسار کر لو میرے دل کے بھید کو پالو۔ اس سے ہی ہمارے عشق و محبت کے پوشیدہ راز کو دیکھ لو۔

چہ بودی کہ یک گوش پیدا شوی؟
حریف زبانہای مرغان ما؟

محبت کی روش میں کس طرح تمام کائنات کو ایک رنگ میں پیدا کیا؟ اس عشق و محبت کی پرواز میں تمام ہمارے حریف ہیں۔

چہ بودی کہ یک مرغ پران شدی؟
برو طوق سر سلیمان ما؟

کس طرح تو نے ایک پرندے کو محوِ پرواز کر دیا۔ اس پر ہمارے سلیمان کے راز کے طوق کو باندھ دیا۔

چہ گویم چہ دانم کہ این داستان؟
فزوں است از حد و امکان ما؟

میں تیرے محبت کے اس راز کو کیسے کہوں؟ میں کیا جانوں کہ داستانِ پُر شوق ہماری سمجھ و امکان سے بلند ہے۔

Marfat.com

چگونہ زنم دم کہ ہر دم بدم؟

پریشان تر است این پریشان ما؟

میں کیسے خاموشی اختیار کرلوں جب کہ ہرلمحہ ہماری پریشانی، پریشان سے پریشان تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

چہ کبکان چہ بازان بہم می پرند؟

میان ہوای کہستان ما؟

کیا چکور اور کیا باز اکٹھے محوِ پرواز ہیں۔ ہماری محبت کے کوہستان میں ان کی پرواز ایک جیسی ہے۔

نہ ہفت آسمان کان ز عرش است زیر

از آن عرش است جولان ما

ہماری محبت کی پرواز نہ تو سات آسمانوں میں سماتی ہے اور نہ ہی عرش کے نیچے بلکہ ہماری محبت کا جذبہ عرش سے بھی پرے ہے۔

چہ جای ہوا ہای عرش و فلک

بگلوار و صلت سیران ما

ہمارے جذبہ عشق و محبت کی حرص و ہوا کے سامنے عرش و فلک کی کیا حیثیت ہے؟ تیرے وصال کی جنت میں ہماری خواہشِ محبت رواں دواں ہے۔

ازیں داستان بگذر از ما مپرس

لہ درہم شکستست دستان ما

تو اس داستانِ الفت کو چھوڑ دے۔ تو مجھ سے مت پوچھ۔ ہماری داستانِ الفت تمام تر اس راستے میں حجاب ہے۔

صلاح الحق و دین نماید ترا

جمال شہنشاہ سلطان ما

یہ صلاح الحق و دین تمہارے لیے وضاحت کرے گا کہ ہمارے سلطان کے شہنشاہ کا جمال کیسا ہے۔

دوش من پیغام کردم سوی تو استارہ را

گفتمش خدمت رسان از من تو آن مہ پارہ را

اے مہ پارہ محبوبہ میں نے اپنے پیغام بر کو تیری جانب بھیجا۔ میں نے اس سے کہا: تو میری جانب سے

Marfat.com

اس مہ پارہ کو میرا پیغام پہنچا دے۔

سجدہ کردم گفتم آن خدمت بدآن خورشید بر
کو بتابش زر کند مر سنگہای خارہ را

میں سجدہ شکر بجالایا۔ میں نے کہا: اے پیغام بر! تو اس چندے آفتاب چندے ماہتاب کو میرا پیغام پہنچا دے۔ وہ کون ہے کہ جس نے تیرے چہرے کی تاب ناکی سے اس سخت دل کو محبت کی چاشنی سے سونا بنا کر روشن کر دیا؟

سینہ خود باز کردم زخمہا بنمودش
گفتمش از من خبر کن دلبر خون خوارہ را

میں نے سینہ کھول کر پیغام بر کو اپنے زخم دکھا دیے۔ پھر میں نے اس سے کہا: اس دل کا خون کر دینے والے دلبر کو ایسے ہی بتا دینا۔

سو بسو گشتم کہ تا طفل دلم ساکن شود
طفل خسپد چون بجباند کسی گہوارہ را

میں جگہ جگہ گھوما پھرا تا کہ میرے قلب کو سکون ہو سکے۔ جیسے کوئی جھولا جھلائے تو وہ بچہ محوِ خواب ہو جاتا ہے۔

طفل دل را شیردہ ما را ز گریہ اش وارہان
ای تو چارہ کردہ ہر دم صد چو من بیچارہ را

میرے قلب کے طفل کو دیدار کا دودھ پلا دے تا کہ میں اس کے رونے سے نجات پا سکوں۔ تو ہر دم چارہ گر ہے۔ میری طرح سینکڑوں تیری دید کی راہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

شہر وصلت بودہ است آخر ز اول جای دل
چند داری در غریبی این دل آوارہ را

میرا دل اول تا آخر تیری محبت کا اسیر ہے۔ اس کسمپرسی کی حالت میں کتنے عرصہ سے یہ محبت کا مارا دل تیری دید کا مشتاق رہا ہے۔

من خمش کردم و لیکن از پی دفع خمار
ساقیا سر مست گردان نرگس خمارہ را

میں نے معاملاتِ محبت کچھ کہنا سننا بند کر دیا ہے لیکن یہ ہوش میں آنے کے لیے کیا ہے۔ اے ساقی! تو

Marfat.com

مجھے اس مہ پارہ کی نرگسی آنکھوں کی دید کا ایک اور جام پلا دے۔

داؤد گفت ای پادشا چون بی نیازی تو ز ما
حکمت چہ بود آخر بگو در خلقت ہر دوسرا

حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ: اے بادشاہ جب کہ آپ ہم سے بے نیاز ہیں تو آپ مجھے یہ بتا دیجیے کہ ہر دوسرا کی تخلیق میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟

حق گفتش ای مرد زماں گنجی بدم من در نہاں
جستم کہ تا پیدا شود آن گنج احساں و عطا

اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مردِ زماں! میں ایک مخفی خزانہ کی مانند تھا۔ میں نے یہ سوچا کہ اس احسان وعطا کے خزانہ کو ظاہر کر دیا جائے۔

آئینہ کردم عیاں رویش دل و پشتش جہان
پشتش شود بہتر ز رو گر تو ندانی روی را

میں نے اس کے قلب کے چہرہ کے سامنے اپنی شخصیت کے پرتو کا آئینہ رکھ دیا۔ اس کی پشت اس کے چہرہ سے بہتر ہے، اگر تو اس کے چہرہ کو نہیں پہچانتا۔

چون کاہ جفت گل بود آئینہ کی مقبل بود
چون کاہ جدا کردی ز گل آئینہ گردد با صفا

جب گھاس زمین کے ساتھ اگی ہوتی ہے تو پھر یہ آئینہ حیات کب کامیاب ہو سکتا ہے۔ جب تم گھاس سے زمین کی مٹی کو جدا کر دیتے ہو تو پھر آئینہ حیات روشن ہو جاتا ہے۔

شیرہ نگردد می اگر در خم نجوشد مدتی
خواہی کہ دل روشن شود اندک عمل باید ترا

انگور کا شیرہ ہرگز شراب نہیں بن سکتا جب تک کہ برتن میں اس کو دیر تک کے لیے خمیر نہ دیا جائے۔ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارا قلب حقیقت کے نور سے روشن ہو جائے تو پھر تجھے کچھ عمل کی مشقت اٹھانی چاہیے۔

جانی کہ بیرون شد زِ تن گوید بدو سلطان من
زین سان کہ رفتی آمدی آثار کوز آلآی ما

وہ جان کہ جو جسم فانی سے نکل جاتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اے میرے بادشاہ! آپ کس شان کے ساتھ

Marfat.com

جلوہ گر ہوئے ہیں۔ آپ کتنے اچھے محسن ہیں۔

میشود آمد این کہ مس از کیمیا زر میشود

این کیمیای نادرہ کرد ست مس را کیمیا

یہ بات مشہور ہے کہ تانبا عمل کیمیائی سے سونا بن جاتا ہے۔ آپ کے اس نادر عمل کیمیائی نے میرے تانبے کو کندن بنا دیا ہے۔

نہ تاج خواہد نہ قبا این آفتاب از فیض حق

زو ہست صد گل را کلہ و ز بہر دہ عریان قبا

یہ وہ آفتاب ہے کہ فیضِ حق کی نوازش سے اسے نہ تو تاج کی ضرورت ہے اور نہ کسی قبا کی۔ اس کی تاب ہزاروں بے نواؤں کے سر کی زینت اور قبا ہے۔

بہر تواضع بر خری بنشت عیسٰی ای پسر

ورنہ سواری کہ کند بر پشت خر باد صبا

اے فرزندِ ارجمند! حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ازراہِ انکسار گدھی پر سواری فرمائی۔ ورنہ بادِ سبک رفتار کے سوار کو گدھی کی سواری کیا ضرورت تھی۔

ای روح اندر جست و جو سر ساز ہمچوں آب جو

وی عقل بہر آن بقا دائم برو راہ فنا

اے روح! تو اپنی جستجو میں ندی کے پانی کی سی محنت دکھا۔ اور اے عقل! اس بقا کی زندگی کے لیے جو ہمیشہ کے لیے ہے حصول کی کوشش میں لگی رہ۔

چندان ہمی کن یادِ حق کز خود فراموشت شود

تا محو در مدعو شوی بی ریب داعی و دعا

تو اپنے رب کے ساتھ وہ رشتہ استوار کر لے کہ خود کو بھول جائے تا کہ حالت جذب و فنا میں تو کسی کے کہنے سننے سے بے نیاز ہو جائے۔

چمنی کہ تا قیامت گل او بہار بادا

صنمی کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادا

یہ ایسا چمن ہے کہ جس کے پھولوں کی بہار زندگی بخش ہے۔ وہ ایسا محبوب ہے کہ جس کے بے مثال حسن

Marfat.com

پر دونوں جہانوں کی رعنائی قربان ہے۔

ز پگاہ میر خوباں بشکار می خرامد
کہ بتیر غمزہ او دل ما شکار بادا

صبح دم محبوبوں کے شہزادہ پری شان طور پر شکار کے لیے محوخرام ہوئے۔ اس شہزادۂ حسن کی نظر کے ایک اشارے سے میرا دل گرفتہ ہوگیا۔

بدو چشم من ز چشمش چہ پیام ہاست ہر دم
کہ دو چشم از پیامش خوش و پرخمار بادا

اس شہزادۂ حسن نے اپنی ہر دو آنکھوں میں نہ جانے کیا اشارہ کیا کہ اس کی کیفیت ہر دم طاری ہے۔ میری دونوں آنکھیں اس کے اشارے سے خوش کن ہوگئیں اور اس منظر سے وہ پرخمار ہوگئیں۔

در زاہدی شکستم بدعا نمود نفرین
کہ برو کہ روزگارت ھمہ بیقرار بادا

میں نے زاہد کے دروازہ کو توڑ دیا۔ محبت کے اس جذبہ سے کہ جس سے اس نے مجھے یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ تم جاؤ کہ اس محبت کی لگن کے سبب تمہاری زندگی پریشان کن ہے۔

نہ قرار ماند نہ دل بدعای او ز یاری
کہ بخون ما ست تشنہ کہ خداش یار بادا

اس شہزادۂ حسن یعنی خدا تعالیٰ کی یاد میں نہ تو دل کو قرار ہے اور نہ ہی اس کی پکار سے سکون آتا ہے۔ اس خدائی محبت کی پیاس میں خون خشک ہو چکا کہ خدا تعالیٰ اس کا دوست ہے۔

تن من بماہ ماند کہ ز عشق می گدازد
دل من چو چنگ زہرہ کہ گستہ تار بادا

میرا جسم چاند کا سا ہے جو اس کی محبت میں پگھلتا چلا جاتا ہے۔ میرا قلب زہرہ کے ساز کے تاروں کی مانند ہے کہ محبت کے داغ میں جس کے تار ٹوٹ چکے ہیں۔

بگداز ماہ منگر بشکستگی زہرہ
تو حلاوت غمش بین کہ یکی ہزار بادا

تو اپنی چاند جیسی پیاری جان کے فکر کو چھوڑ دے اور زہرہ کے ساز کے تاروں کی شکستگی کو نہ دیکھ۔ تو اس

Marfat.com

شہزادہ حسن کی محبت کی مٹھاس پر غور کر کہ یہ ایک بمنزلہ ہزار کے ہے۔

چہ عروسیست در جان کہ جہان ز عکس رویش

چو رود ست نو عروسان تر و پر نگار بادا

میری روح کے تصور میں وہ ایک نو بیاہتا دلہن کی طرح سجا ہوا ہے کہ تمام جہان اس کے چہرے کے عکس سے روشن ہے۔ جیسے اس کے دست قدرت نو بیاہتا دلہن کے مہندی لگے ہوئے ہاتھوں کی طرح تازہ سجے ہوئے ہوں۔

بعد از جسم منگر کہ بپوسد و بریزد

بعد از جان نگر کہ خوش و خوش گوار بادا

تو گوشت پوست کے جسم کے خدوخال کو شمار میں نہ لا! کہ جو بگڑ جاتا ہے اور گل سڑ کر خراب ہو جاتا ہے۔ بلکہ تو محبوب روحانی کے خدوخال پر نظر کر! کہ وہ کس قدر دلکش اور لائق محبت ہے۔

تن تیرہ ہمچو زاغی و جہان تن زمستان

کہ بر غم این دو ناخوش لبدًا بہار بادا

جسم فانی کی یہ تاریک ہیئت فانی ہے اور اس جسم کا جہان سرد ہے۔ ان ہر دو کے ماسوا کہ جو ناخوشی کا سبب ہیں، بہار ابدی ہے۔

کہ قوام این دو ناخوش بہ چہار عنصر آمد

کہ قوام بندگانت بجز ایں چہار بادا

ان ہر دو عالموں پر چار عناصر مبنی ہیں۔ تیرے ان بندگان کی حیات ابدی ان چار کے ماسوا پر مبنی ہے۔

ای کہ بہنگام درد راحت جانی مرا

ای کہ بتلخی فقر گنج روانی مرا

اے جو کہ بوقت کرب تو میری جان کی راحت ہے۔ اے جو کہ تلخی فقر میں میرے لیے روحانی خزانہ ہے۔

آنچہ نبردست و ہم آنچہ ندیدست فہم

از تو بجان میرسد قبلہ از آنی مرا

تو وہ ہے کہ جو ہمارے وہم اور حاشیہ خیال کی دسترس سے بالا ہے۔ تو وہ ہے کہ میری روح تیری جانب متوجہ رہتی ہے اور وہ تیری عبادت کے لیے تیری جانب رخ کرتی ہے۔

Marfat.com

از کرمت من بناز می نگرم در بقا
گر نفر بید شہا دولت فانی مرا

تیرے بے مثال حسن و جمال سے میں عالم بقا میں تجھ پر عاشقانہ نگاہ جمائے ہوئے ہوں۔اے بادشاہ سلامت! اگرچہ کہ دنیائے فانی مجھے اس دھوکے میں نہ ڈال دے۔

نعمت آنکس کہ او مژدہ تو آرد او
گرچہ نخوانی بود بہ ز آغانی مرا

میرے لیے کسی کی وہ نعمت ہے کہ جو تمہارے لیے پرجوش محبت پر مبنی ہے۔اگرچہ کہ تو ملتفت نہ ہو تو یہ دنیا کے نغمات سے زیادہ خوش کن ہے۔

در رکعات نماز ہست خیال تو شہ
واجب و لازم چنانک سبع مثانی مرا

اے باشاہ سلامت! رکعت نماز تیرے ہی خیال کی ہیئت ہے۔تو یہ حضور قلب میرے لیے لازم اسی طور پر ہے جیسے کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا۔

در گنہ کافران رحم و شفاعت تراست
مہتر و سروری سنگدلانی مرا

کافروں پر تیری رحمت و شفاعت ہے۔بزرگی و سرداری تو تیرے لیے ہے اور سنگ دلی میرے لیے ہے۔

گر کرم لایزال عرضہ کند ملکہا
پیش نہد ہر چہ ہست گنج نہانی مرا

اگر آپ اپنے ابدی کرم و بخشش سے مجھے ہمیشہ کی بادشاہی بخش دیں! اگرچہ علاوہ اس کے تمام طور پر ایک گنج مخفی بھی عطا کر دیا جائے۔

سجدہ کنم من ز جان روی نہم من بخاک
گویم ازیں ہا ہمہ عشق فلانی مرا

میں اپنی روح سے سجدہ کروں اور اے محبوب! میں اپنی پیشانی تیرے سامنے خاک آلود کر دوں۔

عمر ابد پیش من ہست زمان وصال
ز آنکہ نگنجد درِ او ہیچ زمانی مرا

حیاتِ ابدی میرے نزدیک تیرے ساتھ وصال کا زمانہ ہے۔چونکہ اس میں میرے لیے وقت کی کوئی

Marfat.com

قیمت نہ ہوگی۔

عمرِ او نیست وصل شربت صافی در آن
بی تو چہ کار آیدم رنج اوانی مرا

عمر کے اوقات تو وہ ہیں کہ جس میں وصال کی شراب خالص سے ہم کنار ہوں۔ تیرے وصال کے بغیر اس گھڑی کے رنج سے مجھے کیا غرض؟

بیست ہزار آرزو بود مرا پیش ازیں
در ہوسش خود نماند ہیچ امانی مرا

تجھ سے ہم کنار ہونے سے پہلے اس دنیا میں میری بیس ہزار خواہشات تھیں۔ اس کے وصال کے نشہ میں میں خود باقی نہ رہا تو خواہش کہاں رہتی۔

از مدد لطف او ایمن گشتم از آنک
گوید سلطان غیب جان جہانی مرا

میں اس کے لطف کی مدد سے محفوظ ہو گیا۔ چونکہ میرا سلطان جو پوشیدہ ہے اس نے مجھے جہان کی جان کہہ دیا۔

گوہر معنی او ست پر شدہ جاں و دلم
او سگ کو گفت و نیست ثالث و ثانی مرا

معنی کی جان وہی تو ہے جو میرے دل میں سمایا ہوا ہے۔ گلی کا کتا بھونکتا ہے اور نہ تو میرا کوئی دوسرا شریک ہے اور نہ کوئی تیسرا شریک ہے۔

وقت وصالش بروح جسم نکرد التفات
گرچہ مجرد ز تن گشت عیانی مرا

تجھ سے وصال جسم روح کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ کہ میری جان جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

پیر شدم از غمش لیک چو تبریز را
نام بری باز گشت جملہ جوانی مرا

میں اس مرشد کی جدائی کے غم میں ضعیف و ناتواں ہو چکا ہوں لیکن جیسے ہی مرشد سے پیغام آیا تو میری تمام تر جوانی لوٹ آئی۔

Marfat.com

باز آمد آن مہی کہ ندیدش فلک بخواب
آورد آتشی کہ نمیرد بہیچ آب

وہ چندے آفتاب چندے ماہتاب کہ جس کو فلک نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا پھر واپس لوٹ آیا۔ اور وہ روحانی محبت کی وہ آگ لے کر آیا کہ جسے پانی بھی نہیں بجھا سکتا۔

بنگر بخانہ تن و بنگر بجان من
از جام عشق او شدہ این مست و آن خراب

تو اس محبوب کی جدائی میں میرے ناتواں جسم کو دیکھ اور پھر میرا جاں بہ لب ہونا دیکھ۔

میر شراب خانہ چو شد با دلم حریف
خونم شراب گشت ز عشق و دلم کباب

میرا شراب خانہ عشق ومحبت کی راہ میں میرا حریف ہو گیا۔ اس کی محبت میں میرا خون خشک ہو گیا اور میرا دل محبت کی آگ میں کباب ہو گیا۔

چوں دیدہ پر شود ز خیالش ندا رسد
کاحسنت ای پیالہ و شاباش ای شراب

جب اس کی محبت میں میری آنکھیں خمار آلود ہو گئیں تو ایک ندا پہنچی۔ او جامِ محبت تو نے بہت اچھا کیا اور پھر اے شرابِ وصل تجھ پر شاباش ہے۔

چنگال عشق از بن و از بیخ بر کند
ہر خانہ اندر افتد از عشق آفتاب

عشق ومحبت کے چنگل نے دنیوی خواہشات کو دل سے اکھاڑ پھینکا۔ ہر اس گھر میں سے کہ جس میں سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں۔

دریای عشق را چو دلم دید ناگہان
از من بجست در وی و گفتا مرا بیاب

جب اچانک میرے قلب نے محبت کے سمندر کا نظارہ کیا تو میری قلبی کیفیات نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور محبت کے سمندر میں یہ پکارتا ہوا کود پڑا کہ تو مجھ سے ہم کنار ہو جا۔

Marfat.com

خورشید روی مغ خر تبریز شمسؒ دین
اندر پیش روان شده دل ہای چو سحاب

شمس تبریزیؒ کی شان و شوکت چمکتے ہوئے سورج کی مانند ہے جس کی پیروی میں قلوب کے بادل تیرتے پھرتے ہیں۔

مردِ خدا مست بود بی شراب
مردِ خدا سیر بود بی کباب

مردِ خدا بغیر شراب پیے مست ہوتا ہے۔ مردِ خدا بغیر کباب کے سیر ہوتا ہے۔

مردِ خدا والہ و حیران بود
مردِ خدا را نبود خورد خواب

مردِ خدا حالِ مستی میں دنیا سے غیر متوجہ ہو جاتا ہے اور مقامِ حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مردِ خدا طعام و شراب اور خواب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

مردِ خدا شاہ بود زیرِ دلق
مردِ خدا گنج بود در خراب

ایک مردِ خدا اپنے خرقہ تصوف میں بادشاہ ہوتا ہے۔ مردِ خدا ویرانے میں ایک خزانے کی مانند ہوتا ہے۔

مردِ خدا نیست ز باد و ز خاک
مردِ خدا نیست ز نار و ز آب

مردِ خدا ہوا اور خاک سے تعلق نہیں رکھتا۔ مردِ خدا آگ اور پانی سے نہیں ہوتا۔

مردِ خدا بحر بود بی کران
مردِ خدا بارد در بی سحاب

مردِ خدا حالت جذب الی اللہ کے باعث بحرِ ناپیدا کنار کی مانند ہو جاتا ہے۔ مردِ خدا کے علم و حکمت کی یہ شان ہے کہ وہ بغیر بادل کے حکمت کے موتی برساتا ہے۔

مردِ خدا دارد صد ماہ و چرخ
مردِ خدا دارد صد آفتاب

مردِ خدا ایک سو ماہتاب اور آسمانوں کی بلندی کا حامل ہوتا ہے۔ مردِ خدا اپنے اندر ایک سو آفتاب کے

Marfat.com

مقامات کا حامل ہوتا ہے۔

مردِ خدا عالم از حق بود
مردِ خدا نیست فقیہ از کتاب

مردِ خدا حق تعالیٰ اور اس کی حکمت کا شناور ہوتا ہے۔ مردِ خدا کتاب ہی کا فقیہ نہیں ہوتا بلکہ روحانیت کا شناور ہوتا ہے۔

مردِ خدا از آں سوی کفر ست و دین
مردِ خدا را چہ خطا و صواب

مردِ خدا کفر و مذہب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ مردِ خدا کے پیش نظر خطا و صواب یکساں ہوتے ہیں۔

مردِ خدا گشت سوار از عدم
مردِ خدا آمد عالی رکاب

مردِ خدا سوئے عدم کا شہسوار ہوتا ہے۔ مردِ خدا عالی شان شہسوار ہوتا ہے۔

مردِ خدا ہست نہاں شمس دین
مردِ خدا را تو بجوی و بیاب

شمس الدینؒ ایک پوشیدہ مردِ خدا ہے۔ تجھ پر لازم ہے کہ اس کی جستجو اور تلاش میں رہ۔

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست
ما بفلک میروم عزم تماشا کراست

دائیں بائیں سے ہر لمحہ صدائے عشق آتی ہے کہ ہم تو فلک میں جاتے ہیں کیا کسی میں عزم نظارہ ہے؟

ما بفلک بودہ ایم یار ملک بودہ ایم
باز ہما نجا رویم خواجہ کہ آن شہر ماست

اے خواجہ ہم پھر اس جگہ میں گئے اور پھر فرشتوں کے ہم سر ہوئے ہیں۔ اے خواجہ ہم پھر لوٹ کر وہیں جاتے ہیں اور وہ ہمارا ٹھکانہ ہے۔

خود ز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم
زین دو چرا نگذریم منزل ما کبریا ست

ہم بذات خود فلک سے زیادہ عظمت والے ہیں اور پھر فرشتوں سے تو زیادہ عظمت و جلال والے ہیں۔

Marfat.com

تو پھر اے خواجہ ہم ان ہر دو مقامات سے زیادہ بزرگی والے کیسے نہ ہوں ہماری منزل تو کبریا ہے۔

عالم خاک از کجا گوہر پاک از کجا

گرچہ فرود آمدیم باز دویم ایں چہ جاست

اے خواجہ! عالم خام کہاں اور پھر گوہر پاک کو اس سے کیا نسبت؟ اگر چہ ہم کمتر مقام میں چلے آئے ہیں۔ آؤ واپس چلیں۔ یہ دنیا ٹھہرنے کی کون سی جگہ ہے۔

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما

قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفیٰ ﷺ ست

خوش قسمتی ہماری ساتھی ہے اور جان کو قربان کر دینا ہمارا کام ہے۔ تو جان لے کہ ہمارے قافلے کے سالار فخرِ دو جہاں حضرت محمد ﷺ ہیں۔

بوی خوش این نسیم از شکن زلف او ست

شعشہ این خیال از رخ چون والضحیٰ ست

اس خوشبو سے معطر بادِ صبا کی لپٹ آپ ﷺ کی زلف کی شکن سے ہے۔ اس خیال کی چمک دمک آپ ﷺ کے رخ انور سے ہے وہ جو والضحیٰ ہے۔

از رخ او مہ شگافت دیدن او بر نتافت

ماہ چنین بخت یافت او کہ کمینہ گداست

آپ ﷺ کے رخِ انور سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور آپ ﷺ کے نظارہ کے آگے ماند پڑ گیا۔ لیکن چاند اسی بنا پر خوش قسمت ہو گیا کہ اس نے آپ ﷺ سے روشنی کی بھیک مانگی ہے۔

در دل ما در نگر ہر دم شق قمر

کز نظر آن نظر چشم تو ز آن سو چراست

آپ ﷺ کی نگاہ کی چمک دمک سے ہمارے دل کا چاند ہر دم دو ٹکڑے ہوا رہتا ہے کہ اس کی نگاہ، آپ ﷺ کی نگاہ چشم سے اس دنیا کے ماورا کیسے چلی گئی۔

آمد موج الست کشتی قالب شکست

باز چو کشتی شکست نوبت وصل لقاست

جب موجِ الست نے جسمِ عنصری فنا کر دیا تو پھر جب یہ جسمِ عنصری فنا ہوا تو تجھ سے وصال کا وقت تھا۔

Marfat.com

خلق چوں مرغابیان زادہ ز دریای جان

کی کند ایں جا مقام مرغ کزیں بحر خاست

اے پروردگارِ عالم تیرے دریائے وحدت میں یہ مخلوق تیرتی مرغابیوں کی طرح ہے۔ یہ مرغِ آبی اس بحر میں تیرتے رہیں یہ کہیں ان کا مقام ہے!

بلکہ بدریا دریم جملہ در او حاضریم

ورنہ ز دریای جان موج پیا پی چراست

ہم اس دریائے وحدت کے سمندر کے موتی ہیں جو اس میں سمائے ہوئے ہیں۔ ورنہ روحوں کی امواج در امواج کی جولانی کس لیے ہے؟

نوبت وصل لقا ست نوبت حسن بقا ست

نوبت لطف و عطا ست بحر صفا در صفا ست

اب تو ملاقات کا وقت ہے تو یہ تو ہمیشہ کے حسن کا مقام ہے۔ یہ تو خداوندی الطاف و بخشش کا وقت ہے یہ بحر صفا در صفا ہے۔

موج عطا شد پدید غرش دریا رسید

صبح سعادت دمید صبح نہ نور خدا ست

الطافِ خداوندی کی موج ظاہر ہوگئی اور سمندر کا طغیان آ پہنچا۔ صبحِ اُمید نکل آئی لیکن یہ نورِ خدا کی روشنی ہے۔

صورت تصویر کیست این شہ و این میر کیست

این خرد پیر کیست این ہمہ رو پوش ہا ست

اے خدائے بزرگ و برتر یہ تصویر کس شہنشاہ کی ہے؟ یہ کون سے امیر ہیں؟ یہ عظیم حکمت کیا ہے؟ یہ تمام تر حجابات ہیں۔

چارہ روپوش ہا ہست چنین جو شہا

چشمہ این نوش ہا در سر و چشم شما ست

ان حجابات کا علاج اسی طرح کی جدوجہد چاہتا ہے۔ اس مستی کے لذیذ گھونٹ تمہارے سر اور تمہاری دو آنکھوں میں ہیں۔

Marfat.com

در سر خود پیچ لیک ہست شما را دو سر

این سر خاک از زمین و آن سر پاک از سماست

اس سر میں ہی نہیں بلکہ آپ کے دو سر ہیں۔ ایک تو یہ خاک کا سر مٹی میں سے ہے اور دوسرا وہ پاک سر جو جنت سے متعلق ہے۔

ای بس سر ہای پاک ریختہ در زیر خاک

تا تو بدانی کہ سر ز آن سر دیگر بپاست

اے جو کہ بہت پاک سر کہ جو خاک کے نیچے چلے گئے تاکہ تو یہ جان لے کہ یہ سر کسی دیگر روحانی سر پر مبنی ہے۔

آن سر اصلی نہاں دین سر فرعی عیان

ز آنکہ پس از این جہان عالم بی منتہاست

یہ کہ سر اصلی پوشیدہ ہے اور یہ سر فرعی ظاہر ہے۔ اس لیے کہ اس جہاں کے بعد ایک دنیائے لامنتہا ہے۔

مشک ببند ای سقامی ببر از خم ما

کوزہ ادرکہا تنگ تر از تنگناست

اے ساقی تو اس مشک کو بند کر دے اور ہمارے وحدت کے جام سے لے آ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس ماورا کے ادراک کی عقلِ مادی محدود تر ہے جو محدود سے بھی محدود تر ہے۔

از سوی تبریز تافت شمس حق و گفتمش

نور تو ہم متصل با ہمہ و ہم جداست

شمس تبریزؒ کی سمت سے سچائی کا سورج چمکا۔ اور میں نے کہا کہ تمہارے فیض کی روشنی اچانک سب کے ساتھ جلوہ گر ہوگی اور پھر تمام سے جدا ہوگی۔

چہ گوہری کہ کسیرا بکف بہای تو نیست

جہاں چہ دارد در کف کہ آن عطای تو نیست

اے پروردگار کسی کی متاعِ گراں مایہ تیرے آگے ہیچ محض ہے۔ دنیا جو کچھ متاعِ گراں مایہ رکھتی ہے کیا وہ تمہاری ہی بخشش و عطا نہیں ہے؟

Marfat.com

سزای آنکہ زید بی رخ تو ز آن بتراست
سزای بندہ مدہ گر چہ از سزای تو نیست

کسی شخص کے لیے اس سے بدترین سزا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ تجھ سے ناآشنایانہ زندگی بسر کرتا ہو۔اے پروردگار یہ سزا بندے کو نہ دے کیوں کہ وہ اس قابل نہیں ہے۔

میان موج حوادث ہر آنکہ افتاد ست
بآشناند ہد چونکہ آشنای تو نیست

جو کوئی حوادثاتِ زمانہ کی موج کا شکار ہوا تو پھر جب تک تجھ جیسا دوست نہ ہو تو وہ صرف تیرنے ہی سے نہیں بچ سکتا۔

بقا ندارد عالم دگر بقا دارد
فناش گیر چو او محرم بقای تو نیست

یہ جہان فانی ہے اگر چہ یہ بقا کا حامل بھی ہو۔تو اس عالم کو فنا پذیر سمجھ لے کیوں کہ اس دنیا میں تمہارے لیے پائیداری نہیں ہے۔

چہ فرخ است شہی کا و رخ ترا ما تست
چہ خوش لقا بود آنکس کہ بی لقای تو نیست

کس قدر خوش قسمت ہے وہ بادشاہ جو کہ تیرا ہم نشین ہے۔وہ دوستی کہاں اچھی ہو سکتی ہے جس میں تیری ملاقات نہ ہو۔

نثار پای تو خواہم بہر دمی دل و جان
کہ خاک بر سر جانی کہ خاک پای تو نیست

میں ہر دم تیرے لیے دل و جان سے نثار ہوں۔کیوں کہ وہ خاک جو کہ روح کے سر پر ہے وہ خاک تیرے قدموں کی خاک نہیں ہے۔

مبارک کست ہوای تو بر ہمہ مرغان
چہ نامبارک مرغی کہ در ہوای تو نیست

تمام مخلوق جو تیرے ہی وہم وخیال میں ہیں مبارک ہیں۔وہ کس قدر بدنصیب مخلوق ہے کہ جس میں تیرا وہم وخیال نہیں ہے۔

Marfat.com

ز زخم تو نگریزم کہ سخت خام بود
دلی کہ سوختہ آتش بلای تو نیست

میں تیرے زخم سے فرار اختیار نہیں کروں گا۔ کیا کوئی قلب ایسا ہے جو تیری آتش بلا خیز کا سوختہ نہ ہو۔

کرانہ نیست ثنا و ثنا گران ترا
کدام ذرہ کہ سرگشتہ ثنای تو نیست

اے پروردگار! تیری ثنا اور تیرے ثناخوانوں کی انتہا نہیں ہے۔ کون سا ذرہ ہے کہ جو تیری تعریف و ثنا میں مشغول نہیں ہے۔

نظیر آنکہ نظامی بنظم می گوید
جفا مکن کہ مرا طاقت جفای تو نیست

اس کی مثال نظامی رحمہ اللہ نے نظم میں بیان فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب تو مجھ پر جفا نہ کر کہ مجھ میں تری جفا کی سکت نہیں ہے۔

جمال و مفخر آفاق شمس تبریزی
کدام شاہ کہ از جان و دل گدای تو نیست

اے شمس تبریز تیرے روحانی حسن و شان و شوکت شہرہ آفاق ہیں۔ وہ کون سا بادشاہ ہے جو دل و جان سے تیرا گرویدہ نہیں ہے۔

چو پر و بال برآرم ز شوق چو کیواں
بہ مسجد فلک ہفتمیں نماز کنم

جب حق تعالیٰ کی محبت میں میری روح سے اور قلب کی گہرائی سے آہ نکلتی ہے تو اپنے پر و بال کی طاقت سے میری روح اڑ کر فلک سابع پر مثل کیواں قرب حاصل کرتی ہے۔ مراد یہ کہ میری روحانیت نہایت قوی السیر (تیز رفتار) ہو جاتی ہے اور میری روح بارگاہ حق تعالیٰ سے نہایت درجہ قرب حاصل کرتی ہے اگرچہ جسم اسی زمین پر ہوتا ہے۔

حرام دارم با دیگراں سخن گفتن
دگر حدیث تو یابم سخن دراز کنم

میں آپ کے اغیار سے تو گفتگو کرتے ہوئے بھی گھبراتا ہوں اور اے محبوب مرشد جب آپ کو پا

Marfat.com

جاتا ہوں تو خوب دیر تک باتیں کرتا ہوں۔ اور یہ مناسبت کی علامت ہے۔ چنانچہ مثنوی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں ۔

جوششِ نطق از نشانی دوستی است
بستگی نطق از بے الفتی است

جس کو دیکھ کر خوب گفتگو کو دل چاہے تو یہ علامت باطنی محبت و مناسبت کی ہے اور اگر کسی کو دیکھ کر اس سے گفتگو کرنے کو دل نہ چاہے تو یہ علامت اندرونی عدم مناسبت کی ہے یعنی دل ملنے اور نہ ملنے کی یہ پہچان ہے۔

ہر کہ دلبر دید کے ماند خُمش
بلبلے گل دید کے ماند ترش

جو محبوب کو دیکھ لیتا ہے تو کیا وہ خاموش رہتا ہے کیا بلبل گل کے پاس خاموش رہ سکتا ہے وہ تو چہچہانا شروع کر دیتا ہے۔

ز خار بند خیالت چو خار چیں گردم
ز نرگس و گل و صد برگ احتراز کنم

آپ کے دیار کے کانٹوں کے خیال سے بھی جب میں لطف حاصل کرتا ہوں تو اس کی لذت کے سامنے میں سینکڑوں برگ و گل اور نرگس بھول جاتا ہوں مراد یہ کہ حق تعالیٰ کی محبت جب دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو عبادات کا بجا لانا اور معاصی سے اجتناب کا مجاہدہ ناگوار چہ معنیٰ لذیذ تر ہو جاتا ہے۔ اور زندگی کا سنگ میل بن جاتا ہے یعنی بدونِ ذکر و فکر جینا دشوار اور گناہوں میں موت نظر آنے لگتی ہے۔

ہزار گونہ بلنگم بہر رہم کہ برند
رہے کہ آں بسوئے تست ترکتاز کنم

ہزار کاہل و ست اور لنگڑا معلوم ہوتا ہوں جب کسی دوسری راہ پر مجھے لے چلتے ہیں اور جب آپ کی راہ پر چلتا ہوں تو دوڑتا ہوا چلتا ہوں۔ یہ محبت کی علامت ہے۔

چو آفتاب شوم آتشیں ز گرمی دل
چو ذرہا ہمہ را مست و عشقباز کنم

جب میرے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت کا درد تیز ہوتا ہے تو اس آتش عشق کی گرمی سے میرا قلب آفتاب بن کر دوسرے طالبین کو مثل ذروں کے روشن اور مست اور عشق باز کرتا ہے یعنی میرے پاس جو بیٹھتا

Marfat.com

ہے وہ بھی خدائے پاک کا عاشق ہو جاتا ہے۔

ز آفتاب و ز مہتاب بگذرد نورم
چو روئے خود بہ شہنشاہ دلنواز کنم

جب سے میں نے حق تعالیٰ کی ذات پاک سے تعلق اور رابطہ قائم کرلیا ہے اس وقت سے دنیا کے تمام حسینوں سے (جو مثل آفتاب و ماہتاب ہیں) میری روح نجات پا چکی ہے اور جو آفتاب و ماہتاب آسمان پر ہیں ان سے بھی میرا نور اوپر بلند ہو چکا ہے اور یہ مجاہدات کی برکت ہے۔

بدید عشق مرا گفت من ہما نازم
ہمہ نیاز شو آن لحظۂ کہ ناز کنم

عشق نے مجھے دیکھا اور مجھ سے کہا کہ میں سراپا ناز ہوں جس وقت کہ میں تجھ پر اے عاشق اپنا ناز دکھاؤں تو تو سراپا تیار ہو جایا کر یعنی جس وقت جس حکم شریعت کا جو تقاضا ہو اس کو بدون پس و پیش کرلو۔

چو ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی
من از برائے تو نازم ہمہ نیاز کنم

اے عاشق! جب تو ناز کو ترک کرے گا سراپا نیاز ہو جائے گا میں اسی لیے تجھ پر ناز کرتا ہوں کہ تیرے تکبر اور خود بینی کو پاش پاش کر دوں۔

نہ گفتمت مرو آنجا کہ آشنات منم
دریں سرائے فنا چشمۂ حیات منم

ان اشعار میں حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت ہے اے شخص! میں نے تو نہیں کہا کہ تو کہیں اور جائے کیونکہ تیرا آشنا اور تیری جان سے قریب تر تو میں ہوں اس سرائے فانی دنیا میں میرا تعلق ہی تیرے لیے چشمۂ حیات ہے یعنی تعلق مع اللہ سے زندگی عطا ہوگی اور غفلت سے زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ رہے گا۔

دگر بجد بگریزی ہزار سال از من
بعاقبت بمن آری کہ منتہات منم

اے مخاطب تو اگر میری ذات سے نافرمانی کی طرف یا غفلت کی طرف ہزار سال بھاگتا رہے گا لیکن آخر کار مرنے کے بعد میری طرف ہی آئے گا۔ کیونکہ تیرا منتہا میری ہی ذات ہے۔

Marfat.com

نہ گفتمت کہ منم بحر تو یکے ماہی

بیا کہ قوت پرواز پرو پات منم

اے مخاطب کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا کہ میں سمندر ہوں اور تو میرے سمندر کی مچھلی ہے۔ پس تو میری طرف آ جا کہ تیرے پر و پاؤں کی طاقت میرے ہی پاس ہے۔ یعنی مچھلی پانی میں چل سکتی ہے اور خشکی میں بے جان ہو کر مردہ ہونے لگتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ سے دور ہو کر تو بے جان اور مردہ ہونے لگے گا۔

ز ہر طرف بجہد بیقرار یعقوبے

کہ بوئے پیرہن یوسفے بیافت مشام

جب سیدنا یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی خوشبو پائی تو ہر طرف بے قراری سے ان کی جستجو میں کوشش شروع فرما دی اس طرح جب سالک کو حق تعالیٰ کی خوشبو ذکر و فکر میں فیض مرشد سے آتی ہے تو اور شوق تیز تر ہو جاتا ہے اور اور رفتار سلوک میں ترقی ہو جاتی ہے۔

یکے شدیم من و عشق ہمچو شیر و شکر

بیاد آں شہہ تبریز شمس دیں کہ سلام

حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے فیض روحانی کے صدقے میں عشق اور میں مثل شیر و شکر کے ایک ہو رہا ہوں یعنی سراپا عشق ہو رہا ہوں۔

تن را چو مشتے خاک داں در زیر او دریائے خوں

گرچہ ز بیروں ذرّہ صد آفتابے از دروں

جسم کو ایک مشت خاک سمجھ لیکن اس کے نیچے مجاہدات کا دریائے خون ہے یعنی اس خاک میں گناہوں کے تقاضے بھی ہیں جن کو مغلوب کرنے میں جگر خون کرنا پڑتا ہے۔

شیر خدا دیگر بود شیر ہوا دیگر بود

شیر خدا کم دیدۂ بنگر دریں آثار من

شیر خدا دوسرے ہوتے ہیں اور شیر ہوا دوسرے ہوتے ہیں۔ شیر خدا تم نے نہیں دیکھا ہے لہٰذا میرے آثار یعنی اعمال و اخلاق میں مشاہدہ کرو (یہ دعویٰ نہیں ہے گو بظاہر دعویٰ معلوم ہوتا ہے دراصل مولانا کی مراد یہاں اولیاء اللہ کے اعمال و اخلاق ہیں اور ان کی طرف سے وکالۃً و حکایۃً مولانا اس طرح کا مضمون بیان فرما دیتے ہیں اہل ظاہر کو خوب سمجھ لینا چاہیے اور اولیاء حق سے سوءِ ظن نہ کرنا چاہیے)۔

Marfat.com

اے باغباں اے باغباں آمد خزاں آمد خزاں

بر شاخ و برگ از درد دل بنگر نشاں بنگر نشاں

اے باغباں اے باغباں خزاں کا موسم آ گیا۔خزاں کا موسم آ گیا اور چمن کے برگ وشاخ پر میرے دردِ دل کے نشانات کو دیکھیے اس شعر میں مُرشد کو قبض باطنی سے مطلع کر رہے ہیں۔

ہرگز نباشد بے سبب گریاں دو چشم و خشک لب

نبود کسے لے درد دل رخ زعفراں رخ زعفراں

بدون سبب آنکھیں نہیں روتی ہیں اور بدون کسی باطنی غم کے لب خشک نہیں ہوتے اور بدون دردِ دل کے کسی کا چہرہ زعفرانی (زرد) نہیں ہوتا۔

اے گل کجا رفتی بگو آخر جوابے باز دہ

در قعر دریائے تو یا بر آسماں بر آسماں

اے گل (تو موسم خزاں میں) کدھر گیا مجھے کچھ تو جواب دے تو دریا کی گہرائی میں چلا گیا یا آسمان کے اوپر (حالت قبض میں احوال خاصہ بسط کی مفقودیت بیان فرمایا ہے)۔

پوشیدہ چوں جاں می روی اے درمیاں جان من

سروے خراماں می روی اے رونق بستان من

اے خدا آپ کا نور میری جان میں مثل جان کے مخفی ہے اور میری روح کا باغ آپ کے قرب ہی سے پُر رونق ہے۔

چوں می روی بے من مرو اے جان من بے تن مرو

بیرون ز چشم من مرو اے شعلۂ تابان من

اے مرشد اگر آپ جاتے ہیں تو ہم کو بھی ساتھ رکھیے کہ روح کو جسم کے ساتھ سفر کرنا چاہیے اور آپ بمنزلہ جان ہیں اور میں بمنزلہ تن ہوں۔

بے بال سر کر دی مرا بے خواب و در کردی مرا

در پیش یعقوب اندر آ اے یوسف کنعان من

میرا سر بے شوق اور مجھ کو بے خواب و طعام آپ نے کر دیا۔ اے میرے یوسف! اپنے یعقوب کے سامنے آ جایئے۔ مراد مرشد کی جدائی میں اُن سے ملاقات کی تمنا بیان کرنا ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام اور

Marfat.com

سیدنا یعقوب علیہ السلام سے صرف اصطلاحی مفہوم محبّ اور محبوب مراد ہیں۔

چہ نشستی دور چوں بیگانگاں

اندر آ در حلقہ دیوانگاں

اے مخاطب تو دور مثل بیگانوں کے کیوں بیٹھا ہے۔ ہم دیوانوں میں شریک ہو جا۔ (اکثر زاہد خشک عاشقانِ خدا سے دور بیٹھتے ہیں) مولانا نے یہاں کسی زاہد خشک کو اس طرح خطاب کیا ہے۔

آنکہ عشقش خانہا برہم ز دست

آمد اندر خانۂ ہمسائگاں

عشق حق نے جسے گھر سے بے گھر کر دیا اور بے سرو ساماں کر دیا وہی عاشقان خدا کا ہمسایہ اور مقرب رہتا ہے۔ یعنی فراغ قلب سے صحبت اہل اللہ میں وہی رہتا ہے جو دنیا کو دل سے نکال چکا ہو۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی حق تعالیٰ کے راستے کا اوّل قدم ہے۔

کف بر آور دست ایں دریائے عشق

سر فروکر دست آں مہہ ز آسماں

جب آسمان سے چاند نے سمندر کی طرف رُخ کیا تو بحرِ عشق نے اس کی ملاقات کی طمع میں منہ سے جھاگ نکالنا شروع کیا۔ مشہور ہے کہ سمندر کا مدو جزر آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا چاند کے گھٹنے بڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

مطلب یہ کہ اے محبوبِ حقیقی آپ میرے قلب پر نگاہِ کرم ڈالیے کہ آپ ہمارے چاند ہیں۔ پھر اعمال و اخلاق اور عشق و محبت گریہ وزاری سوز و گداز کے تمام کیفیات و حالات قلب کے دریا مثل جھاگ کے اُبھریں گے۔

تا تو پیدائے نہانست از تو او

او شود پیدا چو تو گردی نہاں

جب تک تم اپنے نفس کو نہ مٹاؤ گے اور اپنی انا کو باقی رکھو گے تو تم عیاں ہوں گے اور وہ محبوبِ حقیقی نہاں ہوگا اور جب تم نہاں ہوگے تو وہ محبوبِ حقیقی عیاں ہوگا۔

با عاشقاں نشیں و ہما عاشقی گزیں

با آنکہ نیست عاشق یکدم مشو قریں

اے زاہد خشک اور اہل ظاہر تم عاشقان خدا کے پاس بیٹھا کرو (اور اپنی خودسری خود بینی سے توبہ کرو) اور

Marfat.com

ان کی صحبت میں رہ کر تم بھی حق تعالیٰ کی عاشقی سیکھ لو۔ اور اس نصیحت کو خوب یاد رکھو کہ جو خدائے پاک کا عاشق نہ ہو اس کے پاس نہ بیٹھا کرو۔

ماہیاں را صبر نبود یک زماں بیرون ز آب

عاشقاں را صبر نبود در فراق دلستاں

مچھلیوں کو پانی کے باہر ایک لحہ کو بھی صبر نہیں آ سکتا۔ اسی طرح عاشقانِ خدا کو خدا کی جدائی پر صبر نہیں آ سکتا یعنی حق تعالیٰ سے غفلت میں ان کو موت نظر آتی ہے اور ان کی یاد میں زندگی۔

ترا ذکر ہے مری زندگی

ترا بھولنا مری موت ہے

ہر دو عالم بے جمالت بندہ را زنداں بُود

آبِ حیواں در فراقت گر خورم دارو زیاں

اے خدا آپ کے قرب کی بہار کے بغیر دونوں جہاں ہم کو قید خانہ ہے اگر آپ کے بغیر ہم آبِ حیات بھی پئیں تو بھی زندگی موت ہی سے ہمکنار ہوگی۔

ایں نگارستاں عالم بر نشان دست تُست

لیک از شوق رخ تو جاں نمی جوید نشاں

کائنات کی تمام مصنوعات اور مخلوقات اے خدا آپ کی دستِ قدرۃ کی نشانی ہے لیکن میری روح تو آپ کے قرب و رضا کی طالب ہے۔ اور غلبۂ شوق دیدار میں آپ کے رُخِ تاباں کے علاوہ نشانیوں کی طرف توجہ نہیں ہو رہی ہے۔

قطرۂ خوں دلم را چوں جہانے کردۂ

تا ز حیرانی ندانم قطرۂ را از جہاں

اے خدا آپ کے کرم نے اپنے عشاق کے قلوب میں اپنے تعلق کی دولت سے ایک ایسا جہاں آباد فرما رکھا ہے جس کے سامنے تمام افلاک و زمین مثل ایک ذرہ و ایک قطرہ کے ہیں۔

شمس تبریزی بیک صبح از بخود گیرد مرا

آنچہ میجویم بیابم درد دل خود رائگاں

میرے مرشد حضرت شمس تبریزیؒ اگر کسی دن میرے قلب پر خصوصی توجہ کا فیضان ڈالیں تو میں اپنے

Marfat.com

قلب میں قرب ونسبت مع الحق وغیرہ جونعمتیں چاہتا ہوں بدون مجاہدہ و مشقت پا جاؤں اور درحقیقت ہو ابھی یہی تھا۔

آفتابا بار دیگر خانہ را پر نور کن
دوستاں را شاد گرداں دشمناں را کور کن

اے مرشد! آیئے اور ہمارے خانۂ دل کو روشن کیجیے اور دوستوں کو اپنے فیوض سے مسرور اور دشمنوں اور معترضوں کو محروم کیجیے اور ہمیشہ معترض و معاند تو محروم رہتا ہی ہے۔

اے چراغ آسماں و ای طبیب عاشقاں
مفلساں را دستگیر و چارۂ رنجور کن

اے آسمانِ ہدایت کے چراغ اور عاشقوں کے طبیب (مرشد کامل) آیئے اور ہم مفلسوں کی رہبری کیجیے اور ہماری روحانی بیماریوں کی دوا کیجیے۔

گر جہاں پر نور خواہی پردہ از رخ باز گیر
در جہاں تاریک خواہی روئے خود مستور کن

اگر آپ جہاں کو روشن کرنا چاہتے ہیں تو اپنے رخ سے پردہ ہٹایئے یعنی خلوت سے جلوت میں آیئے اور فیضان وارشاد و ہدایت خلق میں مشغولی اختیار فرمایئے اور اگر آپ خود کو مستور رکھیں گے تو ہمارے قلوب کس طرح منور ہوں گے۔

بوے آں باغ و بہار گلشن زیبا ست این
بوے آں یار جہاں آرائے جاں افزا ست این

اسی جہاں کے باغات وگلشن کی تازگی اور زیبائش دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے خوشبو کا فیضان ہے۔ اور حق تعالیٰ ہی کی خوشبوئے قرب سے اولیائے حق ارواح مست و دیوانہ ہیں۔

اختراں گویند از بالا کہ ایں خورشید نیست
ماہیاں گویند در دریا کہ چہ غوغا ست ایں

آسمان پر ستارے کہہ رہے ہیں کہ اُجالا خورشید کا نہیں خورشید میں عکس نور حق متجلّی ہے سمندر میں مچھلیاں کہہ رہی ہیں کہ یہ موجوں کا شور وغل ان کا نہیں کسی اور کا کرشمہ ہے جو پنہاں ہے۔

Marfat.com

عشق من پیدا و معشوقم نہاں

یار بیروں فتنہ او در جہاں

ہمارا عشق (وضو، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد) ظاہر ہے مگر وہ محبوب پوشیدہ ہے جن کی خاطر یہ اعمال محبت کے کیے جارہے ہیں۔ محبوب تو جہاں سے مخفی ہے لیکن ان کی خوشبوئے قرب نے عاشقوں کو دیوانہ کر رکھا ہے۔

بوئے آں دلبر چو پراں می شود

ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

اس محبوبِ حقیقی کی خوشبوئے قرب جب عاشقان کی ارواح کو محسوس ہوتی ہے تو اس لذت کو بیان کے لیے تمام لغات قاصر ہو جاتے ہیں اور تمام زبانیں عاجز ہو جاتی ہیں۔

چرخ را دور دگر آموخت ایں سلطان عشق

ایں چہ عشق ست اے خدایا اے عجب سوداست ایں

مرشد تبریزیؒ سلطان عشق نے آسمان کو دوسری گردش کی تعلیم دی ہے اے خدا آپ کے عشق نے کیا کرشمہ دکھا رکھا ہے کہ عاشقوں کے دن رات صبح شام ارض و سما شمس و قمر دوسرے ہیں۔

شمس تبریزی چہ گفتارم بسمعت می رسد

بہر تحسین را بسوئے ما بجباں آستیں

اے مرشد تبریزیؒ! اگر ہماری یہ باتیں عاشقانہ آپ کو اچھی معلوم ہو رہی ہوں تو آپ میری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اپنا دست مبارک ہلا کر شاباش فرمائیے۔

اے خدا ایں وصل را ہجراں مکن

سر خوشاں عشق را نالاں مکن

اے خدا اس قرب کو کبھی جدائی سے نہ تبدیل کیجیے اپنے عشق کے سرمستوں اور دیوانوں کو جدائی کا صدمہ نہ دیجیے۔

تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست

باغ جاں را تازہ و سر سبز دار

ایں چنیں آباد را ویراں مکن

میری روح کے باغِ قرب کو اے خدا ہمیشہ تازہ بہار رکھیے وہ روح جو آپ کی محبت سے رشک صد بہار

Marfat.com

ہے اسے ویران نہ کیجیے یعنی توفیقات وعنایات خاصہ کو دائم رکھیے اور بہ سبب شامت اعمال انتقام نہ فرماتے ہوئے حلم وعفو وکرم کا معاملہ کیجیے۔

چوں خزاں بر شاخ و برگ دل مزن
خلق را مسکین و سر گرداں مکن

میرے دل کے برگ وشاخ کی تازگی جو آپ کے قرب سے قائم ہے اس پر اپنے بُعد ودوری کی خزاں نہ مسلط کیجیے (بہ سبب شامت اعمال) اے خدا ہم مسکینوں کو دوری کی وحشت سے سرگرداں نہ فرمائیے۔

بر درختے کاشیان مرغ تست
شاخ مشکن مرغ را پراں مکن

آپ کے جس درختِ قرب پر آپ کے عشاق کی ارواح کی چڑیوں نے نشیمن بنا رکھا ہے اس شاخ کو مت توڑیئے اور ان چڑیوں کو وہاں سے نہ اُڑائیے یعنی قربِ دوام کی نعمت سے بسبب ہمارے شامت اعمال ہم کو محروم نہ کیجیے۔

نیست در عالم ز ہجراں تلخ تر
ہر چہ خواہی کن و لیکن آں مکن

اے خدا! آپ کی جدائی سے تلخ تر چیز اس جہان میں اور کیا ہوسکتی ہے پس ازراہ لطف کرم آپ اپنی جدائی کا غم نہ دیجیے۔

یار شب را روز مہجوری مدہ
جان قربت دیدہ را دوری مدہ

اے خدا اپنے شب خیز دوستوں کو جدائی کا دن نہ دکھائیے اور جس جان نے آپ کے قرب کی لذت چکھ لی ہے اسے دوری کا عذاب نہ چکھائیے (آمین یارب العالمین)۔

چوں بمیرم تو رحم خواہی کرد
آنچہ آخر کنی تو پیشین کن

اے محبوبِ حقیقی! جب میں مرجاؤں گا تو مجھ پر آپ ضرور رحم کریں گے پس جو آپ بعد مرنے کے کرم فرمائیں گے کچھ اس میں سے پہلے ہی عنایت فرمادیجیے۔ مولانا یہ مضمون غلبۂ حال میں فرماگئے پھر جب افاقہ ہوا تو معافی طلب کی۔

Marfat.com

بس کنم شد ز حد گستاخی

منکہ باشم کہ گویمت ایں کن

اے خدا! مجھ سے گستاخی ہوگئی اور میں توبہ کرتا ہوں میری کیا حقیقت ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی رائے وتجویز پیش کروں۔ کیونکہ بندگی اور عبدیت کا تقاضا تو افنائے رائے اور تفویض وتسلیم ہے۔

گر نبود ایں سخن ز من لائق

انچہ آن لائق تلقین کن

اے خدا یہ گفتگو میری نامناسب تھی آپ اپنے کرم سے مناسب اور لائق مناجات میرے قلب میں تلقین فرمایئے۔

اے ہفت دریا گوہر عطا کن

ویں مس ما را رو کیمیا کن

اے خدا آپ تمام خزانوں کے مالک ہیں اپنے ہفت دریا سے ایک موتی ہی مجھے عطا فرما دیجیے اور ہمارے تانبے کو اپنے کرم سے کیمیا بنا دیجیے۔(تانبے سے کیمیا گر سونا بنا دیتے ہیں)۔

بگریست بر ما ہر سنگ خارا

ایں درد ما را جاناں دوا کن

میری نالائقی اور بربادی وتباہ حالی پر ہر پتھر جیسے قلب کو بھی رونا آ گیا اے محبوب ہمارے اس درد (ناسورِ کہن) کی دوا کردیجیے۔

اے آفتابم اے نور و کوکب

در ظلمت شب چوں مہ سخا کن

اے میرے آفتاب، اے نورِ مطلق، اے خالقِ کواکب، میری اندھیری رات میں مثل چاند کے سخاوت کیجیے۔

درد قدیمے و رنج سقیمے

گرد یتیمی از ما جدا کن

میرا درد بہت پرانا ہے اور میری بیماری نے نڈھال کردیا ہے۔ میری یتیمی کے گرد وغبار کو آپ دور فرما دیجیے (اپنے قرب اور نورِتقویٰ سے اور اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ حسنہ سے)۔

Marfat.com

گر در نعیم یا زر و سیم
بے تو فقیرم درمان ما کن

اے خدا اگر تمام دنیا کی نعمتوں میں اور سونے چاندی کے ڈھیر میں بھی رہوں مگر آپ سے دور رہ کر میں مفلس ہوں پس آپ میرا درمان اور علاج کیجیے یعنی اعمال رضا کی توفیق سے اپنے قرب کی دولت سے ہمارا افلاس دور کر دیجیے۔

من لب بہ بستم در غم نشستم
بکشائے دستم قصد لقا کن

میں خاموش ہوں اور غمگین بیٹھا ہوں اپنے کرم سے اپنا قرب خاص عطا فرما کر ہم کو مسرور کیجیے۔

ز تو بادہ دادن ز من سجدہ کردن
ز من شکر کردن ز تو گوہر افشاں

اے خدا! آپ کا کام ہم کو بادہ معرفت عطا کرنا ہے ہمارا کام آپ کو سجدہ کرنا ہے ہمارا کام آپ کے احسانات کا شکر کرنا ہے اور آپ کا کام احسانات کے موتی لٹانا ہے۔

خرابم کن ایجاں کہ از دیہہ ویراں
خراجے نخواہد نہ سلطاں نہ دیواں

اے محبوب! میری جان کو اپنی محبت و معرفت سے مست و خراب کر دیجیے کہ میری ویرانی ظاہری طور پر ہوگی مگر ویرانہ میں آپ کے قرب کا خزانہ نہاں ہوگا لیکن ظاہری ویرانی کے سبب دنیا کے سلاطین ہم سے خراج وٹیکس نہ لیں گے جس طرح کہ زمین غیر آباد پر خراج نہیں لگتا۔

بیا اے مونس جانہائے مستاں
بہبیں اندیشۂ و سودائے مستاں

اے محبوب اے مونس جان مستان اپنے عاشقوں کی دیوانگی اور بلند پروازی فکر کا مشاہدہ کیجیے۔

ہمہ شب میرود تا روز اے مہ
ہر اہل آسماں ہیہائے مستاں

اے محبوب! آپ کے عاشقوں کے آہ و نالے رات بھر آسمان والوں تک یعنی فرشتوں تک جا رہے ہیں۔

Marfat.com

کلاہ جملہ ہشیاراں ربودند
دریں بازار کوچہ جائے مستاں

اے خدا! آپ کے دیوانوں کے کوچہ میں جب اہلِ ہوش واہل خرد کا گزر ہوتا ہے تو ان کی ٹوپیاں اور پگڑیاں بھی سر سے اتر جاتی ہیں یعنی آپ کے دیوانے ان ہوشمندوں کو بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں۔

شنیدم چرخ گرداں را کہ میگفت
منم یک لقمہ از حلوائے مستاں

میں نے سنا کہ آسمان گردش والا مجھ سے یہ کہہ رہا تھا کہ میں حق تعالیٰ کے دیوانوں کے سامنے ان کے حلوائے قرب و معرفت کا ایک لقمہ ہوں۔ مراد یہ کہ اہل اللہ کا مقام مرتبۂ روح میں افلاک سے بلند تر ہوتا ہے۔

شنید اژدہائے عشق میگفت
منم معشوقۂ زیبائے مستاں

میں نے سنا کہ عشق کا اژدہا یہ کہہ رہا تھا کہ میں خدا کے دیوانوں کا معشوق ہوں مراد یہ کہ عاشقانِ خدا کو خدا کے راستے کی ہر تکلیف محبوب ہوجاتی ہے۔

و لیکن شمس تبریزی حقائق
ندار از فرح پروائے مستاں

لیکن ہمارے مرشد شمس الدین تبریزیؒ اپنے اوپر انکشاف حقائق سے ایسے مست ہیں کہ انہیں اپنے لطف قرب کے سامنے ہم مستوں کی پروانہیں ہے۔ یہ دراصل مولانا کا ناز ہے اور شیخ کی توجہ ومہربانی کے لیے ہر ایک کا یہ مقام نہیں ہوتا۔

یکے پندت دہم اے طالب دیں
یکے پند دلاویزے خوش آئیں

مولانا فرماتے ہیں کہ اے طالب دین میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں اور وہ نصیحت نہایت عمدہ اور کام کی ہے۔

منشیں غافل بہ پہلوئے حریصاں
کہ جاں غافل شود از جان گر گیں

اور وہ نصیحت یہی ہے کہ غافل دلوں کے پاس کبھی مت بیٹھنا کیونکہ غافل جانوں کے پاس بیٹھنے سے

Marfat.com

تمہاری جان بھی غافل ہو جائے گی۔

ز خارستاں دل گر پاک گردی
ز جاں یابی حلاوتہائے والتّین

اے مخاطب اگر تو دل کی گندگی سے پاک ہو جائے گا تو اپنی روح بعد تزکیۂ نفس خدا کے قرب کی حلاوت کو محسوس کرلے گا۔

بجو شد از درون دل عروساں
چو مرد حق شوی اے مرد عنّین

اے مخنث نامرد جب تو مغلوبیت نفس سے نجات پاکر اپنے نفس پر غالب ہو جائے گا تو تیرے قلب میں حق تعالیٰ کے خاص انوار وتجلیات محسوس ہوں گے۔

بیا میزاند کے اے کان رحمت
کہ تا گرد و رُخ زرد از تو رنگین

اے سرچشمۂ رحمت اپنی رحمت میرے حال پر مبذول کیجیے تاکہ آپ کے قرب سے عشاق کے زرد چہرے خوشی سے رنگین ہو جائیں۔

زہے اوصاف شمس الدین تبریز
زہے کرّو فر امکان تمکین

حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے اوصاف کا کیا کہنا ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کے قربِ خاص پر تمکین حاصل ہے۔

نہ زاں حکمت کہ مایہ گفت گویست
ازاں حکمت کہ جاں گرد و خدا بیں

اے خدا! میں آپ سے علم کی وہ دولت نہیں مانگتا جس سے آدمی صرف متکلم اور مقرر ہو جاتا ہے بلکہ وہ علم معرفت مانگتا ہوں جس سے جان خدا بین ہو جاتی ہے یعنی جان آپ کو دیکھنے والی جان ہو جاتی ہے۔

ز شہواتے بر باتے رساں ما
بر اوج عرش بیں زیں عالم طیں

اے خدا ہماری جانوں کو شہوات سے پاک کر کے قرب ربانی عطا فرما دیجیے اور آپ پھر ان عاشقوں کو

Marfat.com

عالم آب وگل سے نکال کر عرش پر دیکھیے یعنی اپنا مقرب بنالیجیے۔

دوش چہ خوردہٗ دلا راست بگو نہاں مکن
چوں خمشان بیگنہ روے بایں و آں مکن

اے مرشد! رات آپ نے کیا ذکر وفکر کی مستی حاصل کی ہے سچ سچ بتا دیجیے۔ پوشیدہ نہ کیجیے۔ مثل خاموش اور سادہ لوگوں کے آپ اپنی باطنی دولت کو چھپانے کے لیے چہرہ کو اِدھر اُدھر نہ کیجیے۔

خصم نیم جفا مکن کبر نیم غزا مکن
بے گنہم سزا مکن رخ ترش و گراں مکن

میں آپ کا غلام ہوں۔ فریق اور مخالف نہیں کہ آپ ہم پر جفا اور جنگ کریں میں آپ کا مخلص ہوں آپ میری طرف سے ترش رو اور چیں بہ جبیں نہ ہوں۔

از تپش مے نہاں روئے شود چو ارغواں
روئے بعشق آر بس روئے بآسماں مکن

اے مرشد! آپ کے عشق باطن کی آگ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اپنے چہرہ کو عاشقانہ رنگ پر ظاہر کر دیجیے باطنی عشق کی آتش کو چھپانے کے لیے چہرہ آسمان کی طرف اوپر کو نہ کیجیے۔ (جیسا کہ بہانہ بنانے کے لیے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں)۔

کار دلم بجاں رسید کارد باستخواں رسید
نالہ کنم بگویدم دم مزن و فغاں مکن

عشق کا غم قلب سے تجاوز کر کے میری جان میں داخل ہو چکا ہے۔ اور اس کا خنجر میری ہڈیوں تک پہنچ چکا اور جب میں نالہ وفریاد کرتا ہوں تو وہ مجھ سے کہتا ہے دم مت مار اور فغاں مت کر۔

تا تو حریف من شدی اے مہہ دلستان من
ہمچو چراغ می جہد نور تو از دہان من

اے قمر (خطاب بہ محبوب حقیقی) دل کے خریدار جب سے آپ کا نور میرے باطن میں داخل ہوا ہے اس وقت سے میرے مواعظ ومجالس ارشاد میں مثل چراغ آپ کا نور میرے منہ سے نکل رہا ہے یعنی انوار ذکر وفکر وطاعات پنہاں الفاظ میں شامل ہو کر طالبین کے قلوب کو بھی روشن کر رہے ہیں۔

اللہ والے اللہ تعالیٰ کا راستہ بھی بتاتے ہیں اور اپنے نور باطن کو الفاظ کے ہمراہ سامعین کے قلوب تک پہنچا دیتے ہیں۔

Marfat.com

عشق برید کیسہ ام گفتم ہے چہ میکنی
گفت ترانہ بس بود رحمت بیکران من

عشق نے میرے ظاہری علم وعقل کی تھیلی کو جب کاٹنا چاہا تو میں نے کہا کہ ارے یہ کیا کرتا ہے۔اس نے کہا کہ کیا میری رحمت بے پایاں تیرے لیے کافی نہیں۔مراد یہ کہ حق تعالیٰ کی محبت میں نفس کی خواہشات کا خون کرنے میں دریغ اور پس وپیش اور تاخیر نہ کرو کہ اس ویرانی ہی میں وہ اپنے قرب کے خزانے کو رکھتے ہیں اور اپنی رحمت بیکراں سے ہر وقت اس بندہ پر متوجہ رہتے ہیں۔

برگ نداشت ایں دلم می لرزید برگ وش
گفت مترس کامدی در حرم امان من

مجاہدات سے میرے قلب کے باغ و بہار کے پتے جھڑ گئے اور ابھی باقی ماندہ کے خوف سے کانپ رہا تھا کہ عشق نے کان میں خوشخبری دی کہ مت ڈر اب تو میرے امان کے حرم میں آ گیا ہے۔یعنی اب تیری حفاظت خدائے پاک فرمائیں گے کہ جو اُن کا ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس کے ہو جاتے ہیں۔

بر تو زنم ترانۂ مست ابد کنم ترا
تاکہ یقین شود ترا عشرت جاودان من

عشق حق کی طرف سے حکایۃً مولانا فرماتے ہیں کہ اے عاشق! میں ایسا ترانہ تجھے سناؤں گا کہ تجھے مست ابد کردوں گا (یعنی عشق حق کی دولت سے غیر فانی بہار عطا ہوتی ہے) اور اس وقت تجھے میرا عیش جاوداں معلوم ہوگا۔یعنی اہل اللہ کی باطنی لذت وحلاوت جو قرب خداوندی سے عطا ہوتی ہے دائمی ہوتی ہے۔

سینہ چو بوستاں کند دمدمۂ بہار من
چہرہ چو ارغواں کند بادہ گلستان من

ارشاد ہے کہ اے عاشق میرے بہار کا دمدمہ تیرے سینے کو مثل بوستاں کرے گا اور میرا بادۂ گلستاں تیرے چہرہ کو مثل ارغواں کرے گا چنانچہ خدائے پاک کے عاشقوں کا یہی حال پُر لطف رہتا ہے۔

من بکنم خموش تا شمس ختم بنطق خود
باز بگویدم بگو بلبل گلستان من

میں اب خاموش ہوتا ہوں تاکہ میرے مرشد شمس تبریزیؒ اپنی زبان مبارک سے فرمائیں کہ گلستانِ باطن

Marfat.com

کے بلبل پھر کلام عاشقانہ و عارفانہ سے چہچہانا شروع کر۔

چہ بہ پیش کوہ حلمت گنہان چو کاہ آمد
بگناہ چوں کہ ما نظر حقارتے کن

اے خدا! آپ کے کوہ حلم و کرم کے سامنے ہمارے گناہ مثل تنکے اور گھاس کے ہیں پس آپ اپنی رحمت سے ہمارے پہاڑ جیسے عظیم گناہوں کو بھی نگاہِ حقارت سے دیکھیے یعنی ان کو معاف فرما دیجیے۔

تن ما و قطرۂ بد کہ ز لطف آدمی شد
صفت پلید را ہم صفت طہارتے کن

ہمارا جسم ایک قطرۂ منی تھا وہ آپ کے لطف سے آدمی ہوگیا پس ہمارے ناپاک اخلاق و صفات کو پاکیزہ اخلاق و صفات عطا فرما دیجیے۔

ز جہان غیب جانہا چو اسیر آب و گلِ شد
تو ز دار حرب گلشاں برہاں و غارتے کن

عالم غیب سے ہماری ارواح جب دنیا میں اجسام کے آب و گل میں اسیر ہوگئیں تو آپ اس دارحربِ و آب و گل سے ہماری ارواح کو رہائی دے دیجیے اور مقابلہ نفس و شیطان کے لیے ہمیں حملہ و غلبہ کی طاقت عطا کیجیے۔

از من گریز تا تو اندر بلا نیفتی
بگویں رہ سلامت ترکِ رہِ بلا کن

عشق کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے عاشق تو اگر بلاؤں سے ڈرتا ہے تو دعویٰ عشق کا ترک کر دے تاکہ عشق تجھے بلا میں نہ پکڑے جس سلامتی کی راہ پسند ہو تو وہ رہِ بلا کو ترک کر دے اس مضمون سے ترک عشق کا مشورہ نہیں ہے بلکہ عاشقان حق کے لیے تحمل بلا و مشقت و مجاہدات کی ترغیب ہے۔

بر شاہ خوبرویاں واجب وفا نباشد
اے زرد روئے عاشق رو صبر کن وفا کن

مجاہدات کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس سلطان خوبرویاں پر وفا واجب نہیں ہے پس اے زرد رو عاشق تو صبر اختیار کر اور اپنی طرف سے وفا اختیار کر۔ مراد یہ کہ حق تعالیٰ کے جملہ الطاف بندوں پر فضلاً و احساناً ہیں رزق کے بارے میں علی اللہ رزقھا فرمایا اور علیٰ عربی میں وجوب کے لیے آتا ہے لیکن یہ وجوب بھی

Marfat.com

فضلاً واحساناً فرمایا ہے پس بندوں کو ناز کا مقام نہیں عبدیت واطاعت بجالائیں جس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ ایک دن حق تعالیٰ کرم فرما ہی دیں گے۔ اعمال صالحہ کر کے قبولیت کے لیے درخواست کرنا اور عدم قبولیت کا خوف رکھنا ہی عین ایمان ہے جیسا کہ یُؤْتُونَ مَآ اٰتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کی تفسیر میں تصریح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مذکور ہے کہ آیت ان کی شان میں نازل ہوئی جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن ڈرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہے یا نہیں۔ پس اُمید وخوف کے درمیان رہنا اور اعمالِ صالحہ میں سرگرم رہنا کمالِ عبدیت ہے۔

دردیست غیر مردن کاں روا دوا نباشد
پس من چگونہ گویم ایں درد را دوا کن

محبت اور عشق کا درد ایسا درد ہے جو مرنے تک ساتھ ہے سوائے موت اس کی کوئی دوا نہیں پس میں کس طرح کہوں کہ آپ اس درد کی دوا کر دیجیے۔ لہٰذا واعبد ربك یاتیك الیقین پر عمل کرتا ہے۔ یعنی موت تک اپنے رب کی غلامی میں لگے رہو۔

در خواب دوش پیرے در کوئے عشق دیدم
با دست اشارتم کرد کامے میل سوئے ما کن

رات خواب میں ایک پیر مرد کو کوئے عشق میں دیکھا اور مجھے انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میری طرف متوجہ ہو اور مجھ سے استفادہ کر۔ غالباً حضرت شمس الدین تبریزیؒ کو مولانا نے خواب میں دیکھا جو اس شعر میں مثال کے طور پر بیان کیا۔

گر اژدہا ست بر رہ عشق ست چوں زمرد
از برق آں زمرد ہیں دفع اژدہا کن

اگر راہِ عشق میں مجاہدات کے اژدہا ہیں تو عشق بھی زمرد صفت ہے پس زمرد کے برق سے اس اژدہا کو دفع کر دو یعنی حق تعالیٰ کی محبت حاصل کر لو پھر راستے کی تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ جس طرح بال بچوں کی محبت ہونے کی وجہ سے ان کی ذمہ داریاں اٹھانے میں لطف آتا ہے۔ اگر محبت نہ ہو صرف قانون ہو تو جان مشکل میں پڑ جاتی ہے۔

گفتم کہ اے امیرم شادت کنار گیرم
بسیار لابہ کردم گفتا کہ نیست امکاں

میں نے بارگاہِ حق میں عرض کیا کہ اے محبوب آپ سے وصالِ حسی چاہتا ہوں اور بہت تضرع وزاری و الحاح سے یہ درخواست کی تھی لیکن ارشاد ہوا کہ میں زمان ومکان سے منزہ ہوں یہ ممکن نہیں۔

Marfat.com

گفتم بیا و فا کن وین ناز را رہا کن

لعل نگین بمن دہ گفتا کہ نیست آن کاں

پھر میں نے درخواست کی کہ آیئے اور نگاہِ لطف مجھ پر کیجیے اور استغنا کا ظہور نہ فرمایئے اور لعل وصال عطا فرمایئے ارشاد ہوا کہ نہیں یہ کان ایسا نہیں۔

گفتا کہ من فنایم من در کنار نایم

نقشے ہمی نمایم از بہر درد منداں

ارشاد ہوا کہ میں عرض و جوہر سے پاک ہوں بے کیف و بے کم ہوں حساً وصال عباد کے لیے ممکن نہیں البتہ اپنے دردمندوں کے لیے اپنی نشانیاں کائنات میں پھیلا دیا ہے۔

گفتا ز صد یکے تو باور کجا کنی تو

طفلے درست ابجد بر گیر لوح و میخواں

پھر الہام فرمایا کہ اے مخاطب یہ تکوینی اسرار ہیں جو تیری فہم سے بالاتر ہیں (پس تجھے احکام تشریعی کی تابعداری ہی جنت میں دیدار سے مشرف کرے گی) اس وقت تم بچے ہو اور ابجد سیکھ رہے ہو پس تختی کی مشق کرتے رہو مراد یہ کہ روح کا کمال اور بلوغ ابھی حاصل نہیں۔ نیز عناصر کے ساتھ ارتباط بھی مانع صلاحیت دیدار ہے۔

بسیار اشک راندم تا دیر مست ناندم

ناگہ بروں شد آں شہہ چوں جان ز جسم انساں

بالآخر میں بہت دیر تک روتا رہا اور دیر تک مست رہا کہ اس شاہ حقیقی نے اچانک ایک تجلی قرب کی ظاہر فرمائی جس طرح سے کہ جان باہر نکل پڑتی ہے بدون اطلاع جسم انسان سے۔

داغے بماند حاصل زاں صحبت اندریں دل

داغے کہ از تو دارم بہہ از ہزار درماں

آہ وہ تجلی خاص تو آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ ہر چند کہ

یعنی طمع مدار دوام وصال را

کہتا ہوں لیکن قلب پر وہ تجلی ایک داغِ ہجراں دے گئی۔

Marfat.com

ہر تن کہ بے سر آید بر گردنش تو سر نہ

داغے کہ از تو دارم بہ از ہزار درماں

اے خدا اپنے سر بریدۂ عشق کی گردن پر آپ سر رکھیے یعنی ان کو سر بلندی عطا فرمایئے اور جو متکبرین ہیں ان کے سرِ تکبر کو خنجر سے اُڑا دیجیے۔

زاں آب آتش دل ہرگز نمیرد اے جاں

لیکن شود زیادہ اللہ اکبرش زن

آپ کی اس تجلی سے آتشِ دل بجھ نہیں سکتی بلکہ بعد تجلی استتار سے اور پیاس زیادہ ہوگئی پس اے اللہ اپنی عظمت و کبریائی کے صدقے اور قوی تجلی قرب کا ظہور فرمایئے۔

تجلی کے بعد اس کا استتار سالکین کے شوق و عشق کی تربیت کرتا ہے۔

چوں جاں تو نیستانی چوں شکرست مردن

با تو زجان شیریں شیریں ترست مردن

جب جان کے لیے آپ مثل نیستاں ہیں تو آپ پر مرنا بھی شکر کی طرح شیریں ہے۔ اے خدا آپ کی راہ میں جان دینا جان شیریں سے بھی زیادہ شیریں ہے۔

دلا تو شہد منہ در دہان محروراں

حدیث بدر مگو با جماعت کوراں

اے دل تو گرم مزاج والوں کے منہ میں شہد مت ڈال یعنی جو خود آتش عشق سے جل رہے ہیں انھیں یہ کلامِ آتشیں مت سنا۔ اسی طرح بدرِ کامل کی روشنی کا جمالِ رنگین نابینا لوگوں کے سامنے مت بیان کر یعنی اہل ظاہر اور قلب سنگلاخ کے سامنے عشق و درد کی بات سنانا عبث ہے۔ مراد یہ کہ اہلِ محبت کے لیے محبت کی باتیں راس آتی ہیں مگس کو پروانہ اور شمع سے کیا مطلب۔

درون خویش بکن پاک تا برون آیند

ز پردہ ہائے تجلی چو ماہ مستوراں

اپنے باطن کو نفس کی گندگی سے پاک کر لو یعنی کسی اللہ والے سے تعلق خاص قائم کر کے اپنے نفس کا تزکیہ کرالو پھر اپنے باطن کے آئینۂ صاف میں حق سبحانہ تعالیٰ کے قرب کی تجلیات خاصہ کو تم مشاہدہ کر سکو گے جس طرح سے ابر روشن کے ہٹنے سے بدر کامل نظر آتا ہے۔

Marfat.com

چوں نیست عشق ترا بندگی بجا آر
کہ حق فرو نہد مزد ہائے مزدوراں

اے مخاطب اگر تو اپنی روح اور قلب میں عشق نہیں محسوس کرتا اور عاشقاں حق کے یہ احوال کیف و مستی تجھے اس سبب سے افسانے معلوم ہوتے ہیں (جس طرح کہ عنین کے لیے لذت جماع کا ادراک ناممکن ہوتا ہے) پس اس عدم صلاحیت ادراک عشق و مستی سے تو مایوس نہ ہو تو بھی عبادت کیے جا جو کہ تیرے اختیار میں ہے حق تعالیٰ ہرگز کسی مزدور کی مزدوری دینے میں کمی نہ فرمائیں گے اور ممکن ہے کہ اس طرح عبادت میں چونکہ مشقت زیادہ ہوتی ہے اس لیے اجر بھی زیادہ پائے۔

پناہ گیر تو در زلف شمس تبریزی
کہ مشک بار و تا وار ہی ز کافوراں

اے مخاطب تو اگر عشق سے محروم ہے تو میرے مرشد حضرت شمس تبریزیؒ کی صحبت کو لازم پکڑ کیونکہ ان کی زلف کے سائے میں (جو مشکبار ہیں) خوشبوئے قرب خداوندی سے تیری روح کو بھی حصہ مل جائے گا۔

جاناں توئی کلیم و منم چوں عصائے تو
گہہ تکیہ گاہ گشتم و گہہ اژدہائے تو

پس آپ کے دست قدرت میں کبھی تو میں مثل عصائے موسیٰ ہوں اور آپ کے صفات جمیلہ کا مظہر ہوں اور کبھی مثل اژدہا ہوں اس وقت صفات قہر کا مظہر ہوں۔

در دست فضل و رحمت تو یارم و عصا
مارے شوم چو افگندم اِبتلائے تو

آپ کے فضل و رحمت سے میں آپ کے لیے محبت و رضا کے اعمال کرتا ہوں اور جب ہماری شامت اعمال سے آپ اپنی عنایت ہٹا لیتے ہیں تو میں سانپ ہو جاتا ہوں اور زہریلے اعمال ہم سے صادر ہونے لگتے ہیں۔

میگرد آسماں ہمہ شب با ہزار شمع
در جُست و جوئے چشم خوش دلربائے تو

اے خدا! یہ آسمان بے شمار ستاروں کے چراغ کے ساتھ رات بھر آپ کی نظر عنایت کو ڈھونڈھنے کے

Marfat.com

لیے گردش کرتا ہے۔

کز خانہ و دکان ہوائے تو شد خراب
رہ یافت لا جرم بخرابم صبائے تو

اے خدا آپ کی محبت نے جس کی دکان اور گھر کو خراب کیا ہے یقیناً وہ دیوانہ آپ کی گلی میں آپ کے نسیم کرم کو پالے گا۔

اے جاں اگر رضائے تو غم خوردن ویست
صد دل بغم سپارم بہر رضائے تو

اے خدا اگر آپ کی رضا اسی میں ہے کہ آپ کے عشق کا ہم غم کھاتے رہیں اور اپنی خواہشات کا آپ کی تیغ مرضیات سے خون کرتے ہیں تو ہم اس غم کے لیے اپنے سینکڑوں دل آپ کی رضا کے لیے قربان کرتے ہیں۔

از زخم ہاون غم خود خوش مرا بکوب
زیں کوفتن رسد بنظر تو تیائے ما

اے محبوب حقیقی آپ اپنی محبت کے درد کے ہاون دستہ سے ہم کو خوب پیسیے آپ جتنا ہی مجاہدات کے کھرل میں ہم کو پیسیں گے اسی قدر ہماری باطنی صفائی ہو کر آپ کے تجلیات قرب کے لیے نگاہ بصیرت تیز ہوگی۔

بر عاشقاں فریضہ بود جست و جوئے او
بر روئے سر چو سیل روانست جوئے او

آپ کی جستجو و تلاش ہم عاشقوں پر فرض ہے جب کہ آپ کی نہر مثل سیلاب ہمارے سروں پر بہہ رہی ہے۔ یعنی جبکہ اسباب قرب و معرفت کو آپ نے آسان فرما دیا ہے تو ہماری نالائقی و ناسپاسی ہوگی کہ ہم کو رباطن رہیں۔

تا عکس آں طلب نبود کے طلب کنم
پس جست و جوئے ما ہمہ از جست و جوئے او

جب تک آپ کی محبت و طلب کا عکس ہمارے قلوب پر نہیں پڑتا ہم آپ کی کب طلب کر سکتے ہیں پس ہماری جستجو آپ کی خاطر دراصل آپ کی تلاش کا عکس ہے۔

Marfat.com

گاہے بجوئے دوست چو آب رواں کنیم

گاہے چو آب حبس شدہ در سبوئے او

کبھی دوست کی نہر میں مثل آبِ رواں بہہ رہے ہیں اور کبھی دوست کے سبو میں مثل آبِ محبوس کے مقید ہیں قبض وبسط ذوالجلال کی ان مختلف شانوں کو ان عجیب مثالوں سے بیان فرمایا ہے۔

بگذاردت ز ناز و چو مویت کند ضعیف

بدہی دو کون را بہ یکے تار موئے او

اے طالب عشق تیرے ناز کو ختم کرتا ہے اور تجھے مجاہدات کی آگ میں گھلا کر ضعیف و ناتواں کرتا ہے تاکہ تیری روح میں دونوں جہاں حق تعالیٰ پر فدا کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

تصویر ہائے نا خوش و اندیشہ رکیک

از طبع سُست باشد و نبود ز سوئے او

خدا کا راستہ بے غبار ہے اور دشواری کے خیالات اور رکیک اندیشے یہ تمہاری سست و کاہل طبیعت کے آثار وعکوس ہیں اُدھر سے تو عنایت ہی عنایت ہے۔ جیسے زبان پر بلغم اور زکام کا اثر ہو تو بہت اچھے کھانے اور بہت اچھے شربت کا لطف کیا ملے گا بلکہ اور گرانی معلوم ہوگی۔

خاموش باش تا صفت خویش خود کند

بے ہائے ہائے سرد تو آں ہوے ہوئے او

اب خاموش ہو جاؤ تاکہ اے رومی حق تعالیٰ کی طرف سے الہامات اور واردات کا سلسلہ شروع ہو اور حق تعالیٰ اپنی صفات کو خود بیان فرمائیں اور اب اپنی آہ سرد کو بند کر کے ان کی طرف سے ہو ہو کی آواز سنو۔

خوش خراماں می روی اے جانِ جاں بے من مرو

اے حیات دوستاں در بوستاں بے من مرو

اے مرشد! اے جانِ من! خوش رفتاری سے تنہا نہ جایئے، مجھے بھی ہمراہ لے لیجیے۔ اے حیاتِ دوستاں! بوستانِ قرب کی راہ میں بدون ہمیں ساتھ لیے تنہا نہ سفر کیجیے۔

صوفیان ہم آمدہ در کوئے تو

شئے اللہ از جمال روئے تو

اے مرشد شمس الدین تبریزیؒ آپ کے درِ دولت پر ہم طالبین برائے حصولِ فیض حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ

Marfat.com

کے نام پر اپنے روحِ عارف کے چہرۂ تاباں سے کچھ عطا کر دیجیے۔

از عطش ابریقہا آوردہ ام
کاب خوبے نیست جز در جوئے تو

ہماری روح تشنگی (حق تعالیٰ کی پیاس) کے سبب اپنے ساتھ لوٹا (ابریق) بھی لائی ہے۔ ہمارے طلب کے برتن میں کوئی خوبی نہیں سوائے آپ کی دریائے عطا کی خوبی کے۔

ہاں بدہ نقد بدر ویشان خود
اے ہمیشہ لطف و رحمت خوئے تو

ہاں اے شمس تبریزیؒ! اپنے درویشوں کو نقد موتی (فیضانِ معرفت) عطا کیجیے۔ اے وہ ذات گرامی کہ آپ ہمیشہ طالبانِ حق پر لطف وعطا کے خوگر ہیں۔

حسن یوسف قوت جاں شد قحط سال
آمدیم از قحط ماہم سوئے تو

ہماری ارواح کے لیے غذائے روحانی کا (یعنی محبت و معرفت کا) قحط ہے اس لیے اے حُسن یوسف (یعنی اے مرشد کہ معناً تعلق مع اللہ کے فیض سے آپ کی روح حسین تر ہے) آپ کے پاس ہم حاضر ہوئے ہیں جس طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے پاس غلّہ مانگنے گئے تھے (بوجہ خشک سالی وقحط کے) ہم بھی آپ سے روحانی بھیک مانگتے ہیں۔

صوفیاں را باز حلوا آرزو ست
از لب حلوائے دلجوئے تو

صوفیوں کو آپ سے حلوائے معرفت کی آرزو ہے یعنی آپ کے شیریں لبوں سے جو اسرارِ معرفت بیان کر کے طالبینِ حق کی دلجوئی کرتے ہیں ہم بھی امیدوار ہیں۔

ولولہ در خانقاہ افتاد دوش
مشک پر شد خانقاہ از بوے تو

کل آپ کی خانقاہ میں عجیب ولولہ تھا یعنی فیضانِ خاص سے طالبین مست ہو رہے تھے اور ذکر حق سے تمام خانقاہ مشک کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی اور مشکبار ہو رہی تھی یعنی بوئے دلبرِ حقیقی ہماری جانوں پر مُشک ریز تھی۔

Marfat.com

دست بکشا جانب زنبیل ما
آفریں بر دست و بر بازوئے تو

اے مرشد! ہمارے زنبیل (کاسۂ گدائی) کی طرف دست عطا دراز کیجیے یعنی اپنے فیضان وتوجہ اور دعائے خصوصی اور اسرار عشق ومعرفت اور اصلاح نفس کے بیان کی بھیک عطا فرمایئے اور ہم آپ کے دست و بازوئے کرم پر آفریں کہتے ہیں اور دُعا گو ہیں۔

شکر ایزد را کہ دیدم روے تو
یافتم ناگہ رہے من سوئے تو

اے مرشد! خدا کا شکر ہے کہ آپ کا دیدار اور آپ کی صحبت ہم کو نصیب ہوئی۔ اچانک ہم آپ کی ملاقات کی راہ پا گئے۔

چشم گریانم ز غصہ تیرہ شد
یافت نور از نرگس جادوئے تو

ہماری آنکھیں نفس کے غیظ وغضب اور شر سے تاریک اور فاقد البصیرۃ ہو رہی تھیں اے مرشد! آپ کی نگاہ فیض سے وہ روشن ہوگئیں۔ دور بینان بارگاہ الست کی صحبت کی یہی تاثیر ہوتی ہے۔

من چہ گفتم کو فلاح کو نجات
برد ایں کوکو مرا در کوئے تو

میں کیا کہوں کہ فلاح اور نجات کا راستہ کدھر ہے مجھے تو یہ کوکو آپ کی گلی تک لائی ہے کوکو سے مراد غالباً کوئل کی آواز ہے جس کا مفہوم اہل عشق یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ محبوب کہاں ہے؟ وہ محبوب کہاں ہیں؟

از کف اقبال و دولت نوش یافت
ایں لبانِ خشک مدحت گوئے تو

اے مرشد تبریزیؒ ہمارے خشک لب آپ کے دستِ اقبال و دولت سے سیراب ہوگئے۔ اس لیے آپ کی مدح اور تعریف میں ہم مشغول ہیں۔

آسماں جاہے کہ باشد فرش تو
شیر مردے کو بود آہوئے تو

اے خدا! آسمان عزت والا اس وجہ سے ہے کہ وہ آپ کا فرش یعنی مطیع وفرمانبردار ہے اور شیر مرد وہی

Marfat.com

ہوتا ہے جو آپ کا گرویدہ اور دیوانہ ہوتا ہے۔

شاد بختی کز غم تو قوت یافت

پہلوانے کو بود پہلوئے تو

اے خدا! آپ کی محبت کا غم جس کو عطا ہوا وہ اقبال مند اور خوش بخت ہو گیا۔ اور وہی دراصل نفس پر غالب اور پہلوان ہو گیا جس کو آپ نے اپنا قرب بخشا۔

جست و جوئی درد لم انداختی

تاز جست و جو شدم در جوئے تو

اے خدا! آپ کے کرم نے ہماری روح میں اپنا درد عالم ارواح میں بخش دیا تھا آج اسی درد پنہاں کا فیض ہے کہ ہم آپ کے دریائے قرب سے وصال کے متلاشی اور طالب ہیں۔

خاک را ہائے و ہوئے کے بُدے

گر نبودے جذب ہائے و ہوئے تو

اے خدا! اس جسم خاکی سے آپ کی محبت میں یہ ہائے ہائے اور آہ و نالے کب نکل سکتے تھے اگر آپ کی طرف سے ہماری ارواح کو آپ کا جذبِ پنہاں نہ یاد کرتا۔

آب دریا تا بکعب آن کس ست

کو دہد یک بوسہ بر زانوئے تو

جس نے آپ کے زانو کو بوسہ دیا، دریائے کائنات اس کے کعب تک یعنی صرف ٹخنے تک ہے مراد یہ کہ اے خدا جس نے آپ کے قرب کی لذت دل میں پالی، اس کی نگاہوں سے کائنات کے ہنگامے بے قدر ہو گئے آپ کی محبت کے باقی ہنگامہ نے دنیا کے فانی ہنگامہ کو سرد کر دیا۔

مطربا اسرار ما را باز گو

قصہ ہائے جان فزا باز گو

اے مرشد! اسرار روح کو پھر بیان کیجیے اور اس قصۂ جانفزا کو پھر سنایئے۔

من دہن بر بستہ ام امروز بیں

تو حدیث دلکشا را باز گو

اے مرشد! میں خاموش ہوں تا کہ آپ حدیث دلکشا کو پھر سنائیں۔

Marfat.com

من گراں گوشم بنہ رخ بر رخم
وعدہ آں خوش لقا را باز گو

اے محبوب مرشد! میں اونچا سنتا ہوں اپنا چہرۂ مبارک میرے رُخ پر رکھ کر گفتگو کیجیے تا کہ آواز صاف سنائی دے سکے۔ ہاں آپ میرے محبوب حقیقی کی معرفت کی بات پھر سنائیے۔

ماجرائے رفت جاں را در ازل
باز گو آں ماجرا را باز گو

ہاں اے مرشد تبریزیؒ وہ عالم ازل کا واقعہ پھر سنائیے کہ اس ساقی الست پر ارواح کس طرح فدا ہوئیں تھی۔ ہاں پھر اس ماجرا کو سنا دیجیے۔

مخزن انا فتحنا بر کشا
سرّ جان مصطفیٰ را باز گو

اے مرشد تبریزیؒ! خزانہ انا فتحنا کے اسرار بیان کیجیے اور سرِّ جان پاک مصطفوی ﷺ کو پھر بیان کیجیے۔

مستجاب آمد دعائے عاشقاں
اے دُعا گو آں دُعا را باز گو

اے مرشد تبریزیؒ! عاشقوں کی دعائے بارگاہ کبریا میں مقبول اور مُستجاب ہے پس اے دُعا کرنے والے اس دُعائے مقبول کا پھر اعادہ کیجیے۔

چوں صلاح الدین جان عاشقان
آں صلاح جاں ما را باز گو

اس وقت حضرت صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ عاشقانِ حق کی تسلی کے سامان ہیں پس اس محبوبِ ارواحِ عارفین صلاح الدین کا تذکرہ پھر کیجیے۔

اے ہمہ سر گشتگان حیران تو
آفتاب از آسمان پر سان تو

اے خدا! جملہ سرگشتگانِ محبت آپ کی معرفت سے عالم تحیّر میں ہیں اور آفتاب آسمان پر آپ کی جستجو میں سرگرداں ہے۔

Marfat.com

چشم بد از روئے خوبت دور باد
اے ہزاراں جان فدائے جان تو

اے مرشد شمس الدین تبریزیؒ آپ کے چہرۂ تاباں کو خدائے پاک نظر بد سے محفوظ رکھیں کہ ہزاروں طالبین کی جانیں آپ پر فدا ہو رہی ہیں۔ جو بھی خدا کی راہ میں مقتول اور دیوانہ ہوتا ہے وہی دوسروں کو مقتول اور دیوانہ کرتا ہے اللہ والے پہلے خود کو جلاتے ہیں اور اپنے نفس کو مٹاتے ہیں یعنی تیغ حق سے مقتول ہوتے ہیں۔

گاؤ شیر و برّہ و جدے و فلک
ہست اے شاہ جہاں قربان تو

اے شاہ جہاں سب آپ پر فدا و قربان ہیں۔ گاؤ شیر و برّہ و جدی سے مراد یہاں بروج آسمانی ہیں جن سے آفتاب ہو کر گزرتا ہے اور برّہ برج حمل کا نام ہے جس میں جب سورج ہوتا ہے تو موسم بہار ہوتا ہے۔

زانکہ قربانہا ہمہ باقی شود
در ہوائے عید بے پایاں تو

اے خدا آپ کی رضا کی خاطر جو قربان ہوتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے باقی ہو جاتا ہے **ما عند کم ینفد و ما عند اللہ باقی الایہ** خدائے پاک کا ارشاد ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

مراد یہ کہ اپنی جان و مال و آبرو اگر خدا کے نام پر لٹا دیا تو تمہاری جان مع اپنی متاع دولت و آبرو پائندہ باد ابدالاباد کے لیے ہو جائے گی اور اگر صرف دنیا پر فدا رہے تو دنیا و مافیہا تو فانی ہے پس اسی لپیٹ میں تم اور تمہاری جان و متاع بھی آ جائے گی۔

اے خدا ایں باغ را سرسبز دار
در بہارستان بے دوران تو

اے خدا! اپنے باغِ قرب و معرفت کو سرسبز رکھیے کیونکہ اس کا تعلق آپ کے بہارستان عالم لاہوت سے ہے جہاں دورِ شمس و قمر نہیں کہ انقلابِ لیل و نہار سے موسمِ بہارِ خزاں رسیدہ ہو جائے جیسا کہ اس عالم ناسوت (دنیا) میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

تا کہ ارواح و ملائک می چرند
دائما از باغ نخلستان تو

اے خدا! تا کہ ارواحِ اولیاء کی اور ملائکہ کی آپ کے نخلستان کے باغ سے ہمیشہ قرب و معرفت کے پھل کھاتی رہیں۔

ایں شکر خانہ ہمیشہ باز باد
پر نبات شکر پنہان تو

اے خدا آپ کی محبت کا شکر خانہ ہمیشہ آباد رہے یعنی آپ کے قربِ معرفت کی پنہاں حلاوت کی مصری اور شکر سے پُر ہو۔

آب ایں جوائے خدا تیرہ مباد
تا بہر سو میرود احسان تو

اے خدا آپ کے اس دریائے عطا کا پانی کبھی مخفی نہ ہو تا کہ ہر طرف آپ کے احسانات کی نوازش عام رہے۔

ورنہ ایں خاک از کجا عشق از کجا
گر نبودے جذبۂ از جان تو

اے خدا اگر آپ کی طرف سے جذب پنہاں کار فرمانہ ہوگا تو ہمارے خاکی اجسام میں عشق کی دولت اور آپ کی طرف انجذاب کا درد کہاں سے آئے گا۔

خاک خشکے مست شد بو میزند
آن تست ایں آن تست ایں آن تو

اے خدا! انسان کی ایک مشت خاک کا آپ کی محبت و عشق سے دیوانہ اور مست ہونا اور اس مشت خاک انسانی سے آپ کی محبت کی خوشبو محسوس ہونا یہ آپ ہی کی شان اور عظیم قدرت کا کرشمہ ہے اور آپ ہی کی آن ہے اور آپ ہی کی عطا ہے۔

دے مرا پرسید لطفش کیستی
گفتم اے جاں گربہ در انبان تو

کل اس کے لطف نے دریافت کیا کہ اے رومیؔ تو کون ہے میں نے کہا اے محبوب! میں آپ کی تھیلی یا جھولی میں مثل بلی ہوں (جدھر آپ چاہیں لے جائیں)۔

Marfat.com

گفت اے گربہ گمان بدمبر
کہ ترا شیرے کند سلطان تو

پھر میرے دوست نے کہا کہ اے رومیؔ تم نے تواضع اور مسکنت سے اپنے متعلق بلّی کی مثال دی تو تم میرے کرم سے حسن ظن رکھو کہ تمہارا سلطان حقیقی اپنے کرم سے تمہیں شیر مرد بنا دے گا۔یعنی گروہ رجال اللہ (مردان خدا) میں داخل فرمالے گا۔

گرچہ از نطق من اے شمس الہدیٰ
گشت ظاہر در جہاں بُرہان تو

اے مرشد یہ اشعار اگرچہ میری زبان سے نکل رہے ہیں مگر چونکہ آپ کے فیضانِ خاص سے ہو رہے ہیں اس وجہ سے کائنات میں یہ آپ کی ذات وصفات پر بُرہان ودلائل بنیں گے۔

اے بہ مردہ جان و تن در پائے اُو
ہر دو عالم غرقۂ دریائے اُو

اے وہ ذات پاک کہ جس کے قدموں پر ارواح اور اجسام فدا ہو رہے ہیں اور دونوں جہاں اس کے دریائے جودوکرم میں غرق ہیں۔

آتش عشقت ہمی سوزد جہاں
اے خدا ہیہات از ہیہائے او

اے شمس الدین تبریزیؒ آپ کے عشق کی آگ نے ایک جہاں میں آگ لگا رکھی ہے، اے خدا! حیرت آپ کے اولیاء کی تاثیر ہائے وہو سے جس دل کے فیضان نے لاکھوں دل روشن کردیے اس دل میں ایک آگ بھری ہوگی۔

چوں مثالے را نویسد از فراق
خوں ببارد از غم طغرائے او

اے خدا جس وقت شمس الدین تبریزیؒ آپ کی جدائی کے غم کی کوئی مثال دیتے ہیں تو اس کا سلطانی رسم الخط بھی غم سے خون برساتا ہے۔

ہر کہ دائم از چناں مہہ دور شد
اے خدایا ثون بود شبہائے او

اے خدا جو آپ کے قرب سے اور آپ کی یاد کی لذت سے محروم ہے تو اس ویران روح کی راتیں کس

Marfat.com

طرح منحوس گزرتی ہوں گی۔

خیمہ بر خیمہ طناب اندر طناب
پیش شاہ عشق و لشکر ہائے او

سلطانِ عشق اور لشکر ہائے عشق کے سامنے خیمے اندر خیمے اور طناب اندر طناب ہوتے ہیں مراد یہی کہ عاشقانِ خدارات دن حقائق و معارف اور قرب وانس کی نت نئی لذت اور کیفیت سے سرشار اور سرمست ہوتے ہیں۔

خیمۂ جان را ستوں از نور پاک
نور جاں از تابش سیمائے او

عشاق حق کی ارواح کے لیے جو خیمے ہیں ان کے ستونِ نور کے انوار دراصل حق تعالیٰ شانہ کی تجلیات کا عکس اور پرتو ہوتی ہیں۔

در کدامیں پردہ پنہاں ست عشق
کس نہ بیند کس نداند جائے او

نہ جانے کس پردہ میں عشق پوشیدہ ہوتا ہے کوئی شخص آج تک عشق کی قیام گاہ نہیں جانتا ہے۔

عشق چوں خورشید ناگہ سر کشد
بر شود تا عرش حق غوغائے او

لیکن عشق آفتاب کی طرح جب سر نکالتا ہے تو اس کے آہ و نالوں کا شور و غوغا عرشِ حق تک جاتا ہے۔

اگر بے تو برا فلاکم چو ابر تیرہ غمناکم
وگر بے تو بگلزارم بزندانم بجان تو

اے خدا آپ کے قرب سے محروم ہو کر اگر افلاک پر بھی رہنا ہو تو میں مثل ابر تاریک و سیاہ غمناک رہوں گا اور اسی طرح اگر آپ کے بغیر گلزار میں رہوں تو اے خدا آپ کی ذاتِ پاک کی قسم وہ گلزار آپ کے بغیر میرے لیے قید خانہ ہوگا۔

اگر با تو بہ بندم من بیاں شہد و قندم
وگر با تو بخارستاں بہ بستانم بجان تو

اگر اے خدا میری روح آپ کی ذاتِ پاک سے وابستہ رہے تو گویا میں شہد و قند کے درمیان ہوں نیز

Marfat.com

اس طرح اگر خارستان میں آپ کا قرب میسر ہو تو بخدا میرے لیے وہ خارستان بہارستان ہو گا۔

اگر پنہاں شوی از من ہمہ تاریکی کفرست
وگر پیدا شوی برمن مسلمانم بجان تو

اے خدا اگر آپ میری نظر اور میرے قلب و روح سے پنہاں ہو جائیں تو مجھے ہر طرف تمام عالم تاریک معلوم ہو گا، اور دل میں العیاذ باللہ کفر جیسی تاریکی معلوم ہو گی اور اگر آپ کے تجلیاتِ قرب میرے قلب و روح پر پھر متجلّی اور منکشف ہو جائیں تو بخدا! میں اس وقت مومن اور مسلمان ہونے کو محسوس کرلوں گا۔

سماع گوش من نامت شراب ہوش من جامت
عمارت کن مرا اخر کہ ویرانم بجان تو

میرے کان صرف آپ کا نام سنتے ہیں اور میرے ہوش صرف آپ کی محبت اور قرب سے بجا رہتا ہے پس اپنے کرم سے اپنا قرب خاص عطا فرما کر ہم کو آباد کر دیجیے۔ کہ بخدا آپ کے بغیر میں ویران ہوں۔

بعشق شمس تبریزی بہ بیداری و شب خیزی
مثال ذرہ سرگرداں پشیمانم بجان تو

بخدا حضرت شمس الدین تبریزی کے مقام عشق اور ان کی شب بیداری اور شب خیزی کے سامنے تو میں ایک ذرۂ سرگرداں کے مثل پشیماں اور نادم ہوں۔ یہاں مولانا رومیؒ نے اپنے شیخ کے مقابلے میں اپنی فنائیت پیش کی ہے اور طالب کو یہی سمجھنا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی ترقی کر لے۔

اگر نہ عاشق اویم چہ میگردم بکوئے او
وگرنہ تشنۂ اویم چہ میجویم ز جوئے او

اگر میں خدائے پاک کا عاشق نہیں ہوں تو ان کی گلی میں کیا چکّر لگا رہا ہوں اور میری روح اگر ان کی پیاسی نہیں ہے تو ان کے دریائے قرب سے میں کیا تلاش کر رہا ہوں۔ مولانا رومیؒ کی مراد یہ ہے کہ عاشقانِ حق کی شب بیداری اور ذکر و فکر اور ان کا مجاہدہ یہی ان کے عشق باطنی کی دلیل ہے۔

ببر عقل و ببر ہوشم کہ چوں پنبہ است در گوشم
چہ گوشم رست ازیں پنبہ در آید ہائے ہوئے او

اے عشق! تو میری عقل اور ہوش کو اُڑا دے کہ یہ تیرے کان میں محبوب کی آواز سننے سے مثل روئی بندش ہے یعنی عقل اور حواس خمسہ کے مدرکات نے ہم کو عناصر کے غوغائے فانی میں اس طرح مشغول کر رکھا

Marfat.com

ہے کہ عالم قدس اور عالم غیب کی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے سکتی لہٰذا اس عقل و ہوش سے دیوانگی اور بے خودی کی راہ پکڑنی چاہیے۔ آگے دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ یہ اچانک عالم غیب سے ہائے ہوئے کی آواز کیوں محسوس ہونے لگی کیا میرا کان اس پنبۂ غفلت سے خلاصی پا گیا جو مانع ادراکِ اصواتِ غیبیہ تھا۔

ہمی گوید دل زارم کہ من ز وعدہ ہا دارم

نیا شامم شرابے من بجز خون عدوے او

میرا قلب مضطر یہی پیغام دیتا ہے کہ میں نے بہت سے وعدے روزِ ازل کیے ہیں پس میں کسی شراب سے آسودہ نہیں ہو سکتا ہوں بجز اعداء اللہ کے خون سے۔ اس میں مولانا نے تمنائے جہاد و جانبازی بیان فرمائی ہے۔

چہ باشد ماہ یا زہرہ چو او بکشاید آں چہرہ

چہ دارد قند یا شہدے ز شیرینی روے او

اس محبوبِ حقیقی کے روئے تاباں اور جمال قدیم کے سامنے کسی چاند اور زہرہ ستارہ کا جمالِ حادث کیا دم لے سکتا ہے اور شہد اور قند کی شیرینی اس شہد ساز اور قند ساز کے روئے شیریں کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔

مرا ہر دم بر انگیزی ز شوق شمس تبریزی

بگو اے دل مرا تا کے بیندازی بسوئے او

حضرت شمس تبریزیؒ کی ملاقات کا شوق ہر وقت مجھے برانگیختہ اور مضطر کرتا ہے بتا اے دل کہ کب تک مجھے تو اس محبوب کی طرف پھینکتا رہے گا۔

اے کشرور است می روی دوش چہ خوردۂ بگو

مست و خراب می روی خانہ بخانہ کو بہ کو

اے مرشد شمس تبریزیؒ رات آپ نے طاعات نافلہ تہجد و تلاوت اور آہ و نالوں اور مناجاتِ خونِ جگر سے کس قدر غذائے مغفرت و محبت نوش کر لیا ہے کہ اس کے اثر سے آپ کی چال مستانہ ہو رہی ہے یعنی کبھی داہنے کبھی بائیں جھکے جا رہے ہیں آپ کا خانہ بہ خانہ اور کو بہ کو اس طرح مست و خراب چلنا پھرنا آپ کی مخفی باطنی دولت قربِ حق کے نہایت وافر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

با تو حریف می شوم چشم و چراغ روشنی

خفیہ چو ماہیاں روی حوض بہ حوض جو بہ جو

اے مرشد تبریزی میں آپ کے ساتھ غذائے معرفت و محبت نوش کرنے میں آپ کا رفیق و حریف رہنا

Marfat.com

چاہتا ہوں جہاں بھی اور جس مقام قرب پر بھی آپ خفیہ طور مثل مچھلیوں کے حوض بہ حوض اور نہر بہ نہر سفر کریں۔

راست بگو نہاں مکن پشت بہ عاشقاں مکن

چشم کجا ست تا کہ من آب کشیم سو بہ سو

اے مرشد تبریزیؒ! سچ سچ بتا دیجیے اپنے قرب پنہاں کے مقام کو مجھ سے نہ چھپایئے۔ اور اپنے عاشقوں کی طرف پشت نہ کیجیے۔ آپ کی آنکھیں کدھر ہیں میں آپ کی آنکھوں سے کچھ پینا چاہتا ہوں۔

چوں بشناخت بندہ را بندۂ کژ روندہ را

گفت بیا بہ نزد من چند روی تو سو بہ سو

حضرت مرشد تبریزیؒ نے جب مجھے پہچان لیا کہ یہ تو جلال الدین رومی ہے تو اپنے سکر و کیف و مستی ہی کی حالت میں فرمایا کہ ارے تم میرے پاس آ جاؤ۔ کب تک اِدھر اُدھر مارے مارے پھرو گے یعنی گنجینۂ علم و معرفت کے پاس رہنے کا ارادہ کرلو۔

سخت خوش است چشم تو وان رخ گلستان تو

دوش چہ خوردۂ مہار است بگو بجان تو

اے مرشد تبریزیؒ! آج تو آپ کی آنکھیں نہایت انوار سے پُر ہیں اور آپ کا چہرہ گلستانِ قربِ حق معلوم ہو رہا ہے۔ سچ سچ بتایئے رات آپ نے کس درد و محبت اور اخلاص سے اُس جانِ کائنات کو یاد کیا ہے جس کے انوار و کیف نے آپ کی آنکھوں کو بھی مست کر دیا ہے اور چہرہ کو بھی تاباں کر دیا ہے۔

فتنہ گر ست نام تو پُر شکر ست کام تو

با طرب ست جام تو با نمک ست نان تو

اے مرشد تبریزیؒ! آپ کا نام شمس الدینؒ بھی نہایت پیارا اور فتنہ گر ہے اور آپ کا مقصود ''رضائے حق'' بھی نہایت شیریں (پُر شکر) ہے آپ کے ارشادات بھی نہایت ہی پُر کیف اور پُر درد و محبت ہیں اور آپ کی غذائے روحانی نہایت ہی لذیذ ہے جس طرح نان پر نمک لذیذ ہوتا ہے اسی طرح آپ کے ذکر کی آمیزش آپ کے قلب کی آہ و دردِ محبت کی آمیزش نہایت قوی النور بنا دیتی ہے۔

بوئے کباب میزند از دم و از فغان من

بوئے شراب میزند از نفس و دہان تو

اے مرشد تبریزیؒ! میری آہ و فغاں سے میرے جگر کی سوختگی کا دھواں محسوس ہوتا ہے اور آپ کے عشق

Marfat.com

باطن سے آپ کے اندر میخانۂ محبت ہے جس کے سبب آپ کی گفتگو اور سانس سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوشبو آتی ہے۔

شکر کہ دید چشم ما آنچہ ندید چشم کس
باز رسید جان ما بیخود و سر گراں تو

اے مرشد تبریزیؒ! آپ کو تبریز سے شام تک کسی نے نہ پہچانا تھا کہ جلال الدین رومی خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس کی آنکھ نے آپ کے اندر وہ علوم و معارف اور وہ قرب ولایت دیکھا جس کو کسی نے نہ دیکھا تھا۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری جانِ مضطر وتشنہ کے لیے آپ کو حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے مجھے عطا فرمادیا۔

ہر نفسے بگوئیم و عقل تو کوچہ شد ترا
عقل نماند بندہ را در غم امتحان تو

ہم ہر وقت کہتے ہیں کہ آپ کی عقل پر ربودگی کیوں ہے حالانکہ اے خدا بندہ کی عقل آپ کے غم امتحان سے ربودہ ہوگئی ہے۔

مشرق و مغرب از شوم و بر آسمان روم
نیست نشاں زندگی تا نرسد نشان تو

اے خدا اگر ہم مشرق سے مغرب تک سفر کریں یا آسمان پر بھی سفر کرنے لگیں لیکن کہیں بھی آپ کے بغیر اصلی زندگی نہیں مل سکتی ہماری زندگی کو جہاں آپ کے نشانات ملتے ہیں وہیں زندگی کو زندگی معلوم ہوتی ہے۔

ہر سحرے چو ابروے بارم اشک بر درت
پاک کنم بآستیں اشک ز آستان تو

اے خدا! آخر شب میں مثل ابر میں آپ کے حضور اپنے گناہوں سے نادم ہوکر گریہ وزاری کرتا ہوں اور تسلسل قطراتِ اشکِ ندامت سے سجدہ گاہ جب تر ہوجاتا ہے تو آپ کے آستاں پر گرے ہوئے اشکوں کو میں اپنی آستین سے صاف کرتا ہوں۔

صبر پریدہ از دلم عقل رمیدہ از سرم
تا بکجا کشد مرا ستئے بے امان تو

اے خدا میرے دل سے صبر اُڑ چکا ہے اور عقل میرے سر سے راہِ فرار پکڑ چکی ہے، آپ کی محبت اور وفورِ

Marfat.com

شوق مجھے کہاں تک پہنچانے والی ہے؟

شیر سیاہ عشق تو بشکند استخوان من
چو تو ضمان من بدی پس چہ شد آن ضمان تو

آپ کے عشق کا سیاہ شیر میری ہڈیوں کو بھی کھائے جا رہا ہے یعنی مجاہداتِ شاقہ سے کلیجہ منہ کو آنے لگا اور صبر میں زلزلہ آ گیا جب آپ ہمارے محافظ اور ضمان ہیں تو وہ آپ کا ضمان کہاں ہے؟

اے تبریز باز گو بہر خدا بہ شمس دیں
کیں دو جہاں حسد برد بر شرف جہان تو

اے شہر تبریز! تو خدا کے لیے میرے مرشد شمس دیں کے صدقے مجھے یہ تو بتا دے کہ تمام دوسرے شہر بلکہ دونوں جہاں تیری شرافت پر کیوں حسد کرتے ہیں۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضمون بھی غلبۂ حال سے فرمایا ہے یعنی اس وقت مولانا کی روح پر حضرت شمس تبریزی کی محبت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ اور غلبۂ حال میں دوسرے پہلو کی طرف نظر نہیں جاتی۔

ہزار بار کشیدست عشق کافر خو
شبنم ز بام بحجرہ ز حجرہ تا سر کو

عشق کافر خو یعنی عشق ظالم نے ہزار بار مجھے در در کی ٹھوکریں کھلائیں ہیں۔

سحر موکل عشق آمدہ کہ ہی بر خیز
گرفتہ گوش مرا سخت ہمچو گوش سبو

شب آخر بوقت سحر عشق کا مُوکّل آیا اور مجھ سے کہا کہ خبردار کیا پڑا سوتا ہے اُٹھ اور وضو کر کے بارگاہِ حق میں نمازِ تہجد کے لیے کھڑا ہو جا اور اس نے مجھے سوتے ہوئے سے میرا کان اس طرح پکڑ کر اٹھایا جس طرح لوگ صراحی کا کان پکڑ کر اٹھاتے ہیں۔

مراد ہاتف غیبی ہے جو اکثر اولیاء اللہ کو تہجد کے وقت محسوس ہوتا ہے یعنی اگر اقتضاء شریعت سے کسل و کاہلی اور نیند سے جب آنکھ نہیں کھلتی تو کوئی آوازِ غیبی بیدار کر دیتی ہے اور یہ استمراری اور اختیاری نہیں محض فضل باری تعالیٰ ہے۔

ز ہر چہ بر کندم بر سبوئے تسلیم
سبو اسیر سقا گشتہ چوں گریزد ازو

میرے تسلیم کے سبو میں جو کچھ جانتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں اور سبو تو محتاجِ سقا ہوتی ہے وہ۔ قا

Marfat.com

سے کب بے نیاز ہوسکتی ہے یعنی ہم نے تمام امور کو حق تعالیٰ کی طرف تفویض کر دیا ہے اور انہی پر بھروسہ کیا ہے۔

ہزار بار سبور لسنگ بشکست او
شکست او خوشم آید ز ذوق و شوق رفو

انھوں نے ہزاروں بار اپنے پتھر سے ہمارے سبو کو توڑا لیکن ان کا توڑنا مجھے بہت لذیذ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ٹوٹنے کے بعد ان کے ہاتھوں سے رفو کا ذوق وشوق مجھے مست و بے خود و مسرور کرتا ہے۔
مولانا کے اس شعر میں تفویض وتسلیم کی تعلیم اور سبو سے مراد متاع ہستی ہے توڑنے سے مراد تکوینی تربیت کے ضرا اور سرّا تکلیف وراحت کے اسباب ہیں۔

سبو پردہ بدو گوش با ہزاراں دل
بداں ہوس کہ خورد غوطہ درمیانۂ جو

سبو کو ان کے سپرد کر دیا ہے اور ہزاروں دل سے ان کے کرم کی طرف متوجہ ہوں اس اُمید پر کہ ان کی رحمت سے میرے سبو کو اُن کے دریائے قرب میں غوطہ کھانے کا موقع ہاتھ لگے۔ (سبو سے مراد یہاں بھی متاع ہستی ہے) اہل ذوق اور اہل محبت اس اختصار ہی سے تفصیل کا لطف حاصل کر سکتے ہیں۔

خموش کردم اگر چند کو تہست غزل
کہ خطاب شنیدن نہ گفتن ست نکو

میں اب خاموش ہوگیا اگرچہ یہ غزل مختصر رہ گئی لیکن کبھی محبوب سے خطاب سننا بہتر ہوتا ہے خود بولنے سے۔

آن چشم شوخش را نگر مست از خرابات آمدہ
در قصد خون عاشقاں اندر کمر دامن زدہ

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ میرے مرشد شمس تبریزیؒ کی مست پُرخمار آنکھیں تو دیکھو کہ عالم ہو سے کیا پی کر آئے ہیں یعنی کس قدر ذکر اللہ کے نشہ سے سرشار ہیں اور اپنے طالبین و عاشقین کو اپنی نگاہوں سے قتل کرنے کے لیے اپنے کمر کو دامن سے باندھے ہوئے ہیں۔ مراد یہ کہ اپنے طالبین و مریدین کو بھی خدائے پاک کی محبت کا درد عطا فرما کر خدا کا دیوانہ بنانا چاہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ ذکر میں کیا نشہ ہوسکتا ہے تو واقعی محرومان کو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن جب کسی اللہ والے کی نظر پڑ جائے اور کسی بزرگ کامل کی جوتیاں سیدھی کرنے کی توفیق ہوجائے تو معلوم ہوگا کہ کیا کیفیت وسرور اہل اللہ کے پاس ہے۔

Marfat.com

زیں بادہ شاں افسوں کنم تا جملہ را مجنوں کنم

تا نو نیابی عاقلے در حلقۂ آدم کدہ

حضرت شمس تبریزیؒ کی طرف سے حکایۃً فرماتے ہیں کہ میں اپنے طالبین کی ارواح کو عشق حقیقی کی لذت سے آشنا کرنا چاہتا ہوں تا کہ سب کو اپنے مولیٰ کا مجنوں بنا دوں تا کہ کائنات میں بنی نوع آدم کے اندر کوئی بھی محض عقل پرست اور غافل از حق نہ رہے۔ یعنی عقل کو آمیزشِ عشقِ حق سے عقلِ تام بنا دوں۔

لیلیٰ ما ساقی جاں مجنون او شخص جہاں

جز لیلیٰ و مجنوں بود پژمردہ و بے فائدہ

اے لوگو! ہمارا محبوب ہمارا رب کریم ہے تمہیں لیلیٰ کے لفظ سے دھوکہ نہ ہو (یہ اصطلاح عشق کی گفتگو ہے کسی اہل عشق سے ہمارا کلام سمجھ لو) وہی ساقی ازل ہی ہماری ارواح کا محبوب ہے اور یہ جہان مجموعی اعتبار سے شخص واحد فرض کرتے ہوتے ان کا مجنوں ہے یعنی جب ہر ذرّہ کائنات حق تعالیٰ شانہ کا دیوانہ اور تسبیح خوان ہے تو تمام کائنات اور پورے جہان کو ان کا دیوانہ کہنا روا ہے۔ اور ذکر حق اور عاشق حق اور جو امور ذکر کے لیے معین ہیں ان کے علاوہ دنیا بے کار اور گل افسردہ ہے۔

رفت آں عجوز پُر دغل رفت آن زمستان و حل

آمد بہار و زاد ازو صد شاہد و صد شاہدہ

یہ بُڈھیا دنیا جو مکر و فریب سے پر ہے میرے قلب سے نکل چکی اور موسم سردی کا (یعنی خزاں کا) مع اپنے آثار افسردگی ختم ہوا۔ اب حق تعالیٰ کی محبت کا موسم بہار آ گیا اور اللہ والوں کی صحبت کے لطف اور ذکر اللہ کے مزے ملنے لگے۔

اے جبرئیل از عشق تو اندر سما پا کوفتہ

اے انجم و چرخ و فلک اندر ہوا پا کوفتہ

اے خدا! آپ کی محبت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی افلاک پر حالت وجد میں سرگرداں و حیراں ہے اور اے وہ ذات پاک کہ آپ کی محبت میں ستارے و افلاک بھی فضا میں محوِ گردش ہیں۔

دل دیدہ آبِ دی خود در عشق خاک کوئے تو

چوں آں عنایت دید دل اندر عنا پا کوفتہ

اے خدا! دل نے آپ کی محبت کی عظیم نعمت و دولت سے اپنی قیمت و عزت محسوس کر لی اور آپ کے

Marfat.com

عنایات والطاف کے پیش نظر عشاق کے دل آپ کی راہ کی ہر بلا د مشقت کو خوشی خوشی قبول کرنے کو تیار ہیں۔

قومے بدیدہ خیرگی عاشق شدہ لیک از حسد

وز کبر و ناموس دریا ہم در خلا پا کوفتہ

ایک قوم ایسی ہی ہے جو حیرت کی نگاہ سے آپ پر عاشق تو ہوئی لیکن آپ کے مقبولین سے بوجہ حسد و کبر وریا و ناموس تعلق نہ قائم کیا جس سے ان کو صحیح راہ آپ کی نہ مل سکی اور ناچار گمراہی کے غیر متناہی خلا میں آپ سے محروم سرگرداں و پریشاں ہیں۔

اصحاب کبر و عجب کے باشند لایق شاہ را

کز عزت ایں شاہ با صد کبریا پا کوفتہ

مولانا بطور نصیحت فرماتے ہیں کہ تکبر اور عجب وخود بینی والے لوگ دراصل اس محبوب حقیقی تعالیٰ شانہٗ، کے لائق ہی نہیں ہیں ان کو کہاں نصیب کہ اس لامتناہی کبریائی والے شہنشاہ کی عظمت کے سامنے اپنی ہستی کو فنا کر کے حیاتِ دائمی سرمدی اور حیاتِ طیبہ حاصل کر لیں۔ تکبر کی نحوست نے تو عزازیل ابلیس لعین کو گمراہ کر دیا۔ حق تعالیٰ اس خبیث بیماری سے ہم سب کو محفوظ فرمائیں گے۔

قومے ببینی رقص کن در عشق نان و شوربا

قومے دگر در عشق شاں نان و ابا پا کوفتہ

اے لوگو! ایک قوم دنیا میں ایسی دیکھو گے کہ وہ روٹی اور شوربا کے لیے حالت رقص میں ہے اور آخرت سے غافل ہے اور ایک قوم حق تعالیٰ کے عاشقین کی دیکھو گے کہ وہ آخرت کے کاموں میں لگے ہیں اور روٹی و شوربا ان کی تلاش میں رقصاں و سرگردان ہے اور روٹی پکانے والا نان ساز بھی۔

خورشید باشد ذرہ در عشق نورش چرخ زن

مرغ سحر از شوق او در والضحیٰ پا کوفتہ

خورشید جہاں تاب مثل ایک ذرہ حق تعالیٰ کی تجلیات کے لیے آسمان میں سرگرداں ہے اور نورِ سحر انوارِ الٰہیہ کے لیے تمام عالم میں ساعتہ فساعتہ متزائد و متصاعد ہوتی جارہی ہے۔

اے بادِ صبح تیز رو با شمس تبریزی بگو

از حال من از قال من اندر وفا پا کوفتہ

اے بادِ صبح! تیز رفتاری سے جا کر ہمارے شمس تبریزیؒ سے ہمارا پیغام کہہ دے اور ہمارے قال و حال

Marfat.com

کے نقل میں باوفا رہنا اور مست و رقصاں جانا۔

ایں نیم شباں کیست چو مہتاب رسیدہ
پیغمبر عشق ست باصحاب رسیدہ

نیم شب خواب میں یا حالت ذکر یا حالت مراقبہ میں کوئی تجلی خاص کا ظہور ہوا جس کے جمال سے متاثر اور محو حیرت ہو کر مولانا نے یہی اشعار کہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ نیم شباں کون مثل ماہ تاباں نظر آیا گویا کہ پیغمبر عشق ہے جو اپنے اصحاب کے پاس آیا ہے۔

ایں کیست چنیں غلغلہ در شہر فگندہ
بر خرمن درویش چو سیلاب رسیدہ

یہ کون آیا کہ دل کے شہر میں غلغلہ مچ گیا اور خرمنِ درویش پر مثلِ سیلاب چھا گیا۔

ایں کیست بگوئید کہ در گفت جز او نیست
شاہے بدر خانۂ بواب رسیدہ

یہ کون جلوہ فرما ہوا کہ وہ خود ہی بشارت دے رہا ہے کہ شاہ خانۂ پاسبان کے دروازہ پر آیا ہے۔

ایں کیست چنیں خواں کرم باز کشیدہ
خنداں جہت دعوت اصحاب رسیدہ

یہ کون جلوہ فرما ہے جس نے اس طرح خوان کرم بچھا رکھا ہے اور اصحابِ دعوت کی طرف خنداں آیا ہے۔

زاں نالہ و زاں اشک کہ خشک و تر عشق ست
یک نغمۂ تر نیز بدولاب رسیدہ

عشق کے خشک و تر نغمے جو نالہ اور اشک سے ترکیب پاتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے دولاب کا نغمۂ تر جو عاشقوں کو مست کرتا ہے یعنی پانی کھینچنے کی چرخی کے ڈول خشک کنوئیں میں جب داخل ہوتے ہیں اور پھر پانی بھر کر برآمد ہوتے ہیں اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں تو ان کی آواز عاشقوں کو مست کرتی ہے۔

یکدستہ کلید ست بزیر بغل عشق
از بہر کشانیدن بواب رسیدہ

منزلِ محبوبِ حقیقی کا قفل کھولنے کے لیے عشق زیر بغل سینکڑوں کنجیوں کا دستہ لیے ہوئے پاسبانِ خانۂ محبوب کے پاس آ پہنچا۔ یعنی جب حق تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو تمام احکامِ شریعت پر عمل

Marfat.com

آسان ہو جاتا ہے اور یہ دولت عاشقانِ حق کی صحبت سے اور التزامِ ذکر وفکر وتفکرِ انعامات واحسانات الٰہیہ سے عطا ہوتی ہے۔

اے مرغ دل ارباال بشکست از صیاد
از دام رہد مرغ بمضراب رسیدہ

اے مرغِ دل! اگر صیاد نے تیرے پر و بال نوچ کو تجھ کو باز وشکستہ کر دیا ہے تو خنجر تسلیم کے سامنے اپنی گردن رکھ دے کہ مرغ بمضراب رسیدہ دام صیاد سے رہا ہو جاتا ہے یعنی اگر احکامِ شریعت سے تیرے آرزوں اور تمناؤں کا خون ہوتا ہے اور ہر وقت مجاہدہ سے جگر کا خون پینا پڑتا ہے تو رضائے حق کے خنجر کے سامنے اپنا سر جھکا دے اور خوشی خوشی جام شہادت نوش کر لے یعنی شہادت ظاہر تیغ کفار سے نہ میسر ہو تو مجاہدات نفس کی تکالیف کو برداشت کر کے شہادت معنوی باطنی حاصل کر لے اور تو بھی اس وقت تسلیم رضا کی دولت سے مالا مال ہو کر قید و بند کی تکالیف کو لذیذ سمجھتے ہوئے بزبانِ حال یہ کہے گا۔

آں کیست چنیں مست زخمار رسیدہ
یا یار بود یا زبر یار رسیدہ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا جس کا نقشہ وہ آنے والے اشعار میں پیش کر رہے ہیں یا کوئی خاص تجلی مشاہدہ ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی مست از شرابِ محبتِ حق نظر آ رہا ہے یا تو یہ میرے محبوب شمس تبریزیؒ ہیں یا پھر ان کی ملاقات سے کوئی مسرور و مست ہو کر آیا ہے اور مظہر جمالِ شمس ہو رہا ہے۔

یا شاہد جانست زر و بند کشادہ
یا یوسف مصری ست ز بازار رسیدہ

یا یہ تجلی روح کی مشاہد ہو رہی ہے جس نے اپنے چہرۂ تاباں سے نقاب بفضل حق تعالیٰ شانہ اٹھا دیا ہے یا یہ یوسف مصری ہیں اور بازار مصر سے میرے پاس آ گئے ہیں۔ یہ جملہ مضامین عنواناتِ محبت ہیں تو تمثیلات ونظائرِ مختلفہ سے مولانا بیان فرما رہے ہیں۔

یا زہرۂ ماہست در آمیختہ باہم
یا سرو گل سرخ ز گلزار رسیدہ

اے خدا کیا زہرہ ستارہ اور چاند باہم مل کر جمالِ بالائے جمال ہو رہے ہیں یا کسی چمن سے سرو یا گل سرخ آ گیا ہے۔

Marfat.com

چشمۂ خضر ست رواں گشتہ زہر سو
یا ترک خوش ماست ز بلغار رسیدہ

اے خدا! یا چشمۂ خضر علیہ السلام (آبِ حیات) ہر طرف بہہ رہا ہے یا بلغار سے ہمارا محبوب صاحب جمال معنوی ہمارے پاس آ پہنچا۔ (بلغار ایک شہر کا نام ہے) بلغار کا لفظ غالباً قافیہ کی رعایت سے استعمال فرمایا ہے۔

یا ساقی دریا دل ما بزم نہا دست
یا نقل شکر ہائے بقطار رسیدہ

یا میرے مرشد دریادل نے بزمِ فیضانِ معرفت منعقد کیا ہے یا غذائے شیریں کا کوئی ذخیرہ لگ رہا ہے۔

شاہ پریاں ہیں ز سلیمان پیمبر
اندر طلب ہدہد طیار رسیدہ

پریوں کے سلطان حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھو کہ ایک ہدہد کی تلاش میں کہیں نہ آ نکلے ہوں۔

خوبان زمیں از پے او جیب دریدہ
قاضی فلک بے سر و دستار رسیدہ

ہمارے شمس دین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب نسبت روح قربِ باری تعالیٰ سے اس قدر مُتجلّی اور پُر نور ہے کہ تمام کائنات کے ظاہری حسین ان کے حُسن معنوی سے محوِ حیرت ہو کر اپنا جیب و گریبان چاک کیے ہوئے ہیں اور ہمارے شمس دین کو قاضی فلک (مشتری ستارہ) زمین پر بے سر و دستار انھیں دیکھنے کو اُتر آیا۔

از بہر دیت دادن ہر کشتہ کہ او کشت
ہمیان زر آور دہ با تیار رسیدہ

ہمارے مرشد شمس دین تبریزیؒ کے فیض سے جو بھی دیوانہ وار اپنا خون بحق عشق بنام خدا فدا کرتا ہے اس کی دیت (خون بہا) کے لیے مشتری ستارہ (قاضی فلک) اشرفیوں کی تھیلی لے کر آ گیا ہے۔

اول دیت خون تو جامیست ز دستش
درکش کہ رحیق ست ز اسرار رسیدہ

اے مخاطب! تو اگر اپنی جان خدا پر فدا کرتا ہے تو اوّل خون بہا تو حق تعالیٰ کے دست کرم سے حلاوتِ ایمان کا جام نوش کرے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب مومن اپنی نظر کو غیر محرم سے بچانے کے لیے

Marfat.com

نیچی کر لیتا ہے تو (اس خونِ آرزو کے صلہ میں) حق تعالیٰ اسے (نقد عطا دنیا ہی میں) حلاوتِ ایمانی (اپنی محبت کی مٹھاس) دیتے ہیں۔

اور آخرت میں کیا کچھ ملے گا اس کا ذکر دوسری حدیث قدسی ہے اہل جنت کے لیے ارشاد ہے کہ ہم نے وہ نعمتیں ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں کہ جن کو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کبھی کسی کان نے سنا ہوگا نہ کبھی ان کا کسی دل میں خیال آیا ہوگا۔

ہیبت خونریزی آں چشم چو مریخ

بہرامِ فلک از پے زنہار رسیدہ

ہمارے شمس الدین تبریزیؒ جب ذکر و فکر اور عالم قرب سے نزول فرما کر ہم طالبین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کی آنکھیں نہایت مستانہ خونریز اور ہیبت ناک مثل مریخ ستارہ کے ہوتی ہیں اور بہرامِ فلک (مریخ ستارہ) میرے مرشد شمس کے مقام معرفت اور عارفانہ نظر کی تحقیق و آگاہی کے لیے زمین پر اتر آیا۔ مراد یہ کہ حضرت تبریزیؒ بہت ہی صاحب فیض اور اہل نظر تھے۔

اے ماہ و اے دو دیدۂ بینا چگونہ

وے رشک ماہ گنبد مینا چگونہ

مولانا نے اس مقام پر تجلی روح کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے قمر دو آنکھیں بینا رکھنے والے تو کس حالت میں ہے اور اے رشک ماہ فلک تیرا کیا حال ہے یعنی تجلی روح سے معرفت روح کا سوال فرما رہے ہیں۔

اے ماہ صد چو ما ز مئے تو خراب و مست

ما بے تو خستہ ایم تو بے ما چگونہ

اے مظہر جمالِ خداوندی اے روحِ عارف حق یعنی اے روح حضرت شمس تبریزیؒ تو نے ہم کو اور ہم جیسے بہت سے لوگوں کو دیوانہ حق اور مست و خراب عشق کر رکھا ہے ہم تو آپ کے بغیر خستہ حال ہیں اور آپ کے بغیر ہمارا کیا حال رہتا ہے۔

اے مرغ عرش آمدہ در دام آب و گل

بے خون و خلط و بلغم و صفرا چگونہ

اے روحِ عارفِ حق! اے طائر عرشی تو جسم کے آب و گل (عناصر اربعہ) میں امر ربی سے تو آ گئی لیکن اب تعلق تام کے مقام سے فائز ہو کر عالم ہو میں تیرا کیا حال ہے؟

Marfat.com

اے کوہ قاف صبر و سکینہ چہ صابری
وی عزلتے گرفتہ چو عنقا چگونہ

اے روحِ عارف! اے صبر اور سکون کی کوہ قاف! تو کس قدر صابر ہے کہ تو اس جہاں کے تعلقات ضرور یہ کے حقوق شرعیہ واجبہ کو ادا کرتے ہوئے بھی ہر وقت حق تعالیٰ کے ساتھ رابطہ تو یہ سے مشرف ہے۔

عالم بہ تست مست تو اندر چہ عالمے
تنہا بہ تست زندہ تو تنہا چگونہ

اے روح! تجھ سے عالم مست ہے اور تو کس عالم میں ہے اور تنہا ہر شخص تجھ سے زندہ ہے اور تو تنہا کس حال میں ہوتی ہے، بظاہر مولانا روح سے سوال کر رہے ہیں مگر دراصل روحانیوں سے یہ سوال ہے اور کیا عجب کہ حضرت شمس دین تبریزیؒ سے سوال ہو مراد یہ کہ وہ روح جو جسم میں آ کر جسم کی زندگی کا سبب ہے تو خود تعلق مع اللہ (بخشندۂ روح) سے سرفراز ہو کر مرتبۂ روح میں روح کا کیا مقام قرب و عرفان ہوتا ہے؟ یہ جواب بھی مقربِ بارگاہِ حق ہی دے سکتا ہے۔

گل را نگر ز لطف سوئے خار آمدہ
دل پارہ پارہ کرد دلدار آمدہ

دیکھو کانٹے نے اپنی آہ وزاری سے پھول کا دل پارہ پارہ کر دیا تو وہ پھول خود کانٹوں کے پاس آ گیا اور بظاہر تو وہ گلِ شگفتہ ہے لیکن دراصل کانٹے کے نالہ وغم سے صد چاک غریباں ہے۔

مہ را نگر برآمدہ مہمان شب شدہ
دامن کشاں ز عالم انوار آمدہ

چاند کو دیکھو کہ وہ اپنے مستقر سے برآمد ہو کر خانۂ شب میں مہماں ہے اور تاریکی شب کو ردائے نور سے منور کرنے کے لیے عالم انوار سے دامن کشاں آیا ہے۔

خورشید را نگر کہ شہنشاہ کشور ست
از بہر عذر گاذر و گلکار آمدہ

آفتاب کو دیکھیے کہ وہ سلطان انوار کائنات ہے اور چمگادڑ کی معذوری (تابِ دید نہیں رکھتا) کے لیے اپنے مستقر سے باہر آ کر عالم کو افادۂ نور و حرارت بخشتا ہے۔

Marfat.com

آں دلبرے کہ دل ز ہمہ دلبراں برد
اندر وثاق ایں دل بیمار آمدہ

وہ دلبرِ حقیقی جو تمام دلبروں کا بھی دلبر ہے عناصر و اجسام انبیاء و اولیاء کے قید و بند میں انوار معیت خاصہ و قرب خاص سے اپنے بیمار دلوں کو تسلی عطا فرماتا ہے۔

آں روح ہمچو عشق دریں خاکدان غریب
مانندۂ مسیح بگفتار آمدہ

وہ روح جو عالم ارواح میں آزاد تھی۔ یہاں اجنبی اجسام کے قید میں مثل عشق مہماں ہو کر کلامِ مؤثر کے ساتھ خطاب کر رہی ہے۔

ہمچوں بہار سوئے درختان خشک ما
آں نوبہار لطف باپثار آمدہ

مثل بہار ہم خشک درختوں کی طرف ان کے الطاف کرم آتے ہیں اور اپنے ایثار کرم سے ہم کو تر و تازہ کرتے ہیں (مراد عنایاتِ الٰہیہ ہیں)۔

پنہاں بود بہار ولے در اثر نگر
زو باغ زندہ گشتہ و پرکار آمدہ

موسم بہار تو پنہاں ہے نظر سے لیکن اس کے آثار باغ و چمن میں دیکھو کہ وہ سرسبز و شاداب ہو رہے ہیں۔

جاں را اگر نہ بینی در دلبراں نگر
با قد سرو روئے چو گلزار آمدہ

اگر روح کو تو نہیں دیکھتا لیکن اجسام کو دیکھ کہ روح کی برکت سے کس طرح قد سرو اور چہرہ مثل گلزار رکھتے ہیں۔

گر عشق را نہ بینی در عاشقاں نگر
حلاج وار خوش بسر دار آمدہ

اگر تم نے عشق کو نہیں دیکھا لیکن اس کا اثر عاشقوں پر دیکھو کہ خوشی خوشی مثلِ حلاج منصورؒ کے دار پر چڑھے جاتے ہیں۔

Marfat.com

در عین مرگ چشمۂ آب حیات دید
آں چشمۂ کہ مایۂ دیدار آمدہ

عاشقانِ خدا نے عین موت میں چشمۂ آبِ حیات مشاہدہ کیا یعنی شہادت میں حیاتِ جاودانی کا مشاہدہ کیا اور وہ چشمہ کہ سرمایہ ہے دیدار خداوندی کا یعنی موت چونکہ سبب ہے حق تعالیٰ کے پاس جانے کا اس لیے عشاقِ حق موت کو محبوب سمجھتے ہیں۔

آمد بہار عشق بہ بستان در آ و را
بنگر بشاخ و برگ باقرار آمدہ

بہارِ عشق آئی اور باغ میں اس کا اثر دیکھو کہ برگ و شاخ کی تازگی اس کا اقرار کر رہے ہیں۔ یعنی عشاق حق بھی ذکر کی بہارِ لذت سے بشاش و تازہ دم اور چہرۂ تاباں رکھتے ہیں۔

اقرار میکنند کہ حشر و قیامت ست
ایں مردگاں باغ دگر بار آمدہ

موسم بہار میں دوبارہ باغوں کی تازگی اور مردہ درختوں کا دوبارہ حیات گیر ہونا قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کا اور حشر کا حالاً اقرار کرنا ہے۔ منکرین قیامت کا انکار اس مشاہدہ کے باوجود محض بے معنی اور لچر و گوز شتر ہے۔

اے ساقی کہ آں مئے احمر گرفتۂ
وے مطربے کہ ایں غزل تر گرفتۂ

اے مرشد شمس تبریزی! آپ کے سینے میں خالص معرفت و محبت حق کی شراب تیز والی بھری ہوئی ہے اور اے مرشد! کیا ہی نغماتِ تر آپ کی روح میں بھرے ہوئے ہیں۔

از جاں و از جہاں دل عاشق گزیدۂ
الحق شکار نازک و لاغر گرفتۂ

اے خدا! آپ نے اپنی کائنات سے جان عاشق کو اپنے لیے منتخب فرمایا ہے۔ آپ نے نہایت لاغر اور نازک شکار کیا ہے۔ یعنی عشاق مجاہدات سے لاغر ہو جاتے ہیں اور حق تعالیٰ کو ان کی یہ لاغری و زرد روئی محبوب ہے۔

وی زہرۂ کہ مست شد از چنگ تو زحل
بہرام را بگو کہ چہ خنجر گرفتۂ

اے مرشد تبریزی! آپ ایسے زہرہ ہیں (زہرہ وہ سیارہ ہے جو فلک سوم پر ہے) کہ آپ کے نالہ ہائے

Marfat.com

درد و آہِ سرد اور نغماتِ عشق سے زحل مست ہو رہا ہے۔ (زحل وہ سیارہ ہے جو فلک ہفتم پر تاباں ہے) اے مرشد! بہرامِ فلک سے فرمایئے کہ وہ خنجر کیوں کشیدہ کیے ہوئے ہے؟ (بہرام وہ ستارہ ہے جس کا نام مریخ ہے اور فلک پنجم پر روشن ہے، اصطلاح شعر و عشق میں محبوب کی چشمِ قاتل کو مریخ سے تشبیہ دیتے ہیں)۔ مراد یہ ہے کہ اے مرشد آپ کی آنکھیں مثل مریخ کے خنجر کشیدہ طالبین حق کو دیوانہ حق اور بسمل بنا رہی ہیں۔

اے ہجر تو ز روز قیامت دراز تر
ایں چہ قیامت است کہ از سر گرفتۂ

اے خدا آپ کی جدائی قیامت کے دن سے بھی دراز تر ہے لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اپنے عشاق کو اپنے سر سے پکڑا ہوا ہے۔ از سر گرفتہ کے تین مفہوم ہیں۔ اول یہ کہ اپنے لیے حق تعالیٰ شانہ اپنے عاشقین کو منتخب فرما لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ اور ہم نے خالص کر لیا ان کو دارِ آخرت کے لیے۔ اور جیسا کہ حدیث شریف میں روایت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کے لیے ہو جاتے ہیں۔

اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مجاہدات بلا میں مبتلا کرنے کے لیے عاشقین کو منتخب کیا ہے تا کہ ان کے درجے بلند ہوں اور دنیا میں ان کا مقام صبر و تحمل لوگوں کو معلوم ہو۔

تیسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں قبول فرما لیا اور اب یہ غیر کا نہ ہو سکے گا۔ یعنی اگر ہونا بھی چاہے تو بھی غیر کے ہاتھ نہ لگ سکے گا کیوں کہ حق تعالیٰ نے اس کو اپنے لیے گرفتار کیا ہوا ہے پھر مخلوق کی کیا مجال کہ خالق کے شکار پر قدرت پا سکے۔ اور شکار بہ معنی انتخاب ہے۔

پیلان شیر دل چو کفت را مسخرن
ایں چند پشہ را چہ مُسخر گرفتۂ

اے مرشد تبریزی! اس وقت کے بڑے بڑے اولیاء جو قوت نسبت میں پیلان شیر دل کے مثل ہیں وہ بھی آپ کی باطنی نسبت سے مستفید ہو رہے ہیں اور آپ کے تابع ہو رہے ہیں لیکن آپ کے کرمِ عام کا کمال یہ ہے کہ ہم جیسے چند پشہ یعنی کم تر لوگوں پر بھی آپ کی نظر و توجہ خاص ہے اور دام تربیت میں ہم جیسوں کو بھی شکار کر رکھا ہے۔

تو اے فقیر روز فقیری گلہ مکن
زیرا کہ صد چو مملکت سنجر گرفتۂ

اے فقیر! تنگ دستی کے ایام کی شکایت مت کر کیوں کہ تو حق تعالیٰ کے قرب کی سلطنت اپنے باطن میں رکھتا ہے جو سینکڑوں مملکتِ سنجر سے افضل ہے۔

Marfat.com

ہژ دہ ہزار عالم اگر ملک تو شود
بے روئے دوست چیز محقر گرفتۂ

اے فقیر! اگر دنیا کے ۱۸ ہزار عالم تیری ملکیت میں ہوں تو حق تعالیٰ کے قرب و رضا کی دولت اور ان کی معیت خاصہ و ولایت خاصہ کی دولت کے مقابلے میں تو نے نہایت حقیر شے پر قبضہ کر رکھا ہے۔

پیش شمع نور جاں دل مست چوں پروانہ
و ز شعاع نور جاناں جاں گرفتہ خانہ

روح کی تجلّی کے سامنے قلب عارف مثلِ پروانہ مست ہوتا ہے اور عارف کی روح کو انوارِ الٰہیہ محیط ہوتے ہیں۔

سرفرازے شیر گیرے مست عشق فتنہ
نزد حق ہشیار و نزد خلق چوں دیوانہ

اللہ والے عشقِ الٰہی سے سرمست اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہوشیار اور باخبر اور خلق سے بے خبر اور دیوانہ ہیں۔ لیکن حقوق العباد ضروریہ سے غافل نہیں ہوتے اس بے خبری اور دیوانگی سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بے ضرورت تعلقات اور لایعنی مشاغل میں وقت ضائع نہیں کرتے اور ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ جس کے نہ ہونے سے ضرر ہو خواہ دنیا کا یا آخرت کا۔

نور گیر و جملہ عالم بر مثال کوہ طور
گر بگویم بے حجاب از حال او افسانہ

تمام کائنات مثل کوہِ طور تجلیات کا مظہر اور جلوہ گاہ حق ہے لیکن مظاہر کو اصل بے حجاب سمجھنا محض افسانہ اور بے حقیقت ہے۔ بے حجاب تجلّی جنت میں موعود ہے۔

دامن دانش گرفتہ زیر و دانہا و لیک
او کلید عشق از صبرے برو دندانہ

عاشق عقل کے دامن کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر رکھتا ہے لیکن وہ عشق کی کنجی ایسے ایسے صبر کے تالوں کو توڑ کر دانت بھی غائب کر دیتی ہے مراد یہ ہے کہ عشق اور خرد ناقص میں تضاد ہے، عشق اور عقل کامل میں دوستی ہے۔

عقل ناقص والا وہ ہے جو اپنے مالک سے بے خبر جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے اسے یہ خبر نہیں کہ ہم کو

Marfat.com

کس مقصد کے لیے کھلایا جا رہا ہے۔ عقل کامل والا وہ ہے جو اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتا ہے جیسے اولیاء اللہ دنیا میں بسر کرتے ہیں۔

عشق بیں با عاشقاں آمیختہ
روح بیں با خاکیاں آمیختہ

عشق کا کرشمہ دیکھو کہ وہ عاشقوں کو باہم دوست بنا دیتا ہے جیسے کہ اولیائے کرام بقول حضرت شیخ سعدی شیرازی دس فقیر ایک کمبل میں سو سکتے ہیں اور دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے۔ اور روح کا کرشمہ دیکھو کہ خاکی اجسام کو آپس میں ملائے ہوئے ہے چنانچہ روح نکلنے کے بعد پھر اس خاک سے رابطہ محال ہو جاتا ہے۔

چند گوئی تو نشاں از بے نشاں
بے نشاں بیں بانشاں آمیختہ

تم کب تک بے نشاں (غیر محسوس غیر مرئی مثل روح) سے نشان کی باتیں کرو گے یعنی روح تو مخفی ہے اور اجسام پر اس کے آثار ظاہر ہیں اس روح غیر ظاہر کو دیکھو کہ کس طرح ظواہر کو آمیختہ کرتی ہے۔

دل چو شاہ آمد زباں چوں ترجماں
شاہ بیں با ترجماں آمیختہ

دل مثل بادشاہ ہے اور زبان اس کی ترجمان ہے لیکن شاہ کو دیکھو کہ ترجمان سے کس طرح آمیختہ ہے یعنی دونوں میں کیسا رابطہ ہے۔

باد و آتش ہم آب و خاک را
دشمناں چوں دوستاں آمیختہ

پانی، ہوا، خاک، آتش سب آپس میں ضد اور دشمن ہیں لیکن روح نے ان دشمنوں کو ہمارے اجسام کے اندر جمع کر رکھا ہے اور روح نکلتے ہی یہ عناصرِ متضادہ تحلیل ہو کر اپنے مراکز کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

گرگ و شیر و میش و آہو چار ضد
از نہیب قہر ماں آمیختہ

حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ نے جسمِ خاکی میں ان عناصرِ متضادہ کو اس طرح جمع کر دیا ہے جیسے کہ بھیڑیا، شیر، بھیڑ اور ہرن جو مختلف المزاج اور مختلف الطبائع ہیں ایک جگہ جمع ہوں۔

Marfat.com

آنچناں ابرے نگر کز فیض او ست

آب چندیں ناوداں آمیختہ

بادل کے فیض کو دیکھو کہ بارش کے سبب بہت سے ناودان باہم آمیختہ ہیں۔ یہ اتحاد و اتصال جس طرح فیضانِ ابر سے ہوتا ہے اسی طرح حضرت شیخ شمس الدین تبریزیؒ کا فیض مثل بارش ہو رہا ہے جس کے سبب طالبین باہم شیر و شکر کی طرح محبّ و محبوب ہو رہے ہیں۔

اے بخارے را تو جاں پنداشتہ

حبّہ مس را تو کاں پنداشتہ

اے شخص تو نادانی سے بھاپ کو روح سمجھتا ہے اور یہ سمجھنا ایسا ہے جیسے کہ تو تھوڑے سے تانبہ کو دیکھ کر اس کو معدن سمجھ لے حالانکہ کیا نسبت اس حقیر جز کو کان سے۔

اے فرو رفتہ چو قاروں در زمیں

اے زمیں را آسماں پنداشتہ

اے شخص تو مثل قارون کے اندر جا رہا ہے اور زمین کو آسمان سمجھتا ہے یعنی پستی اور ذلت کے اعمال و اخلاق اور دنیائے حقیر پر فخر کرتا ہے۔

اے ز شہوت در پلیدی ہمچو کرم

عاشقاں را ہمچناں پنداشتہ

اے شخص تو شہوت کے اندر مثل پاخانہ کے کیڑے کے ہے۔ اور خدا کے نیک اور صالح بندوں کو بھی اسی طرح اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔

مستی شہوت بشان لعنت است

ہست گرگے را شباں پنداشتہ

شہوت کی مستی لعنت والی مستی ہے اور نفس کو گرگ (بھیڑیا) کو پاسبان و محافظ سمجھا ہے حالانکہ یہ دشمن راہِ خدا ہے۔

اے تو گندیدہ میان حرف و صوت

قول حق را آنچناں پنداشتہ

اے شخص تو کلام میں چونکہ حرف اور آواز کا محتاج ہے پس حق تعالیٰ کے کلام کو بھی اسی طرح نادانی سے

Marfat.com

قیاس کرتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ کا کلام حروف اور آواز سے بے نیاز ہے۔

ماہتابش میزند بر گور تن

اے تو آں مہ را نہاں پنداشتہ

حق تعالیٰ کا ماہتاب (نورِ خاص) اجسام پر متجلی ہے لیکن تو اس چاند کو مخفی سمجھتا ہے مراد یہ کہ صفاتِ الٰہیہ لطف و کرم رحمتِ رزاقیت ہر وقت بندوں پر مبذول ہیں لیکن ہمارے قلوب اس سے غافل ہیں اور اسباب کی طرف متوجہ ہیں اور خالق سے بے خبر ہیں۔

می زنم من حلقہ در ہر خانہ

ہست در خانہ چو ما دیوانہ

میں ہر گھر پر محبت کا دام ڈالتا ہوں اور ہر گھر میں کوئی نہ کوئی دیوانہ اللہ کا موجود ہے۔ مراد یہ کہ ہر انسان کو دعوت الی اللہ کرتا ہوں اور اسی دعوت میں خاصانِ حق بھی مل جاتے ہیں۔

مرغِ جاں پابستۂ ایں دام شد

بے نیاز آمد ز ہر دُر دانہ

جو مرغِ روح محبتِ حق کے دام میں آ گئی وہ دنیا کے حرص و طمع سے آزاد اور بے نیاز ہو گئی۔

زآنکہ گوش عاقلاں نامحرم ست

و ز فسونِ عاشقاں بیگانہ

چوں کہ اہلِ عقل کے کان عشق کے اسرار و رموز کے لیے نامحرم ہیں اس وجہ سے عاشقوں کی لذیذ گفتگو سے یہ بیگانے سے معلوم ہوتے ہیں یعنی توجہ سے نہیں سنتے۔ عقل سے مراد عقل ناقص ہے ورنہ عقل کامل اور عشق تو کلیان متساویان ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام سب عاشقِ حق ہوتے ہیں اور سب عقل میں اکمل اور کامل ہوتے ہیں۔

سلسلہ زلفے کہ دل مجنون او ست

میل دارد با شکستہ شانہ

محبوب کے زلف کی زنجیریں انہیں کی گرفتاری کی طرف مائل ہوتی ہیں جو شکستہ حال پراگندہ بال ہوتے ہیں یعنی دیوانے ہوتے ہیں مراد یہ کہ محبت کی یہ دولت دیوانوں کو عطا ہوتی ہے۔ عیش پرستوں کو نہیں۔

Marfat.com

شہر ما پُرفتنہ و پرشور شد
از نگارے فتنۂ فتانہ

ہمارے قلوب کے شہر میں شور و ہنگامہ ہے۔ حضرت شمس تبریزیؒ نے نجانے کیا درد ہم سب کو پلا دیا ہے۔

ہیچ خمرے بے خمارے دیدۂ
ہیچ گل بے زخم کارے دیدۂ

ہر خمر کے لیے خمار لازم ہے بے خمار کا خمر کس نے دیکھا ہے؟ پس شراب معرفت ومحبت حق سے اللہ والوں کی دائمی اور سرمدی مستی پر کیوں اشکال ہوتا ہے! اسی طرح کسی پھول کو بدون کانٹوں کے زخم اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔

در گلستان بہار آب و گل
مر خزانے نو بہارے دیدۂ

گلستان آب وگل یعنی دنیا میں خزاں کے بغیر کسی نے بہار دیکھی ہے۔ اسی طرح آخرت کی بہار اسی کو ملے گی جو دُنیا میں نفس کی خواہشات پر موسم خزاں دیکھے گا۔

کارِ حق کن بار حق کش غیراد
ہیچ کس را کاروبارے دیدۂ

بس اللہ تعالیٰ کے لیے زندگی وقف کر دو، انہی کی محبت میں مرنا جینا ہو اس کے علاوہ دنیا کے تمام کام لغو ہیں یعنی جو کام اللہ کے لیے نہ ہو وہ بے کار ہے یہی وجہ ہے کہ کفار جو کچھ بھی خیر و نیکی مثل ہسپتال، اسکول، غربا کی امداد، ہوائی جہاز و دیگر ضرورت کے لیے مصنوعات بناتے ہیں چونکہ بے ایمان ہیں۔ اللہ کے لیے یہ اعمال نہیں اس لیے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم ان کے لیے قیامت کے دن میزان نہ قائم کریں گے یعنی ان کے اعمال ضائع اور بے کار ہیں تولنے کے قابل ہی نہیں۔

ہیچ دل بے صیقلے لطف او
در تجلی بے غبارے دیدۂ

جس دل کو حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت صیقل نہ کرے تو وہ دل حق تعالیٰ کی تجلی کو بے غبار کب مشاہدہ کر سکتا ہے۔

Marfat.com

در جہاں صاف بیدردی عشق
بے خطر چوں دل مطارے دیدۂ

عشق کی بلاؤں کے جہان میں دلِ عاشق جیسا بے خطر اڑنے والا کسی اور کو دیکھا ہے؟ مطار (اڑنے کی جگہ) ہوائی جہاز کے اسٹیشن کو بھی کہتے ہیں۔

چوں سگ اصحاب در غار وفا
از شکار حق شکارے دیدۂ

سگ اصحابِ کہف جیسا باوفا غار کے اندر کسی اور کو دیکھا ہے؟ لیکن حق تعالیٰ جسے چاہیں باوفا بنادیں کتے پر ان کی نگاہِ کرم کا یہ اثر ہے وفاداری میں تو جس انسان پر ان کی نگاہِ کرم پڑ جائے گی اس کی وفاداری کا کیا مقام ہوگا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؒ کا خون شہادت اس وفا کا ثبوت فیصل ہے۔

من مست و تو دیوانہ ما را کہ بردخانہ
چندیں کہ ترا گفتم کم خورد و سہ پیمانہ

اے میرے مرشد شمس الدینؒ! میں مست ہوں اور آپ غلبۂ عشق الٰہی سے دیوانے ہو رہے ہیں تو ہم کو حق تعالیٰ تک کون پہنچائے گا۔ یعنی رہبری کے لیے ہوش چاہیے اور آپ کو عشق الٰہی نے بے ہوش و مست کر رکھا ہے۔ بارہا میں نے آپ سے عرض کیا کہ دوتین پیمانۂ معرفت کی شراب سے کم ہی پیا کریں تاکہ ہم لوگوں کا خیال بھی آپ کو باقی رہے اور طالبین خدا کا بھی بھلا ہو۔

مولانا نے یہ مضمون غلبۂ حال میں بیان فرمایا ہے کسی مُرید اور طالب کے لیے شیخ سے ایسی باتیں کرنا حالت حواس و ہوش میں خلاف ادب ہوگا۔

در شہر یکے تن را ہشیار نمی بینم
ہر یک بتراز دیگر شوریدہ و دیوانہ

اے مرشد شمس تبریزی! آپ کے نعرہ ہائے دردِ عشق نے تمام اہل شہر کو دیوانہ اور بے ہوش کر رکھا ہے ہر ایک کی شوریدہ سری ایک دوسرے سے بڑھی ہوئی ہے۔

جاناں بخرابات آ تا لذت جاں بینی
جاں را چہ بُوَد لذت بے صحبت جانانہ

اے مخاطب! زہد خشک کا راستہ چھوڑ کر حق تعالیٰ کی محبت کا راستہ اختیار کر کیونکہ یہ راستہ جلد محبوب تک

Marfat.com

رسائی کا ذریعہ ہے اور جان بغیر محبوب کے بے کیف و محزون ہوتی ہے۔

محبت کا راستہ آسان تر اور نزدیک تر ہے اور تمام دین کو لذیذ تر بنا دیتا ہے۔ اس کی ترغیب حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ حق تعالیٰ کی محبت کو اس سطح پر حق تعالیٰ سے طلب فرما رہے ہیں کہ اے خدا اپنی محبت مجھے میری جان سے زیادہ اہل و عیال سے زیادہ اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ عطا فرما دیجیے۔

ہر گوشہ یکے مستی مستے و زیر دستے
و آں ساقی سر مستے با ساغر شاہانہ

اے مُرشد تبریزی! آپ کے کمالاتِ عشق اور فیضانِ نسبت باطنی سے تو جس گوشہ کی طرف دیکھتا ہوں کوئی سرمست و دیوانہ ذکرِ حق میں مشغول نظر آتا ہے اور پھر آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ ساقی سرمست ساغرِ شاہانہ لیے نظر آتے ہیں۔

اے محرم تبریزی از خلق چہ پرہیزی
اکنوں کہ در افگندی صد فتنہ و فتانہ

اے محرم اسرارِ علوم و معرفت حضرت شمس الدین تبریزیؒ! جب آپ نے ایک خلق کو اپنے آہ و نالوں اور دردِ باطن سے سرگشت و سرمست و حیران و دیوانہ بنا رکھا ہے تو آپ کا خلق سے کنارہ کش ہونا اب مناسب نہیں معلوم ہوتا (اب ان طالبین کے احوال پر رحم کیجیے اور ان کی تربیت و اصلاح کے لیے مخلوق سے رابطہ منقطع نہ فرمائیے)۔

ہر روز پریزادے از سوئے سرا پردہ
ما را و حریفاں را در رقص در آوردہ

ہر روز عالمِ غیب سے تجلیاتِ الٰہیہ مختلف شان سے ہمارے ارواح پر حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے فیض سے منکشف ہو رہی ہیں جس سے مجھ پر اور دیگر سالکین پر حالتِ وجد طاری ہے۔

جستم جگرت را من بستان جگر دیگر
تا شیر بزیر آری اے روبہہ و پژمردہ

مولانا حق تعالیٰ کی طرف سے مجاہدہ کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اے طالب! میں مجاہدات سے تیرے جگر کا خون اس لیے کرتا ہوں کہ اس جگر کے بدلے تجھے دوسرا قوت والا جگر عطا کروں جس کی

Marfat.com

طاقت سے اے افسردہ اور روباہ کی طرح بزدل تو شیر جیسے نفس کو زیر کر لے اور نفس کے بُرے تقاضوں پر تو غالب آ جائے۔

مبارکباد آمد ماہ روزہ
رہت خوش نہ باد اے ہمراہ روزہ
نظر کردم کلاہ از سر بیفتاد
سرم را مست کرد آں شاہ روزہ

اے رمضان مبارک تجھے مُبارک ہو اور تو خوش رہے تجھے (یعنی ہلالِ رمضان) دیکھنے سے میری ٹوپی سر سے گر گئی اور شاہِ رمضان نے میرے سر کو مست کر دیا۔

دُعا ہا اندریں مہ مستجاب ست
فلک ہا را بدرّد آہ روزہ

اس ماہ مبارک میں دُعا خوب قبول ہوتی ہے اور روزہ دار کی آہ آسمان کو پھاڑتی ہوئی مولائے عرش تک جاتی ہے۔

بیا دل بر دل پر درد من نہ
بیا رخ بر رخان زرد من نہ

اے محبوب مرشد! آپ اور میرے تربیت کردہ قلب پر اپنا دل رکھ دیجیے اور آپ میرے زرد رخسار پر اپنے رخسار مبارک کو رکھ دیجیے۔ اس شعر میں مرشد سے عنایت خصوصی اور توجہ خصوصی کی درخواست ہے۔

تو خورشیدی و از تو گرم عالم
یکے تابش بر آہ سرد من نہ

اے شمس الدین تبریزیؒ آپ تو معرفت کے آفتاب ہیں کہ ایک عالم آپ سے گرم ہو رہا ہے یعنی آپ کا فیض عالم ہو رہا ہے از راہِ کرم اے آفتاب! تھوڑی سی تابش (گرمی شعاع) میری آہ سرد پر رکھ دیجیے۔

ازاں جو ہر کہ از دریا بر آری
بیا بر مفرق پُر گرد من نہ

اے شمس الدین تبریزیؒ! آپ نے دریائے معرفت سے جو موتی چُنے ہیں آیئے اور میرے گرد وغبار سے اَٹے ہوئے سر پر رکھ دیجیے یعنی یہ سر دیوانہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔

Marfat.com

بہر شرطے کہ بنہی من مطیعم
و لیکن شرط من در خورد من نہ

اے مرشد! آپ جو شرط میری باطنی تربیت کے لیے رکھیں مجھے منظور ہے اور میں جُملہ شرائط کا پابند و مطیع ہوں گا لیکن میری شرط کو بھی آپ اپنے کرم سے منظوری عطا فرما دیں اور وہ شرط جواہر معرفت کا عطا کرنا ہے۔

بہر جامے نمی گردد سرم مست
بہ پیشم زاں مئے خوگرد من نہ

اے مرشد تبریزی! ہر جام سے میرا سر مست نہیں ہوتا آپ تو مجھے تیز والی (مئے خو دراصل مئے تند خو ہے، ضرورت شعری سے تند کو حذف کیا) پلایئے مراد یہ کہ عشق و محبت کا بلند ترین مقام مجھے عطا فرمایئے۔

ایا گم گشتگان راہ و بے راہ
شما را باز میخواند شہنشاہ

اے گم گشتگانِ راہ اور بے راہ لوگو! خوشخبری ہو کہ تمہیں شہنشاہِ حقیقی پھر یاد فرما رہے ہیں اور بُلا رہے ہیں۔

دلا بیگاہ شد باز آبخانہ
کہ ترک آید سوئے خانہ شبانگاہ

اے دلِ بے کیف! تو خلق سے یکسو ہو کر خالق کی طرف متوجہ ہو جا کہ وہ محبوب حقیقی تجھ پر کرم فرما ہونا چاہتے ہیں۔

بمقناطیس آید آخر آہن
بسوئے کہربا آید یقیں کاہ

لو ہا بالآخر مقناطیس کے پاس آ ہی جاتا ہے اور گھاس کہربا کی طرف واصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہماری روح عالم ارواح کی طرف کہ اس کا اصل مرکز ہے متوجہ ہوتی جا رہی ہے اور غفلت کے پردے چاک ہوتے جا رہے ہیں۔

کنوں درگاہ گردوں بر کشادند
کہ عاجز شد فلک از نالہ و آہ

عاشقین کی گریہ وزاری اور آہ و نالوں پر دریائے رحمت کو جوش ہوا اور آغوش قبولیت کشادہ فرما دیا۔

Marfat.com

چو اہل آں شوی در فہمت آید
چہ میگویند مردان سحر گاہ

اے لوگو! جب حق تعالیٰ شانہ کی راہ میں قدم رکھو گے اور کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر کچھ مدت ذکر و شغل کرو گے تو ان باتوں کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہوگی پھر معلوم ہوگا کہ یہ اللہ کے دیوانے (مردانِ سحر گاہ۔تہجد پڑھنے والے) کیا کہتے ہیں۔

بر بند ایں دہاں را بکشا دہان جاں را
تا ہر دو عالمت ز در دو یکے نوالہ

اے لوگو! یہ منہ بند کرو یعنی خاموشی اختیار کرو اور روح کا منہ کشادہ کرو پھر دونوں جہاں تمہاری روح کے عالم وسیع کے سامنے ایک لقمہ معلوم ہوگا۔

بدانکہ خلوت دل بر مثال دریایست
بقعر بحر گہر ہائے خوب ناسفتہ

دل کا خلوت کدہ مثل سمندر ہے اور سمندر کی گہرائی میں بہترین موتی پوشیدہ ہیں لیکن بحر دل میں غوطہ لگانا آسان نہیں کسی اللہ والے کی جوتیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔

اگرچہ ہر طرفے ہست راہ در طلبش
براہ دور بجوئی ازاں شوی خستہ

حق تعالیٰ کی طلب کی راہیں ہر طرف ہیں لیکن اے مخاطب تو نے دور دراز کا راستہ اختیار کیا ہے اس وجہ سے خستہ ہو رہا ہے۔قریب کا راستہ مرشد کامل (متبع شریعت و سنت) سے ملتا ہے۔

میاں گلبنِ دل جاں بخست از خارے
ببیں دلا تو زخاری ہزار گلدستہ

دل کے گلاب میں روح کانٹوں کا غم برداشت کر کے خستہ ہوگئی لیکن اے دل ان مجاہدات کے صدقہ میں ہزاروں گلدستہ قرب و معرفت الٰہیہ تو دیکھ لے۔

ورائے دیدہ و دل دریچہ بکشادہ
برون چرخ بریں رفتہ صد سہ دیدہ

اے مرشد شمس الدین تبریزیؒ! آپ نے اپنے دیدہ و دل کے علاوہ سینکڑوں خفیہ دریچے اور دل رکھے ہیں

Marfat.com

اور اس آسمان کے علاوہ سینکڑوں آسمان دیکھے ہیں مراد قرب وتجلیات الٰہیہ ہیں کہ آسمان اس سے محروم ہیں۔

امانت عشق الٰہیہ آسمان نہ اُٹھا سکا اور ڈر گیا اور قرعۂ فال ہم دیوانوں کے نام نکلا یعنی انسان نے اٹھا لیا پس معلوم ہوا کہ اولیائے کرام کے مقامات مافوق الافلاک ہوتے ہیں اور ان کی قیمت افلاک سے زائد ہے۔

بہ پیش عشق دو عالم چودانہ پیش خروس

چنیں بود نظر پاک کبریا دیدہ

عاشق حق کے سامنے دونوں جہاں کی مثال ایسی ہے جیسی مرغ کے سامنے دانہ ہو کہ جب چاہتا ہے چگ لیتا ہے۔ یہی حق شناس کبریا دیدہ آنکھوں کا مقام ہوتا ہے۔

مراد یہ کہ عاشق حق رضائے حق کا طالب ہوتا ہے اور دونوں عالم دینے کو تیار رہتا ہے۔ اے خدا آپ نے اپنی قیمت دونوں جہاں فرمایا ہے نرخ اور زیادہ کیجیے کہ دونوں جہاں بھی آپ کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

اللہ را کہ شناسد کسے کہ است زلا

زلا کہ است بگو عاشقے بلا دیدہ

خدا کو وہی پہچانتا ہے جو اغیار کو لا الہ سے ختم کرتا ہے اور غیر اللہ سے کوئی خلاصی نہیں پا سکتا جب تک کہ مجاہدات کی بلاؤں کو نہ برداشت کرے۔ بلا دیدہ ہی نجات پا سکتا ہے۔

وہاں کشادہ ضمیر و صلاح دیں را گفت

توئی حیات من اے دیدۂ خدا دیدہ

حضرت صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا کے محبوب رفیق تھے ان سے فرمایا کہ اے ضمیر دہاں کشادہ! اے دیدۂ خدا دیدہ! آپ ہی ہمارے لیے بہارِ زندگی ہیں۔

چو آفتاب برآمد ز قعراب سیاہ

ز ذرہ ذرہ شنو لا الہ الا اللہ

جب قلب کے تاریک سمندر سے آفتاب حق طلوع ہوتا ہے یعنی نسبت مع اللہ کے انوار جلوہ فگن ہوتے ہیں تو سالک ہر ذرّۂ کائنات سے لا الٰہ الا اللہ کی آواز سنتا ہے یعنی حالاً، ذوقاً وجداً وہ اپنی عارفانہ نظر سے یہی دیکھتا ہے کہ

"الا کل شیٔ ماخلا اللہ باطل"

اللہ کے سوا ہر شے فانی ہے اور سوائے خدا کے کوئی باقی نہیں۔

Marfat.com

چہ جائے ذرّہ کہ چوں آفتاب جاں آید
ز آفتاب ربودند خود قبا و کلاہ

وہ آفتاب جان یعنی نورِ مطلق حقیقی جب قلب سالک پر مُتجلّی ہوتا ہے تو اس خورشید جہاں تاب کا قبا اور ٹوپی کو بھی اڑا دیتا ہے یعنی یہ شمس و قمر حق تعالیٰ شانہ کے نور کے سامنے ماند اور پھیکے بلکہ کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔

از جان و دل گوید کسے پیش چناں جانانہ
و زسیم و زر گوید کسے پیش چناں سیمیں برے

محبوبِ حقیقی کے جمال لازوال کے سامنے دل و جان کا تذکرہ کون کرتا ہے یعنی ہر مجاہدہ کو گوارا کرنا آسان ہے حتیٰ کہ جان بھی دے دینا۔ اُس محبوب جہاں فروز کے سامنے سیم و زر کا تذکرہ کیا معنی رکھتا ہے۔

لقمہ شدے کون و مکاں گر عشق را بودے دہاں
درباں بدندے سروراں گر عشق را بودے درے

اگر عشق کے منہ ہوتا تو یہ دونوں جہاں اُس کے لیے ایک لُقمہ ہوتا اور اگر عشق کا دروازہ ہوتا تو اس کی دربانی کے لیے بڑے بڑے سردار خواہش مند ہوتے۔ مراد عشق حقیقی ہے کیونکہ عشق مجاز دراصل فسق ہے اور عاشق مجاز دراصل فاسق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں ایک دوسرے کی نگاہ میں ذلیل ہو جاتے ہیں اور کائنات بھی انہی ذلّت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ لہٰذا فسق کا نام عشق رکھنا ہی غلط ہے حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"افمنْ زيِّنَ له سوء عمله فرأه حسنا"

جس شخص کے نگاہ میں شیطان بُرائی کو مزین کر دیتا ہے تو وہ بُری شے کو اچھی دیکھتا ہے۔

آمد بہار اے دوستاں خیزد سوئے بوستاں
لیکن بہار من توئی من ننگرم در دیگرے

بہار آ گئی اے دوستو! باغ کی طرف چلو لیکن میری بہار تو اے شمس الدین تبریزیؒ آپ ہیں آپ کے علاوہ کسی اور کو ہم نہ دیکھیں گے۔

از خلق پنہاں اے پری در جان من در دلبری
اے زہرۂ صد مشتری اے سرّ لطف ایزدی

اے مرشد تبریزیؒ! آپ مخلوق سے پنہاں خلق سے گریزاں باحق آویزاں میری جان میں اپنی محبوبیت

Marfat.com

اور جذب سے دلبری فرما رہے ہیں۔ اے حق تعالیٰ کے الطاف پنہاں کے حامل! آپ سینکڑوں طالبین کے محبوب ہیں۔

از زہرہ تنگ آید ترا مہ تیرہ رنگ آید ترا
افلاک تنگ آید ترا چو نتو بجولاں میروی

اے مرشد شمس الدین تبریزیؒ! آپ مرتبۂ روح میں حق تعالیٰ سے اس قدر مقرب ہیں کہ آپ انوارِ نسبت (انوار تعلق مع اللہ وتجلیات قرب) کے سامنے یہ زہرہ ستارہ اپنی بلندی کے باوجود خود کو شرمسار اور چاند اپنی روشنی کو تیرہ و تاریک محسوس کر رہا ہے اور افلاک آپ کے وُسعت روحانی اور باطنی اور تیز رفتاری کے سامنے حقیر و تنگ ہیں۔

یک مسئلہ می پرست ای روشنی بر روشنی
ایں چہ افسوں می دمی غم را کہ شادی مکینی

اے مرشد شمس الدین تبریزیؒ! آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ روشنی بر روشنی نورٌ علی نور ہیں وہ مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ جب سے رابطہ قائم ہوا ہے تو کیا راز ہے کہ آپ کا فیض روحانی میرے غم کو خوشی سے تبدیل کرتا جا رہا ہے۔ دراصل یہ طمانیت وخوشی روحانی سکون سے ہے جو روح اپنی غذا یعنی ذکرِ حق پا جاتی ہے اس کو یہی دولت عطا ہوتی ہے۔

ہر لحظۂ جائے روم ہر دم بباغ میروم
بے فکر و بے دل می روم چو دست بر دل میزنی

اے مرشد! جب آپ نے مرے قلب پر توجہ وشفقت خصوصی فرمائی ہے ہر وقت باغِ مسرت میں ہوں اور ہر وقت بے فکر و کیف بے خودی سے سرشار ہوں۔

لالہ بخوں غسلے کند نرگس ز حیرت سر نہد
غنچہ ببند از دکلہ سوسن فتد از سوسنی

اے مرشد تبریزی! آپ کے انوار و جمال کو دیکھ کر لالہ چمن میں خونِ غمِ ننگ سے نہا رہا ہے اور نرگس حیرت سے سرنگوں ہے اور غنچے اپنے تاج سے اور سوسن اپنی شان سوسنی سے دستبردار ہو رہے ہیں۔

گر خاطر اشتر دلم خوش شیر گیر او شدے
شیران نر را ایں زماں در زیر زیں آوردمے

اگر میرے دل نے فیوض مرشد حاصل کر لیا تو بڑے بڑے شیرانِ طریق میرے مقامِ قرب سے حیرت

Marfat.com

زدہ ہوں گے۔

بدی تو بلبل مستے میانہ چغداں

رسید بوئے گلستاں بگلستاں رفتی

اے طالب حق! تو ساقیِ ازل سے ازل ہی میں خدا کا بلبل مست بن چکا لیکن دنیا میں الوؤں سے مراد آخرت سے غافل لوگ ہیں پھر جب اللہ والوں کی صحبت میں تو نے وطن آخرت کا تذکرہ سنا اور اللہ تعالیٰ کی خوشبوئے قرب نے تیری روح کو مست کر دیا تو پھر تو نے گلستانِ قرب خدا میں اپنا آشیانہ بنا لیا یعنی اہل اللہ کی صحبت اور ذکر وفکر وعبادت کا مزہ لوٹنے لگا۔

تو تاج را چہ کنی چونکہ آفتاب شدی

کمر چرا طلبی چونکہ از میاں رفتی

اے طالب حق! جب تو آفتاب ہو گیا تو تاج کیا کرے گا اور جب تو نے اپنے نفس سرکش کی کمر کو توڑ دیا تو پھر کمر و پٹکا کیا کرے گا۔ یعنی اللہ والوں کو جب قرب خدائے پاک کا آفتاب مل جائے تو پھر تاج وتخت و کمر و پٹکا جیسے شاہی وشاہزادگی کے لوازم سے مستغنی ہو جانا چاہیے۔

خموش باش مکش رنج گفتگو کے نخسپ

کہ در کنار چناں یار مہرباں رفتی

خاموش ہو جا اور نہ سونے کے حکم سے رنجیدہ نہ ہو کہ تیرے پاس کیسا مہربان محبوب موجود ہے۔

ز جان خویش اگر بوئے تو نیاندے

چو استخواں دل و جان را بسگ سپردندے

اے خدا! اگر آپ کے عاشقوں کو اپنی جانوں میں آپ کے قرب کی خوشبو نہ محسوس ہوتی تو شدتِ غم فراق سے مثل ہڈی کے اپنے دل و جان کو کتوں کے سپرد کر دیتے یعنی زندہ نہ رہتے۔

اگر نہ پر تو رویت بر آب می تابید

بجائے آب ہمہ زہر ناب خوردندے

آپ کی تجلیاتِ صفاتیہ کا ظہور پانی پر نہ ہوتا یعنی کائنات میں نہ ہوتا تو بجائے آپ کے یہ عشاق زہر کھا لیتے یعنی اس کائنات سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آپ کی جُدائی کے غم سے گھل گھل کر ہلاک

Marfat.com

ہو جاتے۔ مگر یہ تو آپ کا کرم ہوا کہ آپ کی نشانی کائنات کا ہر ذرہ بتا رہا ہے۔

ایک بدوی صحابیؓ نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا اے آسمان اور اے نجوم تمہارا کوئی رب اور خالق ہے پھر کہا اے اللہ ہم کو بخش دیجیے۔ یہ باتیں رسول اکرم ﷺ نے سنیں تو ارشاد فرمایا کہ اے شخص تیری باتیں خدا کو پسند آئیں اور تیری بخشش فرما دی۔

دوش آمدہ بودست مرا خواب ربودہ

آں شاہ دلا رام من و محرم جانی

رات حضرت شمس الدین تبریزیؒ کو خواب میں دیکھا کہ اُس محبوب مرشد کی زیارت فی المنام کی لذت نے نیند اُڑا دی اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ وہ میرا شاہ دل آرام ہے اور میری روح محرمِ اسرار بھی ہے۔

ہر گوشہ نشانیست ز مخلوق بخالق

قانع نشود عاشق بیدل بہ نشانی

ہر ذرہ اگرچہ خالق پر نشان دہی کر رہا ہے لیکن عاشق بیدل کو صرف نشانی پر قناعت نہیں ہوتی انھیں تو دیدار چاہیے۔

بر خیز و بیا دبدبۂ عمر ابد بیں

تا با زر ہی زود ازیں عالم فانی

اے مخاطب جلد آ اور اللہ والوں کی حیات ابدی کا دبدبہ و کرّ و فر دیکھ تا کہ تو اس عالم فانی کی محبت سے رہائی و خلاصی پا جائے۔

عاشق شو و عاشق شو و بگذار امیری

سلطان بچۂ آخر تا چند اسیری

اے مخاطب عاشقِ حق ہو جا۔ عاشقِ حق ہو جا۔ یہ امیری متاع چند روزہ فانی ہے اسے ترک کر دے۔ سُلطان ہو کر کب تک کوڑے خانہ کے کنوئیں میں پڑا رہے گا۔ سُلطان سے خطاب شفقت و پیار پر دلالت کرتا ہے۔

در خاک میامیز کہ تو گوہر پاکی

در سر کہ میامیز کہ تو شکر شیری

خاک سے مت آمیزش کر کہ تو پاک گوہر ہے اور سر کہ سے مت آمیزش کر کہ شکر شیریں ہے یعنی تو اپنی روح کو اعمال صالحہ اور عشق خدا سے منور کر اور جسم کے تقاضوں کو بقدر ضرورت پر اکتفا کر۔ ان کو مقصود سمجھ کر

Marfat.com

انہیں فانی لذتوں میں خبردار! اپنی زندگی کو ضائع مت کر کہ آخرت میں رُسوائی ہوگی۔

تا فضل و کرامات و مقامات تو دیدم
بیزار ازیں فضل و مقامات حریری

اے مرشد! جب سے آپ کی کرامات و مقامات کو میں نے دیکھا دنیا کی فانی شان و شوکت میری نگاہوں سے گرگئی اور میں حُبِّ دنیا سے بیزار ہوگیا۔

اے چشمۂ خورشید کہ جوشیدی ازاں بحر
تا پردۂ ظلمات با نوار دریدی

اے مرشد! آپ چشمۂ خورشید ہیں جو بحرِ معرفتِ حق سے برآمد ہوا ہے آپ کے انوارِ روح نے میرے ظلماتِ نفسانیہ کے پردوں کو چاک کر دیا اور باطن کو منور کر دیا۔

ہر خاک کہ در دست گرفتی ہمہ ز رشید
شد لعل و زمرد ہمہ سنگے کہ گرفتی

اے مرشد! آپ کی صحبت میں جو نااہل آتا ہے چند دن میں وہ بھی لعل و زمرد ہو جاتا ہے یعنی خاک کو کیمیا آپ کی صحبت بناتی ہے جس طرح سے لوہا پارس پتھر سے مل کر سونا ہو جاتا ہے۔

اے آنکہ آفتاب و چراغ جہاں شوی
اندر کنار مردہ در آئی و جان شوی

اے خدا آپ ہی تمام کائنات کے لیے آفتاب ہیں یعنی تمام عالم حتیٰ کہ شمس و قمر بھی آپ کے نور سے منور ہیں اور جس مردہ دل میں آپ کا نور آجاتا ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

اندر دو چشم کور در آئی نظر شوی
اندر دہان گنگ در آئی زباں شوی

آپ کا نور جس کی آنکھوں میں آجاتا ہے وہ صاحبِ نظر ہو جاتا ہے (یعنی اہل بصیرت ہو جاتا ہے) اور جس زبانِ گنگ میں آپ کا درد آجاتا ہے وہ زبان فصیح البیان ہو جاتی ہے۔

شاہد ہمچو کواکب در پیت
تو رواں چو ماہ روشن می روی

اے مرشد شمس الدینؒ! بڑے بڑے وقت کے روحانی لوگ مثل ستاروں کے آپ کے گرد و پیش جمع ہیں

Marfat.com

اور آپ ان کے درمیان اس طرح چلتے ہیں جس طرح روشن چاند ستاروں کے جھرمٹ میں چلتا ہے۔

ہر دم اے دل سوئے جاناں می روی
در نظر ہا سخت پنہاں می روی

اے دل ہر وقت تو محبوب حقیقی کی یاد میں اُسی کی طرف جا رہا ہے لیکن اس باطنی سیر الی اللہ سے خلائق آگاہ نہیں ہے کیونکہ سیر دل مخلوق کی نظر سے سخت پنہاں ہے۔

پیش مہماناں صورت حاضری
گر بمعنی پیش یزداں می روی

اے مرشد شمس الدین تبریزیؒ آپ اپنے مہمانوں کی مجلس میں بظاہر حاضر ہیں لیکن آپ کا باطن اس وقت بھی خدائے پاک کے ساتھ مشغول ہوتا ہے یعنی آپ باہمہ بھی ہیں اور بے ہمہ بھی اور اس مقام کو صوفیہ خلوت در انجمن سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

در جہاں غمگین نماندی لیک تو
در نہاں از جملہ خلقاں می روی

اے مرشد آپ کے اوپر بظاہر مجاہدات اور غم کے کوئی آثار نہیں معلوم ہوتے لیکن آپ کی باطنی رفتار کی تیزی تمام مخلوق سے فائز تر ہو رہی ہے۔

حال ما بنگر ببر پیغام ما
چوں بہ پیش تخت سلطان می روی

اے مرشد! میرا حال زار دیکھ کر ہمارا پیغام بھی جب آپ کو تخت سلطان حقیقی سے قرب ہو، پیش کر دیجیے۔

شکر کن در عشق او بگداختی
سر بریدہ نالہ کن مانند نے

اے طالب! شکر خدا کر کہ مرشد نے عشق خدا میں تجھ کو گلایا۔ پس تو سر بریدۂ عشق ہو کر نالۂ عشق بلند کرتا رہ مثل بانسری کے یعنی جس طرح بانسری کا ایک سرا جب بجانے والے کے منہ میں ہوتا ہے تو دوسرے سرے سے درد و نالہ کی آواز کبھی بلند اور کبھی پست نکلتی ہے اسی طرح مرشد کے منہ میں تو نے جب روح کا ایک سرا دے دیا تو اب تیری روح کے دوسرے سرے سے درد و نالہ ہائے عشق حق کی وہ آواز بلند ہوگی جو سامعین و طالبین کے لیے غذائے روح ہوگی۔

Marfat.com

شمس تبریزی بیا در من نگر
تا بہ بینی تو مرا معدوم شے

اے شمس الدین تبریزیؒ! آپ آیئے اور میرے اندر ملاحظہ کیجیے تا کہ میری فنائیت و عبدیت کا آپ مشاہدہ کرلیں۔

بگذر از خورشید و از مہ چو خلیل
ورنہ در خورشید کامل کے رسی

اے لوگو! مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تم بھی چاند اور سورج سے نظر ہٹالو اور لا احبُّ الآفلین کا نعرہ لگاتے ہوئے اگر آگے نہ بڑھو گے تو خورشید حقیقی یعنی حق تعالیٰ کی ذات پاک تک رسائی کس طرح ہوگی یعنی چاند و سورج جیسی حسین صورتوں سے نگاہ کو بچالو کہ ان کے عشق سے روح کو رہائی کے بعد ہی حق تعالیٰ شانہ کا آفتاب قرب دل میں روشن ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہیں جو دل غیروں میں پھنسا ہو اس دل میں ان کی تجلّی کیسے ہو۔

از مرگ چوں اندیشی چوں جان بقا داری
در گزر کجا گنجی چوں نور خدا داری

اے طالب! تو موت سے کیوں اندیشہ کرتا ہے جبکہ تیری روح تعلق مع اللہ کے نور سے باقی باللہ ہوچکی ہے اور تیرا جسم تو قبر میں سما سکتا ہے لیکن تیری روح کے اندر جو نور خدا ہے وہ قبر میں کس طرح سما سکتا ہے وہ نور تو آسمانوں اور زمینوں کی وسعت میں بھی نہیں سما سکتا۔ پس تو اس دولت نورِ خدا کے ہوتے ہوئے قبر سے کیوں گھبراتا ہے یعنی تیری روح نور خدا کے ساتھ علیین میں ابرار و صالحین کے ساتھ ہوگی پھر قبر کی تنہائی تیرے لیے باعثِ وحشت کیوں ہوگی۔

خوش باش کزیں عالم گر ہیچ نداری تو
خود جملہ تو میداری گر دلبر ما داری

اے طالب خدا! تو خوش ہوجا کہ اگر دُنیا تیرے پاس نہیں ہے تو مالک اور خالق دُنیا تو تیرے پاس ہے پس جب خالقِ کائنات تیرے پاس ہے تو پھر یوں سمجھ کر جملہ کائنات بھی تیرے پاس ہے۔

ہمرنگ جماعت شو تا لذت جاں بینی
در کرئے خرابات آ تا درد کشاں بینی

اے طالبینِ خدا! خاصان خدا کی جماعت کے ساتھ ظاہراً و باطناً ہمرنگ ہوجاؤ یعنی ظاہری وضع قطع بھی

Marfat.com

صلحاء امت کی اختیار کرو اور باطنی سیرت و اعمال و اخلاق میں بھی انھیں کی نقل کرو حق تعالیٰ کا کرم اسی نقل میں اصل کی روح بھیک ہے جب پیالہ ہی نہ ہوگا بھیک کس میں پاؤ گے۔

از بہر عجوزے را تا چند دہی کابین

از بہر سہ ناں تا کے شمشیر و سناں بینی

اے دنیا والو! اس بوڑھی دُنیا کا مہر کب تک ادا کرتے رہو گے اور چند روٹیوں کی خاطر کب تک تلوار وغیرہ اُٹھاتے رہو گے۔

اندک اندک مجنوں راہ بری از دم من

برہی از خرد و بامن دیوانہ شوی

اے طالب! تو میرے فیضِ صحبت سے تھوڑا تھوڑا دیوانہ ہو رہا ہے تاکہ تو عقل کی زنجیر سے خلاصی پا جائے اور ہمارے ساتھ تو بھی دیوانہ بن جائے۔

از کجا تافت چنیں ما دریں قالب ما

تا ز جا رفت دل و رفت بجائے عجبے

ہائے کہاں سے میرے دل میں ایسا چاند روشن ہوا کہ جس کے وفورِ تجلی سے میرا قلب سینے میں نہ رہا اور نہ جانے کس عجیب مقام پر پہنچ گیا۔

خاکیاں نرا کہ ہوش می بخشد

بادشاہے عظیم جبارے

وہ ذات پاک ایسی عظیم القدرت ہے کہ خاکیوں کو عقل و ہوش عطا کرتی ہے ورنہ مٹی کو عقل سے کیا مناسبت۔

تو شاہے عظیم کہ در دل مقیم

تو آبِ حیاتی کہ در تن روانی

اے خدا تو عظیم قدرت والا شاہ ہے کہ میرے دل میں مقیم ہے تو میرا آبِ حیات ہے کہ میرے بدن میں رواں ہے۔

بہر دم گویدت دلہلا حلالت باد خون ما

کہ خون ہر کرا خوردی وراتی ابد کردی

میرا دل اے محبوب! آپ سے یہ کہہ رہا ہے کہ ہمارا خون آپ کے لیے حلال ہے کہ آپ جس کا خون

Marfat.com

اپنے لیے قبول فرماتے ہیں (بوقت شہادت) اس کو حیات ابدی جاودانی عطا فرماتے ہیں۔

ندارد چارہ دیوانہ بجز زنجیر خائیدن

حلال استت ثواب استت اگر زنجیر می خائی

دیوانہ کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ و تدبیر نہیں کہ وہ صرف زنجیر کو دانتوں سے رہائی کے لیے کاٹتا رہے پس دیوانے کے لیے زنجیر کا دانتوں سے کاٹنا حلال اور ثواب ہے اس مضمون کو عاشقین خود سمجھ جائیں گے اور غیر عاشقین کو سمجھانا نہیں ہے۔

بگو اسرار اے مجنوں ز ہشیاراں چہ می ترسی

قبا بشگاف اے گردوں قیامت را چہ می پائی

اے مجنوں! اسرار عشق بیان کر اور اہل عقل سے کیا ڈرنا ہے۔ اے آسمان! اپنے قبا کو چاک کر دے قیامت کا کیا انتظار کرتا ہے۔

اگر پرواز عشق تو دریں عالم نمی گنجد

بسوئے قاف قربت پر کہ سیمرغی و عنقائی

اے عاشقِ حق! اگر تیری پرواز کے لیے یہ جہاں تنگ ہے تو قرب حق کی غیر متناہی اور غیر محدود کوہ قاف کی راہ اختیار کر کے مثل سیمرغ اور عنقا کے پرواز کر۔

در آتش بایدت بودن ہمہ تن چو شہ انجم

اگر خواہی کہ عالم را ضیا و نور افزائی

اے عاشق! عشق کی چنگاریوں میں تجھے ہمہ تن شاہ انجم یعنی چاند کی طرح رہنا چاہیے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے عشق انوار سے اور درد محبت کی خوشبو سے اہل جہاں فیض یاب ہوں۔

دلا می ساز با خارش با او بود گلزارش

اگر خواہی کہ بوئے گل بکش از خار رنجورے

اے دل! رضائے حق کے لیے تکالیف کے کانٹوں کو برداشت کر کہ انھیں کانٹوں کے ساتھ اس محبوب کا گلزار وصال ہے اگر تو گل کی خوشبو کا عاشق ہے تو یقیناً تجھے اس کے کانٹوں کی رنجوری کو برداشت کرنا ہوگا۔

رہا کن ناز تا تنہا نہ مانی

کہ ہمچوں گرگ در صحرا نمانی

اے طالب! ناز و تکبر کو ترک کرتا کہ تو تنہا نہ رہے یعنی تو تکبر کے سبب کسی اللہ والے کے پاس نہیں جا

Marfat.com

رہا ہے اور ان کی اتباع سے تجھے عار و شرم آتی ہے اس طرح تو ہمیشہ تنہا رہے گا۔

اور اگر ناز ترک کر کے نیاز مندانہ کسی مقبول بارگاہ حق بندے سے رشتۂ عقیدت و محبت و اتباع قائم کر لے تو پھر تو تنہا نہ رہے گا۔

دو چشم از عیب دوز و غیب می بیں
کہ چوں آنجا روی اینجا نمانی

اپنی آنکھوں سے دوسروں کا عیب مت دیکھ اپنے عیوب پر نظر کر۔ کیونکہ جب تو مخلوق کے عیوب پر نظر کرے گا تو اپنی اصلاح سے غافل ہو جائے گا۔ نفس دو شے کی طرف ایک وقت میں متوجہ نہیں ہو سکتا پس اگر تو غیروں کا عیب دیکھے گا تو اپنے عیب سے بے فکر ہوگا اور اگر اپنے عیوب کی فکر میں ہوگا، اپنے عیوب کی اصلاح میں لگ کے دوسروں کے عیوب سے فارغ ہوگا۔

ہمی کش سرمۂ تعظیم در چشم
پہا پے تا کہ نابینا نمانی

اے طالب! اپنے مرشد کو محبت اور اکرام و احترام کی نظر سے دیکھ کر اس خاک کے اندر نسبت مع اللہ کا قمر روشن ہے جو آسمان کے قمر و خورشید سے افضل ہے۔ اس احترامِ اہل اللہ کی برکت اور حُسن ظن سے حق تعالیٰ تجھے باطنی بصیرت عطا فرمائیں گے۔

منہ لب بر لب ہر بوسہ جوئے
کہ ناز آں دلبر زیبا نمانی

اے طالب تو غیر اللہ سے دل مت لگا اگر تو ان فانی حسینوں سے اپنے دیدہ و دل کو محفوظ نہ رکھے گا تو حق تعالیٰ اپنی محبت کی مٹھاس تجھے نہ عطا فرمائیں گے۔ غیرتِ حق اس دل کو اپنے لیے منتخب نہیں کرتی ہو دوسروں کو بھی اپنا دل دیئے ہوئے ہو۔

مشو مولائے ہر ناشستہ روئے
کہ تا از عشق مولا نا نمانی

اے مشائخ سلوک! تم ہر ناشستہ رو (نا دھلا چہرہ) کے پیر مت بن جایا کرو۔ یعنی طالب کی اہلیت اور عشق صادق کا امتحان کر کے پھر ان کو بیعت کیا کرو۔ بدون پیاس پانی [illegible] عبث پانی اور وقت ضائع کرنا ہے اور ایسے نا اہل مرید اکثر شیخ کی بدنامی کے اور [illegible]سرے مریدین کی [illegible]ابی کے باعث بنتے ہیں یعنی اپنی نا اہلیت

Marfat.com

کے سبب جب نامراد رہتے ہیں تو شیخ پر الزام رکھتے ہیں کہ یہاں سے ہم کو تو کچھ فیض نہ ہوا ایسی باتیں سن کر دوسرے عام طالبین بھی مایوس اور بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

چوں تو ملک ابد جوئی بہمت
ازیں ناں و ازیں شربا نمانی

اے دوستو! جب حق تعالیٰ کی محبت کا ملک لازوال چاہتے ہو تو دنیا کی فانی لذتوں سے بے پروا ہو جاؤ یعنی جو نعمت حلال کی بدون کاوش مل جائے شکر کر کے استعمال کر لو مگر نہ حرام کے قریب جاؤ نہ اتنی کاوش کرو کہ ذکر و فکر اور معمولات کا وقت بھی نہ ملے کیونکہ فراغ قلب اور فراغ وقت اس راہ کی اساس ہے۔

دلا در دہا خون شو کہ بودی
بداں صحرا و ہامون شو کہ بودی

اے دل! جا، جا جیسے پہلے خون تھا پھر خون ہو جا یعنی حق تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی آرزو کا بخوشی خون کر دے۔ جس صحرا سے ہو آیا ہے اسی کی طرف رجوع ہو جا۔ صحرا اور ہاموں مترادف المعنی ہیں یعنی دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔

دریں خاکستر ہستی چہ غلطی
در آتشدان و کانون شو کہ بودی

اے دل! اس خاکی تن میں کیا لوٹ پوٹ کر رہا ہے۔ آتشِ عشقِ حقیقی میں کود پڑ کہ تیرا اصل مرکز وہی ہے۔

دریں چوں شد چگونہ چند گردی
در آن تعریف بیچوں شو کہ بودی

تو دنیا کے چوں اور چگونہ میں کب تک پڑا رہے گا ارے اُس ذات پاک سے رابطہ قائم کر لے جو بے کیف اور بے چوں ہے۔

رہا کن نظم کردن دُر و جوہر
بدریا دُرِّ مکنوں شو کہ بودی

اے نادان موتی اور جواہرات کا پرونا (نظم کرنا) ترک کر اور دریائے حق میں پوشیدہ موتی ہو جا کہ تو

Marfat.com

پہلے وہیں تھا یعنی ان فانی علائق سے خود کو آزاد کر کے تعلق مع اللہ کی دولت حاصل کر۔

بجو روم از کف دلبر شرابے
شدم معمور در صورت خرابے

میں نے اپنے محبوب مرشد سے معرفت و درد محبت کا سبق سیکھا ہے طالبین مشائخ کی صحبت سے اپنی جانوں کی رہنمائی پاتے ہیں۔

مرا آں مہ یکے شکلے نمود ست
کہ یہی صدمہ نہ بیند آں بخوابے

مجھے فیض مرشد حق تعالیٰ کی محبت کا وہ لطف چکھا رہا ہے جس کے سامنے کائنات کی سب لذات ہیچ ہیں۔

بسوزد گہ دلم گہ خام گردد
بمانند دلم نبود کبابے

میرا دل کبھی جل جاتا ہے اور کبھی خام رہتا ہے خدائے پاک کی محبت میں میرے دل کی طرح کوئی کباب نہیں ہے۔

بہشت اندر رہش کمتر مقالے
خرد پیش درش کمتر حجابے

حق تعالیٰ کی محبت اور ذکر وفکر کی لذت کے سامنے بہشت کیا ہے اور عقل تو ان کے دروازہ پر ایک حقیر حجاب ہے۔

جہاں جملہ نور صاف می بیں
کہ ماہے می درخشد اندر آبے

تمام کائنات کو مثل آئینہ سمجھ کہ چاند پانی ہی پر عکس ڈالتا ہے۔

کسے راکش بود خُلق خدائی
از دیا بند جا نہار رہنمائی

جس شخص نے اخلاق الٰہیہ سے اپنے اخلاق کو آراستہ کرلیا ہے ایسی کاملین بندوں سے دوسرے لوگ اپنی جانوں کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

Marfat.com

بروز پنج نوبت بر در او
ہمی گو بند کوس کبریائی
اگر افتد بگوشت صوت آن کوس
ز کبر و از حد یابی رہائی

چند دن کسی اللہ والے کے پاس رہ لو کیونکہ ان کے پاس حق تعالیٰ کی محبت کا ایسا لذیذ درد ہوتا ہے کہ جس کی آواز سے اگر تمہارے کان آشنا ہو گئے تو روح کی خطرناک بیماریوں مثل تکبر و حسد وغیرہ سے تم خلاصی پا جاؤ گے۔

زمیں خود کے تواند بند کردن
مرآ نزاکش بود روح سمائی

زمین (قبر) کب اس کو اپنے اندر بند کر سکتی ہے جس کی روح آسمانی ہو یعنی جس روح نے حق تعالیٰ سے رابطہ قائم کر لیا اور اپنے مولیٰ کو راضی کر لیا وہ اس جسم سے الگ ہو کر علیین میں مقیم ہو گی جو ساتویں آسمان پر نیک بندوں کا منتظر گاہ ہے۔

عنایت گر ز یزداں بر تو باشد
چہ غم گر تو بطاعت کمتر آئی

اگر حق تعالیٰ کی عنایات تیرے اوپر ہیں تو پھر تجھے اپنی اطاعت کی کمی کا کیا غم ہے یعنی بیماری اور معذوری میں اگر طاعت کم ہو سکے تو گھبرائے نہیں کہ بیمار و کمزور بندوں سے حق تعالیٰ زیادہ قریب ہوتے ہیں جس طرح کہ ماں بیمار بچے کے سرہانے بیٹھی رہتی ہے اور تندرست بچوں پر یہ عنایت نہیں کرتی۔

***

Marfat.com

آسمانِ علم و زُہد کا چمکتا ستارہ، عبادت و فقر کا نمونہ، اولیاء اللہ میں مقام اولین کی حامل، عشقِ الٰہی کا نشان، عصمت و عفت کا نمونہ

قلندرِ اکمل

سیرت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

- قلندرِ اکمل۔ اولیاء کی سردار
- انتہائی غریب گھرانے میں پیدا ہوئی بچپن میں کسی نے اغوا کر کے فروخت کر دیا۔
- ان کی پاک طنیت نے انہیں رہائی دلائی ساری زندگی گوشہ نشینی اور تجرد میں بسر کی۔
- صحرا میں رہیں۔ بڑے بڑے ولی، بزرگ، محدث اور شیخ ان کے معتقدین تھے۔
- مالک بن دینارؒ، رباح بلخیؒ، سفیان ثوریؒ، شفیق بلخیؒ جیسے لوگ اسی قلندرِ اکمل سے فیض پاتے۔
- عشق حقیقی میں وہ بے غرض محبت پر یقین رکھتی تھیں نہ جہنم کا ڈر نہ جنت کا لالچ، عبادت، ریاضت، تصوف، عشق الٰہی میں ڈوبی ایک ایسی کتاب جو آپ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

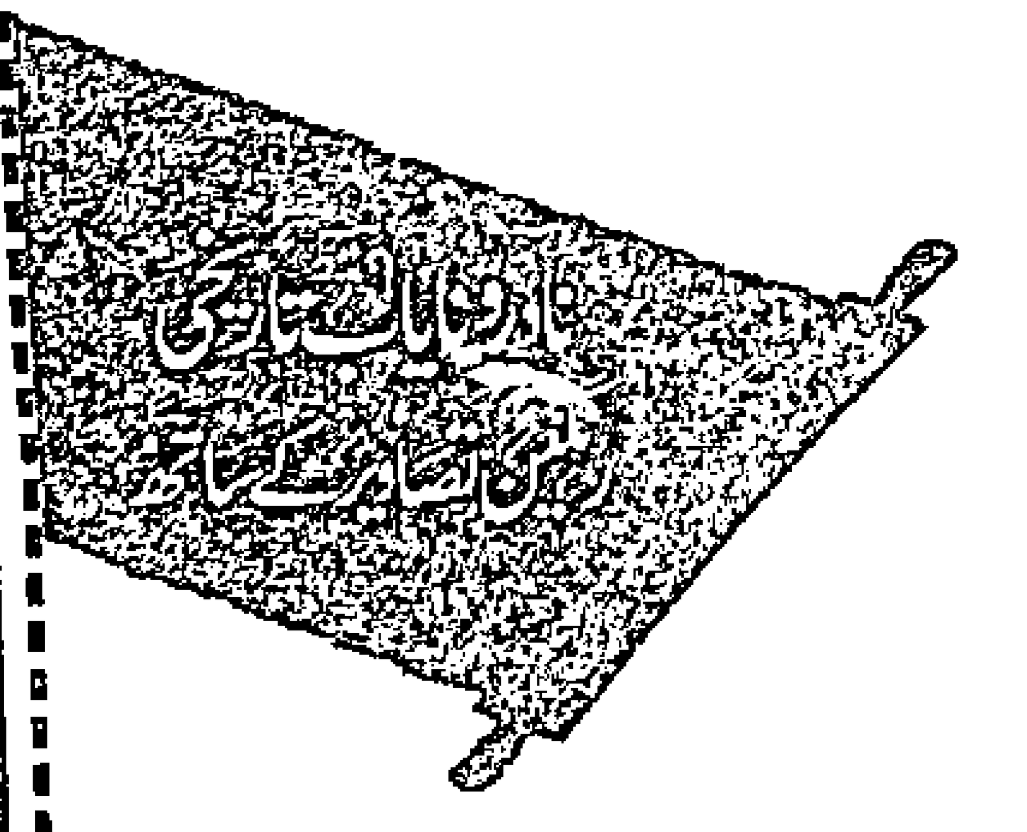

دُعا پبلی کیشنز

الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور فون: 042-37233585

E-mail: duapublications@yahoo.com

DUA PUBLICATIONS

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کی عظیم تحقیقی کتابیں

تہذیب و ترجمہ
معاذ ہاشمی

افضل البشر خیر الرسل خاتم النبیین

حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نائب پیغمبر، خلیفہ اوّل، رفیق ہجرت، سپہ سالار، عقیدہ ختم نبوت

سیرت سیدنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفہ دوم، فاتح عالم، بانی سلطنت اسلامیہ، عاشق رسول، مجتہد اعظم

سیرت سیدنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفہ سوم، کامل الحیاء والایمان، کاتب وحی، داماد رسول، غنی اعظم

سیرت سیدنا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر محمد طہٰ حسین

خلیفہ چہارم، داماد رسول، شیر خدا، فاتح اسلام

سیرت سیدنا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نبی کریمؐ سے محبت کا اِستعارہ
ماں سے محبت اور خدمت کی لاثانی مَثال

عَاشق مَحبوبؐ

سیرت حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

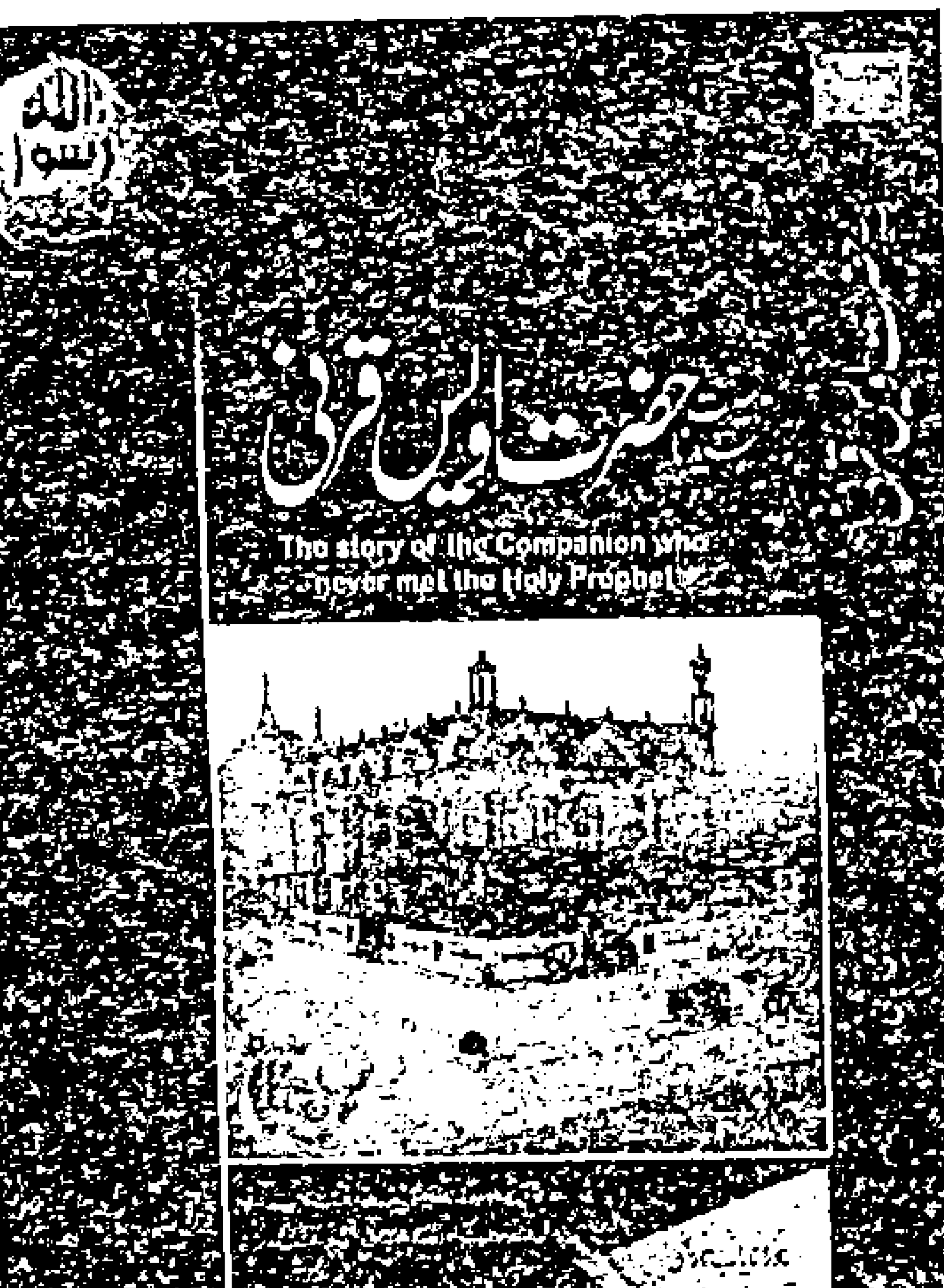

- اویس بن عامر زہد و عبادت کے پیکر
- ماں سے محبت کا ایک استعارہ
- جن کے ہر عمل سے مجذوبانہ شان جھلکتی تھی
- ایک انسان جو بڑی شان اور احترام والے تھے
  حضرت عمر فاروقؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت
  کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی۔
- محبت، احترام، خلوص، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ڈوبے
  ایک ایسے شخص کی داستان جس نے ماں کے احترام
  میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضری تو نہ دی لیکن
  بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں یہ حاضری قبول و منظور ہوئی
- اللہ کے محبوب عاشق کا تذکرہ جس پر انسانیت فخر
  کرتی ہے۔
- انتہائی سلیس انداز میں ایک بے مثال کتاب۔

نادر نایاب تاریخی
رنگین تصاویر کے ساتھ

دُعا پبلی کیشنز

الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور فون: 042-37233585
E-mail: duapublications@yahoo.com

DUA PUBLICATIONS

Marfat.com

دُختر رسولؐ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رفیق حیات

حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ

تحقیق وتالیف
معاذ ہاشمی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی

سیرت فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنہا

- ملت اسلامیہ بلاشبہ اس بات پر متفق ہے کہ دُختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فاطمہ رضی اللہ عنہا'' دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی اور اعلیٰ خاتون ہیں۔
- حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔
- خصوصاً اس انتشار کے دور میں ان کی سیرت ہر مسلمان خاتون کو پڑھنی چاہیے
- ایک عظیم شخصیت کی سیرت و کردار اور عمل کی عکاسی، ایک خراج تحسین۔
- حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پاک پر مکمل کتاب۔
- معاذ ہاشمی کے قلم کا شاہکار۔

دُعا پبلی کیشنز
الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور فون:042-37233585
E-mail: duapublications@yahoo.com
DUA PUBLICATIONS

Marfat.com

بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول ہماری تاریخی، علمی، دلچسپ اور معلوماتی کتابیں

زندگی بدل دینے والی کتابیں

ہر گھر کی ضرورت، بہترین، خوبصورت، دیدہ زیب کتب

1 ○ حیات محمد ﷺ (سیرت نبی کریم ﷺ پر بہترین کتاب) — محمد حسین ہیکل/معاذ ہاشمی

2 ○ الصدیق ابوبکرؓ (سیرت سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ) — محمد حسین ہیکل/معاذ ہاشمی

3 ○ الفاروق عمرؓ (سیرت سیدنا حضرت عمر فاروقؓ) — محمد حسین ہیکل/معاذ ہاشمی

4 ○ عثمانؓ ابن عفان (سیرت سیدنا حضرت عثمان غنیؓ) — محمد حسین ہیکل/معاذ ہاشمی

5 ○ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ (سیرت سیدنا حضرت علی ابن طالب) — طہٰ حسین/معاذ ہاشمی

6 ○ رسولِ خدا کی بیٹی (سیرت سیدنا حضرت فاطمۃ الزہراؓ) — معاذ ہاشمی

7 ○ حضرت خالد بن ولیدؓ (سیف اللہ) — صادق حسین صدیقی

8 ○ عاشقِ محبوب ﷺ (سیرت سیدنا حضرت اویس قرنیؒ) — معاذ ہاشمی

9 ○ قلندرِ اکمل (سیرت حضرت رابعہ بصری) — معاذ ہاشمی

10 ○ محمد بن قاسم (فاتح سندھ) — صادق حسین صدیقی

11 ○ طارق بن زیاد (فاتح اندلس) — صادق حسین صدیقی

12 ○ سلطان محمود غزنوی (بت شکن) — صادق حسین صدیقی

13 ○ مُرشد رومی (حضرت شمس تبریزؒ) بمعہ دیوان شمس تبریز — معاذ ہاشمی

14 ○ حکایات رومیؒ — مولانا جلال الدین رومی

15 ○ حکایات سعدی — شیخ سعدی شیرازی

16 ○ ٹیپو سلطان — معاذ ہاشمی

17 ○ سقراط — کورامیسن/معاذ ہاشمی

18 ○ سکندر اعظم — ہیرلڈ لیم/معاذ ہاشمی

19 ○ امیر تیمور — ہیرلڈ لیم/معاذ ہاشمی

20 ○ چنگیز خان — ہیرلڈ لیم/معاذ ہاشمی

Marfat.com